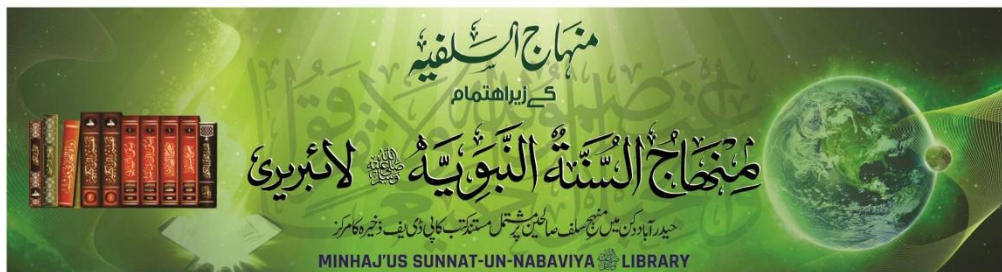
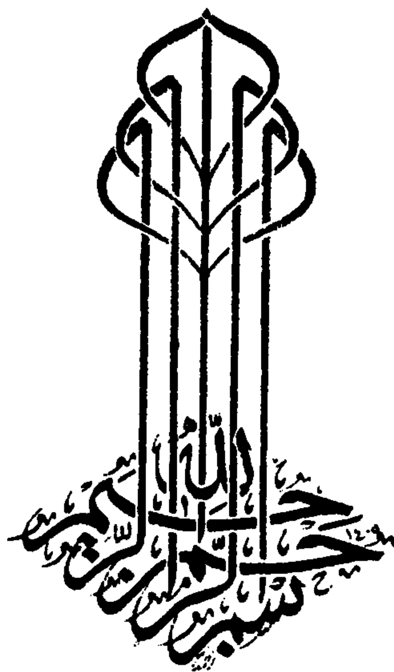
رہبر خطابت

محمد عطاء الرحمٰن مدنی
ڈاکٹر فضل الرحمٰن مدنی
احمد مجتبیٰ سلفی مدنی
رفیق احمد سلفی
محمد اشفاق سلفی مدنی
ڈاکٹر جنید حارث
ڈاکٹر عبید الرحمٰن مدنی
فضل اللہ انصاری
تنویر ذکی نور
ابراہیم سجاد تیمی

الکتاب انٹرنیشنل


منہاج السلفیہ
کے زیراهتمام
مِنهاجُ السُّنّةُ النّبوِيّهُ ﷺ لائبریری
حیدرآباد دکن میں منہج سلف صالحین پر مشتمل مستند کتب کا پی ڈی ایف ذخیرہ کا مرکز
MINHAJ'US SUNNAT-UN-NABAVIYA ﷺ LIBRARY

رہبر خطابت


بسم الله الرحمن الرحيم

رہبر خطابت

محمد عطاء الرحمٰن مدنی
احمد مجتبیٰ سلفی مدنی
محمد اشفاق سلفی مدنی
ڈاکٹر عبید الرحمٰن مدنی
تنویر ذکی نور

ڈاکٹر فضل الرحمٰن مدنی
رفیق احمد سلفی
ڈاکٹر جنید حارث
فضل اللہ انصاری
ابراہیم سجاد تیمی

الکتاب انٹرنیشنل
جامعہ نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

فہرست مضامین

مقدمہ

منبر خطبۂ جمعہ اور عام خطبات سے عبارت ہے جو اسلام کے پیغام کی نشر و اشاعت کا سب سے اہم، مؤثر ترین اور اعتماد بخش ذریعہ ہے۔ مذہب اسلام میں ہمیشہ خطابت کی اہمیت مسلم رہی ہے اور تعمیر ملت میں اس کا بنیادی کردار رہا ہے۔ یہ منبر اپنی گرمی خطابت سے مردہ دلوں کو زندہ اور خوابیدہ جنوں کو بیدار کرتا ہے۔ اسی منبر سے انسانیت کو ہدایت کی روشنی، عزائم کو بلندی، قوت فکر عمل کو بالیدگی، ہر دھڑکتے دل کو سکون اور دین پر چلنے والوں کو شعور آگہی نصیب ہوتی ہے۔

یہ منبر وعظ و نصیحت کا امین، دعوت و ارشاد کا علمبردار اور توضیح و تشریح و تبلیغ کا بے نظیر وسیلہ بھی ہے۔ یہاں سے جاہل وان پڑھ دین اور علم سیکھتا ہے، غفلت کا شکار بیدار ہوتا ہے اور کچھ دریافت کرنے والوں کو دریافت کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔

اس منبر سے خطیب اُمت اسلامیہ کے مختلف مسائل کا احاطہ کرتا ہے اور ترغیب وترہیب، قصص و امثال، حقائق و عبرتیں اور اپنی عقل و دانشمندی کے ذریعہ ان مسائل کا حل بھی پیش کرتا ہے، یہاں تک کہ ہر شخص کا ایمان تازہ ہو جائے، ہر نقص کا ازالہ ہو جائے، ہر عاصی تائب، ہر گمراہ ہدایت یافتہ، ہر عاقل اپنے قید غفلت اور ہویٰ وہوس کے گرفتار اپنی خواہشات کے ہر پھندے سے آزاد ہو جائیں۔ چنانچہ اس کے ذریعہ طبیعتیں پاکیزہ اور دل منور جاتے ہیں جو اپنے دین میں نئی روح پھونکتے ہیں اور اپنے رب کی دعوت کو عام کرتے ہیں اور اس سے امت کی عظمت رفتہ رفتہ لوٹ آتی ہے۔ لہٰذا اس سے بڑا کون سا کام اور اس سے زیادہ محترم کون سا عمل ہو سکتا ہے۔

"اسلام میں جمعہ کے خطبے کی اہمیت"

مذہب اسلام میں خطبۂ جمعہ کا ایک مقام ومرتبہ ہے۔ اس کے کچھ مقاصد اور پیغام ہیں، نیز اس کے کچھ آداب وآثار ہیں اور وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ خطبۂ جمعہ کی اہمیت اور شرف کے لیے یہی کافی ہے کہ اس کا استعمال خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے جو آدم کی اولاد کے سردار ہیں، اس کے بعد علماء ودعاۃ میں جس نے بھی امت کی قیادت کی اس نے اس خطبہ کو حرز جاں بنایا ہے۔

۲۔ یہ خطبہ اسلام کے شعاروں میں سے ایک شعار ہے اور ہفتہ کے سب سے بہترین دن جو کہ مسلمانوں کے لیے عید کا دن ہے جسے جمعہ کہا جاتا ہے اور روئے زمین کے سب سے بہتر اور پاکیزہ خطہ یعنی اللہ کا گھر مسجد میں اس کو پیش کیا جاتا ہے۔

۳۔ یہ خطبۂ پیغام کو پہنچانے کا ایک عمدہ ذریعہ اور دعوت کو پھیلانے کا ایک منبر ہے۔ جس میں اچھائی کا حکم دیا جاتا ہے اور برائی سے روکا جاتا ہے، جس میں تربیت اور تعلیم مضمر ہوتی ہے اور اس میں تہذیب وتمدن کے اشارے بھی ہوتے ہیں۔

۴۔ اس خطبہ سے جمہور کے شعلۂ جذبات کو بھڑکایا جاتا ہے، ان کے جمود کو حرکت دی جاتی ہے، عقلوں کو بیدار کیا جاتا ہے اور ان کے سامنے حق کو راسخ کیا جاتا ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو، جب کہ سنی ہوئی بات، پڑھی ہوئی بات کے مقابلہ میں انسان کی زندگی میں زیادہ اثر انداز، قوی اور زور آور بھی ہوتی ہے اور احساس کو اپیل کرنے والی ہوتی ہے۔

۵۔ یہ خطبہ داعی اور دعوت کے لیے ایک زریں اور سنہرا موقع ہے، صلاۃ جمعہ کی ادائیگی کے لیے لوگوں کی حاضری، دونوں خطبہ کے لیے واجبی طور پر لوگوں کی خاموشی اور مزید یہ کہ اس میں ہر طرح کے امیر وغریب، چھوٹے، بڑے، سبھوں کی شرکت ہوتی ہے اس میں نہ انقطاع ہے نہ نقصان بلکہ ہر جمعہ کو یہ عمل دہرایا جاتا ہے۔

۶۔ ہمارے اس دور حاضر میں جب کہ دین کے تعلق سے شکوک وشبہات اور چیلنجز واعتراضات کا ایک طوفان کھڑا ہے ایسے حالات میں دین کی صحیح تعبیر وتشریح کے لیے یہ خطبہ سب سے اہم وسیلہ ہے۔ اور جن لوگوں نے صراط مستقیم سے لوگوں کو ہٹانے اور مختلف اسالیب کے ذریعہ ناظرین کے قلوب کو دین سے پھیرنے کی پیہم ممکن کوشش جاری رکھی ہے اور جاہلوں کو دام فریب میں مبتلا کر رکھا ہے اس کی قلعی کھولنے کے لیے یہ خطبہ سب سے زیادہ مؤثر ہے۔

اول: خطبۂ جمعہ سے متعلق مختصر احکامات

جمعہ کی نماز کے لیے خطبہ کا حکم:

خطبۂ جمعہ کی نماز کی صحت کے لیے شرط ہے یا نہیں اس میں اہل علم نے اختلاف کیا ہے۔ جس میں دو طرح کے اقوال ہیں:

۱۔ جمہور فقہاء کا قول ہے کہ خطبہ جمعہ کی نماز کے لیے شرط ہے یہی قول احناف کا ہے، جمہور مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کا بھی ہے۔

۲۔ یہ خطبہ نفل ہے۔

راجح قول: جمہور کا قول راجح ہے، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مداومت اور سلف صالحین کا عمل اس کے اثبات پر ہے اور اس کے عکس پر انکار کیا ہے۔

صلاۃ جمعہ کے لیے دو خطبے شرط ہیں: دلیل یہ ہے: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے دیا کرتے تھے اور دونوں کے مابین بیٹھتے بھی تھے۔

دوم: شروط خطبہ

۱۔ نیت: جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سارے اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر انسان کے لیے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی اور یہی خطبہ عبادتوں میں

سے ایک عبادت ہے، لہٰذا اس میں نیت ضروری ہے جیسا کہ دوسری عبادتوں میں بھی نیت ضروری ہے۔

۲۔ خطبہ کے لیے جماعت میں حاضر ہونا ضروری ہے تا کہ اس کا مقصد اصلی وعظ و نصحت کی تکمیل ہو۔

۳۔ خطبۂ جمعہ کا وقت داخل ہونے کے بعد ہو۔

۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو نمونہ بناتے ہوئے خطبہ نماز سے پہلے ہو۔

۵۔ خطیب اگر کھڑا ہونے پر قادر ہو تو کھڑا ہو کر خطبہ دے۔

۶۔ خطبہ بلند آواز سے دے، اس لیے کہ یہ مقصد کی تکمیل اور اس کی ادائیگی کا ایک ذریعہ ہے۔ اصول فقہ کا یہ ایک مسئلہ ہے کہ جس کے بغیر واجب کی ادائیگی نہ ہو وہ بھی واجب ہے۔

۷۔ خطبۂ جمعہ عربی زبان میں ہو: بشرطیکہ اکثر سامعین عربی سمجھتے ہوں، اس کے معانی و مفہوم کا ادراک رکھتے ہوں، تا کہ عربی زبان سیکھنے کی بھی امید ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ کی مخالفت بھی نہ ہو۔ ہاں اگر مسجد میں موجود سامعین کی اکثر تعداد عربی زبان سمجھنے سے قاصر ہو تو دوسری زبانوں میں خطبے دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیوں کہ خطبہ میں اصل چیز سکھانا اور دین کی تشریح کرنا ہے نہ کہ صرف خطبہ پیش کر دینا ہے۔ البتہ اس میں عربی میں آیات کا پڑھنا اور پھر اس کا ترجمہ کرنا ضروری ہے۔

۸۔ خطبہ کے اجزا اور جمعہ کے خطبے و نماز کے مابین فاصلہ نہ ہو۔

سوم: خطبۂ جمعہ کے ارکان

راجح قول یہی ہے کہ خطبۂ جمعہ کے ارکان نہیں ہیں، بلکہ عرف عام میں خطبہ کا اطلاق جس پر ہوتا ہے وہ خطبہ میں شامل ہے۔ لیکن کمال خطبہ یہ ہے کہ خطیب درج ذیل

امور کو مدنظر رکھے:

۱۔ اللہ کی تعریف بیان کرنا۔

۲۔ کلمۂ شہادتین کو پڑھنا۔

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا۔

۴۔ وعظ ونصیحت کرنا۔

۵۔ قرآن کریم کی کچھ آیتوں کی تلاوت کرنا۔

۶۔ تقویٰ کی وصیت کرنا۔

چہارم: خطبۂ جمعہ کی سنتیں

۱۔ خطبہ منبر پر ہو۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا، اور سنت یہ ہے کہ منبر کے تین زینے ہوں، جیسا کہ منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین زینے تھے۔

۲۔ منبر پر چڑھنے سے پہلے خطیب اپنے اردگرد کے آدمیوں کو سلام کرے۔ یہ واضح رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہیں کہ آپ خطبہ سے پہلے نماز پڑھتے تھے۔ اس لیے کہ آپ منبر کے لیے نکلتے تو مؤذن آپ کے سامنے اذان دیتا اور پھر آپ خطبہ دیتے تھے۔

۳۔ خطیب جب منبر پر چڑھے تو لوگوں کو سلام کرے۔ جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب منبر پر چڑھتے تو سلام عرض کرتے تھے۔

۴۔ جب تک مؤذن اذان سے فارغ نہ ہو جائے خطیب منبر پر بیٹھا رہے۔

۵۔ سنت یہی ہے کہ جمعہ کے لیے ایک ہی اذان ہو جب خطیب منبر پر بیٹھے، جیسا کہ عہد نبوی، عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں رائج تھا۔ لیکن جب جمعہ کے وقت کے داخل

ہونے کی معرفت ممکن نہ ہوئی تو اذان عثمانی کی علت کی مشرعیت کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ دور عثمانی میں مدینہ کے بازار میں یہ اذان دی جانے لگی، تا کہ لوگوں کو جمعہ کے وقت کے شروع ہونے کا علم ہو جائے۔

۶۔ مستحب یہ کہ خطبۂ جمعہ خطبۂ حاجت کے ذریعہ شروع ہو جس کے الفاظ یہ ہیں:

"إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ، نَحْمَدُهُ وَ نَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا، وَسَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضْلِلْ فَلاَ هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيْكَ لَهُ،وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ"

"يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوْا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلاَ تَمُوْتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ" (آل عمران:102)

"يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيْراً وَّنِسَآءً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْباً" (النساء:1)

"يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلاً سَدِيْداً، يُّصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِيْماً" (الأحزاب:70-71)

"فإن أصدق الحديث كتاب الله، وأحسن الهدي هدي محمد صلى الله عليه وسلم، وشر الامور محدثا تها، وكل محدثةٍ بدعة وكل بدعة ضلالة، وكل ضلالةٍ في النار". (۱)

(۱) خطبة الحاجة التى كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلمها أصحابه، الشيخ: محمد ناصر الدين الألباني، المكتب الإسلامي۔بيروت۔1400۔

۷۔ خطیب اپنے خطبہ کے ساتھ منفعل بھی ہو، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ میں سے یہ ہے کہ جب آپ خطبہ دیتے تھے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں، آواز بلند ہو جاتی اور غصہ تیز ہو جاتا تھا جیسا کہ حضرت جابر سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں، آواز بلند ہو جاتی اور غصہ تیز ہو جاتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ گویا کسی لشکر کو ڈرا رہے ہوں، اور کہنا چاہتے ہوں کہ صبح کو دشمن حملہ آور ہونے والا ہے اور شام کو دشمن تم کو دبوچنے والا ہے۔ (مسلم:۸٦۷)

۸۔ مستحب یہ ہے کہ خطبہ مختصر اور نماز لمبی ہو، چنانچہ حضرت عمار بن یاسر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے میں نے سنا کہ آدمی کی نماز کا لمبا ہونا اور خطبہ کا مختصر ہونا اس کے سمجھ دار اور فقیہ ہونے کی علامت ہے۔ لہٰذا نماز لمبی کرو اور خطبہ مختصر دیا کرو اور بے شک بعض بیان جادو ہوتا ہے۔ (مسلم:۸٦۹)

۹۔ دونوں خطبوں کے درمیان خطیب مختصر بیٹھے۔ دونوں خطبوں کے درمیان فصل اور استراحت کے لیے یہ مشروع ومسنون ہے۔ اس موقع پر دعا کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی ان لطیف لمحوں میں کوئی خاص دعا کرنا چاہتا ہے تو کرے لیکن حاضرین کو خلل میں نہ ڈالے۔ اور ہر آدمی اپنے ہاتھ نہ اٹھائے، تب تو یہ جمعہ کے شعاروں میں سے ایک شعار بن جائے گا جب کہ سنت میں اس کا کوئی نمونہ موجود نہیں ہے۔

۱۰۔ خطیب کے لیے یہ جائز ہے کہ اگر اس کے سامنے کوئی مصلحت ہو تو وہ بعض نمازیوں سے اثنائے خطبہ کلام کر سکتا ہے جیسا کہ کوئی آدمی دوران خطبہ آئے اور فوراً بیٹھ جائے تو اسے کہے کہ دو رکعت ادا کرو پھر بیٹھو۔ جیسا کہ

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کے لیے آئے اور خطیب خطبہ دے رہا ہو تو چاہیے کہ دو رکعت ادا کرے۔ (ابن خزیمہ)

۱۱۔ خطیب دوران خطبہ اپنا ہاتھ نہ اٹھائے بلکہ اپنی انگلیوں کو اٹھائے۔ چنانچہ مسلم شریف میں حضرت حصین بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے اپنے ہاتھ کو اس سے زیادہ استعمال نہیں کیا اور اپنی شہادت کی انگلی کی طرف اشارہ کیا۔ مگر جب استسقاء کی دعا ہوتی تو آپ ہاتھ اٹھاتے اور یہ بارش ہونے کے لیے یا اس کی زیادتی کے لے یا تخفیف کے لیے دعا کرتے تو آپ کے دونوں ہاتھ اوپر اٹھ جاتے تھے۔

”کامیاب خطیب کے اوصاف اور خطبہ“

اول: ذاتی طور پر

۱۔ اخلاص کا پایا جانا۔ جیساک اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں، اسی کے لیے دین کو خالص رکھیں۔ ابراہیم حنیف کے دین پر اور نماز کو قائم رکھیں اور زکوۃ دیتے رہیں، یہی ہے دین سیدھی ملت کا۔ (البینہ:۵)

۲۔ اتباع سنت: اپنے خطبہ اور اپنے کلام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہو۔ کہہ دیجیے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔ اور تمہارے گناہ معاف فرمادے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ (آل عمران:۳۱)

۳۔ اسلام کے تمام اخلاق فاضلہ سے آراستہ ہو، برے اخلاق اور برے اخلاق کی طرف پہنچانے والے تمام اقوال واعمال سے اپنے آپ کو دور رکھے تاکہ خطیب ایک نمونہ اور مقتدی بن کر سامنے ہو۔ سبھوں کی قیادت کرے، اور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرے۔

۴۔ ایک مومن دوسرے سے محبت کرتا ہے اور اس سے محبت کی جاتی ہے۔ ایک ماہر خطیب اور اخلاق مند داعی کی یہ علامت ہے کہ وہ لوگوں سے محبت رکھے اور لوگ اس سے محبت کریں۔ وہ لوگوں کی خدمت کرے، ان کے لیے قربانیاں دے اور لوگ اس کے ساتھ بیٹھنا پسند کریں، خطیب لوگوں کے سامنے خود کو پیش کرنے میں حکمت سے کام لے، وہ ہمیشہ صبر کا پیکر ہو اور سامعین کی غلطیوں کی نشاندہی کرے تو عمدہ طریقے سے کرے۔

۵۔ خطیب کا عمل اس کے قول کی تصدیق کرے، احکام اسلام کی عملی زندگی میں ایسی تطبیق ہو کہ اس میں دوسروں کو سیکھنے کا امکان موجود ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ''اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو ایسی بات کیوں کہتے ہو جو تم خود کرتے نہیں ہو''۔ (الصّف:2)

۶۔ قبائلی، نسلی، ملکی، جماعتی، مسلکی، مذہبی یعنی ہر طرح کے تعصب سے پاک دامن ہو اور جو کچھ بھی ہو وہ صرف قرآن، سنت، دین اور ملت کے لیے ہو۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول: اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ متحد ہو کر پکڑ لو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔ (آل عمران:103)

۷۔ معاشرے میں لوگوں کے اجتماع میں شرکت کرے۔ ہر شرکت مثبت انداز میں ہو، جو اس کی زندگی کو اس خطبہ کا ترجمان بنا کر پیش کرے جو ان لوگوں کے سامنے دیا گیا تھا۔ خطیب لوگوں سے اور مسلمانوں سے کنارہ کش نہ ہو، بلکہ ان میں گھل مل کر رہے، ان پر صبر کرے اور ان کے لیے نمونہ بن جائے۔

۸۔ نمازیوں کے ساتھ ہنس مکھ اور چہرے پر بشاشت ہو، چونکہ خطیب مسلمانوں کا پیشوا ہوتا ہے وہ سب سے اچھے کام کا ذمہ دار ہوتا ہے، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر کھڑا ہوتا ہے۔ چنانچہ لوگوں کے دلوں کو جیتنے کا فن لوگوں کو سننے پر مجبور کر دیتا ہے۔

لہٰذا لوگ دلچسپی سے خطبہ سنتے ہیں، اس کے ارشادات کو اخذ کرتے ہیں اور جو ان کو سکھایا جاتا ہے اس کو عملی زندگی میں اتارنے کی کوشش کرتے ہیں۔

دوم: داخل خطبہ

۱۔ خطبہ کے موضوع کا پورا اہتمام ہو، حتی المقدور خطبہ کی پوری تیاری کی جائے جس سے ایک طرف تو مسلمان کو حقیقی مسلمان بنانے میں مدد ملے، تو دوسری طرف شریعت کی تنفیذ میں جو کمی اور سستی ہو اس کا علاج بھی ہو جائے، تیاری کچھ اس طرح سے ہو:

مناسب تیاری یہ ہے کہ خطیب جو خطبہ میں کہنا چاہتا ہو اس کو لکھ لے۔ خطبہ دینے سے پہلے اسی خطبہ کو کئی بار پڑھ ڈالے، یہاں تک کہ مشکل الفاظ کی ادائیگی آسان ہو جائے اور زبان اس کے لیے سہل ہو جائے۔

خطبہ کی ادائیگی کے لیے مناسب آواز: بعض کلمات اور جملوں کے لیے بلند آواز بھاری بھرکم انداز مناسب ہوتا ہے جب کہ بعض کلمات میں پست آواز اور رقت زیادہ مؤثر ہوتی ہے، اس کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

۲۔ زبان وادب کا لحاظ: ارشاد باری ہے: بے شک ہم نے قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا تاکہ تم لوگ سمجھ سکو۔ (یوسف:۲)

چنانچہ اگر خطبہ سننے والے عرب لوگ ہوں تو ضروری ہے کہ خطبہ فصیح عربی میں ہو۔ اور اگر خطبہ سننے والے عجمی ہوں تو جس زبان میں خطبہ دیا جائے اس میں فصیح ہونا ضروری ہے۔

زبان کی فصاحت وبلاغت درج ذیل باتوں سے ممکن ہے:

۱۔ مناسب مواقع پر سکتہ کرنا، جس سے معنی واضح اور روشن ہوں۔

۲۔ کلمات پورے طور پر ادا ہوں۔

۳۔ آواز مکمل صاف اور واضح ہو۔

۴۔ حروف اور جملوں کی ادائیگی میں خلل نہ ہو۔

۵۔ سرعت بے جا اور اکتا دینے والی دھیمی رفتار سے احتراز ہو۔

مناسب ہے کہ جمعہ کا خطبہ ایک ہی موضوع کے تحت ہو اور واضح ہو، موضوع سے ہٹ کر اور مختلف مسائل پر ایک خطبہ میں بات نہ ہو، بلکہ حالات اور موقع و مناسبت کو مد نظر رکھے۔ چنانچہ اگر خطبہ رمضان سے ماقبل کا آخری خطبہ ہو تو اس اس میں استقبال رمضان اور بعض احکام رمضان کے عنوان پر خطبہ ہونا چاہیے۔ اور حج سے پہلے جو خطبہ ہو اس میں حج اور عشرۂ ذی الحجہ کا موضوع ہونا چاہیے اور ہر موسم و مناسبت پر اس کی مناسبت سے ہی خطبہ ہونا چاہیے جس کی اہمیت اس وقت نمازیوں کے نزدیک ہوتی ہے۔

خطبہ کے عناصر: یہ ضروری ہے کہ خطبہ کے عناصر آپس میں ایک دوسرے سے مربوط ہوں۔ اور تسلسل برقرار رہے۔ اور ہمیشہ بنیادی نقطۂ نظر خطبہ اور درس میں نمایاں رہے، یہاں تک کہ خطبہ سننے والا یہ محسوس کرے کہ خطیب جو کہنا چاہتا ہے وہ گویا اس کے دل میں ہے۔ اور جب وہ خطبہ سن کر مسجد سے نکلے تو اس کے ذہن میں تمام امور اور مسائل واضح ہوں۔

تمام نمازیوں کو ایک نظر سے دیکھے، چنانچہ خطیب پر ضروری ہے کہ وہ ہر آدمی کی طرف دیکھے خواہ وہ مسجد کے اگلے حصہ میں ہوں یا پچھلے حصہ میں خواہ وہ دائیں طرف ہوں یا بائیں طرف۔ جس سے ظاہر ہو کہ خطیب و مصلی کے مابین کوئی ربط کوئی واسطہ اور کوئی محبت موجود ہے۔

الفاظ کی ادائیگی کے ساتھ اس کے معنی خطیب کے جسم، چہرہ اور آواز میں ہم آہنگی ہو، جو تکلف سے خالی ہو، اس کے اسلوب، حسن ادائیگی، حسن صورت اور مقدمہ کا پورا لحاظ رہے۔

خطبہ کے معنی اور خطیب کی آواز میں ربط پایا جائے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اپنی نغمگی، نشیب وفراز اور سرعت وانداز کے ذریعہ ایک ایک معنی پیدا کرے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں، آواز بلند ہو جاتی اور غصہ تیز ہو جاتا اس حد تک گویا کہ آپ کسی لشکر سے ڈرانا چاہتے ہوں اور کہتے ہوں کہ وہ لشکر تم سے صبح یا شام کو ملنے والا ہے۔

شدت تنبیہ: اثنائے خطبہ زیادہ سے زیادہ آواز کی تبدیلی۔ چنانچہ کبھی سرعت انداز ہو تو کبھی دھیمی رفتار ہو، کبھی آواز بلند ہو تو کبھی پست ہو، آواز کی کرختگی اور اسلوب میں تبدیلی ہو۔ اور جو بہتر اور پسندیدہ اسلوب ہو اس کو اپنایا جائے۔

مناسب مقامات پر سکتہ اور توقف کرنا۔ اس خطیب سے برا اور کون ہو سکتا ہے جس کے پاس وقفات اور سکتات نہ ہوں، جب کہ ہر وقفہ اور سکتہ اگر چہ شدت اختصار کے ساتھ ہو، تاہم اس میں تنبیہ ہوتی ہے، جو سامعین کے ذہنوں کو جھنجھوڑ دیتی ہے۔

خطبہ ترغیب اور ترہیب دونوں سے پر ہو، ایسا نہ ہو کہ خطیب کا پورا خطبہ صرف ڈر اور خوف سے لبریز ہو اور نہ ہی ایسا ہو کہ پورے خطبہ میں ترغیب، امیدیں اور ولولے ہی ولولے ہوں بلکہ امید وخوف، ترغیب وترہیب، اور نواہی واوامر کے توازن کے ساتھ ہو۔ ارشاد باری ہے۔ "اے میرے بندو! بے شک میں بہت زیادہ معاف کرنے والا اور بہت زیادہ رحم کرنے والا ہوں، اور بے شک میرا عذاب، وہ بہت ہی دردناک عذاب ہے"۔

صحیح قصے اور کہانیوں کو بیان کرنا اور اس کے ذریعہ کسی نکتہ پر زور دینا۔ ارشاد باری ہے: "قصے بیان کرو تا کہ یہ لوگ سمجھ جائیں"۔ (اعراف:176)

ان قصوں میں سب سے عمدہ قصے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے پیارے قصے ہیں، یہ پیارے نبی ہی ہمارے لیے آئیڈیل اور نمونہ ہیں۔

ارشاد باری ہے: "رسول اللہ کی زندگی میں تمہارے لیے نمونہ اور آئیڈیل ہے"۔ پھر

دیگر انبیا علیہم السلام کے قصے ہیں، پھر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے قصے ہیں، پھر تابعین کے قصے ہیں بلکہ سماج کی روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے قصے بھی بیان کیے جائیں، کیوں کہ ان میں عجیب تاثیر ہوتی ہے۔

عقلی دلائل کا استعمال جس سے شریعت کی تائید ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے استعمال کیا ہے۔ انداز بیان کی مناسب صفات کا لحاظ مثلاً سرعت کلام، اہم نکات کو دہرانا، خفیف وقفات کا استعمال اہم بات کو پیش کرنے سے پہلے، اسی طرح اہم بات کو پیش کرنے سے پہلے دھیمی رفتار کا استعمال، بلاضرورت لمبے سکتوں کے استعمال سے پرہیز، اہم باتوں پر آواز کو بلند کرنا وغیرہ۔

غسل، صفائی ستھرائی، پاکیزگی، عمدہ لباس، خوشبو، عطر، وغیرہ کا اہتمام کرنا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے فرمایا کہ ہر بالغ پر غسل کرنا واجب ہے اور اگر خوشبو مل جائے تو استعمال کرے اور اپنے پہننے کے کپڑوں کے علاوہ جمعہ کے لیے دو کپڑے رکھے۔

خطبۂ جمعہ سے متعلق پیغام مسجد کانفرس کی کچھ وصیتیں:

زیر اہتمام رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ بتاریخ ۱۳۹۵ھ کی جانب سے۔

اول: مناسب ہے کہ جمعہ کا خطبہ درج ذیل مقاصد کی تکمیل کے لیے ہو:

ا۔ وعظ ونصیحت: اللہ کا ذکر، جزائے آخرت کا بیان، دلوں کو زندہ کرنے والی رب کی آیتوں کو بیان کرنا، خیر کی طرف بلانا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنا۔

ب۔ افراط وتفریط سے بچتے ہوئے اور اخلاق فاضلہ کو اپناتے ہوئے کتاب وسنت کے حقائق کی تعلیم دینا اور مسلمانوں کو دین سمجھانا۔

ج۔ اسلام کی غلط ترجمانی کی تصحیح، حکیمانہ اسلوب کے ذریعہ اعداء کی جانب سے ذہنوں میں ڈالے گئے شکوک وشبہات کا ازالہ اور تردید، گالی گلوچ سے پرہیز کرتے ہوئے باطل نظریات کی تردید اور اس کے بدلے صحیح اسلام کی طرف رہنمائی کرنا، اس حیثیت سے کہ ہر چیز میں امت کا منہج وہی ہونا چاہیے جس کو اللہ تعالیٰ نے پسند کیا ہے اور جس کو امت نے بذات خود اپنے لیے پسند کیا ہے۔

د۔ زندگی سے خطبہ کا ربط پیدا کیا جائے۔ انسان جس سماج اور معاشرہ میں رہتا ہے اس کے اندر پائی جانے والی بیماریوں کو اجاگر کرنا اور اسلام کی روشنی میں سماج کے مسائل کا حل نکالنا، گویا خطیب سماج کو ایک آئینہ دیکھانے کا کام کرے جس سے یہ نظر آسکے کہ دشمنان اسلام نے کیا جال بچھا رکھا ہے اور برائیوں کی کیسی لہر چلا رکھی ہے۔

ھ۔ سالانہ تہوار اور مناسبات کا لحاظ، مثلاً رمضان، حج وغیرہ جو لوگوں کے ذہنوں کو مشغول کر دیتا ہے اور ان میں ایسی معرفت کا اشتیاق بڑھا دیتا ہے جو اس کے راستے کو منور کرے۔

د۔ اسلامی اخوت اور عالم اسلام کے اتحاد کو فروغ دینا، اس بڑی امت کو تفرقہ میں ڈالنے والی مذہبی، ملکی اور مسلکی عصبیت اور عنصریت کو ختم کرنا اور مسلمانوں کے تمام داخلی وخارجی مسائل کے حل کا اہتمام کرنا۔ یہاں تک کہ کوئی مسلمان فکری اور شعوری طور پر عالم اسلام کے اپنے بھائیوں سے کٹا ہوا نہ رہے۔

ز۔ امت کے اندر قوت اور جہاد کی روح پیدا کرنا، اور جذبات کی ایسی چنگاری جلانا جس سے اسلام کے مقدس مقامات اور وطنوں کی حفاظت ہو۔ مسلمانوں کے خون، عزت وآبرو اور مال ومتاع کا تحفظ ممکن ہو۔ عقائد اسلام کا دفاع ہو، شریعت کی تنفیذ وتحفیظ ہو اور ایسا جذبہ عمل ہو جس سے طاغوتی طاقتیں پھر کبھی سر نہ اٹھا سکیں۔

دوم: جمعہ کے خطبہ میں کسی بھی طرح سے کسی بھی شخص، پارٹی یا جماعت اور تنظیم کا اشتہار نہ ہو۔ یہ صرف اور صرف اللہ اور اس کے دین کے لیے خالص ہو، دین کی دعوت وتبلیغ اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ہو۔ (اور بے شک مسجدیں اللہ کے لیے ہیں، لہٰذا اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو)۔ (جن:18)

سوم: مناسب یہ ہے کہ خطبہ سلطان اور حاکم کی جانب سے متعین نہ ہو، جس کو کوئی مشین چلاتی ہے جس میں کوئی روح نہ ہو۔ بلکہ خطیب کو پوری آزادی حاصل ہو کہ کتاب وسنت کی روشنی میں ایک ایک خطبہ کی تیاری میں اس کی عقل اور اس کا ضمیر اس سے راضی ہو۔

چہارم: علماء اور دعاۃ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ مختلف اسلامی عناوین پر متنوع مضامین تیار کریں جس میں قرآن وحدیث، سیرت، تاریخ، اقوال، اچھے اشعار، امثال وشواہد اکٹھے کر دیئے جائیں۔ تا کہ وہ عالم اسلام کے چپہ چپہ میں خطیبوں تک پہنچ جائے۔ اور خطبہ کی تیاری میں حاجت منداس سے استفادہ کر سکے۔

پنجم: خطبہ کی تیاری میں صرف مستند اسلامی مراجع ومصادر کا استعمال کیا جائے۔ اور پوری کوشش ہو کہ ضعیف، موضوع احادیث، اسرائیلی روایات، جھوٹے قصے، مبالغہ آرائی اور وہر وہ بات جو نقل صحیح اور عقل سلیم کے منافی ہو اس سے اجتناب کیا جائے۔

ششم: ضروری ہے کہ عرب ممالک میں دیے جانے والے خطبے فصاحت وبلاغت سے پر، آسان اور عام فہم ہوں، غیر فصیح زبان اور کافیہ وسجع بندی اور سماعت پر بار گزرنے والے الفاظ سے پرہیز ہو۔

ہفتم: خطبہ بالکل طبعی طور پر، گلوکاری، چیخ وپکار اور تکلفات سے دور ہو۔

ہشتم: خطبہ اتنا لمبا نہ ہو کہ سامعین پر بار گزرے اور اتنا چھوٹا بھی نہ ہو کہ معنی میں خلل انداز ہو جائے اور موضوع دم بریدہ رہ جائے۔

نہم: خطبہ عیدین کے لیے بھی وہی سارے اصول وضوابط ہیں جو جمعہ کے خطبہ کے لیے ہیں البتہ عیدین کی مناسبت کا لحاظ رکھا جائے اور سالانہ طور پر اسلام کی بنیادی چیزوں پر روشنی ڈالی جائے۔

"کتاب سے استفادہ کے لیے خطباء کو بعض وصیتیں"

۱۔ خطبہ کے انتخاب میں موقع ومحل کا ضرور لحاظ رکھا جائے۔ وقت سے بہت پہلے پیش کر دیا جائے اور نہ ہی تاخیر کی جائے بلکہ ہمیشہ مناسب موقع ومحل کا لحاظ رکھا جائے۔ مثلاً استقبال رمضان کا موضوع شعبان کے آخری خطبہ میں ہونا چاہیے، یہ غیر مناسب بات ہے کہ اس سے پہلے ہو جائے یا بعد میں ہو۔

۲۔ خطبہ کے لیے جس موضوع کا انتخاب ہو اس میں زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرے۔ اس لیے کہ علم اس دنیا میں بلندی عطا کرتا ہے اور آخرت میں بھی۔

۳۔ ارشاد نبوی ہے کہ ایک عالم کی فضیلت ایک عابد پر ویسی ہی ہے جیسا کہ میری فضیلت تم میں سے ایک ادنیٰ آدمی پر ہے۔

۴۔ ضروری ہے کہ خطیب اپنے خطبہ کے موضوع کی وضاحت میں حسن ادائیگی کا خیال رکھے، اس کی تطبیق وموافقت کو مدنظر رکھے، اشارے، کنایات اور تمثیل کو خود ادا کرے۔ اور کوشش کرے کہ خطبہ دینے سے پہلے اس خطبہ کی ادائیگی کی پریکٹس کرے۔ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے اور کر رہا ہے اس کا کس حد تک اثر ہے اس کو وہ خود بھی محسوس کرے۔ معلوم ہو کہ بچے کے لیے ایک ماں کا رونا اور غم کے لیے ایک ہیرو کا رونا دونوں میں فرق ہوتا ہے۔ لہٰذا خطیب کا لہجہ، اس کا چہرہ، اس کی شکل وصورت سے صداقت، غیرت اور حقیقت ٹپکے کیونکہ ان کے ذریعہ سامعین پر اس کی باتوں کا اثر پڑتا ہے۔

۵۔ خطیب کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ اپنے خطبہ میں سماجی کہانیوں اور حقیقی واقعات کو جگہ دے اور اس ڈھنگ سے ان چیزوں کو شامل کرے کہ نمازی کو یہ محسوس ہو کہ گویا یہ خطبہ اسی کے لیے تیار کیا گیا ہے اور اس کے ذریعہ خطبۂ جمعہ دینا اور اس کی زندگی میں ایک ربط محسوس ہو۔

۶۔ خطیب کے لیے یہ مشورہ کہ خطبہ دینے سے پہلے ہر خطبہ کو کم از کم ۳ سے ۵ مرتبہ تک ضرور پڑھ لے، اس پریکٹس میں آواز بلند ہو اور حروف واضح ہوں۔ جس میں آواز کا اندازہ ہو۔ اور یہ معلوم ہو کہ کہاں جلدی کرنا ہے اور کہاں توقف اختیار کرنا ہے اور کیسے ہر جملہ کو ادا کیا جائے۔

۷۔ مناسب تیاری کے بعد یہ مناسب ہے کہ خطبہ کو ارتجالی انداز میں پیش کرے جس میں زبان، شکل اور حرکات کے ذریعہ قوت تاثیر کا ہر عنصر ظاہر ہو۔ جیسا کہ پچھلی بہترین تیاری میں اس کا اثر ظاہر تھا۔ بلاشبہ ہم نے تکلف سے روکا تھا حالانکہ عموماً لوگ ارتجال کو پسند کرتے ہیں۔

۸۔ آخری بات یہ ہے کہ صدق نیت اور اخلاص خطبہ کی کامیابی کی کنجی ہے۔ لہٰذا خطبہ کی تیاری سے لے کر خطبہ پیش کرنے تک ہمیشہ یہ خلوص نیت مقدم رکھے۔ بعض اسلاف سے یہ قول منسوب ہے کہ جس میں خلوص نہیں ہوتا اس میں پھل نہیں آتا ہے۔

بدگمانی ایک مہلک بیماری

پہلا خطبہ:

"إنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ، نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ، وَنَسْتَغْفِرُهٗ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أنْفُسِنَا، وَسَيِّئَاتِ أعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ أنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ أنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ"

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلاَ تَمُوْتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ" (آل عمران:102)

"يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيْراً وَّنِسَآءً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْباً" (النساء:1)

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلاً سَدِيْداً يُّصْلِحْ لَكُمْ أعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِيْماً" (الأحزاب:70-71)

وقد قال النبي صلى الله عليه وسلم: إياكم والظن فإن الظن أكذب الحديث (متفق علیہ)

امابعد: حضرات! یوں تو آج دنیا میں تمام مذاہب امن وسلامتی کے دعوے پیش

کرتے ہیں۔ بیشتر تحریکیں اور تنظیمیں فروغ انسانیت اور الفت ومحبت کا دم بھرتی ہیں، بلکہ ان چیزوں کو بطور شناخت اور لیبل پیش کرتی ہیں؛ مگر حقیقت یہ ہے کہ ان ساری چیزوں کا جو تصور مذہب اسلام میں موجود ہے وہ جامع تصور نہ کسی اور مذہب میں پایا جاتا ہے اور نہ ہی دنیا کی کسی بھی تحریک اور تنظیم میں۔ چونکہ کسی بھی مرض کا جو علاج آسمانی نسخہ میں موجود ہوگا وہ کسی بھی انسان کے وضع کردہ نسخہ میں نہیں ہوسکتا ہے۔

حضرات! کون نہیں جانتا کہ امن وسلامتی دراصل باہمی مضبوط روابط انسانیت اور آپسی محبت وانسیت سے فروغ پاتی ہے۔ جس سماج میں بھی انسانیت اور آپسی محبت وانسیت کا جس قدر وجود ہوگا اسی کے بقدر وہاں پر امن وسلامتی کے آثار ملیں گے۔ اور جس سرزمین پر جس قدر یہ چیزیں مفقود ہوں گی وہاں پر اسی کے بقدر امن وسلامتی کا وجود بھی خطرے میں ہوگا۔

یہ ایک عام مشاہدے کی بات ہے کہ جس محلہ اور گاؤں میں لوگوں کے باہمی تعلقات مستحکم ہوتے ہیں، وہاں آپسی محبت وانسیت کا ساگر بہتا نظر آتا ہے۔ اور جہاں آپسی محبت وانسیت کی حکمرانی ہوتی ہے، وہاں انسانیت کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں۔ اور جہاں انسانیت کا وجود ہوتا ہے، وہاں لوگ ایک دوسرے کا پاس ولحاظ رکھتے ہیں، ایک دوسرے کی عزت وآبرو کی مکمل حفاظت کرتے ہیں، وہاں پر کسی پر کیچڑ اچھالنا تو دور کی بات؛ بلکہ دوسرے پر اچھالے گئے کیچڑ کو صاف کرنے کی مکمل کوشش کرتے ہیں۔ اور جس سماج میں یہ خوبیاں پیدا ہوجاتی ہیں وہی سماج امن وسلامتی کا گہوارہ کہلاتا ہے۔ اس کے برعکس جس سماج میں آپسی کشیدگی ہو، دلوں میں بغض وحسد کا آتش فشاں پھٹ رہا ہو، جہاں پر بدظنی کی لہر پائی جاتی ہو، وہاں آپسی محبت وانسیت کی روح مرجاتی ہے اور اخوت وبھائی چارگی کا جذبہ ختم ہوجاتا ہے۔ ایسے سماج میں پھر انسانیت کا تصور عبث ہے اور اس کی امید کرنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟ بلاشبہ اس سماج میں جہنم کا ماحول نظر آئے گا اور وہاں امن وسکون کا دور دور تک

نام ونشان نہ ہوگا۔

بلکہ وہاں رنجشوں کی بھٹی ہر وقت دہکتی ہوگی، جو تعلقات کو جلا کر خاکستر کرنے کے لیے کافی ہے۔ وہاں نفرت وبدظنی کی آندھی ہوگی، جو اخوت وبھائی چارگی کو بنیاد سے ختم کرنے کے لیے کافی ہے۔ وہاں ایک دوسرے کے پیچھے پڑنے کا ایسا گھناؤنا ماحول ہوگا جس سے انسانیت پناہ مانگتی ہوگی۔ انہی امراض ناسور سے بچنے کے لیے قرآن حکیم نے بدظنی سے بچنے کا حسین نظریہ پیش کیا۔ ارشاد باری ہے:

"يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْراً مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُم بَعْضاً أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَّأْكُلَ لَحْمَ أَخِيْهِ مَيْتاً فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ "(الحجرات:12)

"اے ایمان والو! بہت بدگمانیوں سے بچو یقین مانو کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں، اور بھید نہ ٹٹولا کرو، اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ تم کو اس سے گھن آئے گی، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے"۔

اور حدیث شریف میں بھی اس بدگمانی سے بچنے کی بے حد تاکید آئی ہے:

"عن أبي هريرة رضى الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "إياكم والظن فإن الظن أكذب الحديث"(متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم بدگمانی سے بچو، اس لیے کہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے"۔ (بخاری:5143 مسلم:2563)

قرآن کریم اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر بدظنی سے اس قدر دور رہنے کی تاکید کیوں کی ہے؟ بلاشبہ یہ تاکید ہی اس بات کی دلیل ہے کہ یقیناً بدظنی ایک بہت ہی بری

چیز ہے اور اس سے بڑے بڑے خطرات وجود میں آتے ہیں۔ یہ تاکید اس لیے بھی کی گئی تا کہ ایک صالح معاشرے کی تشکیل ممکن ہو سکے۔ یہ تاکید اس لیے بھی کی گئی تا کہ امن وسکون کا ماحول بن پائے۔ چنانچہ دین اسلام نے کتاب وسنت کے ذریعہ متعدد طرق سے لوگوں کو حسن ظن کی ترغیب دلاتے اور بدظنی کی مذمت کرتے ہوئے اس کی ہلاکت خیزیوں کو اجاگر کیا ہے تا کہ لوگ اس سے بچنے کی ہر ممکن تدبیر اختیار کریں۔

حضرات! یہ ایک فطری امر ہے کہ ایک برائی دوسری برائی کو کھینچ لاتی ہے اور اس طرح صرف ایک برائی کئی برائیوں کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔ نیز اس کا انجام، باعث ننگ وعار، وجہ شرم وندامت اور سبب ذلت وخواری ہوتا ہے۔ ذرا غور کیجیے قرآن مجید کی آیت کریمہ پر:

’’وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰی رِجَالاً كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْأَشْرَارِ (62) أَتَّخَذْنَاهُمْ سِخْرِيًّا أَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْأَبْصَارُ‘‘(ص:63-62)

’’اور جہنمی کہیں گے کیا بات ہے کہ وہ لوگ ہمیں دکھائی نہیں دیتے جنہیں ہم برے لوگوں میں شمار کرتے تھے۔ کیا ہم نے ہی ان کا مذاق بنا رکھا تھا یا ہماری نگاہیں ان سے ہٹ گئی ہیں‘‘۔

مکہ کے کفار ومشرکین کے فاجر اور چودھری قسم کے لوگ غریب اور نادار مومنوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ تفسیر ابن کثیر میں ان فاجر چودھریوں میں ابوجہل کا نام ذکر کیا گیا ہے جو حضرت بلال، حضرت عمار اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہم کا مذاق اڑاتا تھا اور ان کو از راہ خبث برے لوگوں میں شمار کرتا تھا۔

دوسری تفاسیر میں مطلق طور پر روسائے کفار قریش کا ذکر کیا گیا ہے اور صحابہ میں حضرت عمار، حضرت خباب، حضرت صہیب، حضرت بلال، حضرت سلمان وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین کا نام پیش کیا گیا ہے کہ ان نادار مومنوں کو مکہ کے چودھری لوگ اشرار کہا کرتے

تھے۔ یہ سب کچھ بدظنی کی بنیاد پر کیا کرتے تھے۔ ان کا گمان تھا کہ فقیر لوگ جوان کے آبائی دین سے دور ہو چکے ہیں وہ اشرار ہیں اور وہ جہنم میں جائیں گے۔ مگر آخرت میں نتیجہ اس کے برعکس ہوگا۔ بلکہ یہ بدگمانی رکھنے والے اور خود کو برحق سمجھنے والے ہی جہنم میں جائیں گے۔

قرآن کریم کی دوسری آیت میں اس کی مزید وضاحت ملتی ہے اور اس کا آخری نتیجہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"إِنَّ الَّذِيْنَ أَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ، وَإِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ، وَإِذَا انْقَلَبُوْٓا إِلٰٓى أَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ، وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوْٓا إِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ، وَمَآ أُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حَافِظِيْنَ، فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ" (المطففین:34-29)

"گنہگار لوگ ایمان والوں کی ہنسی اڑایا کرتے اور ان کے پاس سے گزرتے ہوئے آپس میں آنکھ کے اشارے کرتے تھے۔ اور جب اپنے لوگوں کی طرف لوٹتے تو دل لگی کرتے تھے اور جب انہیں دیکھتے تو کہتے یقیناً یہ لوگ گمراہ ہیں یہ ان پر پاسبان بنا کر تو نہیں بھیجے گئے۔ پس آج ایمان والے ان کافروں پر ہنسیں گے۔ تختوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہوں گے۔ اب ان منکروں نے جیسا یہ کرتے تھے پورا پورا بدلہ پالیا"۔

اور ارشاد ربانی ہے:

"زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ" (البقرۃ:212)

"کافروں کے لیے دنیا کی زندگی خوب زینت دار کی گئی ہے۔ وہ ایمان والوں سے ہنسی مذاق کرتے ہیں؛ حالانکہ پرہیزگار لوگ قیامت کے دن ان سے اعلیٰ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے"۔

"چونکہ مسلمانوں کی اکثریت غرباء پر مشتمل تھی جو دنیوی آسائش اور سہولتوں سے محروم تھے اس لیے کفار یعنی قریش مکہ ان کا مذاق اڑاتے تھے جیسا کہ اہل ثروت کا ہر دور میں شیوہ رہا ہے۔ اہل ایمان کے فقراء کا اور ان کی سادگی کا کفار جو استہزاء کرتے اس کا ذکر فرما کر کہا جا رہا ہے کہ قیامت والے دن یہی فقراء اپنے تقویٰ کی بدولت بلندی والے ہوں گے۔ بے حساب روزی کا تعلق آخرت کے علاوہ دنیا سے بھی ہو سکتا ہے کہ چند سالوں کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے ان فقراء پر بھی فتوحات کے دروازے کھول دیئے جن سے سامان دنیا اور رزق کی فراوانی ہو گئی"۔ (أحسن البیان: 84-85)

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے بدگمانی کا وہ فلسفہ پیش کیا جو کفار و مومنوں کے درمیان تھا۔ مومنوں کی صفت بدگمانی سے خالی تھی۔ جب کہ کفار بدگمانی سے متصف تھے۔ اور آخرت میں یہ بدگمانی باعث ندامت ثابت ہوئی اور ان سب کا ٹھکانہ جہنم بن گیا؛ بلکہ جن کے بارے میں وہ بدگمانیوں میں مبتلا تھے وہ جنت میں داخل ہو گئے۔ یعنی بدگمانی کو اہل جنت کا شیوہ نہیں؛ بلکہ اہل جہنم کا شیوہ بتلایا گیا۔ اور بدگمانی اس قدر بری چیز ہے کہ مومنوں کو بھی اس سے محتاط رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْراً مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضاً أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَّأْكُلَ لَحْمَ أَخِيْهِ مَيْتاً فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ "(الحجرات:12)

"اے ایمان والو! بہت بدگمانیوں سے بچو یقین مانو کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔ اور بھید نہ ٹٹولا کرو، اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ تم کو اس سے گھن آئے گی، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے"۔

ظن کے معنی ہیں گمان کرنا۔ مطلب، اہل خیر اور اہل اصلاح وتقویٰ کے بارے میں ایسا گمان رکھنا جو بے اصل ہو، یقیناً تہمت وافتراء کے ضمن میں آتا ہے۔ اسی لیے اس کا ترجمہ بدگمانی سے کیا جاتا ہے۔ اور حدیث میں اس کو''أکذب الحدیث''(سب سے بڑا جھوٹ) کہہ کر اس سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے''إیاکم والظن''(البخاری) ورنہ فسق وفجور میں مبتلا لوگوں سے، ان کے گناہوں کی وجہ سے بدگمانی رکھنا، وہ بدگمانی نہیں ہے جسے یہاں گناہ کہا گیا ہے اور جس سے اجتناب کی تاکید کی گئی ہے۔

''إن الظن القبیح بمن ظاهرة الخیر لایجوز وإنه لاحرج في الظن القبیح بمن ظاهره القبیح''(القرطبی)(أحسن البیان:1459-1460)

''ایسے شخص کے بارے میں بدگمانی جائز نہیں جس کا ظاہر خیر ہو البتہ جس کا ظاہر ہی برا (یعنی گناہ پر مبنی) ہو اس کے بارے میں بدگمانی میں کوئی حرج نہیں''۔

اگر اس آیت کریمہ کے اندر آپ غور کریں تو آپ کو بخوبی یہ اندازہ ہو جائے گا کہ یہاں نہ صرف بدگمانی سے روکا گیا ہے؛ بلکہ کسی کا بھید ٹٹولنے اور غیبت کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے، تاکہ مسلمانوں کی عزت وآبرو کا قلعہ محفوظ رہ سکے۔ کیوں کہ انسان جب کسی کے بارے میں بدظنی کا شکار ہو جاتا ہے تو پھر نہ اس کے بھید ٹٹولنے سے باز آتا ہے اور نہ ہی اس کی غیبت کرنے سے احتراز کرتا ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں انسان کی عزت وناموس کے قلعہ میں شگاف پیدا کر دیتی ہیں۔ اور ان ساری قباحتوں کا اصل سبب یہی بدگمانی ہے۔

آیت کریمہ میں غیبت کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ یعنی اس مذموم فعل کی جسارت کرنے اور اس کے انجام دینے کا سبب بھی یہی بدگمانی ہے۔ اگر انسان بدگمانی میں مبتلا نہ ہو، تو وہ ان وعیدوں کے زمرہ میں ہرگز داخل نہ ہوگا۔ ورنہ بدگمانی کے چکر میں قدم قدم پر اس کا پھسلنا یقینی ہے۔

''عن أبي هریرة رضی اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم

قال ''إياكم والظن فإن الظن أكذب الحديث ولا تحسسوا ولا تجسسوا ولا تنافسوا ولا تحاسدوا ولا تباغضوا والا تدابروا وكونوا عباد الله إخوانا''(مسلم:6701)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم بدگمانی سے بچو، کیوں کہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے، اور عیبوں کی ٹوہ مت لگاؤ، اور نہ جاسوسی کرو، اور نہ دوسرے کا حق غصب کرنے کی حرص اور اس کے لیے کوشش کرو، نہ ایک دوسرے سے حسد کرو، نہ باہم بغض رکھو، نہ ایک دوسرے کو پیٹھ دکھاؤ، اور اے اللہ کے بندو! تم بھائی بھائی ہو جاؤ''۔ (امام مسلم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ''باب تحریم الظن'' کے تحت ذکر کیا ہے۔ یعنی بدگمانی کو حرام کاموں میں شمار کیا ہے۔)

عموماً بدگمانی کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے کی عیب جوئی میں لگ جاتے ہیں۔ جب کہ عیب جوئی نہایت ہی گھٹیا خصلت ہے۔ ایک مسلمان کی صفت یہ ہے کہ کسی کے اندر کوئی عیب دیکھ بھی لے تو اس کو چھپانے کی کوشش کرے۔

''من ستر مسلما ستر الله له يوم القيامة''

جو کسی کا عیب چھپائے گا، تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا عیب چھپائے گا۔ مگر جو شخص کسی کے عیب ظاہر کرنے میں لگ جاتا ہے، تو وہ گویا فتنہ وفساد کو جنم دینے میں لگ جاتا ہے۔

''عن معاوية رضى الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إنك إن اتبعت عورات المسلمين، أفسدتهم أو كدت أن تفسدهم''(ابوداؤد:4888 حدیث صحیح)

''حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، آپ فرماتے تھے کہ: اگر تو مسلمانوں کے عیبوں کی تلاش میں رہے گا تو ان کے اندر بگاڑ پیدا کرے گا یا قریب ہے کہ تو ان کے اندر فساد پیدا کرے گا''۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بدگمانی اور اس سے پیدا ہونے والی تمام برائیوں سے محفوظ رکھے، آمین۔

"أقول قولي هذا استغفر اللّٰه ولكم ولسائر المسلمين ، واستغفروه ، إنه هو الغفور الرحيم"

دوسرا خطبہ:

حضرات! بدگمانی واقعی بری چیز ہے اور اس سے بچنا انتہائی ضروری ہے۔ جیسا کہ خطبہ اولیٰ میں قرآن وحدیث کی روشنی میں اس پر مکمل بحث کی گئی۔ تاہم بعض علماء نے تھوڑا فرق بیان کیا ہے کہ بدظنی ایسے شخص کے بارے میں کرنا جس کا ظاہر خیر سے متصف ہو سراسر حرام ہے۔ البتہ جس شخص کا ظاہر وباطن ہر قسم کی قباحتوں سے پر ہو، اس کے بارے میں بدظنی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ اس کے باوجود جہاں حسن ظن کا پہلو غالب آسکتا ہو تو وہاں حسن ظن قائم رکھنا ہی بہتر ہے اور یہی اصحاب فضل مسلمانوں کا طرہ امتیاز رہا ہے۔

حضرات! حسن ظن اور بدظنی میں انسان کی سیرت، اخلاق وکردار اور ایمان وعقیدہ کا ضرور خیال رکھنا چاہیے۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "والإعتبار بطريقة القائل وسيرته ومذهبه ومايد عوإليه وينا ظر عنه" جس شخص کے بارے میں بدگمانی کی نوبت آرہی ہے اس کے اخلاق وعادات اور سیرت وکردار بھی ضرور ملحوظ نظر رہیں۔ چونکہ بسا اوقات انسان سے ایسے کام کا ارتکاب ہو جاتا ہے جو اس کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر، جس نے یہ جملہ کہا تھا: "اللهم أنت عبدي وأنا ربك" 'اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں"۔ ظاہر ہے کہ یہ اس کا ارادہ نہیں تھا؛ بلکہ غیر ارادی طور پر یہ جملہ زبان سے اظہار فرط مسرت میں نکل گیا تھا۔ اسی لیے اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا گیا۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنے بعض مخالفین کے اقوال نقل کرتے پھر کہتے:

"هذا الكلام فيه إجمال، والمحق يحمله محملا حسنا، وغير المحق يد خل فيه أشياء"

"اس کلام میں اجمال ہے، اور حق پسند آدمی اس اجمال کو اچھائی پر محمول کرتا ہے؛ جب کہ دوسرے لوگ اس اجمال میں کچھ چیز داخل کر دیتے ہیں۔" مطلب، اس اجمال کی غلط تشریح کرتے ہیں۔

اور سلف صالحین کے درمیان یہی زریں اصول ہمیشہ موجود رہا۔ کسی کے بھی بارے میں عدل وانصاف سے رائے قائم کرنا ہمیشہ سے علماء ربانیین کی صفت رہی ہے۔ ان کے سامنے جب کسی کو کوئی مبہم عبارت سامنے آتی تو وہ اس کو صحیح نیت پر محمول کرتے۔ مگر افسوس کہ آج مسلمانوں نے اس منہج سلیم اور صراط مستقیم کو چھوڑ دیا۔

سلف صالحین کا ہرگز یہ طریقہ نہیں رہا کہ وہ الفاظ کی تاویل کریں اور معانی کا رخ پھیریں اور فرح وسرور کو مصیبت بناڈالیں اور مسلمانوں کے ساتھ بدگمانی کا معاملہ کریں۔ مگر آج امت کا برا حال ہے۔ لوگ ایک دوسرے سے بدگمان نظر آتے ہیں۔ اور کسی پرا تہام والزام سے گریز نہیں کرتے۔ حالانکہ کہیں اگر اس کے خلاف بدگمانی کی وجہ وعلت بھی ملتی ہو تو حتی الامکان حسن ظن کے ساتھ اس میں ایسے اسباب تلاش کیے جائیں جس سے بدگمانی ختم ہو جائے۔

سوء ظن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کسی کی بات کے دو معنی نکالیں: ایک معنی میں خیر کا پہلو غالب ہو اور دوسرے میں شر کا۔ حالانکہ جہاں شر واضح نہ ہو وہاں اسے زبردستی واضح کرنا، نہ صرف بدگمانی کو فروغ دینا ہے؛ بلکہ الزام تراشی بھی ہے۔ چونکہ نیتوں کا حال صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ ہمیں کسی کی نیت پر حکم لگانے کا کیا حق پہنچتا ہے۔ سینے میں پوشیدہ رازوں کو جاننا نیتوں سے باخبر رہنا، یہ اللہ کے خصائص میں سے ہے۔

انسان تو صرف اپنے بھائی کے ظاہری اعمال ہی کو جان سکتا ہے۔ مشہور مصنف

ومحدث عبدالرزاق نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا یہ اثر نقل کیا ہے کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں لوگوں کا محاسبہ اور مؤاخذہ وحی کے ذریعہ ہوجاتا تھا؛ مگر اب وحی الٰہی کا سلسلہ منقطع ہوچکا ہے۔ چنانچہ اب ہم تم لوگوں کے ظاہری اعمال پر ہی حکم لگائیں گے۔ لہٰذا جس کے اعمال بظاہر اچھے ہیں، تو سمجھو ہم نے اس کو مامون رکھا اور اس کو قریب کرلیا اور ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا ہے کہ ہم ان کے ٹوہ میں لگ جائیں اور عیب جوئی کریں۔

اللہ ان کے پوشیدہ اعمال کا محاسب ہے۔ اور جس شخص کا ظاہری عمل برا ہو، تو ہم نہ اسے امن دیں گے، نہ اس کی تصدیق کریں گے۔ اگرچہ اندرونی طور پر وہ اچھا آدمی ہو۔

اس سلسلے میں ہمیں قرآن کریم کی یہ آیت ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے: ''جس بات کی تمہیں خبر نہ ہو، اس کے پیچھے مت پڑو۔ کیونکہ کان، آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک سے پوچھ گچھ کی جانے والی ہے''۔

صاحب ''احسن البیان'' اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''جس چیز کے پیچھے تم پڑو گے اس کے متعلق کان سے سوال ہوگا کہ اس نے کیا سنا تھا۔ آنکھ سے سوال ہوگا کہ اس نے کیا دیکھا تھا اور دل سے سوال ہوگا کہ اس نے کیا جانا تھا۔ کیونکہ یہی تینوں علم کے سب سے اہم ذرائع ہیں۔ مطلب اللہ تعالیٰ ان اعضاء کو قیامت کے دن قوت گویائی عطا فرمائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا''۔

اس دور کی یہ عجیب بدنصیبی ہے کہ لوگ اپنی شخصیت پر فخر کرتے ہیں اور اپنے بارے میں عجب وغرور میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ وہ خود کو ہمیشہ برحق سمجھتے ہیں۔ اس کے برعکس اوروں کی راہ کو باطل وناحق گردانتے ہیں۔ وہ اپنے نفس کی صفائی پیش کرتے ہیں جب کہ دوسروں کی تحقیر ان کا شیوہ بن چکا ہے۔ اور وہ بدگمانی ہی ہے جو ان باتوں کو پیدا کرتی ہے۔ اس طرح بدگمانی اور اتہام سے نہ صرف معاشرے کے افراد میں افراتفری پھیلتی ہے، بلکہ خاندان کا خاندان، اس سے اجڑ جاتا ہے۔ بڑی بڑی قومیں اس کے سبب ظلم وستم کی شکار

ہو جاتی ہیں۔ اور ماضی میں صرف بدظنی کی بنا پر نہ جانے کتنے لوگوں کو تختۂ مشق بنا کر ملک بدر کر دیا گیا۔ اور وہ بغیر کسی شرعی علت کے مجرم قرار دے کر پابند سلاسل کیے گئے۔ کسی نے کیا ہی خوب لکھا ہے:

(أری عداوة ولا أری أسبابها)

''ہم دشمنی تو دیکھ رہے ہیں، مگر اس کے اسباب نظر نہیں آتے''۔

درحقیقت اس قسم کی عداوتوں کا سبب یہی بدظنی اور بہتان تراشی ہی تو ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّإِثْمًا مُّبِيْنًا''(الأحزاب:58)

''اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بغیر کسی جرم کے ایذاء دیں، جو ان سے سرزد ہوا ہو، وہ بڑے ہی بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں''۔

حضرات! جب بدظنی کی خطرناکی اور ہلاکت خیزی سامنے آگئی تو اس کا علاج بھی آخر میں ذکر کر دینا مناسب ہوگا۔ اس مرض کی دوا یہ ہے کہ ہم دوسروں سے حسن ظن رکھیں اور بدظنی سے دور رہیں۔ کسی کے بارے میں بری رائے قائم کرنے سے پہلے خوب غور و فکر کر لیں۔ اگر آپ نے کسی کے بارے میں حسن ظن کے ساتھ اچھی رائے قائم کرنے کی خطا کی، تو وہ بدظنی کے ساتھ کسی کے بارے میں بری رائے قائم کرنے سے بہتر ہے۔ اس مرض کا ایک علاج یہ بھی ہے کہ آپ لوگوں کے لیے عذر تلاش کریں، کسی کے ٹوہ میں لگنے سے بچیں، کسی کے پیچھے نہ پڑیں، دل کو صاف رکھیں اور اپنے کام سے کام رکھیں۔

اللہ ہم سب کو بدظنی جیسی مہلک بیماری سے بچا، آمین۔

و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمین.

پڑوسی اور اس کے حقوق

پہلا خطبہ:

"الحمد لله الذي خلق الإنسان، وعلمه البيان، وأنزل لهم القرآن، وذكر فيه حقوق الجيران، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريك له، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله" الذي بشرنا بالجنان، وأنذرنا من النيران، فهو البشير النذير، نبي الرحمة، ونبي الإنس والجان، عليه الصلاة والسلام ومن تبعهم إلى يوم الدين بإحسان، أما بعد!

"وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئاً وَّبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالاً فَخُوراً" (النساء:36)

ہر طرح کی تعریف وتوصیف اور بڑائی وکبریائی لائق وسزاوار ہے، اس پروردگار عالم کے لیے جس نے انسانوں کو پیدا کیا، اوران کے حقوق بھی متعین کیے، تاکہ انسانوں میں ہمیشہ ایک توازن قائم رہے۔ غیر متوازن چیز لوگوں کے درمیان نہ داخل ہونے پائے، لوگ ایک دوسرے کو سمجھ سکیں، ان کو پہچانیں، ان کے مقام ومراتب کو جانیں اوران کے حقوق کو بجالائیں۔ یہ اللہ کا بہت بڑا کرم ہے کہ اس نے انسانوں کو جینے کا سلیقہ سکھایا اور آپس میں مل جل کر رہنے کا اعلیٰ ضابطۂ حیات دیا۔ تاکہ ہر انسان کو اس کی اپنی زندگی جینے کا پورا پورا

حق مل سکے۔ دنیا میں موجود معاشرہ کا فطری نشیب وفراز اور زندگی کا عروج وزوال نفس انسانیت پر بار نہ ہو جائے۔ اگر سماج کا ایک آدمی شیش محل میں رہتا ہو، دنیا کی مہنگی ترین گاڑی بھی اس کے پاس ہو، مال ودولت کا انبار ہو؛ مگر اس کا پڑوسی ان چیزوں سے محروم ہو، تو اس پڑوسی کی زندگی احساس کمتری کا شکار ہو کر رہ جائے گی اور اول الذکر آدمی غرور وفخر کے فریب میں داخل ہو جائے گا۔ مگر جب اس کو اپنے پڑوسی کی فکر لاحق رہے، اپنے بنگلہ میں رہتے ہوئے اس کی جھونپڑی کی یاد آ جائے، دسترخوان میں چنی گئی نعمتوں کو دیکھ کر پڑوسی کی فاقہ کشی کا منظر نگاہوں میں پھر جائے۔ وغیرہ وغیرہ، تو یہ احساس انسانیت، نہ اس کو کبر وغرور کے پندار میں داخل ہونے دے گا، نہ اس کو خود فراموشی اور رب فراموشی میں مبتلا ہونے دے گا؛ بلکہ وہ اللہ سے خوف کھاتے ہوئے اور اپنی زندگی کے عروج وزوال کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے پڑوسی کا حق ادا کرنے کی حتی الامکان کوشش ضرور کرے گا۔ آج یہی ''پڑوسی اور اس کے حقوق'' میرا موضوع سخن ہے۔ اللہ کرے قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کو واضح کرنے کی توفیق مل جائے۔ آمین۔

حضرات! تلاوت کردہ آیت کریمہ میں پڑوسی کے حقوق کا خصوصی طور پر ذکر آیا ہے۔ مناسب سمجھتا ہوں کہ پہلے پوری آیت کریمہ کا سلیس ترجمہ پیش کر دیا جائے۔

''وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلاَ تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئاً وَّبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ إِنَّ اللّٰهَ لاَ يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالاً فَخُوراً''(النساء:36)

''اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ سلوک واحسان کرو اور رشتہ داروں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے اور قرابت دار اور ہمسایہ سے اور اجنبی ہمسایہ سے اور پہلو کے ساتھی سے اور راہ کے مسافر سے اور ان سے

جن کے مالک تمہارے ہاتھ ہیں (غلام کنیز)، یقیناً اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں اور شیخی خوروں کو پسند نہیں فرماتا"۔

الجار الجنب : "قرابت دار پڑوسی کے مقابلہ میں استعمال ہوا ہے۔ جس کے معنی ہیں؛ ایسا پڑوسی جس سے قرابت داری نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ پڑوسی کے ساتھ بحیثیت پڑوسی کے حسن سلوک کیا جائے، چاہے وہ رشتہ دار ہو یا غیر رشتہ دار"۔ (تفسیر احسن البیان)۔ چونکہ اگر پڑوسی قرابت دار یا رشتہ دار ہو تو وہ بجائے خود بسبب قرابت آپ کے حسن سلوک کا حقدار ہے۔

نیز قرآن وحدیث میں قرابت داروں اور رشتہ داروں کے مستقل حقوق بیان کیے گئے ہیں۔ اور پڑوسی جس سے آپ کی کوئی بھی رشتہ داری یا قربت نہ ہو، تب بھی بحیثیت پڑوسی وہ آپ کے احسان کا مستحق ہے۔ الجار الجنب سے یہی معنی مترشح ہوتا ہے۔

اور شرعی اعتبار سے جو پڑوسی کے زمرہ میں داخل ہے، وہ یقیناً آپ کا پڑوسی ہے اور اس کے حقوق کا خیال رکھنا آپ کے لیے ضروری ہے خواہ وہ مسلم ہو یا کافر، نیکوکار ہو یا فاسق وفاجر، آپ کا دوست ہو یا دشمن ہو، آپ کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہو یا بدسلوکی سے پیش آتا ہو، آپ کا قریبی ہو یا اجنبی۔ یقیناً ان کے بھی درجات ہیں۔ ان کے مراتب میں بھی باعتبار اخلاق وعادات اور دین وایمان کے کمی وزیادتی ہے اور اسی اعتبار سے ان کے حقوق بھی الگ الگ ہیں؛ مگر باعتبار پڑوسی وہ آپ کے ہر حال میں پڑوسی ہیں اور حسب مراتب ان کا حق ادا کرنا آپ پر لازم ہے۔

"عن عائشة رضی اللّٰہ عنها قلت یا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم إن لي جارین فإلی ایهما أهدي قال إلی أقربهما منک بابا"

(البخاری:2259)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول

صلی اللہ علیہ وسلم! میرے دو پڑوسی ہیں، تو میں دونوں میں سے کس کے پاس ہدیہ بھیجوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان دونوں میں سے جس کا گھر تمہارے گھر سے زیادہ قریب ہو''۔

چنانچہ وہ پڑوسی جس کا گھر آپ کے گھر سے متصل ہو یقیناً اس کا حق اس پڑوسی سے زیادہ ہے جس کا گھر آپ کے گھر سے کچھ دوری پر واقع ہو۔ اسی طرح جو پڑوسی آپ کا پڑوسی بھی ہے اور آپ کا رشتہ دار اور قرابت دار بھی ہے، اس کا مرتبہ یقیناً آپ کے اس پڑوسی سے زیادہ ہے، جو صرف آپ کا پڑوسی ہے؛ مگر آپ سے اس کی کوئی رشتہ داری نہیں ہے۔ اسی طرح آپ کا صاحب ایمان پڑوسی تکلیف پہنچانے والے فاسق وفاجر پڑوسی سے بدرجہ اعلیٰ بہتر ہے اور اس کے حقوق بھی اس موذی فاسق وفاجر پڑوسی سے زیادہ ہیں۔ اور جس طرح پڑوسی اور پڑوس کا اعتبار آپ کے گھر کے اردگرد سے ہوتا ہے، اسی طرح اس کا اعتبار ہر اس گھر جگہ پر بھی ہوگا، جہاں جہاں آپ کا وجود ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ کے کام کرنے کی جگہ، آفس، کارخانہ، بازار، مسجد، سفر، درسگاہ وغیرہ۔

اتنا ہی نہیں؛ بلکہ اسلام میں پڑوسی کے حقوق کا دائرہ اس سے بھی وسیع تر ہے۔ مثلاً ایک گاؤں دوسرے قریبی گاؤں کا پڑوسی ہے۔ اسی طرح ایک ریاست دوسری ریاست کی پڑوسی ہے؛ بلکہ پڑوسی کا یہ فلسفہ اسلام میں عالمی پیمانہ پر بھی ہے۔ مثلاً ایک ملک دوسرے ملک کا پڑوسی ہے گویا مذہب اسلام نے افراد سے لے کر پوری دنیا کو فلسفۂ پڑوسی کے مضبوط دھاگے میں پرو دیا ہے۔ تا کہ پڑوسی کا حق بجالاتے ہوئے نہ صرف ایک فرد، بلکہ پوری انسانی دنیا کی زندگی ایک خوشگوار ماحول میں ڈھل جائے۔ اسلام کا یہ مزاج اور اصول بھی سب سے جداگانہ ہے۔

حضرات! آیئے، اب ذرا فرمانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نظر ڈالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم کے اس اصول اور حکم کی تفسیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کن

کن پیرائے میں کی ہے۔اس سلسلہ میں بھی الحمد للہ احادیث مبارکہ کی ایک طویل فہرست ہے، ان میں سے بعض احادیث آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

”عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنهما قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم مازال جبریل یوصیني بالجارِ حتی ظننت أنه سیورثه“ (بخاری: 5670،مسلم 2624)

”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے حضرت جبریل علیہ السلام پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی ہمیشہ وصیت کرتے رہے، یہاں تک کہ میں گمان کرنے لگا کہ یہ اسے وراثت میں بھی شریک ٹھہرا دیں گے“۔

”عن أبي شریح: أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: واللّٰہ لایؤمن ، واللّٰہ لایؤمن، واللّٰہ لا یؤمن، قیل ومن یا رسول اللّٰہ ؟ قال: الذي لایأمن جاره بوائقه“(البخاری:5670،متفق علیہ)

حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ کی قسم! وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم! وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم! وہ مومن نہیں۔عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول! کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”وہ شخص جس کی شرارتوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو“۔

میرے دینی بھائیو! اس حدیث کے اندر اللہ کی قسم کھائی گئی ہے جس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس کی کس قدر اہمیت ہوسکتی ہے۔جس کی تاکید میں اللہ کی قسم کا لفظ موجود ہو، اس میں اور کس چیز کی گنجائش رہ جاتی ہے۔اس کے باوجود اگر کوئی اپنے پڑوسی کے حقوق کی پامالی کرتا ہے تو آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ وہ کس قدر عظیم جرم کا مرتکب ہورہا ہے۔یقیناً پڑوسی کو تکلیف پہنچانا ایک حرام کام ہے۔اس سے بے وفائی کی دلیل، اس کی بداخلاقی اور نقص ایمان

کی علامت ہے۔ پڑوسیوں کی حق تلفی اہل ایمان کا شیوہ نہیں بلکہ راہ نبوی سے انحراف ہے۔

اس حدیث مبارکہ کے اندر جو لفظ ہے: (الذي لا يأمن جاره بوائقه) ''یعنی وہ شخص جس کی شرارتوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔ تو یہاں پر یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ یہ شرارت کبھی حق تلفی کی شکل میں ہوسکتی ہے تو کبھی یہ شرارت اخلاق وکردار کے ذریعہ بھی ہوسکتی ہے تو کبھی زبان کے غلط استعمال کے ذریعہ بھی ہوسکتی ہے، تو کبھی افعال وعادات کے ذریعہ بھی ہوسکتی ہے۔

جب کہ ایک بہت ہی زیادہ مشہور حدیث ہے کہ (المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده) ''پکا سچا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں''۔

چونکہ عموماً کسی کو تکلیف دو چیزوں سے پہنچائی جاتی ہے۔ ان میں ایک زبان اور دوسری چیز ہاتھ ہے۔ لہٰذا ان دونوں کا صحیح استعمال کرنا چاہیے اور اس کے صحیح استعمال کا سب سے زیادہ حقدار آپ کا پڑوسی ہے۔ اس لیے کہ پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی بڑی تاکید آئی ہوئی ہے۔

''عن أبي شريح الخزاعي أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من كان يؤمن بالله واليوم الأخر فليحسن إلى جاره، ومن كا ن يؤمن بالله اليوم الآخر فليكرم ضيفه، ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليقل خيراً أو ليسكت'' (مسلم:165)

''ابوشریح خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ اور جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ مہمان کی تکریم کرے، اور جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ کلمۂ خیر کہے یا پھر

خاموش رہے''۔

اس حدیث مبارکہ کے اندر ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر جیسے اہم ارکان کے ساتھ مہمانوں کی تکریم اور پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کا ذکر کیا گیا ہے اور پھر اس کے بعد یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ یا تو آدمی کلمۂ خیر یعنی اچھی بات کہے یا پھر خاموش رہے، اس لیے کہ اچھی بات نہ کہنے والے کے لیے خاموشی اختیار کرنا ہی زیادہ بہتر ہے۔ گویا ایک طرف ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر کے سیاق میں پڑوسی اور مہمان کا ذکر کر کے اس کی اہمیت وعظمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ورنہ ظاہر ہے، ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر کے ساتھ ایمانیات کا ایک سلسلہ ہے۔ مثلاً: ایمان بالرسل، ایمان بالملائکہ، ایمان بالقدر، وغیرہ۔ لیکن ان چیزوں کا ذکر نہ کر کے فوراً مہمان کا اور پڑوسی کا ذکر کیا گیا ہے۔ گویا یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ مومنین کے لیے پڑوسی اور مہمان کا حق ادا کرنا ایمانی صفات کا ایک اہم حصہ ہے۔ اور بالخصوص حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد کی جو ایک مستقل فہرست ہے اس میں حقوق والدین کے بعد حقوق الجار پڑوسی کے حقوق پر بھی بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اور اس کو اہمیت نہ دینے والا مسلمان بھی منشا شریعت کا غیر حامی اور اسلام کی صفات علیا کو اہمیت نہ دینے والوں کے زمرہ میں ہوگا۔ چونکہ اللہ اور جس نبی پر ایمان لا کر انسان مومن اور مسلمان بنتا ہے، اسی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کی بھی تاکید فرمائی ہے۔

حضرات! پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی جانب سے پیش آمدہ کسی ناخوشگوار بات پر صبر کر لینا توفیق الٰہی کی نشانی اور ظفر مندی کا ذریعہ ہے۔ جس سے محبتوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ایک طرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تو دوسری طرف اللہ کے بندوں سے محبت۔ ایک طرف آپ اللہ کے محبوب بن جائیں گے تو دوسری طرف اللہ کے بندوں میں بھی آپ کی نیک نامی پھیل جائے گی۔ اور اردو کی

بہت ہی مشہور ضرب المثل ہے"زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو" یقیناً اگر آپ شریعت کی جانب سے وضع کردہ اہل حقوق کے حقوق کی ادائیگی کریں گے، تو اِن شاء اللہ آپ یہاں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی محبوب اور کامیاب رہیں گے۔

لیکن اس کے برخلاف جو پڑوسیوں کو ستانے سے باز نہیں آتا ہے، سینہ میں بغض اور دل میں کینہ رکھتا ہے، اس کے پڑوسی نہ اس کے ہاتھ سے محفوظ ہوں نہ اس کی زبان سے، اس کا معیار اخلاق حد درجہ پست اور گرا ہوا ہو، تو نہ سماج میں اس کا کچھ وقار باقی رہتا ہے، نہ آخرت میں رب کی خوشنودی اس کو میسر ہو سکے گی، بلکہ یہ جہنم میں جانے کا ایک سبب بن جائے گا۔

ذرا آپ اس حدیث پر غور فرمائیں:

"عن أبي هريرة أن رجلا قال: يا رسول الله! إن فلانة ذكر من كثرة صلاتها غير أنها تؤذي بلسانها قال: (هي في النار) قال: يا رسول الله! إن فلانة ذكر من قلة صلاتها وصيامها وإنها تصدقت بأثوار أقط غير أنها لاتؤذي جيرانها قال: (هي في الجنة "(ابن حبان: 5734 قال شعيب الأرنؤوط: إسناده صحيح على شرط الصحيح)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! فلاں عورت کا ذکر ہوتا ہے کہ وہ دن میں بہت زیادہ روزہ رکھتی ہے اور رات میں تہجد پڑھتی ہے، مگر اپنے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتی ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ عورت جہنمی ہے۔ اس شخص نے پھر کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! فلاں عورت کا ذکر اس کی قلت صوم وصلاۃ کے ساتھ ہوتا ہے، اور پنیر کے ٹکڑے خیرات کرتی ہے، مگر وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہیں پہنچاتی ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ جنتی ہے"۔ (ابن حبان، شعیب ارنووط نے اس حدیث کی سند کو صحیح کہا ہے)۔

ذرا سوچیے! پڑوسی کی ایذا رسانی جہنم میں جانے کا سبب بن جاتی ہے، اور اس کے ساتھ حسن سلوک جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ جیسا کہ مذکورہ حدیث میں بیان کیا گیا۔ جب کہ دونوں عورتیں صوم وصلوۃ کی پابند ہیں، بلکہ پہلی عورت نوافل کا خوب اہتمام کرتی ہے مگر پڑوسی کو بھی ستاتی ہے، جب کہ دوسری عورت نوافل کا زیادہ اہتمام نہیں کر پاتی ہے، یا لوگ اس سے واقف نہیں ہو پاتے ہیں، اگر کرتی بھی ہے تو پوشیدہ طور پر مگر پڑوسن کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتی ہے۔ مگر پڑوسن کے حقوق کی وجہ سے دونوں کا الگ الگ انجام ہوتا ہے۔

یہاں پر صوم وصلوٰۃ کی قلت سے مراد فرائض میں کمی یا کوتاہی نہیں ہے، بلکہ اس کی ادائیگی تو سب سے اہم ہے اور عین فریضہ ہے۔ البتہ اس سے مراد نوافل کا اہتمام ہے۔ یہ بھی ضروری ہے۔ مگر نوافل کے اہتمام سے زیادہ ضروری پڑوسی کے حقوق کی ادائیگی ہے۔

پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کا ایک نادر نمونہ:

آج دنیائے انسانیت میں بے شمار دیواریں حائل ہیں۔ کہیں مسلک کی دیوار ہے تو کہیں مذہب کی، کہیں دین ودھرم کی دیوار ہے تو کہیں ذات پات کی، کہیں رنگ ونسل کی دیوار حائل ہے تو کہیں زبان وقوم کی، کہیں برادری کے نام پر دیوار حائل ہے تو کہیں ملک کے نام پر، کہیں عصبیت کی دیوار قائم ہے تو کہیں نفرت کی۔ گویا دیواروں کا ایک لامتناہی سلسلہ قائم ہے۔ ہر کوئی اتحاد، حسن سلوک اور باہمی ربط وضبط کا نعرہ ضرور لگاتا ہے، مگر ان دیواروں کو توڑنا دور کی بات، ان سے باہر نکلنے کی بھی ہمارے اندر سکت نہیں ہے۔

مگر قربان جائیے مذہب اسلام کی عالمگیریت پر! اس کے گلوبل سسٹم پر، کہ اس نے ان تمام دیواروں کو انسانیت کے نام پر مسمار کر دیا اور زندگی گزارنے کا ایک نیا فلسفہ اور عالمگیر جذبہ عطا کیا۔ اس نے یہ تصور اور فکر دیا کہ تمام مذاہب میں اسلام کی برتری مسلم

ہے۔ اس کے عقائد صاف وشفاف ہیں۔ اس کے ساتھ مصالحت کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ اتمام حجت کے لیے ہم مثبت انداز میں سب حجت تمام کردیں گے، مگر (لا إكراه في الدين) دین میں کوئی زیادتی نہیں ہے۔ حق کو حق اور باطل کو ظاہر کردینا ہمارا کام ہے۔ مگر ہدایت دینا اللہ کا کام ہے۔ توفیق تو صرف اسی کے ہاتھ میں ہے، جو حق کو حق جان کر قبول کرلے وہ صاحب ایمان ہے اور اس کی آخرت کی کامیابی مسلم ہے۔ اور جو حق کو حق جان کر بھی قبول نہیں کرتا ہے، یا جانتا ہی نہیں ہے یا جاننا ہی نہیں چاہتا ہے، تو ظاہر ہے اس کا انجام اچھا نہیں ہونے والا ہے، وہ جہنم کے راستہ پر ہے۔ مگر اس دنیا میں اس کو رہنے کا حق ہے، حتی کہ اسلامی مملکتوں میں بھی اس کے حقوق متعین ہیں۔ ''ذمی'' کی شرعی اصطلاح اس کی ایک کھلی اور سب سے بڑی مثال ہے۔ بظاہر ہم ان سے ایمانی رسم ورواج تو نہیں رکھ سکتے، مگر مذہب اسلام نے انسانی رسم ورواج کو فروغ دیا ہے، اور پڑوسی کے حقوق بیان کر کے تمام دیواروں کو مسمار اور عصبیت کے قلعوں کو تہس نہس کردیا ہے۔ اب اگر آپ کا پڑوسی کافر، مشرک، یہودی، عیسائی، ہندو، سکھ، یا کوئی بھی ہو، وہ آپ کے حسن سلوک کا حقدار ہے۔

ایک صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل ملاحظہ فرمائیے اور دیکھیے کہ ان میں انسانیت کا جذبہ کس قدر موجزن ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے گھر بکری ذبح کی گئی تو انہوں نے اپنے گھر والوں سے فرمایا:

''عن مجاهد أن عبدالله بن عمرو: ذبحت له شاة في أهله فلما جاء قال أهديتم لجارنا اليهودي؟ أهديتم لجارنا اليهودي؟ سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: مازال جبريل يوصيني بالجار حتى ظننت أنه سيورثه'' (سنن الترمذي: 1943 صحيح الألباني)

تم لوگوں نے میرے یہودی ہمسایہ کو اس بکری کے گوشت میں سے کچھ ہدیہ بھیجا ہے

یا نہیں؟ گھر والوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس میں سے کچھ گوشت ہدیہ کے طور پر بھیج دو۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مجھے جبریل علیہ السلام پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی اتنی تاکید فرمایا کرتے تھے کہ میں نے سمجھا کہ اس کو وراثت کا حصہ دار بنا دیں گے۔

پڑوسی حتیٰ کہ یہودی پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی یہ مثال ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں موجود ہے، جو صحابۂ کرام کلام الٰہی کے اولین مخاطب اور فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی اولین مخاطب تھے۔ ان کے سامنے قرآن نازل ہوتا تھا۔ ان کے سامنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار کا پورا نمونہ تھا۔ انہوں نے زندگی گزارنے کا سلیقہ اسی درسگاہِ نبوت سے حاصل کیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ پڑوسی کے حقوق کی کتنی اہمیت ہے۔

برے پڑوسی کا علاج:

بسا اوقات یوں ہوتا ہے کہ آدمی اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ تو کرنا چاہتا ہے مگر پڑوسی ہمیشہ اس کے درپے آزار رہا کرتا ہے۔ کبھی سکون کی سانس لینے نہیں دیتا ہے۔ آدمی اس سے ہراساں اور پریشان رہتا ہے۔ مگر اس کے باوجود اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا اہل ایمان کا شیوہ ہے۔ اس کی بدسلوکی سے اپنا احسان ترک کر دینا عقلمندی کی بات نہیں ہے، بلکہ اپنا مشن جاری رکھنا ہی جواں مردی ہے۔ ممکن ہے آپ کے مسلسل حسن سلوک اور اچھے برتاؤ سے وہ راہ راست پر آ جائے تو یہ آپ کے لیے بہت بڑی کامیابی ہے پھر وہ سدا آپ کا احسان مند رہے گا۔ مگر اس کے برعکس اگر آپ کا پڑوسی اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتا ہے۔ اور آپ اس سے عاجز آ چکے ہیں، تب بھی آپ کو اس کا حق ادا کرنا ہے، اور جہاں تک اس کی مسلسل ایذا رسانی کا معاملہ ہے تو اس کے لیے کوئی مناسب حل اور اس بیماری کا علاج تلاش کرنا چاہیے۔

ایک ایسا ہی واقعہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش آیا تھا۔ سنن ابوداؤد کے اندر یہ

حدیث موجود ہے:

"عن أبي هريرة رضى الله عنه قال: جآء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم يشكو جاره فقال: "اذهب فاصبر" فأتاه مرتين أو ثلاثا فقال: "اذهب فاطرح متاعک في الطريق" فطرح متاعه في الطريق فجعل الناس يسالونه فيخبرهم خبره فجعل الناس يلعنونه فعل الله به وفعل وفعل فجاء ه إليه جاره فقال له: ارجع لا ترى مني شيئا تكرهه" (ابو داؤد : 1003) قال الشيخ الألباني : حسن صحيح)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص اپنے پڑوسی کی شکایت لے کر آیا تو آپ نے فرمایا: جاؤ صبر کرو۔ پھر دوسری یا تیسری بار جب وہ شکایت لے کر حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا: جاؤ اپنا مال ومتاع راستہ میں ڈال دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جو لوگ راستہ سے گزرتے وہ اس سے پوچھتے کہ تمہیں کیا ہوا ہے؟ جواباً کہا جاتا کہ اس کا پڑوسی اسے اذیت دیتا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ جو لوگ بھی یہ سنتے وہ اس پڑوسی پر اللہ کی لعنت بھیجتے، یہاں تک کہ وہ پڑوسی خود اس کے پاس آیا اور یہ درخواست کرنے لگا کہ اپنا سامان اپنے گھر واپس لے چلو۔ اب تم میری جانب سے کبھی کوئی ایسی چیز نہ دیکھو گے جو تمہیں ناپسند ہو"۔ (ابوداؤد: 5153، علامہ البانی نے حدیث کو صحیح قرار دیا)

حضرات! پڑوسی کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ اس کو تکلیف نہ پہنچائی جائے اس پر احسان کیا جائے۔ حسن سلوک روا رکھا جائے۔ اس کے دکھ درد کو بانٹا جائے۔ اس کی مصیبت میں کام آنے کی کوشش کی جائے۔ اس کی خوشی میں شریک ہو کر اس کی خوشی کو دوبالا کیا جائے۔ بیمار ہو تو عیادت کی جائے۔ دعوت دے تو دعوت قبول کی جائے۔ اپنے گھر میں خوشی ہو تو اس کو بھی شریک کیا جائے۔ جب بھی ملاقات ہو تو خندہ پیشانی کا مظاہرہ کیا

جائے۔اور جہاں تک ہو سکے دامے،درمے، سخنے،قدمے،حسب استطاعت اس کی مدد کی جائے۔اس کا ساتھ دیا جائے۔ پڑوسی کے لیے آپ کی یہ ساری خوبیاں اس کی نظر میں آپ کے محبوب بننے کے لیے کافی ہیں۔

أقول قولی هذا واستغفر اللّٰه لی ولکم ولسائر المسلمین من کل ذنب فاستغفروه إنه هو الغفور الرحیم.

دوسرا خطبہ:

"إنَّ الحمد للّٰه نحمده، ونستعینه ،ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسیئات أعمالنا، من یهده اللّٰه فلا مضل له، ومن یضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشریک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله. صلی اللّٰه علیه وآله وسلم تسلیماًکثیراً . قال تعالیٰ:"

" أَرَأَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ،فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ،وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ،فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ، الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ،الَّذِیْنَ هُمْ یُرَآؤُوْنَ،وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ "(الماعون:7-1)

حضرات!اس آیت کریمہ کا ترجمہ ہے:

"کیا تو نے (اسے بھی) دیکھا جو (روز) جزا کو جھٹلاتا ہے؟ یہی وہ ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔اور مسکین کو کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔ان نمازیوں کے لیے افسوس (اور ویل نامی جہنم کی جگہ) ہے۔جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔جو ریاکاری کرتے ہیں۔اور برتنے کی چیز روکتے ہیں"۔

اس آیت کریمہ میں کئی چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے،مثلا قیامت کے دن کو جھٹلانے کا ذکر،یتیم کو ستانے کا ذکر،مساکین کو کھانا نہ کھلانے کا ذکر،نماز میں غفلت برتنے اور ریاکاری

کاذکر اور معمولی چیزوں کو روکنے کا ذکر ہے۔ گویا یہ ساری چیزیں شریعت کی نگاہ میں نہایت ہی معیوب ہیں۔ ان سب سے بچنا بے حد ضروری ہے۔ بعض مفسرین کی رائے ہے کہ کسی کو اگر ان میں سے کوئی ایک بیماری کی لت لگ جائے تو دوسری بیماری بھی خود بخود اس میں پیدا ہو جائے گی۔

بہر کیف اس میں جن عظیم چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ایک ماعون بھی ہے۔ علامہ جونا گڑھی لکھتے ہیں کہ ماعون عربی زبان میں شئی قلیل کو کہتے ہیں اور وہ معن کی جمع ہے۔ بعض مفسرین اس سے مراد زکاۃ لیتے ہیں، کیونکہ وہ بھی اصل مال کے مقابلہ میں بالکل تھوڑی سی ہی ہوتی ہے (یعنی ڈھائی فیصد)۔ اور بعض اس سے گھروں میں برتی جانے والی چھوٹی چھوٹی چیزیں مراد لیتے ہیں جو ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی سے عاریتاً مانگ لیتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ گھریلو استعمال کی چیزیں عاریتاً دے دینا اور اس میں کبیدگی محسوس نہ کرنا اچھی صفت ہے۔ اس کے برعکس بخل اور کنجوسی منکرین قیامت ہی کا شیوہ ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی:

"عن أبي ذر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يا أبا ذر إذا طبخت مرقة فأكثر ماء ها وتعاهد جيرانك" (بخاری:142)

"جب تم کوئی شوربہ دار چیز پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ ملا دو، اور اس سے اپنے پڑوسی کی خبر گیری کرو"۔

یعنی اس کے گھر بھی بھیج دیا کرو۔ اس سے آپس کے تعلقات استوار رہتے ہیں اور محبت میں زیادتی ہوتی ہے۔ ہدیہ اور تحفہ بھیجنا تو یوں بھی مسنون طریقہ ہے۔ البتہ گھر کے کھانے اور سالن میں سے بھی کچھ بھیج دینا محبت کو فروغ دینا ہے۔ اس سے رنجش ختم ہو جاتی ہے۔

عموماً کھانا بنانے اور سالن پکانے میں عورتوں کا ہاتھ ہوتا ہے۔ بلکہ وہی پکاتی ہیں اور وہی پورے گھر کے افراد کو کھلاتی پلاتی بھی ہیں۔ لہٰذا ان کو اپنے گھر میں جتنی ضرورت پڑ سکتی

ہے اس کا خوب اندازہ بھی ہوتا ہے۔ مگر اس کے باوجود اس حدیث میں حکم مردوں کو دیا گیا ہے۔ اس میں ایک حکمت تو یہ ہے کہ عورتوں میں رنجش مردوں کے مقابلہ میں زیادہ ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ عورت کا دل اس حکم پر زیادہ مائل نہ ہو، چونکہ عورت پڑوسن کی معمولی معمولی بات سے کبیدہ خاطر ہو جاتی ہے، اس لیے حکم مردوں کو دیا گیا ہے۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ گھر کا مالک مرد ہوتا ہے اس لیے عموم کا لحاظ کرتے ہوئے اسی کو مخاطب کیا گیا ہے۔ ورنہ اس حکم میں مرد و عورت دونوں شامل ہیں۔

تیسری حکمت یہ ہے کہ جب مرد عورت کو کوئی حکم دیتا ہے تو اس کو بجالانا عورت کے لیے ضروری ہو جاتا ہے۔ مگر دوسری حدیث میں مقام و محل کے اعتبار سے عورت کو مخاطب کیا گیا ہے۔

ارشار نبوی ہے:

”عن أبي هريرة رضى الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: يا نساء المسلمات لاتحقرن جارة لجارتها ولو فرسن شاة“ (البخاری:2427)

”کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کے لیے کسی چیز کو حقیر نہ سمجھے اگر چہ دینے کے لیے بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو“۔

اس حدیث میں عورتوں کو اس لیے مخاطب کیا گیا کیونکہ پڑوسن میں عورتوں کا آپس میں زیادہ آنا جانا اور ملنا جلنا رہتا ہے۔ اس کے بالمقابل مرد عموماً اپنے کاروبار میں گھر سے باہر رہتے ہیں۔ یا من جملہ یہ کہ کہیں مردوں کو مخاطب کیا گیا تو کہیں عورتوں کو تا کہ توازن برقرار رہ سکے۔ اگر ایک کی جانب سے پڑوسی کے حق ادا کرنے میں کوتاہی ہو تو دوسرا اس کو یاددہانی کرائے اور یوں پڑوسی کے حقوق کی ادائیگی کا سلسلہ بدستور قائم رہے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

حقوق والدین

پہلا خطبہ:

"إنَّ الحمد للّٰه نحمده، ونستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله. صلى الله عليه وآله وسلم تسليماً كثيراً . أعوذ باللّٰه من الشيطان الرجيم ، بسم اللّٰه الرحمن الرحيم.قال تعالىٰ:"

"وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلاَ تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئاً وَّبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَالْيَتَامٰی وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ إِنَّ اللّٰهَ لاَ يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالاً فَخُوراً"(النساء:36)

"اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ سلوک و احسان کرو اور رشتہ داروں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے اور قرابت دار ہمسایہ سے اور اجنبی ہمسایہ سے اور پہلو کے ساتھی سے اور راہ کے مسافر سے اور ان سے جن کے مالک تمہارے ہاتھ ہیں (غلام کنیز)، یقیناً اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں اور شیخی خوروں کو پسند نہیں فرماتا"۔

مذہب اسلام نے حقوق کی جو پاسداری کی ہے کہیں بھی اس کی نظیر نہیں مل سکتی ہے۔

جہاں دوسروں کے حقوق کا خیال نہ کیا جائے وہاں ظلم وعدوان پھیل جانا یقینی ہے۔اور جہاں جس قدر حقوق کی ادائیگی ہوتی ہے وہاں اسی قدر صالحیت پائی جاتی ہے اور ایک پرسکون فضا قائم رہتی ہے۔ بنیادی طور پر مذہب اسلام نے حقوق کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

ا۔حقوق اللہ ۲۔حقوق العباد

حقوق اللہ کا تعلق بندوں اور ان کے معبود سے ہے۔ جب کہ حقوق العباد کا تعلق بندوں کے آپسی حقوق سے ہے۔

حضرات! اگر حقوق العباد کو مراتب کے اعتبار سے تقسیم کیا جائے تو ایک لمبی فہرست ہو سکتی ہے۔ مثلاً ماں کا حق، باپ کا حق، بیٹے کا حق، طالب کا حق، سماج کا حق وغیرہ۔ مگر ان تمام حقوق میں والدین کے حقوق کو سب سے مقدم رکھا گیا ہے۔ اور حقوق اللہ کے بعد حقوق والدین کی اہمیت جتلائی گئی ہے۔

چنانچہ ارشاد باری ہے:

”وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا“ (النساء:36)

”اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ سلوک واحسان کرو“۔

صرف مذہب اسلام کا امتیاز ہے کہ اس نے عین فطرت کے مطابق نہ صرف والدین کے حقوق کو بلکہ تمام دیگر افراد کے حقوق کو بھی متعین کیا ہے۔ مگر چونکہ ایک انسان پر والدین کے جو احسانات ہیں اتنے احسانات کسی اور کے کبھی ہو ہی نہیں سکتے۔ پیدائش سے قبل کے مراحل اور تکلیفیں، پیدائش کے وقت کا درد اور پریشانی، پیدائش کے بعد اس کی مکمل حفاظت اور دیکھ ریکھ، اس کو مسکراتے دیکھ کر ہر غم کو بھول جانا اور معمولی دکھ پر ہر خوشی کو بھول جانا وغیرہ۔ یہ مثال دنیا میں والدین کے علاوہ اور کہاں مل سکتی ہے؟ بچے کی پوری پرورش، صحت وجسم کا پورا خیال، تعلیم وتربیت کا پورا انتظام اور غلط ماحول سے بچانے کی پوری فکر اور اس

کے مستقبل کی تعمیر کے لیے مکمل کدوکاوش اور بساط سے بڑھ کر اس کا بوجھ اٹھانا، یہ والدین کے علاوہ اور کون کرسکتا ہے؟

اسی لیے دنیا میں والدین کے احسان کا کوئی ثانی نہیں۔ اور اس فطری حقیقت کا اعتراف جس قدر مذہب اسلام نے کیا ہے اس کی بھی کوئی نظیر نہیں ہے۔ بڑے ہوکر عموماً اولاد والدین سے بچھڑ جاتی ہے اور ان کو بھول جاتی ہے۔ بڑھاپے میں ان کا خیال نہیں کرتی۔ ان کو جھڑک دیتی ہے۔ لیکن اسلام نے اس پر قدغن لگاتے ہوئے ان حرکتوں کو معیوب قرار دیا ہے۔ والدین کے احسانات کو گنا گنا کر اولاد کے دل میں ان کی عظمت اور اہمیت کو جاگزیں کیا ہے۔ اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ ان کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دی ہے تا کہ اس سلسلہ میں قیل وقال اور تاویلات کے ذریعہ والدین کی خدمت سے کوئی راہ فرار اختیار نہ کرسکے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا“ (النساء:36)

”اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک واحسان کرو“۔

اس آیت کریمہ میں اگر آپ غور کریں تو دو باتیں نمایاں طور پر سامنے آتی ہیں:

ا۔ توحید اور اپنی عبادت کے ساتھ ساتھ اللہ نے والدین کے ساتھ بھی حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔ جس سے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

۲۔ ”وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا“ دونوں امر کے صیغے ہیں ”وَاعْبُدُوْا“ میں عبادت کا حکم ہے اور ”ولا تشرکوا“ میں شرک نہ کرنے کا حکم ہے۔ اور اس کے معاً بعد ”وبالوالدین إحسانا“ کا ذکر ہے۔ یعنی والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔ اس کو

ماقبل کے دونوں امر کے صیغے کے سیاق میں بیان کرنا، ایک طرف اس سے کمال بلاغت کی دلیل ملتی ہے، تو دوسری طرف معنی میں قوت پیدا ہوتی ہے۔ اور ماقبل کے احکام کی عظمت کی وجہ سے اس کی بھی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔

حضرات! اس سلسلہ میں قرآن کریم کی آیات مبارکہ کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ آیئے! اس پر سرسری نظر ڈالتے چلیں۔

سورۂ عنکبوت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْناً وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ''(العنکبوت:8)

''ہم نے ہر انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی نصیحت کی ہے۔ ہاں اگر وہ یہ کوشش کریں کہ آپ میرے ساتھ اسے شریک کرلیں جس کا آپ کو علم نہیں تو ان کا کہنا نہ مانئے۔ تم سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے۔ پھر میں اس چیز سے جو تم کرتے تھے تمہیں خبر دوں گا''۔

اس آیت کریمہ سے پتہ چلتا ہے کہ اگر والدین کافر ومشرک بھی ہوں، تب بھی ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور ان کی خدمت کرنا ضروری ہے۔ البتہ وہ اگر کفر وشرک پر مجبور کریں، تو اس سلسلہ میں ان کی بات نہیں مانی جائے گی۔ ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے والدین کے احسان کے مختلف مراحل کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهٗ وَهْناً عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصَالُهٗ فِيْ عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيْرُ''(لقمان:14)

''ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق نصیحت کی ہے، اس کی ماں باپ نے دکھ پر دکھ اٹھا کر اسے حمل میں رکھا اور اس کی دودھ چھڑائی دو برس میں ہے کہ تو میری اور

اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کر، (تم سب کو) میری ہی طرف لوٹ آنا ہے"۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

"وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَاناً حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهاً وَّوَضَعَتْهُ كُرْهاً وَّحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلاثُونَ شَهْراً حَتَّى إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِيْ أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْ أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحاً تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ إِنِّيْ تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ" (الاحقاف:15)

"اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے، اس کی ماں نے اسے تکلیف جھیل کر پیٹ میں رکھا اور تکلیف برداشت کر کے اسے جنا، اس کے حمل کا اور اس کے دودھ چھڑانے کا زمانہ تیس مہینے کا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ پختگی اور چالیس سال کی عمر کو پہنچا تو کہنے لگا اے میرے پرودگار! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر بجالاؤں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر انعام کی ہے اور یہ کہ میں ایسے نیک عمل کروں جن سے تو خوش ہو جائے اور تو میری اولاد کو بھی صالح بنا، میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں"۔

اس آیت کریمہ میں اس مشقت و تکلیف کا ذکر والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم مزید تاکید کے لیے ہے۔ جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم احسان میں ماں، باپ سے مقدم ہے۔ کیونکہ نو ماہ تک مسلسل حمل کی تکلیف اور پھر زچگی (وضع حمل) کی تکلیف، صرف تنہا ماں ہی اٹھاتی ہے۔ باپ کی اس میں شرکت نہیں ہے۔ اس لیے حدیث میں بھی ماں کے ساتھ حسن سلوک کو اولیت دی گئی ہے اور باپ کا درجہ اس کے بعد بتلایا گیا ہے۔ (احسن البیان)

اس آیت کریمہ میں ایک جملہ ہے "وفصالہ ثلاثون شھرا" فصال کے معنی

دودھ چھڑانا ہے۔اس سے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے استدلال کیا ہے کہ کم از کم مدت حمل چھ مہینے ہے۔

یعنی چھ مہینے کے بعد اگر کسی عورت کا بچہ پیدا ہو جائے تو وہ بچہ حلال ہی ہوگا، حرام کا نہیں ہوگا۔اس لیے کہ قرآن نے مدت رضاعت دوسال (۲۴ مہینے) بتلائی ہے، جس کا ذکر سورۂ لقمان آیت نمبر ۱۴ اور سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۳۳ میں موجود ہے۔اس حساب سے مدت حمل صرف چھ مہینے ہی باقی رہ جاتی ہے۔(اور یہ اقل مدت ہے)

اس آیت کریمہ میں سعادت منداولاد کی یہ صفت بھی بتائی گئی کہ وہ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرتی ہے اوران کے حق میں دعائے خیر بھی۔اس کے برعکس بدبخت اولاد والدین کے ساتھ نہ حسن سلوک کرتی ہے، نہ اسے ان کے لیے دعائے خیر کی اوررب کا شکر ادا کرنے کی توفیق ملتی ہے۔

ارشاد باری ہے:

"أَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيْرُ" (لقمان:14)

"تو میری اوراپنے ماں باپ کی شکر گزاری کر، (تم سب کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے"۔

حضرات! اب ہم نگارخانۂ قرآن سے نکل کر ذخیرۂ احادیث شریفہ میں نظر ڈالتے ہیں، تو احادیث کا حسین گلدستہ بھی حقوق والدین کے دلائل سے سجا ہوا نظر آتا ہے۔آیئے! کچھ احادیث مبارکہ اس سلسلہ میں ملاحظہ فرمائیں: ارشاد نبوی ہے:

"عن عبدالرحمن بن أبي بكرة عن أبيه رضى الله عنه قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم (أكبر الكبائر إلا شراك بالله وعقوق الوالدين وشهادة الزور، وشهادة الزور. ثلاثا. أوقول الزور) . فما زال يكررها حتى قلنا ليته سكت" (البخاری:6521)

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں سب سے بڑا گناہ نہ بتادوں؟ صحابۂ کرام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ضرور بتائیں، فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا''۔

''عن ابن مسعود رضي اللّٰه عنه سألت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم : أي العمل أحب إلى اللّٰه؟قال: الصلاة على وقتها. قلت : ثم أي ؟ قال: بر الوالدين. قلت: ثم أي؟ قال: الجهاد في سبيل اللّٰه ''(متفق علیہ)

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ کو کون سا عمل سب سے زیادہ پسند ہے؟ فرمایا: وقت پر نماز پڑھنا۔ میں نے عرض کیا پھر کون سا عمل ہے؟ فرمایا: ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔ میں نے کہا: پھر کون سا عمل؟ فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا''۔

''عن أبي هريرة: عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: رغم أنف، ثم رغم أنف ، ثم رغم أنف ، قيل : من يارسول اللّٰه !قال: من أدرك أبويه عندالكبر أحدهما أو كليهما فلم يدخل الجنة''(مسلم)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ناک خاک آلود ہو، پھر ناک خاک آلود ہو، پھر ناک خاک آلود ہو، اس شخص کی جس نے بڑھاپے کی حالت میں اپنے والدین کو پایا۔ ان میں سے ایک کو یا دونوں کو اور پھر (ان کی خدمت کر کے) جنت میں نہ گیا''۔

''عن عبداللّٰه بن عمرو بن العاص قال: أقبل رجل إلى نبي اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فقال : أبايعك على الهجرة والجهاد اتبغي الأجر من اللّٰه قال: ''فهل من والديك أحد حي'' قال: نعم بل كلاهما قال: ''فتبغي الأجر من اللّٰه '' قال: نعم قال: ''فارجع إلى والديك فأحسن

صحبتهما"۔(مسلم:6671)

''حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا: میں ہجرت اور جہاد پر آپ سے بیعت کرنا چاہتا ہوں اور اللہ سے اجر کا طالب ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تیرے ماں باپ میں سے کوئی زندہ ہے۔؟ اس نے جواب دیا: ہاں، بلکہ دونوں زندہ ہیں۔ آپ نے اس سے پوچھا: کیا تو واقعی اللہ سے اجر کا طالب ہے۔ اس نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا پھر تو اپنے والدین کے پاس لوٹ جا اور ان کی اچھی طرح خدمت کر'' (بخاری و مسلم، اور الفاظ مسلم کے ہیں)

اور ان دونوں کی ایک اور روایت میں ہے کہ ایک آدمی آیا اور اس نے آپ سے جہاد میں جانے کی اجازت طلب کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: کیا تیرے ماں باپ زندہ ہیں؟ اس نے جواب دیا: ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر تو انہی کی خدمت کی کوشش کر''۔

''عن عبداللّٰه بن عمرو عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال الكبائر : إلا شراک باللّٰه ، وعقوق والوالدين ، وقتل النفس ،واليمين الغموس''(البخاری:6675)

''حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کبیرہ گناہ یہ ہیں: اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، قتل نفس (ناحق کسی کو ماردینا یا خودکشی کرنا) اور جھوٹی قسم کھانا''۔

''عن عبداللّٰه بن عمرو بن العاص أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من الكبائر شتم الرجل والديه قالوا: يا رسول اللّٰه وهل يشتم الرجل والديه؟ قال: نعم! يسب أبا الرجل فيسب أباه يسب أمه فيسب

أمه". (مسلم: 146)

''اور عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کبیرہ گناہوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے والدین کو گالی دے۔ صحابۂ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! آدمی اپنے ماں باپ کو بھی گالی دیتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! ایک شخص کسی کے باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ (بدلہ میں) اس کے باپ کو گالی دیتا ہے۔ اسی طرح جب وہ کسی آدمی کی ماں کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کے بدلہ میں اس کی ماں کو بھی گالی دیتا ہے۔ یوں گویا آدمی اپنی اور اپنے باپ کو تو بذات خود گالی نہیں دیتا ہے، مگر دوسرے کے ماں باپ کو گالی دے کر اپنی اور اپنے ماں باپ کو گالی سنانے کا سبب بن جاتا ہے''۔ (مسلم: 146)

حضرات! یہ تو احادیث مبارکہ اور اس سے ماقبل آیات قرآنی کے ذخائر سے چند نمونے پیش کیے گئے ہیں۔ نصوص کی اس کثرت، آیات واحادیث کے انبار اور مختلف اسلوب دلائل درحقیقت اس موضوع کی اہمیت پر دلیل ہیں۔ اور حقوق العباد میں اتنے زیادہ دلائل غالباً دوسرے موضوعات پر بہت کم ملیں گے۔

بہر کیف یہ موضوع نہ صرف اسلامی نقطۂ نظر سے بہت ہی زیادہ اہمیت کا حامل ہے: بلکہ انسانی فطرت کا بھی تقاضا ہے کہ والدین کو سب سے زیادہ اہمیت دی جائے اور ان کے ساتھ اچھا حسن سلوک کیا جائے۔ مذکورہ دلائل میں آپ دوبارہ غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ کہیں والدین کے ساتھ حسن سلوک فرض قرار دیا، تو کہیں اس کی ترغیب دلائی، کہیں عقوق والدین یعنی والدین کی نافرمانی کو حرام قرار دیا تو کہیں اسے گناہ کبیرہ کہا اور ان کو جھڑکنے سے روکا۔ بلکہ ایسا سبب بھی بننے سے روک دیا گیا جس کی وجہ سے ان کو گالی سننا پڑے۔ کہیں پر ان کا شکریہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا، تو کہیں ان کی خدمت کو جہاد کا درجہ قرار دیا گیا۔ کہیں نافرمان اولاد کو سخت سست کہا۔ تو کہیں والدین کی نافرمانی کو اللہ کے غضب کا سبب بتایا گیا۔

آخر کہاں تک گناؤں کہ اس موضوع کی اہمیت اور والدین کی عظمت کیا کیا ہے۔

حضرات! والدین کے ساتھ حسن سلوک ایک نہایت ہی بنیادی حق اور اہم ترین فریضہ ہے۔ اسی طرح ان کی خدمت وفرماں برداری بھی ایک بہترین اطاعت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رب العالمین نے والدین کے حقوق کو اپنے حقوق کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

اولاد پر والدین کے حقوق یہ ہیں کہ اولاد ان کی عزت وتکریم کرے۔ ان کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ ان کے آرام وسکون کی خاطر اپنی جان ومال کو قربان کردے۔ ان کی رضا وخوشنودی حاصل کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھے۔ بڑھاپے میں ان کا پورا خیال رکھے۔ نرمی سے ان کے ساتھ پیش آئے۔ سن رسیدہ ہونے کی وجہ سے ان کی طرف سے جو تکلیف پہنچے اس کو برداشت کرے۔ اپنی کم عمری کی حرکتوں کو یاد کرکے ان سے اگر کچھ بچکانہ حرکت صادر ہو جائیں تو اس کو مسکرا کر فراموش کردے۔ اور ہمیشہ یہ جذبہ دل کے سمندر میں موجزن رہے کہ دنیا کا کوئی انسان اپنے مشفق باپ اور مہربان ماں سے بڑھ کر اطاعت وفرمانبرداری اور حسن سلوک کا مستحق نہیں ہوسکتا ہے۔ یہ وہی ماں ہے جس نے حمل کی تکلیفیں اٹھائیں، پیدائش کا درد برداشت کیا، دوسال تک اپنی چھاتی سے دودھ پلایا، خود بھوکی پیاسی رہی، مگر اپنے بچے کو رونے تک نہ دیا۔

بچہ نے گود میں پیشاب کردیا، تو ماں نے مسکرادیا۔ اگر کبھی بیمار ہوا، ماں کی جان نکل گئی۔ آخر اس کا ثانی کون ہوسکتا ہے۔ بھلا دنیا میں ماں کا ثانی بھی کوئی ہوسکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں!! اسی لیے تو پیارے حبیب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کا درجہ باپ کے مقابلہ تین گنا زیادہ قرار دیا ہے۔

''عن أبي زرعة عن أبي هريرة رضى الله عنه قال: جاء رجل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: يارسول الله! من أحق الناس بحسن صحابتي؟ قال: ''أمک'' قال: ثم من؟ قال: ثم أمک'' قال: ثم

من؟ قال: "ثم أمک" قال: ثم من؟قال "ثم أبوک" (رواہ البخاری: 5971)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میری خدمت کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: تیری ماں! اس شخص نے پھر کہا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: تیری ماں! اس نے کہا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: تیری ماں! اس نے کہا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: پھر تیرا باپ"۔

اس حدیث میں واقعی ماں کا جو حق بیان کیا گیا وہ بہت ہی اہم ہے اور اس کے بعد باپ کا ذکر کے یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ دوسرے نمبر پر اگر پوری دنیا کے تمام لوگوں میں سے کوئی تیری اطاعت و فرماں برداری اور خدمت و حسن سلوک کا مستحق ہے، تو وہ تیرا باپ ہے۔ لہٰذا ماں اور پھر باپ دونوں ایک طرف اور اس کے بعد دوسرے تمام لوگ ایک طرف ،مگر ماں باپ کا رتبہ سب پر بھاری ہے۔ اور اسی لیے ان دونوں کے حقوق سب سے زیادہ ہیں۔ ماں کے بعد وہ باپ ہی کی شخصیت ہے، جو اولاد کی حفاظت اور پرورش و پرداخت میں اثر انداز ہوتی ہے۔ اس کو تعلیم و تربیت دینے میں اور اس کو ہر طرح سے نکھارنے میں باپ کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔ اس کی پائی پائی کی کمائی کا بیشتر حصہ اولاد کے لیے صرف ہوتا ہے۔ اسی طرح اولاد کے غم سے غم، اور ان کی خوشی سے خوشی کو حقیقی معنی میں محسوس کرنا، ماں کے بعد باپ ہی کا حصہ ہے۔ باپ بھی زندگی کا انمول حصہ اولاد کی نذر کر دیتا ہے۔

بہر کیف، ماں اور پھر باپ اس دنیا میں نہایت قیمتی جوہر ہیں۔ اور جنت میں داخل ہونے کے اسباب بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو والدین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

دوسرا خطبہ:

”إنَّ الحمد للّٰه نحمده، ونستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله.:“

أما بعد فإن أصدق الحديث كتاب اللّٰه، وأحسن الهدي هدي محمد، وشر الأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار.

حضرات! جن ماں باپ کے اتنے سارے احسانات ہیں، جنہوں نے ہماری زندگی، ہماری شفایابی، ہماری اچھی تربیت، ہماری درازئی عمر، ہماری پرورش، ہماری تعلیم، ہماری کامیابی، ہمارے اچھے مستقبل اور ہمارے حسین خوابوں کی تعبیر کے لیے نہ جانے کتنی دعائیں کی ہوں گی۔ آیئے آج ہم بھی ان کے لیے دعا کریں اور یہ بھی منشائے شریعت ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْراً“ (الإسرائیل:24)

”اور عاجزی اور محبت کے ساتھ ان کے سامنے تواضع کا بازو پست رکھے رکھنا اور دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار! ان پر ویسا ہی رحم کر جیسا انہوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی ہے“۔

”رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابَ“ (ابراہیم:41)

''اے ہمارے پروردگار! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو بھی بخش اور دیگر مومنوں کو بھی بخش جس دن حساب ہونے لگے''۔

''رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِناً وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِيْنَ إِلَّا تَبَاراً''(نوح:28)

''اے میرے پروردگار! تو مجھے اور میرے ماں باپ اور جو بھی ایمان کی حالت میں میرے گھر میں آئے اور تمام مومن مردوں اور عورتوں کو بخش دے اور کافروں کو سوائے بربادی کے اور کسی بات میں نہ بڑھا''۔

واخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

خلوص وللہیت

پہلا خطبہ:

"إنَّ الحمد للّٰه نحمده، ونستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله. صلى اللّٰه عليه وآله:"

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ"(آل عمران:102)

"يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا"(النساء:1)

"يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا، يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا"(الأحزاب:70:71)

أما بعد فإن أصدق الحديث كتاب اللّٰه، وأحسن الهدي هدي محمد، وشر الأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار.

وقال اللہ سبحانہ وتعالیٰ:

"إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصاً لَّهُ الدِّيْنَ" (الزمر:2)

"یقیناً ہم نے اس کتاب کو آپ کی طرف حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے، پس آپ اللہ ہی کی عبادکریں، اسی کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے"۔

محترم سامعین کرام! آج ہماری بات چیت (ان شاء اللہ) ایک بہت ہی اہم چیز کے بارے میں ہوگی۔ ایسی چیز جس کے بغیر اللہ سبحانہ تعالیٰ کوئی عمل قبول نہیں کرتا، جس کی وجہ سے کسی کے درجات بلند کیے جاتے ہیں اور کسی کے پست۔ وہ اہم چیز ہے، "اخلاص"۔

میرے بھائیوں! اخلاص ایک بہت ہی اہم مقصد ہے اور وہ قبول عمل کا ایک رکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کوئی عمل صرف اس حالت میں قبول کرتا ہے، جب وہ عمل نیک ہو اور خالص اسی کی خوشنودی کے لیے ہو، لیکن اگر کوئی شخص ایسا عمل کرتا ہے جس میں وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو بھی شریک کر دیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کا یہ عمل قبول نہیں کرتا، خواہ اس کا وہ عمل کتنا ہی زیادہ اچھا ہو۔

کسی چیز کے شرعی وجوب کو ثابت کرنے کے لیے قرآن کریم کی ایک دلیل ہی کافی ہے۔ اس سلسلہ میں مذکورہ خطبہ کے اخیر میں یہ آیت پڑھی گئی ہے:

"إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصاً لَّهُ الدِّيْنَ" (الزمر: 2)

"اے میرے نبی! ہم نے اس کتاب کو آپ کی طرف حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے، پس آپ اللہ ہی کی عبادت کریں، اسی کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے"۔

اس آیت میں عبادت کے لیے وجوب اخلاص نیت کی واضح دلیل پائی جاتی ہے۔ لہٰذا کوئی عبادت اخلاص کے بغیر اللہ کے نزدیک قبول نہیں۔ "إنما الأعمال بالنيات"

اعمال کا دارمدار نیتوں پر ہے۔ اس حدیث سے بھی اخلاص نیت کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جو بھی اچھا عمل صرف اللہ کی رضامندی وخوشنودی کی نیت سے کیا جائے (بشرطیکہ وہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہو) وہی عمل اللہ کے نزدیک مقبول ہوگا، اور جس عمل میں کسی اور جذبے کی آمیزش ہوگی، یا وہ عمل سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف ہوگا وہ ناقابل قبول ہوگا۔

شفیا اصبحی سے مروی ہے، مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو ایک ایسے آدمی سے سامنا ہوا جن کے گرد لوگ جمع تھے، انہوں نے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں؟ تو لوگوں نے کہا: یہ حضرت ابو ہریرہ ہیں۔ میں ان کے قریب پہنچ کر ان کے سامنے بیٹھ گیا، جب کہ وہ لوگوں کو حدیث بیان کر رہے تھے۔ جب وہ خاموش ہو گئے اور تنہائی ہوئی تو میں نے ان سے کہا: جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایسی حدیث سنائیے جسے آپ نے سنا اور سمجھا ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے انہیں ایسی ہی حدیث سنانے کا وعدہ کیا، پھر آپ نے ایک حدیث سنائی جس میں تین افراد کا ذکر تھا:

۱۔ جن میں سے پہلا وہ قاری ہے جس سے قیامت کے دن اللہ پوچھے گا کہ بتاؤ: کیا میں نے اپنے رسول پر اتارا ہوا قرآن تمہیں نہیں سکھایا؟ وہ کہے گا: جی ہاں، اے میرے رب! پھر اللہ فرمائے گا: تم نے اپنے سیکھے ہوئے علم میں کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا: میں دن رات اس کے مطابق عمل کرتا رہا، تو اللہ اسے جواب دے گا کہ تم نے جھوٹ کہا۔ فرشتہ بھی اس سے کہے گا کہ تم نے جھوٹ کہا۔ پھر فرمائے گا: بلکہ تو نے عمل کرتے وقت ارادہ کیا تھا کہ یہ کہا جائے کہ فلاں شخص قاری ہے، چنانچہ تجھے وہ کہا گیا۔

۲۔ پھر ایک مالدار کو حاضر کیا جائے گا، تو اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ کیا میں نے تیرے رزق میں وسعت نہیں دی تھی اور کیا تجھے ایسا نہیں بنا دیا کہ تو کسی کا محتاج نہ رہے؟ وہ مالدار جواب دے گا کہ جی ہاں، اے میرے رب!، پھر اللہ پوچھے گا کہ تو میرے دیے

ہوئے اس مال کا کیا کیا؟ وہ جواب دے گا کہ میں نے اسے صلہ رحمی میں خرچ کیا اور صدقہ کرتا رہا، تو اللہ اسے جواب دے گا: تو نے جھوٹ کہا۔ فرشتہ بھی اس سے کہے گا: تو نے جھوٹ کہا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: بلکہ تو نے اس طرح خرچ کرنے میں یہ ارادہ کیا تھا کہ یہ کہا جائے کہ فلاں شخص بہت سخی ہے، چنانچہ تجھے ایسا کہا گیا۔

۳۔ پھر اس شخص کو حاضر کیا جائے گا جسے فی سبیل اللہ قتل کر دیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ تو کس لیے قتل کر دیا گیا تھا؟ وہ جواب دے گا کہ مجھے فی سبیل اللہ جہاد کا حکم دیا گیا تھا، چنانچہ میں دشمن سے لڑا یہاں کہ میں قتل کر دیا گیا، تو اللہ جواب دے گا تو نے جھوٹ کہا اور فرشتہ بھی اس سے کہے گا کہ تو نے جھوٹ کہا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو نے جہاد میں یہ ارادہ کیا تھا کہ یہ کہا جائے کہ فلاں شخص بہت بہادر ہے، چنانچہ وہ کہا گیا۔

(مذکورہ تینوں افراد کے بارے میں سوال وجواب بیان کرنے کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھٹنے پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ اے ابو ہریرہ! وہ تینوں (قسم کے) افراد اللہ کی اول مخلوق ہوں گے جن سے قیامت کے دن جہنم کی آگ سلگائی جائے گی۔ (ترمذی۔ صحیح وضعیف الترمذی رقم 2382: میں شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

محترم بھائیو! غور کیجیے کہ قیامت کے دن ایک حافظ، قاری کے لیے قرآن کریم نے کیوں سفارش نہیں کی، یا اس کی نجات کے لیے کیوں سفارش نہیں کرے گا؟ حالانکہ قرآن کریم اپنے حافظ وقاری کا قیامت کے دن شافع ہوگا، لیکن مذکورہ قاری کے عدم اخلاص کی وجہ سے قرآن کریم اس کا شافع نہیں بنے گا اور نہ اس کی سفارش کرے گا۔ اسی طرح مذکورہ مالدار کی طرف سے لوگوں پر خرچ کیے ہوئے مال کا احسان اور نہ لوگوں کے ساتھ اس کی صلہ رحمی قیامت کے دن اس کی سفارش کرے گی، کیوں کہ وہ اپنے انفاق میں مخلص نہیں تھا، اور یہی حال اس لڑا کو مقتول کا ہے، جو میدان کارزار میں قتل کر دیا گیا تھا۔ اس کا قتل ہو جانا بھی

اسے عذاب آخرت سے بچانے کے لیے سفارش نہیں کرے گا۔ کیونکہ اس کی لڑائی اخلاص سے خالی تھا۔ پس کہاں ہیں ہم اور آپ؟ کہاں ہے ہمارے اور آپ کے نیک اعمال کا ذخیرہ؟ اور کہاں ہے ہلاکت سے ہماری اور آپ کی نجات کا راستہ؟ اگر ہم قبولیت کے اس اہم رکن یعنی ''اخلاص'' سے تغافل برتتے رہے! اگر ہم اپنے اخلاص کو معدوم ہونے سے یا داغدار ہونے سے بچانا چاہتے ہیں تو ہمیں مفسدات اخلاص یا اخلاص کے منافی درج ذیل چیزوں سے بچنا ہوگا:

شرک اکبر:

شرک اکبر، اخلاص کے منافی عمل ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ارادتاً انجام دیئے گئے کسی عمل میں غیر اللہ کو، اللہ تعالیٰ کا شریک ثابت کیا جائے یا شریک مانا جائے۔ یہ ایسا عقیدہ یا نظریہ ہے جو اس حامل شخص کے اخلاص کو فاسد کر دیتا ہے اور اس کو ملت اسلامیہ سے بالکلیہ خارج کر دیتا ہے اور اسے ہمیشہ کے لیے جہنم میں دھکیل دیتا ہے۔ یہ شرک اکبر، اخلاص کی ضد ہے اور تمام نیک اعمال کو ضائع و برباد کر دیتا ہے۔

شرک اصغر:

شرک اصغر بھی اخلاص کے منافی عمل ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ کسی نیک قول یا فعل میں ایسا ناجائز ارادہ شامل کر دیا جائے جس کی وجہ سے اس قول یا فعل پر شرعاً وصف شرک کی تعریف صادق آئے۔ ایسا ارادہ رکھنے والا گنہگار ہوگا، لیکن وہ ملت اسلامیہ سے خارج شمار نہیں کیا جائے گا؛ جیسے کسی نیک قول یا فعل میں ''ریاکاری'' یا اپنی شہرت'' کا ارادہ کرنا وغیرہ۔ شرک اصغر، توحید کے کمال کو نقصان پہنچاتا ہے اور اخلاص کے منافی بھی ہے؛ لیکن یہ صرف اسی عمل کو ضائع یا برباد کرتا ہے، جس عمل میں یہ شرک اصغر واقع ہوا ہو۔ جب کہ اس شخص کے دیگر نیک اعمال جن میں شرک اصغر شامل نہ ہو، وہ اعمال برباد نہیں ہوں گے۔ برخلاف شرک اکبر کے، کیونکہ وہ عقیدہ و نظریہ سے تعلق رکھتا ہے، اس لیے شرک اکبر کے

مرتکب کے سبھی نیک اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔ بہر حال شرک اصغر میں اچھے اچھے لوگوں کے ملوث ہونے کا بہت زیادہ خطرہ رہتا ہے۔ جیسا کہ درج ذیل حدیث سے واضح ہے:

"عن محمود بن لبيد أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن أخوف ماأخاف عليكم الشرك الأصغر، قالوا: وما الشرك الأصغر يا رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال: الرياء، يقول الله عزوجل لهم يوم القيامة، إذا جزئ الناس بأعمال لهم: إذهبوا إلى الذين كنتم تراؤون، في الدنيا، فانظروا هل تجدون عندهم جزاء؟"(مسند احمد برقم: 22528وصحيح الجامع الصغير رقم :1555-694)

"محمود بن لبید سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تم لوگوں پر جس چیز سے سب سے زیادہ ڈرتا ہوں، وہ شرک اصغر ہے۔ سامعین نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! شرک اصغر کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: ریا کاری: اللہ عزوجل شرک اصغر میں ملوث لوگوں سے قیامت کے دن کہے گا کہ تم ان کے پاس جاؤ، جن کے سامنے تم دنیا میں ریا کاری کرتے تھے، پھر دیکھو کیا تم ان کے پاس اپنے کیے کا کوئی بدلہ پاتے ہو؟"

"وأيضاً عن ابن عباس رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من سمع سمع الله به، ومن رائ رائ الله به" (رواه البخاری، باب الرياء والسمعة، ومسلم باب من الشرك في عمله غير الله)

"نیز ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دکھاوے کے لیے کوئی عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن رسوا کر دے گا۔ اور جو کوئی نیک عمل لوگوں کی نظر میں بڑا بننے کے لیے کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے چھپے عیبوں کو لوگوں کے سامنے ظاہر کر دے گا۔"

"جو شہرت چاہے گا، اللہ تعالیٰ اسے شہرت کے لیے ڈھیل دے دے گا، اور جو شخص ریا کاری کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے ریا کاری کے لیے ڈھیل دے دے گا"۔

دینی کام میں دنیوی مقصد شامل کرنا:

کسی دینی کام میں دنیوی مقصد شامل رکھنا بھی اخلاص کے منافی ہے۔ اور وہ اس طرح کہ کوئی شخص اپنے دینی اعمال کو کسی دنیوی فائدہ کے لیے انجام دے، جیسے کوئی شخص مال غنیمت حاصل کرنے کے لیے جہاد کرے، یا کوئی شخص اس لیے دینی تعلیم حاصل کرے تا کہ اس سرٹیفکٹ سے کوئی اچھی ملازمت حاصل کر سکے۔ اس کی دو شکلیں ہیں:

پہلی شکل تو یہ ہے کہ اس کے اس دینی عمل سے خالص دنیوی فائدہ حاصل کرنے کا ارادہ ہو، یا دینی و دنیوی دونوں ارادے مشترک شامل ہوں۔ لیکن اس عمل کے (الف) دینی ارادہ اور دنیوی ارادہ دونوں برابر درجہ کے ہوں۔ (ب) اس میں اس کا دنیوی ارادہ دینی ارادہ پر غالب ہو۔ ان دونوں صورتوں میں ارادہ "اخلاص" کے منافی اور گناہ اور ضیاع عمل کا موجب ہے۔ جس کی وضاحت درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

"وعن أبي بن كعب قال: قال رسول اللّٰه صلى الله عليه سلم :"بشر هذه الأمة بالسناء والتمكين في البلاد، والنصر والرفعة فيا لدين، ومن عمل منهم بعمل الأخرة للدنيا ، فليس له في الأخرة نصيب" (مسند احمدرقم : 20276)

"حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا: اس ملت اسلامیہ کو ملکی اقتدار اور دینی تفوق و نصرت کی خوشخبری ہے۔ لیکن ان میں سے جو شخص دینی کام دنیوی فائدے کے لیے کرے گا، اسے آخرت میں اس کام کا کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا"۔

اور دوسری شکل یہ ہے کہ اس کے نیک اعمال سے دنیوی فوائد کے حصول کا ارادہ، عبادت کے شرعی مقصد کے تابع اور معاون ہو، تو ایسا ارادہ جائز ہے اور اخلاص کے منافی

نہیں ہے۔ تاہم ایسا ارادہ کرنے والا اجر وثواب کے اعتبار سے اس شخص جیسا نہیں ہوگا، جو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے نیت کرنے والا ہو۔

خواہشات نفس کا اتباع:

اس سے مراد یہ ہے کہ جب اطاعت کا سبب نفسانی خواہش اور اسی کی تسلی کا سامان بن جائے، اور اس اطاعت میں تقرب إلی اللہ کا جذبہ شامل نہ ہو، تو ایسا اتباع بھی اخلاص کے منافی اور اسے بگاڑنے والا ہے۔

عجب یا خود پسندی:

یعنی خود کو اور اپنے کاموں کو اوروں کے مقابلے اچھا سمجھا جائے، اور وہ اس دھوکے میں مگن رہے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے بالکل ٹھیک ہے۔ ایسا شخص اپنے نفس کی حقیقت سے بے خبر اور اللہ تعالیٰ کے اپنے بندے پر کیے گئے انعام واکرام کی رؤیت سے قاصر رہنے کے سبب ایسا کرتا ہے۔ یہ عمل ریا کاری سے زیادہ خطرناک ہے، کیونکہ یہ نفس کے شرک کے قبیل سے ہے، جو بندے سے برابر چپکے رہتا ہے۔ خود پسند شخص کی ایک بڑی مصیبت یہ ہے کہ اس کے عمل کا اصل محرک اس کی خود پسندی کو غذا پہنچاتا رہتا ہے نہ کہ وہ تقرب إلی اللہ کے لیے اور نہ اللہ کے حکم کی تعمیل کے لیے کوئی غذا پہنچاتا ہے۔ چنانچہ علامہ نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ "اخلاص" کو کبھی خود پسندی کی آفت لاحق ہو سکتی ہے۔ پس جو شخص اپنے عمل میں خود پسندی کا رویہ اپنائے گا، اس کا وہ عمل برباد ہو جائے گا۔

تکبر یا گھمنڈ:

یعنی حق بات کو رد کرنا اور خود پسندی وخود بینی کے سبب مخلوق پر ناحق اپنا بڑکپن جتانا۔ یہ بھی نفس کے شرک کے قبیل سے ہے، جو "اخلاص" کے منافی اور اس سے ملوث عمل کو برباد کرنے والا ہے؛ کیونکہ اللہ کا تقرب وتعمیل حکم کی رغبت اسے ارادے پر عمل کرنے یا اسے ترک کرنے کے لیے آمادہ نہیں کرتی؛ بلکہ جو چیز اسے عمل کرنے یا ترک عمل پر آمادہ کرتی

ہے، وہ ہے تکبر کی نفسانی خواہش اور لوگوں کو چھوٹا اور حقیر سمجھنے کی نفسانی رغبت۔

البتہ کچھ باتیں ہیں جو تقریباً اسی قبیل کی ہیں تاہم اخلاص کے منافی نہیں ہیں۔ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں؛

دوسروں کو نظر آنے والے کسی نیک عمل میں اخروی بھلائی کا ارادہ کرنا۔ جیسے عبادت میں جنت کی حصولیابی اور جہنم سے نجات کا ارادہ کرنا۔ اس قسم کی باتیں اخلاص کے منافی ہیں۔

با آواز بلند انجام دی جانے والی عبادات کو علی الاعلان انجام دینا، نیز کسی بندے کے گناہ کو پوشیدہ رکھنا، جس سے اخلاص میں کوئی حرج نہ ہوتا ہو؛ بلکہ شرعاً وہ مشروع ہو۔ چنانچہ ریاء کے خوف سے کسی بھی مشروع یا جائز عمل کو ممنوع قرار نہیں دیا جاسکتا؛ بلکہ اسے انجام دینے اور اس میں اخلاص برتنے کی ترغیب دی جائے گی۔

لوگوں کا کسی شخص کے فرماں بردارانہ عمل پر تعریف کرنا، جب کہ وہ عمل اس عامل کے کسی تعرض یا اشارے کے بغیر ہو۔ لہٰذا جس نے کسی مومن کو اس کی کوئی خوشخبری پہنچانے میں جلدی کی، تو اس میں ریاکاری کا کوئی دخل نہیں۔ یعنی ایسا کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ درج ذیل حدیث سے واضح ہے:

"عن أبي ذر رضي اللّٰه عنه قال: قيل لرسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: أريت الرجل يعمل العمل من الخير ويحمده الناس عليه، قال: تلك عاجل بشرى المؤمن"(صحيح مسلم رقم:4780، باب إذا أثني على الصالح، فهي بشرى لاتضره وصحيح ابن ماجه: 3404-4225، كتاب الزهد، باب الثناء الحسن)

"حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ: ایسے آدمی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو نیک عمل کرتا ہے، جس

پر لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ: یہ مومن کے لیے پیشگی خوشخبری ہے"۔

ضمنی مقاصد جو دینی عمل کے معاون ہوں اور جنہیں شارع نے جائز قرار دیا ہو، جب کہ اس عمل میں اخلاص غالب ہو، اور اللہ تعالیٰ کا تقرب و تعمیل حکم کا ارادہ ہی بندے کے لیے اصل محرک ہو۔ جیسے حج و تجارت کا سفر اور صلہ رحمی کے ضمن میں اکتساب رزق پر مدد مانگنا، اور صدقہ کے ضمن میں شفایابی و علاج پر مدد مانگنا۔ اس قسم کی باتیں اخلاص کے منافی نہیں ہیں۔

ایک عبادت کو دوسری عبادت میں شریک کرنا۔ جیسے کوئی اپنے روزے سے اللہ کی قربت اور اپنی پاک دامنی دونوں کی نیت کرے، تو ایسی بات مشروع و جائز ہے۔ جس کا اخلاص میں روکاوٹ ڈالنے کا کوئی دخل نہیں۔

عبادت میں حاضر ہونے اور لوگوں سے ملاقات کرنے کے لیے اچھا لباس زیب تن کرنا۔ ایسی بات ہے جو اخلاص کے منافی نہیں ہے۔ اس کے برعکس ریا کاری میں پڑ جانے کے ڈر سے لوگوں کے سامنے اپنے عیوب ظاہر کرتے رہنا، قطعاً اخلاص کی علامت نہیں ہے۔

کچھ بزرگ عابدوں کا سامنا کرتے وقت، ان کا عملی نمونہ قبول کرتے ہوئے اور ان کے نقش قدم کی اتباع کر کے کسی شرعی حکم پر عمل کرنا، یا اس میں مقدار معمول سے کچھ زیادہ کرنا۔ یہ عمل صالحین کی مجلس میں بیٹھنے کے آثار میں سے ہے اور سستی و غفلت دور کرنے والی بات ہے۔ ان میں ریا کاری کا کوئی دخل نہیں ہوتا، جب کہ ایسا عمل خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو۔

دوسرا خطبہ:

"إنَّ الحمد للّٰہ نحمده، ونستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰہ فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰہ وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله. أمابعد!

محترم سامعین کرام! اخلاص کے بارے میں اب تک جو تفصیل بتائی گئی، اسے آپ اچھی طرح یاد رکھیں، کوئی بھی نیک عمل اس کے بغیر قبول نہیں ہوتا۔ اس کی اہم خوبیاں یہ ہیں کہ اس سے عقیدۂ توحید مضبوط ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے مومن شرک ونفاق سے محفوظ رہتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان اخلاص سے عاری ہو تو شرک ونفاق اسے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور وہ جہنم کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس جو مومن اخلاص سے مزین رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے تمام صغیرہ گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور اس کا نیک عمل قبول کر کے اس کے اجر وثواب کو اتنا بڑھاتا ہے کہ وہ احد پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔ اللہ کرے کہ ہم اللہ کے لیے ہر عبادت کو انجام دینے میں اخلاص کو ملحوظ رکھ سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مخلص وموحد بنائے رکھے، اس کے منافی اعمال سے ہمیں محفوظ رکھے اور ہمیں ان نیک مومنین میں شامل کرے، جن کا اللہ تعالیٰ نے سورۃ المومنون کی ان آیتوں میں ذکر فرمایا ہے:

"إِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ،وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ،وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ، وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ إِلٰى رَبِّهِمْ رَاجِعُوْنَ،أُولٰٓئِكَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُوْنَ"

"یقیناً جو لوگ اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے ہیں، اور جو اپنے رب کی آیتوں

پر ایمان رکھتے ہیں، اور جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے اور جو لوگ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل کپکپاتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں، یہی ہیں جو جلدی جلدی بھلائیاں حاصل کر رہے ہیں، اور یہی ہیں جو ان کی طرف دوڑ جانے والے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ ہمیں عبودیت کی مٹھاس کا ذوق نصیب فرمائے، ہمیں آخرت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے سرفراز کرے، ہمیں کمالِ ایمان وہدایت نصیب فرمائے، نیک عمل کی توفیق اور آخرت میں سعادت سے ہمکنار کرے، ہمیں ہر قسم کی پریشانی، فتنہ اور فریب سے محفوظ رکھے اور ہمیں غیر اللہ کی عبودیت سے بھی محفوظ رکھے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس بارے میں کامیابی عطا فرمائے کہ لوگ ہماری اچھی باتیں قبول کریں اور وہ پیار ومحبت سے پیش آئیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو نیک بنائے اور تکبر وخود پسندی اور حسد کی گندگیوں سے پاک صاف رکھے، اور توفیق دے کہ امت مسلمہ کو نصرت وتقویت پہنچانے میں ہم حتی المقدور حصہ لے سکیں۔

شرک اصغر وشرک اکبر سے پناہ مانگنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سکھائی ہوئی اس دعا کو ہم وقتاً فوقتاً پڑھتے رہیں:

''اللّٰهم إني أعوذبك أن أشرك بك وأنا أعلم، واستغفرك لما لا أعلم، اللّٰهم ارزقنا الإخلاص في القول والعمل'' (صحيح وضعيف الجامع للشيخ الألباني رقم:6044)

عزیز بھائیو! کیا ہم میں سے ہر ایک کے دل میں یہ آرزو نہیں ہے کہ اسے آخرت میں اللہ کے نزدیک سعادت نصیب ہو؟ کیا اس کے دل میں یہ آرزو نہیں ہے کہ وہ آخرت میں اللہ کا مکرم وپسندیدہ بندہ بن جائے؟

کیا ہم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ آخرت میں اللہ کے سامنے اس کے کیے

ہوئے نیک اعمال بھی بے کار، بلکہ وبال بن جائیں؟ کیا ہم میں سے کوئی اپنے لیے یہ پسند کرے گا کہ وہ آخرت میں ہمیشہ کے لیے جہنم میں دھکیل دیا جائے؟ جب کہ اس کے سامنے یہ منظر ہوگا، اور وہ دیکھ رہا ہوگا کہ ایماندار بندے پوری سعادت مندی کے ساتھ جنت میں لطف اندوز ہو رہے ہیں اور کفر کرنے والے بدبخت بندے جہنم کی آگ میں تلملا رہے ہیں۔

فأوصيكم يا إخواني وإياى بتقوى الله، و بالله وبالإخلاص في الأعمال، والله يعلم ماتصنعون .

خوف وامید

پہلا خطبہ:

"إنَّ الحمد للّٰه نحمده، ونستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله.أمابعد:

"يَآ أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيْراً وَّنِسَآءً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْباً"(النساء:1)

"يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلاً سَدِيْداً، يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِيْماً"(الأحزاب:70:71)

أما بعد فإن أصدق الحديث كتاب اللّٰه، وأحسن الهدي هدي محمد، وشرالأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالةوكل ضلالة في النار.

وقال اللّٰه سبحانه وتعالىٰ:

"إِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَآءَهٗ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ إِنْ كُنْتُمْ

مُّؤْمِنِيْنَ'' (آل عمران: 2)

''یہ خبر دینے والا صرف شیطان ہی ہے، جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے۔ تم ان کافروں سے نہ ڈرو اور میرا خوف رکھو، اگر تم مومن ہو''۔

معزز سامعین کرام !السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! بطور یاددہانی عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہت ساری نعمتیں دے رکھی ہیں اور اس کے ساتھ اس کی مہربانیاں بہت ہیں، لیکن ان تمام نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت اور مہربانی یہ ہے کہ اس نے ہمیں عدم سے وجود بخشا۔ اس پر ہمیں صرف زبان سے ہی نہیں ؛ بلکہ دل سے بھی اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ کیونکہ دل کی باتوں کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ جب کہ دل ہی سے اخلاص کا تعلق ہے اور زبان دل کی تابع ہے۔ جب دل اللہ کے مخلصانہ شکر سے معمور ہوگا تو اس کی تابع زبان سے نکلے ہوئے الفاظ شکر بھی مخلصانہ ہوں گے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ دل اعضائے جسم کا بادشاہ ہے، اور اعضاء اس کے لشکر ہیں۔ بادشاہ صحیح ہو تو صحیح احکام صادر کرے گا، اور اس کے لشکر بھی صحیح کام کریں گے۔ اگر بادشاہ صحیح نہ ہو، تو اس کے احکام اور اس کے لشکر کے کام کے صحیح ہونے کی امید نہیں کی جاسکتی۔ درج ذیل حدیث سے اس کی پوری وضاحت ہوجاتی ہے:

قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم : (ألا وإن في الجسد مضغة إذا صلحت صلح الجسد كله، وإذا فسدت فسد الجسد كله، ألا وهي القلب.(البخاری، كتاب الإيمان ، باب فضل من استبراء لدينه)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خبردار! اس بات کو غور سے سنو! یقین کرو کہ جسم میں گوشت کا ایک ایسا ٹکڑا ہے کہ جب تک وہ ٹھیک رہتا ہے پورا جسم ٹھیک رہتا ہے؛ لیکن جب وہ خراب ہوجاتا ہے تو پورا جسم خراب ہوجاتا ہے۔ یاد رکھو کہ گوشت کا وہ ٹکڑا دل ہے۔

لہٰذا اللہ کے کسی بندے سے اچھے کام کی، یا اللہ پر صحیح عقیدہ رکھنے کی امید، صرف اس صورت میں کی جاسکتی ہے، جب اس کا دل صحیح و مستقیم ہو۔ جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مروی حدیث میں آیا ہے:

"عن النبي صلى الله عليه وسلم: لا يستقيم إيمان عبد حتى يستقيم قلبه" (مسند احمد)

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی بندے کا ایمان اس وقت تک صحیح نہیں ہوسکتا، جب تک کہ اس کا دل صحیح و درست نہ ہو"۔

اور دل کے صحیح و درست ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا اعتقاد رکھا جائے، اس کی تعظیم کی جائے، اس سے محبت رکھی جائے، اس سے خوف کیا جائے یعنی ڈرتے رہا جائے۔ نیز اسی سے اپنی مرادیں پانے کی امید رکھی جائے، اس کی فرماں برداری دل و جان اور محبت سے کی جائے اور اس کی نافرمانی سے نفرت کی جائے۔

دل کی اہمیت پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مروی ایک حدیث میں آیا ہے:

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله لا ينظر إلى صوركم وأموالكم؛ ولكن ينظر إلى قلوبكم وأعمالكم" (مسلم كتاب البر والصلة والآداب)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری شکل وصورت اور مال ودولت کی طرف نہیں دیکھتا؛ وہ صرف تمہارے دلوں اور عملوں کی طرف دیکھتا ہے"۔

ہم مسلمانوں کا ایمان ہے کہ انسان کی زندگی و موت اللہ کے ہاتھ میں ہے، اور اسی اللہ ہی کی مہربانی ہے کہ اس نے ہمیں اب تک باحیات رکھ کر اپنا ہفتہ وار اجتماعی شکریہ ادا کرانے کے لیے جمعہ کے دن، اپنے مبارک گھر میں جمع ہونے کی توفیق دی۔

فله الحمد والشكر بالغدو والأصال، ملأالسماوات والأرض

و ملأما شاء من شيء بعد.

اللہ نے انسان کو پیدا کر کے اسے دنیا کی عارضی زندگی گزارنے کے لیے اسلام کی شکل میں ایک نظام یا دستور بھی عطا فرمایا، اور اس دستور کی عملی تشریح کے لیے وقفے وقفے سے رسول مبعوث فرماتا رہا۔ اسی اسلام یا نظام زندگی کو آخری و اکمل شکل میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرماتے ہوئے کہا:

''اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا''(المائدہ: 3)

''آج میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا، اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا، اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا''۔

مکمل اسلام یا مکمل نظام زندگی قرآن کریم کی شکل میں اور اس کی تشریح و تبیین وحدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں مسلمانوں کے پاس محفوظ ہے، جس کے مطابق اللہ کی توفیق سے عمل کرتے ہوئے وہ اس دنیا میں ایک شریف و کامیاب زندگی گزار سکتے ہیں، اور اپنی آخرت کی زندگی بھی سنوار سکتے ہیں۔ ایسی ہی زندگی کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ دعا کرنا سکھایا:

''رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ''(البقرہ:201)

''اور بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں نیکی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما، اور ہمیں عذاب جہنم سے نجات دے''۔

یہی ہے دنیا و آخرت میں بھلائی حاصل کرنے کا راستہ، جسے قرآنی تعبیر میں صراط مستقیم کہا گیا ہے، اور جو سورہ فاتحہ کی ایک آیت کا اہم جزء ہے، جسے ہر نماز کی ہر رکعت میں امام و مقتدی ہر ایک کو پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض بتایا ہے، اور رسول کے

بتائے ہوئے طریقے پر چلنے سے ہی کامیابی حاصل ہوسکتی ہے۔

دنیا وآخرت کی کامیابی کا راستہ پا جانے کے باوجود آپ کو برابر ہوشیار رہنا ہوگا، تاکہ شیطان اور اس کے کارندے آپ کو اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے صراط مستقیم سے نہ بھٹکا سکیں۔ کیونکہ شیطان ہمیشہ اللہ کے مومن بندوں کا دشمن رہا ہے، اور آئندہ رہے گا بھی۔ وہ کمزور ایمان والوں کو کافروں سے خوف دلا کر راہِ راست سے بھٹکانے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ جیسا کہ معرکۂ احد کے بعد کیا۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''إِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَآءَهُ فَلاَ تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ''(آل عمران:175)

''یہ خبر دینے والا صرف شیطان ہی ہے، جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے۔ تم ان کافروں سے نہ ڈرو، اور میرا خوف رکھو، اگر تم مومن ہو''۔

اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے دل میں صرف اللہ کا خوف رکھیں۔ توحید الوہیت کے سلسلے میں میں جہاں ہمیں دل کے اندر اللہ کا خوف رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، وہیں ہمیں اللہ سے رجا وامید بھی وابستہ رکھنا ضروری ہے۔ اور یہ بھی اللہ کی ایک مطلوبہ عبادت ہے۔ جب کہ اس کے برعکس ناامیدی کو گمراہی قرار دیا گیا ہے۔

''قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖ إِلاَّ الضَّآلُّوْنَ''(الحجر:56)

''کہا اپنے رب تعالیٰ کی رحمت سے ناامید تو صرف گمراہ اور بہکے ہوئے لوگ ہی ہوتے ہیں''۔

اللہ کے تعلق سے اس خوف ورجا کی حقیقت ہمیں جان لینا ضروری ہے، تاکہ مطلوبہ خوف ورجا کے نشیب وفراز سے ہم واقف رہیں، اور اس سلسلے میں ممکنہ لغزشوں سے بچ سکیں۔ یہ خوف اللہ کی عبادت کی متعدد اقسام میں سے ایک قسم ہے، اور اسی طرح رجا یا امید

بھی عبادت ہی کی ایک قسم ہے، اور دونوں توحید الوہیت کی علامتیں ہیں۔ مطلوبہ خوف یا ڈر کا مطلب یہ ہے کہ دل میں خدا کے خوف سے ایک قلق واضطراب کی ایسی کیفیت ہو جس سے دل میں یہ احساس پیدا ہو کہ حرام کے ارتکاب کرنے، واجب کے ترک کر دینے اور مستحب سے روگردانی کرنے پر، اللہ کا عذاب لاحق ہو سکتا ہے، اور یہ اندیشہ بھی ہو کہ انہی وجوہات کی بنا پر ممکن ہے کہ اللہ اس کے عمل صالح کو بھی قبول نہ کرے۔ دل میں یہ احساس پیدا ہونے پر اس کا نفس برائی سے متنفر ہو کر محرمات سے رک جاتا ہے اور بھلائی کی طرف سبقت کرنے کی کوشش میں لگ جاتا ہے۔ لیکن یہی خوف اگر زیادہ ہو جائے اور حد سے تجاوز کر جائے تو یاس وناامیدی سے بدل جاتا ہے، جو گناہ اور گمراہی ہے۔ جیسا کہ سابق الذکر آیت سے واضح ہے۔

خشیت، رہبت اور ہیبت، یہ سب الفاظ خوف ہی کے متقارب ہیں۔ لیکن یہ اس کے مرادف نہیں، خوف عام ہے اور خشیت اللہ تعالیٰ کی بہت ساری صفتوں کے علم سے مزین ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ" (فاطر:28)

"اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں"۔

چونکہ لفظ "خوف وڈر" عام ہے، اور سطور بالا میں بتایا گیا ہے کہ ڈرنا ایک عبادت ہے، اور عبادت صرف اللہ کے لیے ہونی چاہیے۔ اگر کوئی عبادت غیر اللہ کے لیے یا کسی بھی مخلوق کے لیے ہو تو وہ شرک ہے۔ اور شرک کرنے والا مشرک قرار پاتا ہے۔ اور مشرک کا ٹھکانا جہنم ہے۔ ممکن ہے کہ اس بیان سے کچھ عوام الناس کو غلط فہمی ہو جائے، اور وہ اس طرح کہ جب اللہ کا خوف یا اللہ سے ڈرنا اللہ کی عبادت ہے تو کیا کسی مخلوق کا خوف یا اس سے ڈرنا اس مخلوق کی عبادت ہو جائے گی؟ جیسے شیر، مگر مچھ، سانپ یا پاگل کتے سے ڈرنا وغیرہ۔ کیا ان چیزوں سے ڈرنا ان کی عبادت وشرک میں داخل ہے؟ اس غلط فہمی کا ازالہ

بہت ضروری ہے تا کہ عوام الناس کا مذکورہ شبہ دور ہو جائے۔ پہلے بتایا گیا ہے کہ لفظ ''خوف'' عام ہے۔اس میں شرعی اور طبعی خوف دونوں شامل ہیں۔اللہ سے خوف ہونا شرعی خوف ہے اور یہی شرعی خوف ہی عبادت ہے۔جو کسی مخلوق کے لیے نہیں ہونا چاہیے، ورنہ شرک ہو جائے گا۔لیکن کسی درندہ یا جانور سے خوف کھانا، یہ طبعی خوف ہے، اور خوف طبعی عبادت شمار نہیں ہوتا۔لہٰذا کسی درندہ سے ڈرنے کو نہ عبادت کہا جائے گا اور نہ اس سے شرک لازم آئے گا۔

امید ہے کہ مذکورہ غلط فہمی یا شبہ بفضل اللہ تعالیٰ وتوفیقہ دور ہو گئی ہو گی۔فالحمدللہ

دوسرا خطبہ:

''إنَّ الحمد للّٰه نحمده، ونستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله.

أمابعد إقال اللّٰه سبحانه وتعالیٰ:

''إِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرّاً وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُونَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ،(فاطر:29)إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أُولٰٓئِکَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ''(البقرہ:218)

ان دونوں آیتوں کے معانی بالترتیب یوں ہیں:

''جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے پوشیدہ اور اعلانیہ خرچ کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کے

امیدوار ہیں جو کبھی خسارہ میں نہ ہوگی"۔ "البتہ ایمان لانے والے، ہجرت کرنے والے، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہی رحمت الٰہی کے امیدوار ہیں، اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بہت مہربانی کرنے والا ہے"۔

رجا یا امید کا مطلب یہ ہے کہ نیک کام پر اللہ تعالیٰ سے اجر وثواب پانے کی آرزو یا چاہت رکھی جائے۔ لیکن اس کے لیے پہلے اللہ کی راہ میں خلوصِ نیت کے ساتھ ایسا اچھا عمل پیش کرنا ضروری ہے، جو شرعی طور پر بھی اچھا ہو، نیز محرمات سے دور رہے۔ اور اگر کبھی غلطی سے کوئی حرام کام سرزد ہو جائے تو اس پر نادم ہو اور توبہ وعہد کرے کہ وہ پھر کبھی کسی حرام کام کا ارتکاب نہیں کرے گا اور اس عہد پر ثابت قدم رہے۔ ایسے لوگوں کے کار خیر یا دعا پر اللہ سے اجر وثواب یا اپنی مراد پانے کی امید رکھنا، ایک عبادت ہے، اور توحید کی علامت ہے۔ ایسی امید یا رجا کا اللہ کے سوا کسی مخلوق سے وابستہ رکھنا توحید کے منافی امر ہے، اور شرک ہے، اس سے ماقبل وفات خلوص نیت کے ساتھ توبہ کیے بغیر اللہ معاف نہیں کرتا۔

اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"قُلْ إِنَّمَآ أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰٓ إِلَيَّ أَنَّمَآ إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْ لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ أَحَدًا" (الکھف:110)

"آپ کہہ دیجیے کہ میں تو تم جیسا ہی ایک انسان ہوں۔ (ہاں) میری جانب وحی کی جاتی ہے کہ سب کا معبود صرف ایک ہی معبود ہے۔ تو جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو اسے چاہیے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے"۔

دل کی گہرائی سے اللہ کی رحمت ومہربانی کی امید رکھنا بھی تقرب الی اللہ یا وسیلہ الی اللہ ہے۔ اس تعلق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث قدسی بھی مروی ہے کہ:

"أنا عند ظن عبدی بی، وأنا معه حيث ذكرني" (متفق علیہ)

"اللہ عزوجل فرماتا ہے میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوں یعنی اس کے ساتھ وہی معاملہ کروں گا جیسا وہ میرے بارے میں گمان رکھے گا اور میں اس کے ساتھ ہوں جہاں بھی وہ مجھے یاد کرے گا"۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا:

"وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ" (ق:16)

"ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے دل میں جو خیالات اٹھتے ہیں ان سے ہم واقف ہیں اور ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں"۔

اس سلسلے میں مسلمانوں پر واجب ہے کہ خوف ورجا دونوں کو اپنائے رکھیں، اور ایک مومن بندہ کی بہترین حالت یہ ہے کہ وہ مطلوبہ معتدل خوف وامید کے ساتھ اللہ سے محبت رکھے، انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا بھی یہی حال تھا، اور تمام مومنین بھی اس روش پر چلتے ہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفاً وَّطَمَعاً وَّمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُوْنَ" (السجدہ:16)

"ان کے پہلو اپنے بستروں سے الگ رہتے ہیں اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں"۔

جب کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کی عام رحمت کو جان لے گا، اور یہ بھی جان لے گا کہ اللہ اپنے بندوں کے بہت سے گناہوں کو درگزر بھی کرتا ہے۔ اور جب وہ اللہ کی تیار کردہ جنت اور اس کے عطا کردہ اجر وثواب کی کثرت سے واقف ہوگا تو اس کا دل خوشی سے باغ باغ

ہو جائے گا، اور اللہ سے مزید کچھ پانے کے لیے اس کی لالچ و امید اور بڑھ جائے گی، وہ کار خیر میں اور بڑھ چڑھ کر حصہ لے گا، نماز اور روزے کا مکمل پابند ہو جائے گا، فرض عبادات کے ساتھ ساتھ نوافل سے بھی وہ غافل نہیں رہے گا۔ صبح صادق سے ایک گھنٹہ پہلے ہی وہ اپنا بستر چھوڑ کر قیام اللیل و تہجد میں مشغول ہو جائے گا، اور اللہ سے لو لگائے گا اور اپنی آخرت کی بھلائی کے لیے خشوع و خضوع کے ساتھ گڑگڑا کر دعائیں کرے گا کہ اللہ اسے اور اس کے اہل و عیال کو صالحین میں شامل کر لے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مغفرت اور عذاب کو ایک ساتھ بار بار بیان فرمایا ہے، جیسے:

"وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِمُ الْمَثُلَاتُ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلَىٰ ظُلْمِهِمْ وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ" (الرعد:6)

"اور جو تجھ سے (سزا کی طلبی میں) جلدی کر رہے ہیں راحت سے پہلے ہی، یقیناً ان سے پہلے سزائیں (بطور مثال) گزر چکی ہیں، اور بے شک تیرا رب البتہ بخشنے والا ہے لوگوں کے بے جا ظلم پر بھی۔ اور یہ بھی یقینی بات ہے کہ تیرا رب بڑی سخت سزا دینے والا بھی ہے"۔

یعنی لوگوں کے اپنے نفس پر ظلم کرنے اور اللہ کی معصیت کرنے کے باوجود وہ ان کو عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا؛ بلکہ انہیں مہلت دیتا ہے، اور بعض دفعہ ان کا معاملہ قیامت پر چھوڑ دیتا ہے۔ یہ درگزر اللہ کے حلم و کرم اور عفو و درگزر کا ہی نتیجہ ہے۔ ورنہ اگر وہ فوراً مؤاخذہ کرتا اور بلا تاخیر عذاب دیتا تو روئے زمین پر اب تک جن اور انسان میں سے کوئی باقی نہ رہتا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَىٰ ظَهْرِهَا مِن دَابَّةٍ وَلَٰكِن يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِعِبَادِهِ

بَصِيْراً"(فاطر:45)

"اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر ان کے اعمال کے سبب دارو گیر فرمانے لگتا تو روئے زمین پر ایک جاندار کو نہ چھوڑتا؛ لیکن اللہ تعالیٰ ان کو ایک میعاد معین تک مہلت دے رہا ہے۔ سو جب ان کی وہ میعاد آ پہنچے گی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آپ دیکھ لے گا"۔

اللہ کی مہربانی، رحم و کرم اور مغفرت، اس کی صفت و انصاف کا ایک پہلو ہے۔ سورۃ الرعد کی مذکورہ آیت میں صفت عدل کے اس پہلو کے ساتھ دوسرا پہلو اللہ کی قہر مانی کا بھی ذکر فرمایا ہے کہ:

"وَإِنَّ رَبَّکَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ"(الرعد:6)

"اور بے شک تیرا رب بڑی سخت سزا دینے والا ہے"۔

ایسا بیان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان صرف ایک ہی پہلو پر نظر نہ رکھے؛ بلکہ اس دوسرے پہلو کو بھی مدنظر رکھے۔ کیونکہ ایک ہی پہلو کو مسلسل دیکھتے رہنے سے بہت سی چیزیں اوجھل رہ جاتی ہیں۔ اسی لیے قرآن کریم میں جہاں پر اللہ کی صفت رحمت غفران کا بیان ہوتا ہے، تو اس کے ساتھ ہی اس کی دوسری صفت قہر و جبروت کا بیان بھی ملتا ہے؛ تا کہ اللہ کی عبادت میں سے رجا (امید) اور خوف دونوں پہلو سامنے رہیں؛ کیونکہ اگر امید ہی امید سامنے رہے، تو انسان معصیت الٰہی کا بلاخوف وخطر ارتکاب کرتا ہے۔ اور اگر خوف ہی خوف ہر وقت دل و دماغ پر مسلط رہے، تو اللہ کی رحمت سے مایوسی ہو جاتی ہے۔ اور یہ دونوں باتیں بندوں کے لیے غلط و تباہ کن ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے: (الإيمان بين الخوف والرجاء) "ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے" بندہ کے ایمان کو صحیح سلامت رکھنے کے لیے ان دونوں باتوں کے درمیان اعتدال و توازن برقرار رکھنا بہت ضروری ہے۔ یعنی بندہ اللہ کے عذاب کے خوف سے بے پرواہ نہ ہو، اور نہ اس کی رحمت سے مایوس ہو۔

میرے مسلمان بھائیو! آپ پہلے اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں صحیح جان کاری حاصل کیجیے پھر نیک عمل کی انجام دہی میں لگ جایئے۔ پنج وقتہ نمازوں کی پابندی کے ساتھ ساتھ کسب حلال کے لیے محنت کرنا بھی عمل صالح ہے۔ نیک عمل کرنے کے بعد ہی اللہ سے اچھے برتاؤ اور اچھے بدلے کی امید وابستہ کی جاتی ہے۔ میٹھے آم کا پیڑ لگا کر ہی اس سے میٹھے آم کی امید کی جاسکتی ہے۔ جب کہ کانٹے بو کر اس سے میٹھے آم کی امید رکھنا بے وقوفی اور احمقانہ عمل ہے۔ اسی طرح نیک عمل کیے بغیر اللہ تعالیٰ سے مہربانی ورحم وکرم کی امید رکھنا، یا اس کا مستحق سمجھنا صرف بے وقوفی ہی نہیں؛ بلکہ اپنے آپ کو دھوکا دینا بھی ہے کہ اللہ تمہاری شکل وصورت اور مال ودولت دیکھ کر اپنے رحم وکرم ومغفرت کی تم پر بارش نہیں کردے گا۔ یہ تمہاری خود فریبی وغرور ہے، یا پھر اعجاب بالنفس وخود پسندی ہے، جس سے ہر مسلمان کو بچنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے غرور وگھمنڈ سے منع فرمایا ہے:

ارشاد ربانی ہے:

"يَآ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ" (فاطر:5)

"لوگو! اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے، تمہیں زندگانی دنیا دھوکے میں نہ ڈالے، اور نہ دھوکے باز شیطان تمہیں غفلت میں ڈالے"۔

یعنی تم دنیا میں بکثرت مال ودولت پا کر گھمنڈ وخود پسندی میں مبتلا نہ ہو جاؤ کہ اللہ ورسول کے بتائے ہوئے طریق انفاق سے روگردانی کر کے، اور حلال وحرام کی تمیز کو بالائے طاق رکھ کر، اسے جس طرح چاہو بے جا خرچ کرتے رہو، یہ شیطانی چال ہے۔ تمہیں چاہیے کہ شیطان کے دجل وفریب اور ہتھکنڈوں سے بھی بچو؛ تا کہ وہ تمہیں ناجائز فضول خرچی اور گناہ کے راستے پر نہ ڈال سکے، بے شک شیطان تمہاری ہر نیکی وبھلائی کا دشمن ہے اور تمہیں جہنم کے راستے میں دھکیل دینا چاہتا ہے۔

میرے مسلمان بھائیو! تم اللہ سے ڈرو اور تقویٰ اختیار کرو، نیک اعمال پر مداومت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے حسن ظن رکھنا نہایت ضروری ہے۔ تم نیک عمل پر اللہ سے اجر وثواب کی امید رکھو، اور اللہ کے عذاب سے ڈرتے رہو، تم ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی یاد رکھو:

''اِعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَأَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ''(المائدہ:98)

''تم یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ سزا بھی سخت دینے والا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت اور بڑی رحمت والا بھی ہے''۔

یعنی ایک مومن ومسلمان، جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جاچکا ہے، اللہ کے عذاب وپکڑ کے خوف اور اس کے رحم وکرم کی رجا وامید کے درمیان اعتدال وتوازن برقرار رکھتے ہوئے اپنی زندگی بسر کرے تاکہ اللہ تعالیٰ خوش ہوکر اسے اپنے مزید رحم وکرم سے نوازے۔

اللہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو نیک اعمال کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے۔ ہم اپنے گردوپیش کے غریب محتاج اور بے سہارا یتیم وبیوہ کا خیال رکھیں، اور ان کے دکھ درد کو ہلکا کرنے کے لیے ان کی ضروریات میں ہاتھ بٹائیں؛ تاکہ اپنی زندگی میں مایوسی کا شکار نہ ہوجائیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ رات کو بھوک سے نڈھال ہوکر اپنے بستر پر جائیں اور بھوک کی بے چینی سے ان کی آنکھوں کی نیند بھی چھن جائے اور اسی بے چینی سے وہ کروٹیں بدلتے رہیں اور ہم پڑوس میں رات کو آسودہ پیٹ نیند کے خراٹے لیتے رہیں۔ کب ان محتاج اور بے سہارا لوگوں کے لیے ہمارے دلوں میں کوئی عملی ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوگا؟ اللہ ہمارے دلوں میں اپنے پڑوسی کے حقوق کا صحیح احساس پیدا کرے۔ اس سلسلے میں ہم سے جو تقصیریں اور کوتاہیاں ہوئیں، یا ہورہی ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کو دور فرمائے اور ہم سب کی آخرت کو دنیا سے بہتر بنائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰه رب العالمين.

رمضان کے آخری دس دن

پہلا خطبہ:

"إنَّ الحمد لله نحمده، ونستعينه، ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله.أمابعد:

"يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيْراً وَّنِسَآءً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْباً" (النساء:1)

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلاً سَدِيْداً، يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِيْماً" (الأحزاب:70:71)

أما بعد فإن أصدق الحديث كتاب الله، وأحسن الهدي هدي محمد، وشرالأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالةو كل ضلالة في النار.

وقال الله سبحانه وتعالىٰ:

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ

قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ "البقرہ:183)

"إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ، وَمَآ أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ، لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ، تَنَزَّلُ الْمَلَآئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّنْ كُلِّ أَمْرٍ، سَلَامٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ "(القدر:5-1)

محترم سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ نے سابق الذکر آیتوں میں روزے سے متعلق ایک آیت سنی، جس میں کہا گیا ہے کہ "اے مسلمانو! تم پر روزے فرض کردیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، تا کہ تم لوگ پرہیز گار بن سکو"۔ اسی کے ساتھ سورۃ القدر بھی آپ نے سنی جس میں اللہ تعالیٰ نے خوشخبری دی ہے کہ "ہم نے اس قرآن کریم کو لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر شب قدر میں نازل فرمایا۔ یعنی اسے عزت و برکت والی رات میں اتارا۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس رات فرشتے اور روح الامین "جبریل" اپنے رب سے ہر قسم کے احکام لے کر اترتے ہیں۔ وہ رات طلوع فجر تک سلامتی و برکت بکھیرنے والی ہوتی ہے"۔

سامعین کرام! یہ ہماری اور آپ کی خوش نصیبی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان کے اس مبارک مہینہ میں اپنے فریضے کی ادائیگی کی توفیق دی اور اس آخری عشرہ کی خیر و برکت سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا۔ چنانچہ ہم اپنے نفس کو اور آپ لوگوں کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتے ہیں۔ آپ اپنے نہاں خانۂ دل میں جن چیزوں کو چھپائے رکھتے ہیں، ان میں سب سے زیادہ محترم چیز یہ تقویٰ ہے۔ آپ جن اچھی چیزوں کو ظاہر کرتے ہیں یہ تقویٰ ان میں سب سے زیادہ حسین چیز ہے اور آپ جن چیزوں کا ذخیرہ بناتے ہیں، ان میں سب سے زیادہ اچھی چیز بھی تقویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اسے ہمیشہ اپنائے رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کے اجر و ثواب سے نوازے۔

محترم بھائیو! اس مبارک مہینے کے یہ ایام کم ہوتے جارہے ہیں۔ اس کی مبارک راتیں بھی ختم ہوتی جارہی ہیں۔ آپ نے جو کچھ عمل کیا۔ یہ دن اور یہ راتیں گویا آپ کے اعمال کے لیے محفوظ تجوریاں اور محفوظ گودام گھر ہیں۔ آپ قیامت کے دن بلائے جائیں گے (جس دن ہر نفس اپنے کیے ہوئے عمل کا بدلہ پائے گا) آپ کا رب آپ کو ان الفاظ کے ساتھ پکارے گا کہ (اے میرے بندو! یہ تمہارے ہی اعمال ہیں جنہیں میں نے تمہارے لیے شمار کررکھا ہے۔ پھر میں ہی تمہیں ان کا پورا پورا بدلہ دوں گا۔ چنانچہ جس نے انہیں اپنے لیے بہتر پایا اسے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور جس نے اس کے خلاف پایا، وہ اپنے نفس کے علاوہ کسی اور کو ملامت نہ کرے)۔

میرے بھائیو! یہ مبارک مہینہ، ربانی خزانہ لوٹنے کا موسم ہے اور یہ ہیں اس کے خاتمہ کے چند ایام۔ اس مہینے کے استقبال کرنے والے نہ جانے وہ کتنے لوگ ہوں گے جو اسے پورا کرنے سے پہلے ہی گزر گئے اور اسے دوبارہ پانے کی امید کرنے والے نہ جانے کتنے لوگ تھے، جن کی یہ امید پوری نہ ہوسکی۔ انہوں نے اپنی موت اور اس کے انجام کے بارے میں کیوں نہیں غور کیا؟ اور اپنی امید کی فریب کاریوں اور اپنے نفس کے غرور کو کیوں نہیں پہچان سکے؟

عزیز بھائیو! اگر آپ کے نفس میں اپنی غلطیوں کے تدارک کا کوئی جذبہ ہے اور آپ کے دلوں میں کوئی خیر خواہانہ داعیہ موجود ہے، تو اس مبارک مہینے کے اب بھی چند ایام باقی ہیں کیا آپ کو احساس ہے کہ یہ بقیہ ایام کیسے ایام ہیں؟

بھائیو! یہ اس کے آخری دس دن ہیں، اور وہ ایسے ایام ہیں جن کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ اہتمام کیا کرتے تھے۔ اس سے قبل کے بیس دن کے اوقات، نماز اور نیند میں ملے جلے گزارتے تھے؛ لیکن جب یہ آخری دس دن آجاتے تھے، تو کمر کس لیتے تھے، عبادت میں زیادہ محنت کرتے تھے اور تہبند کی گرہ سخت کرلیتے تھے، اپنا بستر چھوڑ دیتے تھے،

اپنے بال بچوں کو عبادت کے لیے جگاتے تھے، اپنی لخت جگر بیٹی فاطمہ اور اپنے پیارے داماد علی رضی اللہ عنہما کا دروازہ یہ کہہ کر کھٹکھٹاتے تھے کہ (کیا تم لوگ اٹھ کر نماز پڑھو گے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کا دروازہ کھٹکھٹا کر یہ آیت بھی تلاوت فرماتے تھے۔

''وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا نَّحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ''(طہ:132)

''اپنے گھرانے کے لوگوں پر نماز کی تاکید رکھ اور خود بھی اس پر جمارہ، ہم تجھ سے روزی نہیں مانگتے، بلکہ ہم خود تجھے روزی دیتے ہیں، آخر میں بول بالا پرہیزی گاری ہی کا ہے''۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کے حجروں کی طرف یہ فرماتے ہوئے جاتے کہ اے حجرے والیو! جاگ جاؤ! دنیا میں بہت سے لباس پہننے والیاں قیامت کے دن بے لباس ہوں گی۔

میرے عزیز بھائیو! کیا ایسا نہیں ہوا کہ جب رمضان المبارک کے دس دن باقی رہ جاتے تھے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل وعیال میں سے جو لوگ بھی قیام اللیل کی صلاحیت رکھنے والے تھے، کسی کو بھی قیام اللیل کی نماز کے لیے جگانے سے نہیں چھوڑتے تھے؟ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل وعیال کو ماہ رمضان کے آخری دس دن کے ان خصوصی فضائل وخیرات میں حصہ لینے کے لیے گھر گھر جا کر جگاتے اور تنبیہ فرماتے تھے، تو ہمیں سوچنا اور عزم کرنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اسوہ ونمونہ پر عمل کرنے کے لیے خود اپنے اور اپنے اہل وعیال کے سلسلے میں کیا طریقہ اپنایا جائے؟

قیام اللیل کے بارے میں ممکن ہے کہ کوئی کہہ دے کہ جب یہ قیام اللیل نفل عبادت ہے، اور میرے لیے فرائض کی پابندی کافی ہے۔ تو پھر ان نوافل کے لیے آپ کیوں میرے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔

میرے عزیز بھائیو! اس میں کوئی شک نہیں کہ فرائض کی پابندی میں بہت زیادہ فوائد ہیں۔ کسی بھی مسلمان سے، جس نے سنت کا انکار نہیں کیا ہے۔ صرف فرائض ہی کے بارے میں جوابدہی ہوگی؛ لیکن آپ کو کیا معلوم کہ ان فرائض کا آپ پورا پورا حق ادا کر سکے تھے؟ اگر لاعلمی یا کسی سستی سے ان ادا کردہ فرائض میں کوئی کمی رہ گئی ہو تو اس کی کمی کو پورا کرنے کے لیے آپ کو ان نوافل کی ضرورت ہے۔ قیامت کے روز ایسے نوافل کے بارے میں ابوداؤد وغیرہ نے یہ حدیث روایت کی ہے:

"عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن أول مايحاسب الناس به يوم القيامة من أعمالهم الصلاة،قال: يقول ربنا جل وعز لملائكته: وهو أعلم ، أنظروا في صلاة عبدي، أتمهاأم نقصها، فإن كانت تامة كتبت له تامة، وإن كان أتنقص منها شيئا قال: أنظروا هل لعبدي من تطوع، فإن كان له تطوع قال: أتموا لعبدي فريضة، ثم تؤخذالأعمال على ذاكم "(صحيح أبي داؤد ، كتاب الصلاة ، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: كل صلاة لايتمها صاحبها،رقم: 770-864، صحيح الترمذى رقم: 337، وصحيح ابن ماجة رقم: 1172، كتاب الإيمان لابن أبي شيبة رقم:112، وصحيح الترغيب رقم:185/1)

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ قیامت کے روز لوگوں کے اعمال میں سے سب سے پہلے جس چیز کا حساب کیا جائے گا وہ نماز ہے۔ فرمایا: ہمارا رب اپنے فرشتوں سے کہے گا، جب کہ وہ خود زیادہ جاننے والا ہے کہ تم میرے بندے کی نماز پر نظر ڈالو، اس نے اسے پورا کیا ہے یا اس میں کچھ کمی کی ہے۔ اگر وہ پوری ہے تو لکھا جائے گا کہ وہ پوری ہے۔ اور اگر اس میں کچھ کمی کی ہے تو (اللہ اپنے فرشتوں سے کہے) گا کہ تم دیکھو کہ میرے بندے کا کچھ نفل عمل بھی ہے؟ اگر اس کا نفلی عمل ہے تو کہے گا: اس نفل کے ذریعہ میرے

بندے کے فریضے کی کمی پوری کر دو۔ پھر اس طرح (فریضے کی تکمیل کے لیے) نفلی اعمال لیے جاتے رہیں گے"۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر بعض فرائض کو مقرر فرما دیا ہے؛ لیکن وہ جانتا ہے کہ ان بندوں میں سے کچھ لوگ ان کی تکمیل میں کوتاہی کریں گے۔ چنانچہ ترغیبی انداز میں ان پر رحم کرتے ہوئے ان کے لیے کچھ نوافل بھی مشروع فرما دیا ہے۔ ان نوافل کے ذریعہ ان کی کوتاہیوں کی تلافی ہو جائے گی۔ اگر ہم یہ مان بھی لیتے ہیں کہ ہم نے ان فرائض کا حق پورا کر دیا ہے، پھر بھی ہم ان نوافل سے مستغنی نہیں ہو سکتے؛ کیونکہ ہمیں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْراً" (الأحزاب:21)

"یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ تعالیٰ کی یاد کرتا ہے"۔

یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ ان آخری دنوں کی خوبیوں میں سے ایک اہم خوبی یہ ہے کہ انہی میں شب قدر پانے کی امید کی جاتی ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"لَيْلَةُ الْقَدْرِ، لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ" (القدر:3)

"شب قدر ہزار مہینے سے بہتر ہے"۔

امام نخعی رحمہ اللہ نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: اس ایک رات کا عمل دیگر ایک ہزار مہینوں کے عمل سے بہتر ہے۔

میرے بھائیو! ذرا اندازہ لگاؤ کہ ایک ہزار مہینے کی کتنی مدت ہوتی ہے؟ یہ (تراسی

سال چار ماہ) ہیں۔ چنانچہ اس رات کا عمل، جسے اللہ اس کی توفیق دے، ان تراسی سال چاہ ماہ کے عمل سے بہتر ہے جن میں شب قدر نہ ہو۔

اور ایک حدیث میں آیا ہے:

”عن أبي هريرة رضى اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من قام ليلة القدر إيمانا واحتسابا غفر له ماتقدم من ذنبه“

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے اور ثواب پانے کے ارادے سے شب قدر میں قیام کیا، یعنی اسے ادائے فریضہ کے بعد نفل نمازوں اور ذکر و دعا میں گزارا تو اس کے تمام پچھلے (صغیرہ) گناہ بخش دیے جائیں گے۔“ (بخاری، باب من صام رمضان إيمانا واحتسابا، ومسلم، باب الترغيب في قيام رمضان إيمانا واحتسابا)

جس رات کی اتنی خوبیاں ہیں اسے پانے کے لیے ہمیں کچھ خاص کوشش اور جد و جہد کرنی ہوگی، تبھی آپ اس سے فائدہ حاصل کرسکیں گے۔ اس رات کی کچھ علامتیں بھی بیان کی گئی ہیں، جنہیں دیکھ کر آپ کو اطمینان ہوسکتا ہے کہ آپ نے شب قدر پالی ہے۔ شب قدر کے گزرنے کے بعد والی صبح جب سورج طلوع ہوتا ہے تو قدرے سفید سا طلوع ہوتا ہے، جس کی روشنی میں تیز شعاعیں نہیں ہوتیں۔ یہ آخری دس دنوں کی کسی طاق رات میں واقع ہوتی ہے۔ اس کے لیے کسی خاص رات کی تحدید نہیں کی گئی ہے تاکہ آخری عشرہ میں قیام اللیل کرنے والا ہر شخص ان راتوں کو قیام اور ذکر و دعا کرتے ہوئے گزارے، اور رمضان کے نیک اعمال کے اجر و ثواب کے ساتھ شب قدر کے اس مخصوص ثواب کا بھی وہ مستحق ہو جائے۔ یہ اللہ کی اپنے بندوں پر خصوصی مہربانی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (خواب میں) شب قدر دکھائی گئی تھی، جیسا کہ حدیث میں ہے:

’’عن أبي سلمة قال: سالت أبا سعيد وكان لي صديقا، فقال: اعتكفنا مع النبي صلى الله عليه وسلم العشر الأوسط من رمضان، فخرج صبيحة عشرين فخطبنا، وقال: إني أريت ليلة القدر ثم أنسيتها أو نسيتها، فالتمسوها في العشر الأوخر في الوتر، وإني رايت أني أسجد في ماء وطين، فمن كان اعتكف مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فليرجع“فرجعنا، ومانرى في السماء قزعة فجاء ت سحابةفمطرت، حتى سال سقف المسجد، وكان من جريد النخل، وأقيمت الصلاةفرأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يسجد في الماء والطين، حتى رأيت أثر الطين في جبهة“
(البخاری، كتاب الصيام، باب التماس ليلة القدر في السبع الأواخر)

’’ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے کہا ہے کہ میں نے ابوسعید (خدری) جو میرے دوست تھے سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ہم لوگوں نے رمضان کے درمیانے عشرہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (مسجد میں) اعتکاف کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیسویں رات کی صبح نکلے اور ہمیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ’’مجھے (خواب میں) شب قدر دکھائی گئی؛ لیکن اے لوگو! تم اسے آخری دس دن کی طاق راتوں میں تلاش کرو پھر مجھے وہ بھلا دی گئی، میں نے (خواب میں) دیکھا کہ میں پانی اور کیچڑ میں سجدہ کر رہا ہوں۔ پس جو لوگ میرے ساتھ اعتکاف کر کے (نکل گئے) انہیں چاہیے کہ وہ اعتکاف میں لوٹ آئیں۔ چنانچہ ہم لوگ لوٹ کر اعتکاف میں بیٹھ گئے (اس آخری عشرہ میں ایک رات ایسا ہو کہ) آسمان میں ہم کوئی بادل کا ٹکڑا نہیں دیکھ رہے تھے۔ اچانک بادل آیا اور اتنی بارش برسا گیا کہ مسجد کی چھت سے پانی بہنے لگا۔ جب کہ وہ کھجور کی ٹہنیوں کی تھی۔ پھر نماز کے لیے جماعت کھڑی کی گئی، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پانی و کیچڑ میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا، یہاں تک کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک

میں کیچڑ کا اثر بھی دیکھا''۔

محترم بھائیو! آپ اس وقت ماہ رمضان کے ان دس ایام سے گزر رہے ہیں، جن میں ہزار راتوں سے بہتر رات ''شب قدر'' گزرنے کے ساتھ اس میں ایک ایسی محبوب مستحب سنت بنام ''اعتکاف'' مشروع کی گئی ہے جو مسجد جیسی مبارک جگہ کے علاوہ اور کہیں انجام نہیں دی جاسکتی، جسے پاک صاف رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما الصلاۃ والسلام سے ان الفاظ میں عہد لیا تھا:

''أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعَاكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ''(البقرۃ:125)

''تم میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھو''۔

اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت میں فرمایا:

''وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ''

''اور عورتوں سے اس وقت مباشرت نہ کرو جب کہ تم مسجدوں میں اعتکاف میں ہو''۔

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اعتکاف ماہ رمضان میں مسجد کے اندر ہی کیا جاتا ہے۔

جب کوئی شخص اعتکاف کرتا ہے، تو وہ اپنے نفس کو اللہ کی اطاعت اور اس کی یاد میں مصروف رکھتا ہے، اور اسے دیگر ہر قسم کی مشغولیت سے منقطع کر لیتا ہے، اور دل و جان سے اپنے رب کی اطاعت پر اور رب سے قریب کرنے والی چیز پر جم جاتا ہے۔

اعتکاف کے معنی اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ خالق سے تعلق جوڑنے کے لیے مخلوقات سے تعلقات منقطع کر لیے جائیں۔ ایک معتکف کے لیے اللہ کی معرفت اور اس کی محبت قوی ہو جاتی ہے، جو اس کے اندر اللہ کی اطاعت اور اللہ پر توکل کا جذبہ پیدا کر دیتی ہے۔

''ماہ رمضان میں پورے قرآن کریم کی تلاوت ختم کرنے کی جدوجہد کرنا رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جبریل علیہ الصلاۃ والسلام کی اجتماعی سنت ہے۔ آپ ہر سال رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بار قرآن کریم کا دور کرتے تھے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری سال جبریل علیہ السلام نے دو بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کا دور فرمایا"۔ (بخاری و مسلم بروایت ابن عباس)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ سخاوت پسند تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کا معاملہ رمضان کے مہینے میں اور بھی زیادہ بڑھ جاتا تھا، جب جبریل علیہ السلام ہر رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کر کے قرآن کریم کا دور فرمایا کرتے تھے۔ جبریل علیہ السلام کی ملاقات کی مناسبت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیرات کرنے میں تیز ہوا سے بھی زیادہ سخی معلوم ہوتے تھے۔

اگر لوگوں کو رمضان مبارک میں نیکیاں انجام دینے کے اجر عظیم اور اس کے ثواب کثیر پر یقین ہو جائے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بیان ہوا ہے، تو وہ لوگ فقراء و محتاجین کو صدقات و زکاۃ الفطر ادا کرنے کی دل کھول کر کوشش کریں گے۔ اپنے نفس کے لیے بھلائی کے کام انجام دیتے رہیں گے، اور اپنے نبی کی تعلیمات کو ایک ایسی زندہ امت کی طرح اہمیت دیں گے جو علم حاصل کر کے اس پر عمل کرتی ہے، اور نیکی، سلامتی و پاکیزگی کے اعتبار سے، اعمال کے ثمرات کی مستحق ہوتی ہے۔

دوسرا خطبہ:

"إنَّ الحمد للّٰه نحمده، ونستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي لـه، وأشهد أن لا إلـه إلا اللّٰه وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله:

قال اللہ سبحانہ وتعالٰی:

''وَعَهِدْنَآ إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ''(البقرۃ:125)

''اور ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) سے وعدہ لیا کہ تم میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھو''۔

محترم بھائیو! رمضان کے آخری عشرہ کے بارے میں ہماری باتیں چل رہی تھیں۔ یہ وہ ایام ہیں، جن میں ایک ایسی رات بھی آتی ہے، جو دیگر مہینوں کے بنسبت ہزار مہینوں سے بھی بہتر ہے۔ یعنی وہ ان تراسی سال چار ماہ سے بھی زیادہ بہتر ہے، جن میں شب قدر نہ ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ایام میں اس امید سے اعتکاف فرماتے تھے کہ ان میں سے جس رات میں بھی شب قدر گزرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے پالیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشرہ اول میں اعتکاف فرمایا، پھر عشر اوسط میں بھی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر مبارک اوپر اٹھا کر لوگوں سے باتیں کرنے لگے، تو لوگ آپ کے قریب پہنچ گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے عشر اول میں اس رات کو تلاش کرتے ہوئے اعتکاف کیا، پھر عشر اوسط میں اعتکاف کیا، پھر مجھے اس کے بارے میں اطلاع دی گئی اور کہا گیا کہ وہ شب قدر عشر اواخر میں ہے۔ چنانچہ تم میں سے جو اعتکاف کرنے کا ارادہ کرے اسے چاہیے کہ اس عشرہ اواخر میں اعتکاف کرے۔

(صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب فضل لیلة القدر والحث على طلبها)

اگر کوئی شخص شب قدر پالے تو یہ دعا پڑھے:

اللھم إنک عفو تحب العفو فاعف عني. (ابن ماجة، باب الدعاء بالعفو والعافية)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام حالت میں اعتکاف کبھی نہیں چھوڑا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال دس دن اعتکاف فرماتے تھے؛ جب کہ اپنی وفات کے سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔ البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں اعتکاف پر ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرنے لگیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف چھوڑ دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شوال کے عشرِ اول میں اس چھوڑے ہوئے اعتکاف کی قضا کی''۔

(صحیح البخاری، کتاب الصیام ، باب الأخبیة في المسجد)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ان چیزوں کو وقتی طور پر چھوڑ دیتے تھے جو اصلاً جائز ہوتی تھیں۔ جیسے اعتکاف کی وجہ سے نینداور عورتوں سے ملنا۔ جسے عائشہ رضی اللہ عنہا نے یوں بیان فرمایا: (جــدو شــد مــئـزہ) جس کے معنی یہ ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدت اعتکاف میں نوم ونساء ترک فرمایا۔

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی اعتکاف کیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی، یہاں تک کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ بات بھی بیان کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی ایک مستحاضہ بیوی نے بھی اعتکاف کیا، جو اپنے سرخ اور پیلے خون کی حالت میں تھیں۔ جب کہ کبھی کبھی ہم (خون ٹپکنے کے خدشے میں) ان کے نیچے طست رکھ دیتی تھیں اور وہ نماز پڑھتی۔

اعتکاف کی یہ مسنون عبادت حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما الصلاۃ والسلام کے زمانے ہی سے مشروع ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وَعَهِدْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ'' (البقرۃ:125)

''اور ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) سے وعدہ لیا کہ تم میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع سجدہ کرنے والوں کے

لیے پاک صاف رکھو"۔

اللہ تعالیٰ نے اعتکاف کو مسجد میں انجام دینا مشروع فرمایا۔ اور اس کے لیے کچھ حدود بھی بیان فرمائے، جن کا ہر معتکف کو لحاظ رکھنا چاہیے۔ جیسے:

۱۔ اعتکاف سے متعلق سنت رسول کا اتباع کرنا۔

۲۔ اعتکاف کی نیت کرنے پر اس کا اتمام واجب نہیں، یعنی اسے منقطع کرنا جائز ہے۔ خاص کر اس حالت میں جب اس عمل پر ریا کاری کا خوف لاحق ہو جائے۔

۳۔ اس کی اقل مدت کی تحدید کے لیے کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہے۔

۴۔ اعتکاف شروع کرنے کے لیے غروب سے پہلے مسجد کی مخصوص جگہ پر پہنچ جانا چاہیے تاکہ آرام کرتے وقت اسی جگہ آرام کرے۔

۵۔ اگرچہ معتکف مسجد کے اندر کسی بھی جگہ منتقل ہو سکتا ہے۔ لیکن اعتکاف کی جگہ بار بار بدلنا مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف کے وقت ایک ہی جگہ ٹھہرتے تھے، اور وہاں سے صرف نماز یا قضائے حاجت کے لیے نکلتے تھے۔ نیز کھانے پینے کے لیے بھی نکل سکتا ہے، اگر کوئی کھانا لانے والا نہ ہو۔ اگر مسجد ہی میں کوئی مریض ہو تو وہ اس کی عیادت میں جا سکتا ہے، یا مسجد میں نماز جنازہ ہو تو اس میں بھی شریک ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی دنیوی کام کے لیے مسجد سے نہیں نکل سکتا۔

عزیز بھائیو! ہمیں تواضع اور نرم مزاجی کے ساتھ لوگوں سے برتاؤ کرنا چاہیے، ہم اللہ کی اطاعت کے لیے ہمیشہ کوشاں رہیں۔ اپنے اعمال کے عدم قبول کا بھی ہمیں خوف رہنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ سے بے خوفی خسارہ اٹھانے والی قوم کی علامت ہے۔ اللہ ہمیں ایسی قوم کی طرح نہ بنائے۔ اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو اخلاص نیت کے ساتھ اعتکاف کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

عباد اللّٰه! إن اللّٰه يأمر كم بالعدل والإحسان واللّٰه يعلم ماتصنعون.

زکاۃ الفطر اور صلاۃ عید

پہلا خطبہ:

"إنَّ الحمد لله نحمده، ونستعينه، ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله.أمابعد:

"يَآ أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيْراً وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْباً"(النساء:1)

"يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلاً سَدِيْداً، يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِيْماً"(الأحزاب:70:71)

أما بعد فإن أصدق الحديث كتاب الله، وأحسن الهدي هدي محمد، وشر الأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار.

زکاۃ الفطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں:

"إن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم فرض زكاة الفطر صاعا من تمر، أو صاعا من شعير، على حر، أو عبد، ذكر، أو نثى، من السلمين"
(رواه البخاری، کتاب الزکاة ،باب صدقة الفطر على العبد وغيره من المسلمين)

''فقہائے مسلمین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رمضان کے روزے ختم ہونے کے بعد ہر مستطیع مسلمان پر زکاۃ الفطر واجب ہے، جیسا کہ صحیح بخاری کی مذکورہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے آزاد یا غلام، مرد یا عورت ہر ایک پر کھجور یا جو کا ایک صاع صدقۃ الفطر واجب قرار دیا ہے''۔

محترم بھائیو! آپ اپنے نفس کا خود محاسبہ کیجیے کہ آپ نے اس مبارک مہینے میں کس حد تک عمل کیا؟ یہ مہینہ آپ کا ایک مہمان تھا جو ابھی ختم ہونے والا ہے، جو قریب ہے کہ آپ سے رخصت ہو جائے، جو عنقریب آپ کے حق میں یا آپ کے خلاف اس بات کی گواہی دینے والا ہے کہ آپ نے اس میں کیا کچھ عمل کا ذخیرہ کیا ہے۔ اللہ آپ پر رحم کرے! اب بھی اس کا جو حصہ باقی ہے، آپ جلدی اس میں توبہ واستغفار کر لیجیے، اور زیادہ سے زیادہ نیک عمل کر گزریئے، اور صاحب عظمت وجلال کی طرف دست دعا پھیلایئے۔ شاید کہ آپ کی یہ کوشش اس کمی اور کوتاہی کی بھرپائی کر دے، جو آپ سے سرزد ہوئے۔

رب کریم نے ماہِ رمضان کے اختتام پر آپ کی بھلائی کے لیے کچھ عظیم عبادتیں مشروع کی ہیں، جنہیں انجام دینے پر آپ کا ایمان زیادہ ہوگا، آپ کی عبادتیں مکمل ہوں گی اور آپ کے رب کی نعمت پوری ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے زکاۃ الفطر مشروع فرمائی ہے، جسے صدقۃ الفطر بھی کہا جاتا ہے، جس طرح ہر مستطیع پر زکاۃ واجب ہے۔ اسی طرح ہر مستطیع پر فطرہ بھی واجب ہے۔

”عن عبداللّٰه بن عمر: أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فرض زكاة الفطرة من رمضان على كل نفس من المسلمين، حر أو عبد، رجل أو إمرأة، صغير أو كبير، صاعا من تمر، أو صاعا من شعير) (صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب زكاة الفطر على المسلمين من التمر والشعير)

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہِ رمضان کے روزے کے خاتمہ پر ہر مسلمان شخص پر، خواہ وہ آزاد ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا، کھجور یا جو کا ایک صاع زکاۃ الفطر واجب قرار دیا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے روزے کے اختتام پر نماز عید بھی مشروع فرمائی ہے، تاکہ ہم اللہ تعالیٰ کے اس مبارک مہینے میں روزے رکھنے کی توفیق دینے پر اجتماعی طور سے شکریہ کی دو رکعت نماز کھلے میدان میں جا کر ادا کریں، جس میں مرد و عورت سبھی شامل ہوں“۔

عید کی نماز اگرچہ دیگر نمازوں کی طرح تکبیر و رکوع وسجود کے ساتھ ادا کی جاتی ہے؛ لیکن اس میں کچھ تکبیرات زیادہ پڑھی جاتی ہیں۔ یعنی صحیح حدیث کے مطابق پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے بعد دعائے ثنا پڑھ کر سات (7) تکبیرات زوائد بھی پڑھی جاتی ہیں۔ اس کے بعد سورۂ فاتحہ اور دوسری سورہ کی قرأت ہوتی ہے۔ پھر دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہو کر پہلے پانچ (5) تکبیرات زوائد پڑھ کے، سورۂ فاتحہ و دیگر سورہ کی قرأت کی جاتی ہے۔ لیکن ایک بات ملحوظ رہے کہ عام نماز کی حالت قیام میں جب تکبیر پڑھی جاتی ہے تو اس میں صحیح حدیث کے مطابق رفع الیدین کرنا سنت ہے؛ لیکن عیدین کی مذکورہ تکبیرات زوائد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع الیدین کرنا ثابت نہیں۔

عید کا چاند نظر آتے ہی یا چاند نظر آنے کی تصدیق ہوتے ہی، کچھ مخصوص تکبیرات کا بار بار پڑھنا بھی مشروع ہے، اور وہ تکبیرات یہ ہیں:

"اللّٰه أكبر، اللّٰه أكبر، لاإله إلا لله ، واللّٰه أكبر، اللّٰه أكبر، ولله الحمد.

اللّٰه أكبر كبيرا، والحمد للّٰه كثيرا، وسبحان اللّٰه بكرة وأصيلا.

جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ عید الفطر کے دن زکاۃ نکالنا ہر مستطیع پر واجب ہے، تو یہ بھی معلوم کر لیجیے کہ زکاۃ الفطر نکالنے میں اللہ تعالیٰ نے کیا حکمت رکھی ہے؟

پہلی حکمت تو یہ ہے ک روزے دار کے روزوں میں لغو یا بیہودہ گوئی کی وجہ سے یا شرک کے علاوہ دیگر چھوٹے بڑے گناہوں کی وجہ سے اگر کوئی نقص رہ جائے تو یہ زکاۃ الفطر روزے دار کو ان گناہوں سے پاک کر دیتی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

"عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: فرض رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم زكاة الفطر طهرة للصائم من اللغو والرفث، وطعمةً للمساكين. من أداها قبل الصلاة فهي زكاة مقبولة. ومن أداها بعد الصلاة فهي صدقة من الصدقات " (صحيح سنن أبي داؤد، كتاب الزكاة، باب زكاة الفطر رقم : 1609)

"ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکاۃ الفطر کو فرض قرار دیا ہے، روزے دار کو روزے میں اس کی لغو گوئی سے، یا شرک کے علاوہ دیگر چھوٹے بڑے گناہوں سے پاک کرنے کے لیے اور مساکین کو کھلانے کے لیے۔ جو شخص اسے نماز سے قبل ادا کر دے گا وہ مقبول زکاۃ ہے اور جو شخص اسے نماز کے بعد ادا کرے گا تو وہ عام صدقات میں شمار ہوگی"۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ اس زکاۃ الفطر کے ذریعہ فقراء و مساکین کی خیر خواہی ہوتی ہے۔ یہ زکاۃ الفطر اس لیے مشروع کی گئی ہے کہ مساکین پر شفقت کی جائے اور عید کے دن انہیں دست سوال دراز کرنے سے مستغنی کر دیا جائے اور انہیں بھی عید کے دن کی خوشی

میں شریک کیا جائے۔ چنانچہ زکاۃ الفطر سے ان کی پریشانی اور فقیری وغربت کے درد میں مدد ملتی ہے۔

وجوب زکاۃ کی شرطیں:

۱۔ اسلام

زکاۃ الفطر کافر پر واجب نہیں ہے۔ اگر اس کے کچھ مسلم رشتہ دار ہوں جن کا نفقہ اس کافر پر واجب ہوتا ہے، تو بھی اس پر ان رشتہ داروں کی زکاۃ الفطر واجب نہیں ہوتی۔ کیونکہ زکاۃ اسلامی عبادت ہے، جو غیر مسلم پر واجب نہیں۔

۲۔ آزادی

اصولاً مسلم غلام پر زکاۃ الفطر واجب ہے؛ لیکن اس وجوب کی ادائیگی اس پر واجب نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس کے کمائے ہوئے مال کی ملکیت اس کے مالک کی ہوتی ہے۔ اور جب وہ غلام اپنے آقا کے تابع ہے، تو اس کی طرف سے زکاۃ الفطر کی ادائیگی اس کے آقا پر واجب ہوگی جس طرح بچہ پر زکاۃ الفطر واجب ہے۔ لیکن اس وجوب کی ادائیگی اس کے باپ پر ہوتی ہے۔

زکاۃ الفطر کی مالی صلاحیت:

یہ صلاحیت کسی کے لیے اس وقت ثابت ہوگی جب وہ عید کی رات و دن کی ضرورت سے زائد مال کا مالک ہو۔ اگر وہ اس قدر مال کا مالک ہے، تو اس پر زکاۃ الفطر واجب ہوگی؛ اگر وہ فی نفسہ زکاۃ کا مستحق ہو۔ ایسے شخص کو چاہیے کہ وقت پر زکاۃ الفطر پوری ادا کر کے اسی وقت بیت المال سے اپنی ضرورت کے مطابق اناج حاصل کر لے۔

۳۔ زکاۃ الفطر کا وقت

رمضان کے آخری دن کے سورج غروب ہوتے ہی زکاۃ الفطر واجب ہو جاتی ہے۔ یعنی وہ ماہِ رمضان کے آخری دن کے افطار سے واجب ہوتی ہے۔ اور عید کی نماز شروع

ہوتے ہی اس کا وقت ختم ہوجاتا ہے۔ زکاۃ الفطر کو اس کے وقت سے مؤخر کرنا جائز نہیں ہے۔ جب کہ ایک دو دن پہلے نکالنا جائز ہے، اور جس نے نماز عید کے بعد نکالی وہ زکاۃ الفطر نہیں ہوگی؛ بلکہ وہ دیگر عام صدقہ کی طرح صدقہ ہوگا۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من أداها قبل الصلاة فهي زكاة مقبولة. ومن أداها بعد الصلاة فهي صدقة من الصدقات" (صحيح سنن أبي داؤد، كتاب الزكاة ، باب زكاة الفطر رقم : 1609)

جو شخص زکاۃ الفطر ادا کرنے پر قادر ہے، وہ پہلے اپنی طرف سے نکالے، پھر ان لوگوں کی طرف سے جن کا نفقہ اس پر واجب ہے۔ جیسے بیوی، بچہ خواہ وہ ایک ہی دن کا کیوں نہ ہو، ماں، غلام اور خادم، جس پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے"۔

"أخبرنا إبراهيم بن محمد عن جعفر بن محمد عن أبيه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فرض زكاة الفطر على الحر والعبد والذكر والأنثى من تمئونه ؟" (مسند الشافعي ، باب فرض زكاة الفطر على الحر والعبد)

۴۔ مقدار زکاۃ الفطر اور اس کے اجناس عصری وزن میں:

زکاۃ الفطر کی مقدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقرر کردہ ایک صاع نبوی ہے، جو عصری یعنی موجودہ زمانے کے رائج وزن سے تقریباً ڈھائی (1.2/2) کیلو گرام ہے (عملی موازنہ کے لیے راقم الحروف نے پانچ چھ عمدہ اوسط قسم کے اناج کو جیسے گندم، جو، چاول بلا چھلکا، کھجور اور کشمش کو صاع مدنی میں بھر کر کیلو گرام سے وزن کیا تو کوئی اناج ڈھائی کیلو گرام سے دس، بیس، پچاس یا سو گرام زیادہ ہوا اور کوئی دس، بیس یا سو گرام کم، جب کہ کوئی پورا ڈھائی کیلو گرام بھی ہوا، اس لیے اوسطاً یا تقریباً ڈھائی کیلو گرام کی تعیین

بہت مقبول ومناسب سمجھی گئی۔ کویت کے کسی مجلّہ یا کتابچہ میں بھی ڈھائی کیلوگرام کے اوسط کو ترجیح دیا گیا ہے)

"عن عیاض بن عبداللّٰہ بن سعد بن أبي سرح أنه سمع أبا سعید الخدری یقول: کنا نخرج زکاۃ الفطر صاعا من طعام أو صاعا من شعیر أو صاعا من تمر أو صاعا من أقط أو صاعا من زبیب "(صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ ، باب زکاۃ الفطر علی المسلمین من التمر و الشعیر)

"عیاض بن عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہم لوگ (یعنی صحابہ کرام) زکاۃ الفطر نکالتے تھے (عہد نبوی میں) گندم یا جو یا کھجور یا پنیر یا کشمش کا ایک صاع"۔

زکاۃ الفطر قیمت میں ادا کرنے کا مسئلہ:

جمہور فقہاء نے زکاۃ الفطر کی قیمت نکالنے کو ناجائز قرار دیا ہے؛ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دینار ودرہم کے سکے پائے جانے کے باوجود اور لوگوں کو نقدی کی ضرورت رہنے کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محتاجوں کو عید کے دن کھانے کی چیز حاصل کرنے کے لیے محنت مزدوری میں لگنے سے مستغنی کرنے کی غرض سے کھانے کے قابل مذکورہ اجناس کی شکل میں زکاۃ الفطر واجب فرمائی تاکہ وہ لوگ اس دن اکتساب معاش سے بےفکر ہوکر اپنے عام مسلم بھائیوں کے ساتھ عید کی خوشی میں شامل ہوسکیں۔

اس کے برعکس فقہائے احناف نے زکاۃ الفطر کے لیے نقدی قیمت نکالنے کو جائز قرار دیا ہے؛ تاکہ محتاج لوگ عید کے دن اپنی پسند کی ضروری چیزیں حاصل کرسکیں۔ البتہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر فقراء ومساکین کی حاجت ومصلحت کے پیش نظر زکاۃ الفطر کی قیمت نکالی جائے تو کوئی حرج نہیں؛ کیونکہ زکاۃ الفطر کا مقصود فقراء ومساکین کی خیر

خواہی کرنا اور ضرورت کی چیزیں مہیا کرنا اور انہیں عید کے دن خوشی میں شریک کرنا ہے۔
لیکن آپ خود غور کریں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق عمل کرنا بہتر ہے یا کسی شخصی مصلحت پر عمل کرنا بہتر ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کے لیے دو مبارک عیدیں مشروع کی ہیں، جن میں سے ہر ایک کسی عظیم عبادت کے پیچھے آتی ہے، اور یا اسلام کے ارکان میں سے کسی رکن کی ادائیگی کے بعد آتی ہے۔ ان دونوں عیدوں میں مسلمانوں کے لیے خوشحالی، خیرات وبرکات اور بہت سارے فوائد ہیں، اور ساتھ ہی یہ جاہلیت کی عیدوں کا بدل بھی ہیں۔

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں غیر مسلموں کے دو ایسے دن تھے جن میں وہ لوگ کھیل تماشہ کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ یہ کس قسم کے دن ہیں؟ اسلام قبول کیے ہوئے صحابۂ کرام نے جواب دیا کہ ہم جاہلیت کے زمانے میں ان دنوں میں کھیلا کرتے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے ان کے بدلے جو دو عیدیں تمہیں دی ہیں، وہ ان دونوں سے بہتر ہیں۔ یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دو دن''۔
(صحیح سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب تفریع ابواب الجمعۃ، باب صلاۃ العیدین رقم: 1134، وصحیح سنن نسائی، کتاب العیدین رقم: 1556)

آسمانی شریعت والی امتوں کو اللہ کی قربت اور حصول ثواب کے لیے اللہ نے شرعی عیدیں عطا کیں ہیں۔ لیکن کافر امتوں کے لیے ایسی عیدیں مقدر کیں، جس سے ان کی گمراہی وعذاب میں اضافہ ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں عیدیں: صرف عید الفطر، عید الاضحیٰ اور عید الجمعہ ہیں۔ ان کے علاوہ ساری عیدیں جاہلیت وگمراہی ہیں، جو انسان کو اللہ سے دوری میں اضافہ کرتی ہیں، جیسے عید المیلا د وغیرہ۔

دوسرا خطبہ:

”إنَّ الحمد للّٰه نحمده، ونستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله.أمابعد:

”يَآ أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيْراً وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْباً“(النساء:1)

”يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلاً سَدِيْداً، يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِيْماً“(الأحزاب:70:71)

أما بعد فإن أصدق الحديث كتاب اللّٰه، وأحسن الهدي هدي محمد، وشرالأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار.

محترم بھائیو! اسلامی عید، بے شمار خوبیوں اورفوائد وحقائق پر مشتمل ہے۔ یہ عید اسلام کے صاف ستھرے عقیدہ پر مشتمل ہے، جو انسان کے لیے ایک عظیم نعمت ہے، جسے اللہ کی تعظیم، تکبیر اور تعریف کے ذریعہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ نیز اس شہادت کے ذریعہ کہ وہی سچا معبود ہے، جس کا مسلمان تقرب حاصل کرتا ہے، اور اس کا تقرب بذریعہ دعا، امید، استعانت اور اس کی تمام قسم کی عبادت کے ذریعہ حاصل کرتا ہے، وہ اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ أَحَداً '' (الجن:18)

''اور یہ کہ مسجدیں صرف اللہ ہی کے لیے خاص ہیں پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو''۔

یعنی اس کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کرو۔ نیز اس شہادت کے ذریعہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ آپ کو رسول ماننے کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی جائے، اس چیز کو ترک کر دیا جائے جس سے آپ نے منع فرمایا ہے، اس بات کو سچ مانا جائے جس کی آپ نے خبر دی ہے اور اللہ کی عبادت آپ کی شریعت کے مطابق انجام دی جائے۔

اسلامی عید اللہ کی عبادت، اللہ کے سامنے اپنی خاکساری و عاجزی کے اظہار اور اللہ تعالیٰ کی محبت پر مشتمل ہوتی ہے۔ چنانچہ عید کی نماز میں یہ ساری چیزیں شامل ہیں۔

اسلامی عید میں اسلامی تشریع کا بیان بھی شامل ہے۔ اور وہ اس طرح کہ اس میں عید کے آداب اور نماز عید کی ادائیگی کے طریقے بیان کیے جاتے ہیں۔ پھر اس کے خطبے میں اسلام کے ضروری احکام بھی بیان کیے جاتے ہیں۔ اسلامی عید میں اخلاق کی تہذیب اور سلوک کی استقامت کی تلقین کی جاتی ہے۔ اور وہ اس طرح کہ عید میں صبر، تحمل اور بردباری اپنانے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ اس دن صلہ رحمی، عفو و درگزر اور دلوں کو بغض وحسد اور کینوں سے پاک کرنے کی بھی ترغیب دی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ خوشی اور اسلامی بھائی چارہ کا دن ہے۔

اسلامی عید مسلمانوں کے درمیان بھائی چارے کے تعلقات اور اجتماعی ذمہ داری کے شعور کو بھی بیدار کرتی ہے۔ اور زکاۃ الفطر ادا کرنے کی تاکید کرتی ہے۔

''عن ابن عمر قال: فرض رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم زكاة الفطر وقال: أغنوهم في هذا اليوم''

''ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکاۃ الفطر کو واجب قرار دیا اور فرمایا: کہ ''اس دن تم فقراء ومساکین کو اکتساب معاش سے مستغنی کردو'' (سنن دار قطنی، باب زکاۃ الفطر، حدیث نمبر: 2157)

اللہ تعالیٰ نے صیام رمضان کے ایام کی تکمیل پر ہمارے لیے تکبیر مشروع فرمائی ہے:

'' وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ '' (البقرہ: 185)

''وہ چاہتا ہے کہ تم گنتی پوری کرلو اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر اس کی بڑائیاں بیان کرو اور اس کا شکر کرو''۔

نماز عید سنت مؤکدہ ہے۔ اس کے لیے مرد وعورت سب کو میدان میں جا کر باجماعت دو رکعت نماز پڑھنے اور خطبہ سننے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے:

"عن أم عطية قالت: أمرنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أن نخرج في الفطر الأضحى العواتق والحيض وذوات الخدور، فأما الحيض فيعتزلن الصلاة ويشهدن الخير، ودعوة المسلمين، قلت: يا رسول اللّٰه! إحدانا لايكون لها جلباب، قال: لتلبسها أختها من جلبابها" (صحيح مسلم، كتاب صلاة العيدين، باب إباحة خروج النساء في العيدين إلى المصلى)

''ام عطیہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم فرمایا ہے کہ ہم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے مصلی میں جوان لڑکیوں، ماہواری والی اور پردے والی عورتوں کو بھی لے جائیں لیکن ماہواری والی عورتیں مصلیٰ میں نماز سے الگ رہیں۔ وہ صرف ثواب کے کام میں اور مسلمانوں کی دعاؤں میں شریک رہیں۔ (ام عطیہ کا کہنا ہے کہ) میں نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم میں سے جس کے پاس جلباب (سر سے پاؤں تک

ڈھانکنے والی چادر) نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی بہن یا سہیلی کو چاہیے کہ اسے (پہلو میں لے کر) اپنے جلباب کا کچھ حصہ پہنا دے"۔

مسلمان بھائیو اور بہنو! آپ مرد و عورت، بڑے اور چھوٹے، اللہ کی عبادت کے لیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے، اپنی اور مسلمانوں کی بھلائی و خیر چاہتے ہوئے عید کی نماز کے لیے میدان میں نکلیں۔ عید کے مصلی میں رب کریم کی طرف سے آپ بہت کچھ بھلائیاں و انعامات حاصل کر سکتے ہیں، اور آپ کی اچھی دعائیں قبول ہو سکتی ہیں۔

آپ عید کے لیے صاف ستھرا ہو کر، خوشبو لگا کر اور اچھے لباس زیب تن فرما کر نکلیں۔ البتہ مرد ریشم یا سونے کی کوئی چیز نہ پہنیں۔ کیونکہ دنیا میں یہ مردوں کے لیے حرام ہے۔ اور عورتیں اپنے مشروع و ضروری لباس پہن کر خوشبو لگائے بغیر نکلیں۔

عید الفطر کے دن سنت یہ ہے کہ نماز عید کے لیے نکلنے سے قبل طاق عدد میں کچھ کھجوریں کھالیں۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اگر کھجور میسر نہ ہو، تو کوئی میٹھی چیز یا پکوان کھا کر جا سکتے ہیں۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن صبح جب تک چند کھجوریں تناول نہ فرما لیتے نہ نکلتے"۔

ایک اور روایت میں ہے کہ وہ کھجوریں طاق عدد میں کھاتے تھے۔" (البخاری، کتاب العیدین، باب الأکل یوم الفطر قبل الخروج)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْراً" (الاحزاب:21)

یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے، ہر اس

شخص کے لیے جواللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ تعالیٰ کی یاد کرتا ہے"۔

بھائیو! عیدین کی سنتوں میں سے یہ بھی ایک سنت ہے کہ جس راستے سے آپ عیدگاہ جائیں۔ ممکن ہو تو آپ اس کے علاوہ دوسرے راستے سے گھر واپس آئیں۔

"عن جابر قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا كان يوم عيد خالف الطريق " (صحيح البخارى، كتاب العيدين، باب من خالف الطريق إذا رجع يوم العيد)

اگر کسی کی نماز عید فوت ہو جائے تو مع تکبیر زوائد اس کی قضا کر لے۔ اسی طرح عورتیں بھی اور وہ لوگ جو تاخیر کی وجہ سے گھر سے نکل ہی نہ پائے ہوں، وہ باجماعت عید کی قضا کر لیں۔ **(صحيح بخارى، إذا فاته العيد)**

کسب حلال کی ترغیب اور کسب حرام کی مذمت

پہلا خطبہ:

"إنَّ الحمد للّٰہ نحمده، ونستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰہ فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله. صلى اللّٰه عليه وآله وسلم تسليماً كثيراً. أعوذ باللّٰه من الشيطان الرجيم، بسم اللّٰه الرحمن الرحيم.

"يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لاَ تُحَرِّمُوْا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلاَ تَعْتَدُوْا إِنَّ اللّٰهَ لاَ يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ،وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلاَلاً طَيِّباً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىَ أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُوْنَ"(المائدہ:87-88)

"اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو پاکیزہ چیزیں تمہارے واسطے حلال کی ہیں ان کو حرام مت کرو اور حد سے آگے مت نکلو، بے شک اللہ تعالیٰ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تم کو دی ہیں ان میں سے حلال مرغوب چیزیں کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو"

وقال في موضع اٰخر:

"فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلاَلاً طَيِّباً وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ"(النحل:114)

''جو کچھ حلال اور پاکیزہ روزی اللہ نے تمہیں دے رکھی ہے اسے کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو''۔

حضرات! اللہ کی جو نعمتیں ہیں ان سب کا شمار ممکن نہیں۔ وہ بے حد و حساب ہیں۔ یہ زندگی نعمت ہے، یہ صحت یابی نعمت ہے، یہ آنکھیں نعمت ہیں، یہ کان نعمت ہیں، یہ دل نعمت ہے، پیر نعمت ہے، ہاتھ نعمت ہے، جسم نعمت ہے، دماغ نعمت ہے، اولاد نعمت ہے، بیوی نعمت ہے، زمین نعمت ہے، آسمان نعمت ہے، بارش نعمت ہے، ہوا نعمت ہے، پھل نعمت ہے، فصل نعمت ہے، چاند نعمت ہے، سورج نعمت ہے، اور خود آپ کی زندگی نعمت ہے۔ مگر ان ساری نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت، نعمتِ اسلام ہے۔

حضرات! ہم میں سے کون ہے جو نہیں جانتا ہے کہ وہ گھر میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ شاد ماں رہے اور کون چاہتا ہے کہ وہ دوسروں پر بوجھ بن جائے۔ نہیں، ہرگز نہیں! ہر انسان اپنا بوجھ خود سے ڈھونے کا متمنی ہوتا ہے۔ بلکہ دوسروں کی کفالت کا آرزومند بھی۔ اور اس کے لیے انسان کو دنیا میں کچھ کرنے کی فطری ضرورت پڑتی ہے، اور اسی کا نام کسبِ معاش ہے۔ بلکہ یہ کسب معاش بذات خود انسان کی اپنی زندگی گزارنے کے لیے بھی ایک امر ناگزیر ہے۔ جو انسان کسب معاش سے راہِ فرار اختیار کرتا ہے، وہ نہ صرف اپنے گھر والوں کے لیے مصیبت ہے؛ بلکہ اپنے سماج کے لیے بھی وبال جان اور بوجھ ہے۔

اس فطری ضرورت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے کسب حلال کا اصول دنیائے انسانیت کے سامنے پیش کیا۔ تاکہ انسان صحیح زندگی گزار سکے، اس کی دنیا بھی سنور جائے اور آخرت بھی بن جائے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے طیبات یعنی پاکیزہ چیزوں کو ہمارے لیے حلال قرار دیا اور خبائث کو حرام ٹھہرایا ہے۔ چونکہ جو طیبات میں سے ہیں وہ فی نفسہ بھی اچھی چیزیں ہیں اور جسم اور عقل کے لیے بھی مفید اور غیر ضرر رساں ہیں۔ اور جو حرام طریقہ سے کمایا جاتا ہے وہ ہر طرح سے مضر ہوتا ہے جسم کے لیے بھی، دماغ کے لیے بھی، اور ایمان کے لیے بھی۔

یوں تو اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کے رزق کی ذمہ داری اپنے اوپر لے رکھی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِی كِتَابٍ مُّبِيْنٍ ''(ہود:6)

''زمین پر چلنے پھرنے والے جتنے جاندار ہیں سب کی روزیاں اللہ تعالیٰ پر ہیں، وہی ان کے رہنے سہنے کی جگہ کو جانتا ہے اور ان کے سونپے جانے کی جگہ کو بھی، سب کچھ واضح کتاب میں موجود ہے''۔

مگر انسان سمجھتا کہاں ہے؟ حالانکہ اللہ ہی رزاق ہے۔ یعنی بہت زیادہ دینے والا، خودمختار اور بہت طاقتور ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

''إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ''(الذاریات:58)

''اللہ تعالیٰ تو خود ہی سب کا روزی رساں توانائی والا اور زور آور ہے''۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

''وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ''(الذاریات:22)

''اور تمہاری روزی اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے سب آسمان میں ہے''۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

''وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرَازِقِيْنَ ''(الحجر:20)

''اور اسی میں ہم نے تمہاری روزیاں بنادی ہیں اور ان لوگوں کی جنہیں تم روزی دینے والے نہیں ہو''۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِی الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ

بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضاً سُخْرِيّاً وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ "(الزخرف:32)

"ہم نے ہی ان کی زندگانی دنیا کی روزی ان میں تقسیم کی ہے اور ایک کو دوسرے سے بلند کیا ہے تا کہ ایک دوسرے کے ماتحت کر لے جسے یہ لوگ سمیٹتے پھرتے ہیں اور اس سے آپ کے رب کی رحمت بہت ہی بہتر ہے"۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ "(الرعد:26)

"اللہ تعالیٰ جس کی روزی چاہتا ہے بڑھاتا ہے اور گھٹاتا ہے"۔

ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مثال کے ذریعہ اس کو مزید واضح کر دیا ہے کہ:

"عن عمر بن الخطاب قال: قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم لو أنكم كنتم توكلون على اللّٰه حق توكله، لرزقتم كما يرزق الطير، تغدو خماصا وتروح بطانا"(قال أبو عيسىٰ هذا حديث حسن صحيح ،سنن الترمذي: 2344، صححه الألباني)

"اگر تم اللہ پر کما حقہ اعتماد کر لو، تو جس طرح وہ پرندوں کو روزی دیتا ہے، اسی طرح تم کو بھی دے گا، وہ صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس ہوتے ہیں"۔

اگر مذکورہ تمام آیات اور اس حدیث کا آپ بغور مطالعہ کریں تو یہ بالکل صاف ہو جائے گا کہ رزق کی ذمہ داری اللہ پر ہے۔ وہ کسی کو بھوکے مرنے نہیں دے گا۔ جب وہ ایک پرندہ کو روزی دیتا ہے، تو انسان کو بدرجہ اولیٰ دے گا۔

ترمذی شریف کی اس حدیث نے اس بات کی بالکل وضاحت کر دی ہے کہ رزق اللہ کی جانب سے ملنا تو یقینی ہے۔ مگر اس پر بھروسہ بھی کرنا ہوگا اور چڑیوں کی طرح محنت بھی

کرنی ہوگی۔ پھر معاش کے لیے گھر سے نکلنا بھی ہوگا۔ جیسے بھوکی چڑیا صبح کو فکر معاش میں اللہ پر بھروسہ کر کے اپنے گھونسلے سے نکلتی ہے اور شام کو جب وہ واپس لوٹتی ہے تو اس کا پیٹ بھرا ہوتا ہے۔

اس حدیث کے ذریعہ دراصل انسان کو ایک اہم سبق سکھایا گیا اور ایک اہم اصول عطا کیا گیا ہے۔ وہ سبق یہ ہے کہ رزق کا مالک صرف اللہ ہے، اور اس پر بھروسہ کرنا ضروری ہے۔ اور اصول یہ ہے کہ اس کو حاصل کرنے کے لیے انسان کو گھر سے نکلنا ہوگا، اور محنت ومشقت کرنی ہوگی، اور بقدر محنت اس کا حصہ اس کو مل جائے گا، اور جتنا مل جائے یہی اس کی تقدیر ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

''وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعٰى''(النجم:39)

''اور یہ کہ ہر انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی کوشش خود اس نے کی''۔

اس لیے قرآن کریم میں مختلف انداز میں کسب معاش کا حکم دیا گیا ہے۔ بلکہ فرض تک قرار دیا گیا ہے اور خصوصاً دن کا حصہ اس کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

''وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشاً''(النباء:11)

''اور دن کو ہم نے وقت روزگار بنایا''۔

مطلب یہ ہے کہ دن کو روشن بنایا تا کہ لوگ کسب معاش کے لیے جدوجہد کر سکیں۔ قرآن کریم کی ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے رزق کے تلاش کرنے والے اور اللہ کی راہ میں نکلنے والے کو ایک ساتھ ذکر کیا ہے جس سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

''عَلِمَ أَنْ سَيَكُوْنُ مِنكُمْ مَّرْضٰى وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاقْرَؤُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ وَأَقِيْمُوا

الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضاً حَسَناً وَّمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْراً وَّأَعْظَمَ أَجْراً وَّاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيْمٌ"(المزمل:20)

''وہ جانتا ہے کہ تم میں بعض بیمار بھی ہوں گے، بعض دوسرے زمین میں چل پھر کر اللہ تعالیٰ کا فضل (یعنی روزی بھی) تلاش کریں گے اور کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد بھی کریں گے، سو تم بہ آسانی جتنا قرآن پڑھ سکو پڑھو اور نماز کی پابندی رکھو اور زکاۃ دیتے رہا کرو اور اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دو۔ اور جو نیکی تم اپنے لیے آگے بھیجو گے اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں بہتر سے بہتر اور ثواب بہت زیادہ پاؤ گے، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے''۔

اس آیت کریمہ میں ''واخرون يضربون في الأرض يبتغون من فضل اللّٰه '' سے مراد فکر معاش اور تجارت وکاروبار کے لیے سفر کرنا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا ہے۔ اور یہ عمل اللہ کے نزدیک پسندیدہ اعمال میں سے ہے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"یا عمرو! نعم العمل الصالح مع الرجل الصالح" (صحیح ابن حبان. قال شعیب الأرنؤوط إسناده قوی علی شرط مسلم)

''اے عمرو! اچھا عمل، اچھے آدمی کے ساتھ کتنا اچھا ہے''۔

بخاری شریف کی ایک روایت ہے:

"عن المقدام رضی اللّٰه عنه رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: ما أكل أحد طعاما قط خيرا من أن يأكل من عمل يده وإن نبی اللّٰه داؤد عليه السلام كا ن يأكل من عمل يده". (بخاری:2027)

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کے لیے بھی اس کے ہاتھ کی کمائی کے

کھانے سے بہتر کوئی کھانا نہیں ہے۔ اور یہ کہ اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے"۔

حضرات! کسب حلال، شرافت کی علامت اور عزت و وقار کی دلیل ہے۔ انسان جب کسب حلال میں سرگرم رہتا ہے تو اس کو نہ مسکنت چھوتی ہے، اور نہ وہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے، بے شک دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا ایک معیوب چیز ہے۔

حضرت لقمان حکیم کی طرف یہ منسوب کیا جاتا ہے کہ اے میرے بیٹے کسب حلال کے ذریعہ فقر سے استغنا حاصل کرو۔ اس لیے کہ جس کو فقر لاحق ہو جاتا ہے، اس کے اندر تین خصلتیں پیدا ہو جاتی ہیں؛ (۱) دین میں کمزوری اور نرمی (۲) عقل میں ضعف اور (۳) زوال مروت۔ اس کے برعکس کسب حلال میں منہمک رہنے سے (۱) انسان کی معیشت اچھی رہتی ہے (۲) دین کی سلامتی بھی نصیب ہوتی ہے (۳) عزت و ناموس کی حفاظت بھی ہوتی ہے (۴) چہرے سے نور ٹپکتا ہے، اور لوگوں کی نگاہوں میں باوقار رہتا ہے۔

مگر کسب حلال اس وقت ہے جب کسب معاش کا طریقہ بھی حلال ہو اور شی مطلوب بھی حلال ہو۔ ورنہ پھر کسب معاش وبال جان بن جاتا ہے۔ حرام طریقے سے کمائی ہوئی چیز اور حرام چیز دونوں ہی اللہ کے نزدیک غیر مقبول اور مستحق عذاب ہے۔ اور سماج میں بھی باعث ننگ وعار اور شرمندگی و ندامت کا سبب ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے اس کی مکمل وضاحت کردی ہے:

"يَـآ اَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحاً اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ "(المومنون:51)

"اے پیغمبرو! حلال چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو، تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے میں بخوبی واقف ہوں"۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

"يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ "(البقرہ:172)

"اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں انہیں کھاؤ، اور اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرو، اگر تم خاص اسی کی عبادت کرتے ہو"۔

سامعین کرام! کیا آپ کو معلوم ہے کہ زہد فی الدنیا کیا ہے؟ سب سے بڑا زہد فی الدنیا یہ ہے کہ انسان حرام چیزوں کو ترک کردے۔ یہ کوئی زہد اور تقویٰ کی بات نہیں ہے کہ ایک طرف حرام چیزوں سے رزق حاصل کرے یا دوسروں پر ظلم کرے اور دوسری طرف زہد کا لبادہ اوڑھے رکھے۔

آج یہ عجیب وغریب بات ہے کہ پوری انسانیت دنیا پرستی میں مگن ہے اور اکتساب مال کے لیے نہ حرام چیزوں کی پرواہ کی جاتی ہے اور نہ ہی حرام طریقہ سے اجتناب کیا جاتا ہے۔ بلکہ اکتساب مال میں تمام جائز و ناجائز حربوں کو آزمانا کمال فن سمجھا جاتا ہے۔ اس سے کوئی مطلب نہیں کہ یہ مال کہاں سے آتا ہے اور اس کا مصرف کیا ہے؟ اس کے اثرات سے یہ نوبت آجاتی ہے کہ: (قد يصبح الإنسان مؤمنا ويمسى كافرا، وقد يمسى مؤمنا ويصبح كافرا)

"آدمی کبھی ایمان کی حالت میں صبح کرتا ہے، تو کفر کی حالت میں شام کرتا ہے۔ اور کبھی ایمان کی حالت میں شام کرتا ہے، تو کفر کی حالت میں صبح کرتا ہے"۔

یہی لوگ دینار اور درہم کے بندے ہیں، جن کے لیے سخت وعید آئی ہے۔

اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:

كن فى الدنيا كأنك غريب أو عابر سبيل. (بخاری :6416، وابن ماجه)

"تم دنیا میں اجنبی اور مسافر بن کر رہو"۔

چونکہ انسان جب تک سفر اور غربت وطن میں رہتا ہے تو وہ احتیاط اور دامن بچا کر رہتا ہے۔

اور پردیس میں زیادہ گھر بسانے کی ضرورت بھی نہیں پڑتی ہے۔ ضرورت بھر کی چیزیں مہیا ہو جائیں تو کافی ہیں۔ اسی طرح دنیا ایک پردیس ہی تو ہے، اور انسان اس میں بحیثیت مسافر ہیں۔ جس دن سفر ختم، دنیا ختم۔ اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے، اور اسی کی تیاری اصل محنت ہے۔ وہاں کے لیے یہ پونجی جمع کرنا، سب سے بڑی کمائی ہے۔ اور انسان جب آخرت کے لیے کماتا ہے، تو یقیناً پھونک پھونک کر قدم اٹھاتا ہے۔ حرام تو کیا مشتبہ چیزوں سے بھی کوسوں دور رہتا ہے۔

بہت مشہور حدیث ہے:

"یقیناً اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک ہی کو قبول فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو نبیوں اور رسولوں کو حکم دیا ہے، وہی عام مسلمانوں کو بھی حکم دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: اے رسولو! تم پاکیزہ چیزوں کو کھاؤ، اور اچھے کام کرو۔ اور اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کا ذکر کیا، جو لمبا سفر کرتا ہے، پراگندہ حال، گرد آلود اپنے دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف کیے ہوئے رہتا ہے اور گڑگڑا کر دعا مانگتا ہے کہ اے میرے رب! تو ایسا کر، یہ دے دے، وہ دے دے، حالانکہ اس کا کھانا حرام ہے، پینا حرام ہے، اور اس کا پہننا حرام ہے، اور حرام مال ہی سے اس کی پرورش ہوئی ہے۔ تو اس کی دعا کس طرح قبول کی جائے گی"۔

اس حدیث سے پتہ چلا ہے کہ رزق حلال کتنی اہم چیز ہے اس کے بغیر دعا تک قبول نہیں ہوتی ہے۔

دوسرا خطبہ:

"إنَّ الحمد لله ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله"

حضرات! ایک طرف اللہ نے جہاں اپنی عبادت کا حکم دیا، وہیں کسب معاش کے لیے زمین میں پھیل جانے کا بھی حکم دیا۔ چونکہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا اہل ایمان کا شیوہ نہیں ہے۔ بلکہ حلال رزق کے لیے محنت کرنا، اہل ایمان کی شان ہے۔ یہ دونوں چیزیں مندرجہ ذیل نصوص سے واضح ہوتی ہیں۔ پہلی دلیل قرآن سے ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

''فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْراً لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ''(الجمعۃ:10)

''پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور بکثرت اللہ کا ذکر کیا کرو تا کہ تم فلاح پالو''۔

اس میں پہلا حکم عبادت ہے پھر عبادت کے بعد رزق حلال کی تلاش کا حکم ہے۔

دوسری دلیل حدیث شریف سے ہے:

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص لکڑی کا گٹھا اپنی پیٹھ پر لاد کر لائے اور اسے بیچ کر گزارا کرے، یہ اس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی سے سوال کرے، وہ اسے دے یا انکار کردے۔''(بخاری:1470، مسلم:1042)

اپنے ہاتھ سے کما کر کھانا انبیاء اور صلحاء کی سنت:

"عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: كان زكريا عليه السلام نجارا" (سنن ابن ماجة : 2150، قال الشيخ الألباني: صحيح)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت زکریا بڑھی تھے"۔

حضرات! سامعین! انسان کو یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ جب تک اس کے رزق کا ایک دانہ بھی باقی ہے اس کو موت نہیں آسکتی ہے۔ لہٰذا انسان کو اللہ سے ڈرنا چاہیے اور کسب معاش میں حلال طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔

"عن جابر بن عبدالله أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا تبسطوا الرزق فإنه لن يموت العبد حتى يبلغه آخر رزق هوله ، فأجملو في الطلب : أخذ الحلال وترک الحرام" (أخرجه ابن حبان في صحيحه ، قال شعيب الأرنووط : إسناده صحيح على شرط مسلم)

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رزق کو زیادہ مت پھیلاؤ۔ اس لیے کہ کوئی بھی انسان اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک اس کی آخری روزی بھی اس کو نہ مل جائے جو اس کی تقدیر میں تھی۔ لہٰذا کسب حلال اور ترک حرام میں اچھا طریقہ اختیار کرو"۔

اور آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ رزق حرام اور طریقہ کسب حرام، دونوں اللہ کے غضب کو بھڑکاتے ہیں۔ اس لیے کہ اللہ پاک ہے اور وہ صرف پاکیزگی کو پسند کرتا ہے۔ پس جو شخص مال حرام کماتا ہے، اس سے کھاتا اور پیتا اور پہنتا ہے، تو وہ اللہ کی رحمت سے

بہت دور ہے۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جب آدمی حرام چیزوں کو حاصل کرتا ہے، تو اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں: پہلی صورت اپنے رب سے بدگمانی کی بنیاد پر، کہ وہ اگر اپنے رب سے ڈرتے ہوئے اس کی اطاعت کرتا اور کسب حلال کی کوشش کرتا تو اس کو اتنا مال نہیں ملتا جتنا مال اس نے غلط طریقہ سے حاصل کرلیا ہے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ تقدیر پر ایمان بھی رکھتا ہے اور اللہ کو رزاق بھی مانتا ہے؛ لیکن اس پر اس کا نفس غالب آجاتا ہے اور وہ اپنا صبر کھو بیٹھتا ہے۔

''چنانچہ پہلا شخص وہ ہے جس کا علم کمزور ہے۔ اور دوسرا شخص وہ ہے، جس کی عقل اور بصیرت کھوگئی ہے''۔ (الفوائد:48)

اتنا ہی نہیں بلکہ رزق حلال کی برکتوں میں یہ بھی ہے کہ جب انسان اس سے صدقہ وخیرات کرتا ہے، یا زکاۃ نکالتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو قبول کرتا ہے اور اس مال کو بڑھاتا بھی ہے۔

جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

''یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ''(البقرہ:276)

''اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقہ کو بڑھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی ناشکرے اور گنہگار سے محبت نہیں کرتا ہے''۔

حضرات! جن چیزوں سے اللہ کی رحمت وبرکت کے دروازے کھلتے ہیں، ان میں سے سب سے اہم چیز تقویٰ یعنی اللہ کا ڈر اور خوف ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

'' وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَآءِ

وَالْأَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَأَخَذْنَاهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ‘‘(الاعراف:96)

’’اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے لیکن انہوں نے تکذیب کی تو ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا‘‘۔

اس آیت کے سیاق میں یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ ایمان اور تقویٰ دو ایسی چیزیں ہیں کہ جس بستی کے لوگ انہیں اپنالیں، اس بستی کے باشندوں پر اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔ یعنی حسب ضرورت انہیں آسمان سے بارش مہیا فرماتا ہے، اور زمین اس سے سیراب ہو کر خوب پیداوار دیتی ہے۔ خوش حالی وفراوانی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔ لیکن اس کے برعکس تکذیب اور کفر کا راستہ اختیار کرنے پر قومیں اللہ کے عذاب کی مستحق ٹھہر جاتی ہیں۔

پھر پتہ نہیں ہوتا کہ شب وروز کی کس گھڑی میں ان پر اللہ کا عذاب آجائے اور ہنستی کھیلتی بستیوں کو آن واحد میں کھنڈر بنا کر رکھ دے۔ اس لیے اللہ کی تدبیروں سے بےخوف نہیں ہونا چاہیے۔ اس بےخوفی کا نتیجہ سوائے خسارہ کے اور کچھ نہیں۔ (احسن البیان)

عربی کا مقولہ ہے’’الخیر کله الخیر‘‘(حلیة الأولیاء: 361/2) یعنی’’خیر سراپا خیر ہی ہوتا ہے‘‘ اور جب خیر اور تقویٰ دونوں اکٹھے ہو جائیں، تو سونے پر سہاگہ ہے۔ اور جو شخص خیر کے ساتھ اللہ سے ڈرتا ہے، تو اللہ اس کے ہر غم کو دور کر دیتا ہے۔ اور اسے تنگی سے نکلنے کا راستہ عنایت کرتا ہے، اور ایسی جگہ سے رزق عطا کرتا ہے، جس کا اس کو وہم وگمان نہیں ہوتا۔ لہٰذا جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے، اس پر اللہ کی زمین کبھی تنگ نہیں ہو سکتی، اور نہ ہی اس کی معیشت تنگ ہو سکتی ہے۔

سب سے آخری چیز انسان کو رزق حلال کی توفیق کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنی چاہیے۔ چونکہ دعا بھی رحمت وبرکت کے دروازے کھولتی ہے۔ لہٰذا جب انسان کی معیشت

تنگ ہوجائے، اس پر غموں کے بادل منڈلانے لگیں، مرض ومصیبت دامن گیر ہوجائے، کہیں بھی کوئی امید کی کرن نظر نہ آئے، اور دین پر چلنا کافی دشوار ہوجائے، تو انسان کو چاہیے کہ فوراً رب کریم کا دروازہ کھٹکھٹائے، جہاں سے کوئی مایوس ہوکر نہیں لوٹتا۔ اس لیے کہ "فهو الكريم الجواد" وہ بڑا ہی مہربان بہت زیادہ سخاوت کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں کسب حلال کی توفیق بخشے، اور اپنی رحمت سے رزق حلال کشادگی کے ساتھ عطا فرمائے، اور ہماری دعاؤں کو قبول فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

ماہ رمضان کا استقبال

پہلا خطبہ:

”إنَّ الحمد للّٰه نحمده، ونستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله. أمابعد:

”يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ“(آل عمران:102)

”يَآ أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيْراً وَّنِسَآءً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْباً“(النساء:1)

”يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلاً سَدِيْداً، يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِيْماً“(الأحزاب:70:71)

أما بعد فإن أصدق الحديث كتاب اللّٰه، وأحسن الهدي هدي محمد، وشرالأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالةوكل ضلالة في النار.

وقال اللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ:

''يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ''(البقرۃ:183)

''اے ایمان والو! تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، تا کہ تم تقویٰ اختیار کرو''۔

وقال سبحانہ وتعالیٰ:

''شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضاً اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلاَ يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ''(البقرہ:185)

''ماہ رمضان وہ ماہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کو ہدایت کرنے والا ہے اور جس میں ہدایت کی اور حق وباطل کی تمیز کی نشانیاں ہیں، تم میں سے جو شخص اس مہینہ کو پائے اسے روزہ رکھنا چاہیے، ہاں جو بیمار ہو یا مسافر ہو اسے دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کرنی چاہیے، اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے، سختی کا نہیں، وہ چاہتا ہے کہ تم گنتی پوری کرلو اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر اس کی بڑائیاں بیان کرو اور اس کا شکر کرو''۔

بھائیو! آپ نے بہت ہی اچھے مہینہ کا اور بہت زیادہ نفع بخش موسم کا استقبال کیا ہے۔ لیکن یہ اسی شخص کے لیے مفید ہے، جسے اللہ تعالیٰ اس مبارک مہینہ میں نیک عمل کرنے کی توفیق دے۔ آپ نے ایسے مہینہ کا استقبال کیا ہے جس میں قرآن کریم نازل کیا گیا۔ ایسے مہینہ کا جس میں نیکیاں کئی گنا کردی جاتی ہیں، اور گناہ بڑے سنگین قرار دیے جاتے ہیں۔ یہ وہ مہینہ ہے، جس کا پہلا حصہ رحمت کا ہوتا ہے، درمیانہ حصہ بخشش کا ہوتا ہے، اور آخری حصے میں جہنم سے آزادی ملتی ہے۔

اس مہینہ میں دن کے روزے کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کا ایک رکن قرار دیا ہے اور اسے فرض ٹھہرایا اور اس کی رات کے قیام کو آپ کے فرائض کی تکمیل کے لیے اس نے نفل قرار دیا ہے۔ جس نے اس ماہ کا روزہ رکھا، اس کی فرضیت پر یقین کرتے ہوئے اور اللہ سے ثواب پانے کی امید کرتے ہوئے ہوئے تو (شرک کے علاوہ) اس کے سارے سابق تمام گناہوں کو اللہ معاف کر دے گا۔ جو شخص اس کی رات میں قیام کرے گا (شرک کے علاوہ) اس کے سارے سابقہ گناہ اللہ معاف کر دے گا۔ اس مہینہ میں جو شخص عمرہ کرے گا اس کا عمرہ حج کے برابر ہوگا۔ اس مہینہ میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ اہل ایمان کے فرماں بردارانہ عمل میں کثرت پید اہو جاتی ہے۔ اہل ایمان کی نافرمانیاں کم ہو جاتی ہیں۔ اور شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ شیاطین اہل ایمان کے پاس اس طرح نہیں پہنچ پاتے، جس طرح غیر رمضان میں پہنچ جاتے ہیں۔

اس ماہ مبارک کے فضائل وخوبیوں کے بارے میں اور ان سے مستفید ہونے کے لیے، میرے بھائیو! چند قیود وشروط ہیں، جن کی پابندی کرنے پر ہی آپ ان سے فائدہ پاسکیں گے، جو درج ذیل حدیث سے واضح ہوتا ہے:

"عن أبي هريرة قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: قال اللّٰه "كل عمل ابن آدم له إلا الصيام، فإنه لي وأنا أجزي به، والصيام جنة فإذا كان يوم صوم أحد كم فلا يرفث ولا يصخب، فإن سابه أحد أو قاتله فليقل: إني إمرؤصائم، والذي نفس محمد بيده لخلوف فم الصائم أطيب عند اللّٰه من ريح المسک. للصائم فرحتان يفرحهما: إذا أفطر فرح بفطره، وإذا لقى ربه فرح بصومه"(صحيح البخارى، كتاب الصوم، باب يقول إنى صائم إذا شتم)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کہا: بنی آدم کا ہر ایک عمل اسی کے لیے ہے؛ مگر روزہ میرے لیے ہے، اور میں اس کا بدلہ دوں گا، اور روزہ (جہنم سے بچنے کی) ڈھال ہے، جب تم میں سے کسی کا روزے کا دن ہو، یعنی وہ روزے سے ہو، پس اسے چاہیے کہ وہ بے ہودہ گوئی نہ کرے اور نہ شور وغل مچائے۔ اگر کوئی اسے گالی دے، یا اس سے جھگڑے تو وہ کہے کہ میں روزے سے ہوں۔ قسم اس ذات کہ جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے! یقیناً روزے دار کے منہ کی بو، اللہ کے نزدیک مشک کی بو سے بھی زیادہ اچھی ہے۔ روزے دار کے لیے دو خوشیاں ہوں گی، جن سے وہ خوش ہوگا؛ ایک یہ کہ جب وہ افطار کرے گا، تو اپنے افطار سے خوش ہوگا۔ اور دوسری یہ کہ جب وہ اپنے رب سے ملاقات کرے گا، تو خوش ہوگا۔

بھائیو! رمضان کے چاند کی رؤیت ثابت ہو جانے پر ہی روزہ رکھو، چاند کی رؤیت سے ایک یا دو دن پہلے روزہ نہ رکھو۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ اِلا یہ کہ وہ شخص جس پر گزشتہ رمضان کی قضا باقی ہو، تو وہ اسے پورا کر لے، یا وہ شخص جسے ہر ماہ کے آخر میں روزہ رکھنے کی عادت ہو، تو وہ اس دن کا روزہ رکھ لے۔ جیسے کی پیر یا جمعرات کو روزہ رکھنے کی عادت ہو، اور اتفاق سے یہ اس دن کے مطابق ہو گئے ہوں، یا اس کا ایام بیض (یعنی ہر مہینہ کی تیرہوں، چودھویں اور پندرہویں کی تاریخوں میں) روزے رکھنے کی عادت ہو، جو اس سے فوت ہو گئے ہوں، تو اس کے لیے کوئی حرج نہیں کہ وہ مہینہ کے آخری ایام میں رمضان سے ایک یا دو یا تین دن پہلے وہ فوت شدہ روزے رکھ لے۔

آپ شک کے دن یعنی شعبان کے تیسویں دن کا روزہ نہ رکھیں۔ جب کہ اس کی رات کو بادل یا کوئی خرابی وغیرہ چاند کی رؤیت میں رکاوٹ بن گئی ہو۔ حدیث میں آیا ہے:

''عن عبداللّٰه بن عمر رضی اللّٰه عنهما أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: الشهر تسع وعشرون ليلة فلا تصوموا حتى تروه فإن غم عليكم

فأكملوا العدة ثلاثين"(صحيح البخارى الصوم، باب قول النبي إذا رأيتم الهلال فصوموا)

"وعن أبي هريرة رضى الله عنه يقول: قال النبي صلى الله عليه وسلم :صوموا لرؤيته وافطروا لرؤيته فإن غم عليكم فأكملوا عدة شعبان ثلاثين"(أيضا)

"وقال عماربن ياسر: من صام اليوم الذي يشك فيه فقد عصى أبا القاسم"(أيضا)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہینہ انتیس راتوں کا بھی ہوتا ہے۔ پس تم لوگ روزہ رکھو یہاں تک کہ چاند دیکھ لو۔ اگر تمہیں بدلی نظر آئے تو (شعبان کے مہینہ کی) تیس دن کی گنتی پوری کرلو۔

''عمار بن یاسر نے کہا کہ جس نے شک کے دن روزہ رکھا، اس نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔

جس ایماندار مسلمان نے، خواہ وہ دنیا کے کسی بھی خطے میں ہو، پہلی رات کا چاند یقینی طور پر دیکھا، اسے چاہیے کہ مکہ مکرمہ کے اصحاب اختیار کو خبر کردے، اور اسے ہرگز نہ چھپائے، اور جب وہ لوگ مکہ مکرمہ کی رؤیت ہلال کمیٹی میں تحقیق کرا کے تمہارے قبلہ'' مکہ مکرمہ'' کے ریڈیو یا ٹیلیویژن میں رمضان داخل ہونے کا اعلان کرادیں، تو تم لوگ اس اعلان کے بعد صبح صادق سے روزہ رکھنا شروع کرو۔ اسی طرح جب ماہ شوال داخل ہونے کے ثبوت کے طور پر اعلان ہو جائے، تو روزہ رکھنے یا توڑنے کا حکم معتبر ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"صوموا لرؤتيه وأفطروا لرؤيته"(صحيح البخارى، كتاب الصوم، با ب قول النبى صلى الله عليه وسلم إذا أيتم الهلال فصوموا)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم یا یہ خطاب کسی ایک شہر یا کسی ایک ملک کے لیے نہیں۔ بلکہ یہ خطاب دنیا کے تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان مخاطب لوگوں میں سے ہر ایک کے لیے فرداً فرداً چاند دیکھنا لازمی نہیں؛ بلکہ ان مخاطبین میں سے کسی ایک فرد کا، بشرطیکہ وہ ایماندار ہو، خواہ مکہ مکرمہ کا ہو، یا مکہ مکرمہ سے باہر کسی شہر یا کسی ملک یا دنیا کے کسی بھی خطے کا ہو، اس ایک فرد کا چاند دیکھنا ہی تمام مسلمانوں کے چاند دیکھنے کے قائم مقام ہے، اور تمام مسلمانوں پر وہ چیز واجب ہو جائے گی جو اس چاند دیکھنے والے ایماندار مسلمان پر واجب ہوگی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اپنے شہر کے ایماندار شخص واحد کی رؤیت ہلال کو معتبر مان کر شہر کے تمام لوگوں میں روزے کا اعلان کرادیا، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے شہر کے علاوہ دوسرے شہر کے کسی بھی مومن کی رؤیت ہلال کی گواہی پر بھی اپنے شہر میں عید کا اعلان فرمادیا تھا؛ جب کہ یہ گواہ دوسرے شہر سے تیز رفتار اونٹ کی سواری پر دوسرے دن کے آخری وقت میں مدینہ منورہ پہنچا تھا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دوسرے شہر کے گواہ سے ایمان کے علاوہ یہ نہیں دریافت فرمایا کہ وہ کتنے قریب یا کتنے دور سے آیا ہے۔ لہٰذا رؤیت قبول کرنے میں صرف ایمان معتبر ہے اور قریب و بعد کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور ایماندار گواہ خواہ ایک ہو، یا زیادہ کوئی فرق نہیں پڑتا۔

صوم کے اثبات وجوب کے لیے چاند کا اعتبار ہوتا ہے:

"عن ابن عمر رضی اللّٰه عنهما قال: تراءى الناس الهلال، فأخبرت رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلهم إني رأيته، فصامه وأمر الناس بصيامه"

(صحيح سنن أبي داؤد، كتاب الصوم، باب في شهادة الواحد على رؤية هلال رمضان)

''ابن عمر نے کہا کہ لوگوں نے پہلی رات کا چاند دیکھا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ میں نے بھی یہ چاند دیکھا ہے۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کا روزہ رکھا،اور لوگوں کو حکم فرمایا کہ وہ روزہ رکھیں۔

"عن أبي عمير بن أنس قال حدثني عمومة لي من الأنصار من أصحاب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: "غم علينا هلال شوال فأصبحنا صياما، فجاء ركب من آخر النهار فشهدوا عند رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إنهم رأواالهلال بالأمس، فأمر رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أن يفطروا من يومهم وأن يخرجوا لعيدهم من الغد"(مسند احمد، حديث رجال من الأنصارص : 39وصحيح أبي داؤد، تفريع أبواب الجمعة ، باب إذالم يخرج الإ مام للعيد من يومه يخرج من الغد)

''حضرت ابوعمیر بن انس نے کہا کہ اصحاب رسول میں سے میرے ایک انصاری چچا نے حدیث بیان کرتے ہوئے کہا کہ شوال کی رؤیت ہلال کے وقت ہم پر بادل چھایا ہوا تھا ۔چنانچہ ہم نے روزہ رکھ کر صبح کی۔پھر دن کے آخری وقت میں اونٹ سواروں کا ایک وفد آیا،اوران لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گواہی دی کہ ان لوگوں نے کل شام کو چاند دیکھا ہے۔چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ لوگ اپنے اس دن کا روزہ توڑ دیں اور کل صبح عید کے لیے نکلیں''۔

"عن عبدالرحمن بن ابي ليلىٰ قال: كنت مع عمر فأتاه رجل فقال: إني رأيت الهلال – هلال شوال– فقال عمر رضى اللّٰه عنه: يا أيها الناس ! أفطروا"(مسند : 28/1)

''حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے کہا کہ میں عمر کے ساتھ تھا،تو ایک آدمی آپ کے پاس آیا،اوراس نے کہا کہ میں نے چاند دیکھا یعنی شوال کا چاند۔تو عمر نے فرمایا کہ اے

لوگو! تم لوگ روزہ توڑ دو"۔

"عن عبدالرحمن بن أبي ليلىٰ قال: "كنت مع البراء بن عازب وعمر بن الخطاب رضي الله عنهما في البقيع ينظر إلى الهلال، فأقبل راكب فتلقاه عمر رضي الله عنه، فقال: من أين جئت: فقال: من العرب، قال: أهللت؟ قال: نعم، قال عمر: الله أكبر، إنما يكفيا لمسلمين الرجل"(مسند احمد، أول مسند عمر بن الخطاب رضي الله عنه:332)

"عبداللہ بن لیلیٰ نے کہا میں براء بن عازب کے ساتھ تھا، اور عمر بن الخطاب بقیع میں چاند دیکھنے میں مصروف تھے۔ اسی اثنا میں ایک سوار آیا، تو عمر نے اس سے ملاقات کی، پھر پوچھا کہ تم کہاں سے آئے؟ اس نے جواب دیا کہ عرب سے، عمر نے پھر سوال کیا کہ کیا تم نے چاند دیکھا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جی ہاں۔ عمر نے (خوشی) سے "اللہ اکبر" کہہ کر فرمایا کہ بے شک ایک مسلمان آدمی کا چاند دیکھنا تمام مسلمانوں کے لیے کافی ہے"۔

جب رؤیت ہلال کی خبر پہنچانے کے عالمی وسائل موجود نہیں تھے، تو جس قدر مسلمانوں کو خبر پہنچائی گئی انہیں وہ خبر قبول کرنا ضروری ہوا۔ آج جب پوری دنیا کے مسلمانوں کو یہ خبر پہنچانے کے عالمی وسائل مہیا ہو گئے جن کے ذریعہ یہ خبر پہنچائی جاتی ہے، تو دنیا کے سارے مسلمانوں کو یہ خبر قبول کرنا ضروری ہے۔ اب کسی کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہا۔

جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت رسول اپنے مذکورہ قول وعمل کے ذریعہ، اور مذکورہ صحابۂ کرام نے بحیثیت ناقل فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی روایتوں کے ذریعہ، عمر رضی اللہ عنہ نے بحیثیت خلیفہ اپنے مذکورہ فرمان کے ذریعہ ایک ایماندار مسلمان کی رؤیت ہلال کو، قطع نظر قریب دور، صرف ایمان کی بنیاد پر، دنیا کے تمام مسلمانوں کے لیے معتبر سمجھا۔ اسی طرح رؤیت ہلال میں اعتبار تعمیم کے نقطۂ نظر سے قریب یا دور،

دنیا کے کسی بھی شہر یا ملک کے ایک ایماندار مسلمان کے چاند دیکھنے لینے پر، اگر اس کی خبر قبلۂ اسلام کی طرف سے دنیا کے تمام مسلمانوں کے لیے نشر کر دی جاتی ہے، تو درج ذیل محدثین وفقہائے کرام بھی ایسی رؤیت کو دنیا کے تمام مسلمانوں کے لیے معتبر سمجھتے ہیں:

(۱) شیخ امام زہری رحمہ اللہ، (۲) امام مالک رحمہ اللہ، (۳) امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، (۴) شیخ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ، (۵) شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ، (۶) شیخ امام محمد شوکانی رحمہ اللہ، (۷) شیخ علامہ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ، (۸) شیخ علامہ صدیق حسن خاں رحمہ اللہ، (۹) شیخ علامہ محمد احمد شاکر رحمہ اللہ، (۱۰) شیخ علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ، (۱۱) شیخ علامہ محمد بن عثیمین رحمہ اللہ۔

رمضان کا روزہ اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے بندوں پر فرض قرار دیا ہے۔ پس جس نے اس کا انکار کیا، وہ کافر ہے۔ کیونکہ وہ اللہ کو، اس کے رسول اللہ کو اور مسلمانوں کے اجماع کو جھٹلانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ“ (البقرہ:183)

”اے ایمان والو! تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو“۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

” شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ“ (البقرہ:185)

”ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کو ہدایت کرنے والا ہے اور جس میں ہدایت کی اور حق و باطل کی تمیز کی نشانیاں ہیں، تم میں سے جو شخص اس مہینہ کو پائے

اسے روزہ رکھنا چاہیے"۔

روزہ ہر ایک مسلمان پر واجب ہے، جو بالغ ہو، عقل مند ہو، مستطیع اور مقیم ہو۔ خواہ وہ مرد ہو، یا ایسی عورت ہو جو حیض یا نفاس میں نہ ہو، مریض مرد یا عورت اور حیض یا نفاس والی عورت اپنا روزہ آئندہ رمضان سے پہلے کسی وقت قضا کر لے۔ اگر دشواری ہو تو چھوٹے ہوئے روزوں کے برابر مسکینوں کو دو وقت کا کھانا کھلا دے۔ حاملہ عورت اور مسافر بھی اپنے چھوٹے ہوئے روزے آئندہ رمضان سے پہلے قضا کر لے۔

روزہ کافر پر واجب نہیں ہے۔ لیکن اگر ماہ رمضان کے اندر اسلام قبول کر لے، تو آنے والے روزے اس پر واجب ہو جاتے ہیں البتہ اس ماہ کے گزرے ہوئے روزے قضا کرنا اس پر لازم نہیں ہے۔ اور اگر اس نے رمضان کے دن کے اندر صبح کے بعد اسلام قبول کیا ہے، تو اس دن کے روزہ کی قضا اس پر لازم نہیں۔ لیکن بقیہ دن غروب آفتاب تک وہ روزہ فاسد کرنے والی چیزوں کا ارتکاب نہ کرے۔

اگر چہ نابالغ بچوں پر روزہ واجب نہیں تاہم اگر ان بچوں کو روزہ رکھنے میں کوئی خاص دشواری نہ ہو، تو انہیں روزہ کے لیے ترغیب دینی چاہیے تاکہ انہیں روزہ رکھنے کی عادت ہو جائے۔ صحابہ کرامؓ بھی اپنے بچوں کو روزے رکھواتے تھے۔ یہاں تک کہ جب بچے روزے میں بھوک سے رونے لگتے، تو انہیں کھلونے دے کر غروب آفتاب تک بہلاتے تھے۔

"أقول قولي هذا، واستغفر الله لي ولكم وسائر المسلمين من كل ذنب، فاستغفروه إنه هو الغفور الرحيم.

دوسرا خطبہ:

"إنَّ الحمد لله، نحمده، و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا

هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريك له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله"

أما بعد فإن أصدق الحديث كتاب الله، وأحسن الهدي هدي محمد، وشر الأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة و كل ضلالة في النار.

قال الله سبحانه وتعالىٰ:

"إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ"(الزمر:10)

"صبر کرنے والوں ہی کو ان کا پورا پورا اجر بلا حساب دیا جاتا ہے"۔

محترم بھائیو! رمضان کا یہ مبارک مہینہ جس کا آپ نے استقبال کیا، صبر کا مہینہ ہے۔ دیگر مہینوں میں جو چیزیں آپ پر حلال تھیں، ان میں سے بہت سی چیزوں سے آپ صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک بغیر کسی پہرے دار کے اجتناب کرتے ہیں۔ یہ ساری چیزیں آپ کے سامنے ہونے کے باوجود آپ انہیں استعمال نہیں کرتے۔ ان چیزوں کی لذتوں سے آپ آشنا ہونے کے باوجود آپ اللہ کے واسطے انہیں ہاتھ نہیں لگاتے اور صبر سے کام لیتے ہوئے غروب آفتاب کا انتظار کرتے ہیں۔ خاص کر گرمی کے ایام میں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس صبر کے امتحان میں کامیابی عطا فرمائے۔

آپ روزے کی حالت میں کھانا اور پانی ترک کرتے ہیں، شہوت ترک کرتے ہیں، لڑائی جھگڑوں سے بچتے ہیں، غیظ وغضب اور گالی گلوچ سے بچتے ہیں اور دل کو اللہ کی یاد، ذکر وفکر اور تلاوت کلام پاک میں لگاتے ہیں۔ بے شک دل کو ذکر وفکر کے لیے یکسو کرنا بہت بڑی بات ہے۔ شہوت، دل کو سخت اور اندھا بناتی ہے۔ کھانے اور پانی سے پیٹ کو بھرنے کے بجائے اسے کچھ خالی رکھنا دل کو منور کرتا ہے۔ اس میں تواضع پیدا کرتا ہے اور اس کی سختی کو دور کرتا ہے۔

روزے دار کی دو قسمیں یا دو طبقے:

پہلا طبقہ: ان لوگوں کا ہے جو روزے کی حالت میں اللہ کے لیے اپنا کھانا، پینا اور اپنی شہوت چھوڑ کر، اس کے بدلے اللہ سے جنت پانے کی امید کرتے ہیں۔ اس طبقہ نے گویا اللہ کے ساتھ تجارت کی اور اللہ سے معاملہ کیا۔ اور اللہ ایسے شخص کا اجر ضائع نہیں کرتا جو اچھا عمل کرتا ہے۔ پس ایسے روزے دار کو اللہ تعالیٰ جنت میں جس قدر کھانا، پینا اور خدمت کے لیے جنتی دوشیزائیں دینا چاہے دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

''كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـئًا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ'' (الحاقۃ: 24)

''(ان سے کہا جائے گا) کہ مزے سے کھاؤ، پیو اپنے ان اعمال کے بدلے جو تم نے گزشتہ زمانے میں کیے''۔

مجاہد وغیرہ مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت روزے داروں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

''عن سهل (بن سعد) رضی اللّٰه عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن في الجنة بابا يقال له الريان، يدخل منه الصائمون يوم القيامة لايدخل معهم أحد غيرهم''

''حضرت سہل (بن سعد) رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایک دروازہ ہے، جس کا نام ''ریان'' ہے جس سے قیامت کے دن روزے دار ہی داخل ہوں گے۔ ان کے ساتھ ان کے علاوہ دوسرا کوئی داخل نہ ہو سکے گا۔

دوسرا طبقہ: روزے داروں کا ان لوگوں پر مشتمل ہوگا، جو دنیا میں (روزے کی حالت میں) اللہ کے علاوہ ہر چیز سے قطع تعلق کیے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے سر اور اس کے متعلقات کی حفاظت کرتے ہیں، پیٹ اور اس کے مشتملات کی حفاظت کرتے ہیں اور موت و مصیبت کی یاد میں دنیا کی زیب و زینت کو چھوڑ دیتے ہیں۔۔ چنانچہ یہ عید الفطر ان کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''مَنْ كَانَ يَرْجُوْ لِقَآءَ اللّٰهِ فَإِنَّ أَجَلَ اللّٰهِ لَآتٍ وَّهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ'' (العنکبوت:5)

''جسے اللہ کی ملاقات کی امید ہو پس اللہ کا ٹھہرایا ہوا وقت یقیناً آنے والا ہے، وہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں فرمایا:

''كل عمل ابن آدم له إلا الصيام، فإنه لي وأنا أجزي به'' (صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب هل يقول إني صائم إذا شتم)

''روزے کے علاوہ ہر نیک عمل کا اجر بندہ کو ملتا ہے؛ البتہ روزہ خاص میرے لیے ہے اور اس کا ثواب میں اپنے ہاتھ سے خود دوں گا''۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

'' إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ''(الزمر:10)

''صبر کرنے والوں ہی کو ان کا پورا پورا اجر بلا حساب دیا جاتا ہے''۔

اس مہینہ میں بھلائی و احسان اور خیر خواہی کا کام زیادہ سے زیادہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مہینہ میں جود و سخا کے کام بہت زیادہ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ نیک عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

"اللّٰهم اغفر لجمع المسلمين، ووفقنا وإياهم لصيام رمضان وقيامه، وتقبل منا ومنهم، اللّٰهم أعز الإسلام والمسلمين، وأخذل الكفر والمشركين.

عباد اللّٰه! إن اللّٰه يأمر بالعدل والإحسان، وإيتاء ذي القربىٰ، وينهى عن الفحشاء والمنكر والبغي، يعظكم لعلكم تذكرون، وصلى اللّٰه عليه على النبي وسلم تسليما كثيرا.

میڈیا اور انسانی زندگی پر اس کے اثرات

پہلا خطبہ:

الحمد للّٰہ رب العالمین والعاقبة للمتقین والصلاة والسلام علی سید الأنبیاء والمرسلین وعلیٰ آله وأصحابه أجمعین، وبعد:

فأعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم.

''وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ،وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ،يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ فَأَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ،وَأَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ''(آل عمران:104-107)

''تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف لائے اور نیک کاموں کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے اور یہی لوگ فلاح ونجات پانے والے ہیں۔تم ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جنہوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آجانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا، انہیں لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے۔جس دن بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض سیاہ، جن کے چہرے سیاہ ہوں گے ان سے کہا جائے گا کہ کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا؟ اب اپنے کفر کا عذاب چکھو۔اور سفید چہرے والے اللہ کی

رحمت میں داخل ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے"۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم :"كفى بالمرء كذبا أن يحدث بكل ماسمع" (مسلم:5)

"عن ابن مسعود الأنصاري رضي اللّٰه عنه قال: جاء رجل إلى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فقال: إني أبدع بي فأحملني فقال: "ماعندي" فقال رجل: يا رسول اللّٰه ألا أدله على من يحمله؟ فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: "من دل على خير فله مثل أجر فاعله"(مسلم:5007)

حضرات! آج جمعہ کے خطبہ کے لیے میں نے جس موضوع کا انتخاب کیا ہے۔ وہ نہایت ہی حساس اور عصرِ حاضر کا سلگتا ہوا موضوع ہے۔ نہ صرف یورپ وامریکہ؛ بلکہ پوری دنیا کا پسماندہ ملک بھی اس کے چنگل سے باہر نہیں ہے۔ اور سب سے زیادہ سوچنے کی بات یہ ہے کہ جو انسان یا قوم یا ملک ترقی کی راہ پر چلنے کی کوشش کرتا ہے، اس کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ اس کو لے کر چلے۔ اس کے بغیر اس دور میں ترقی کا تصور اور اپنی بالا دستی کا خیال ایک وہم کے سوا کچھ بھی نہیں۔ آج دنیا اس کو میڈیا کے نام سے جانتی ہے۔ اخبار، جرائد، مجلّے، ماہنامے، ٹیلی ویژن، ریڈیو، انٹرنیٹ وغیرہ اسی تن اور درخت کی مختلف شاخیں ہیں۔

خیر اور شر کے اعتبار سے ہم میڈیا کو دو خانوں میں بانٹ سکتے ہیں۔ ظاہر ہے میڈیا کا استعمال صالح مقاصد کے لیے کیا جائے تو اس کے فوائد اس قدر ہیں کہ گنے نہیں جاسکتے۔ جب کہ برے مقاصد کے لیے استعمال کیا جائے تو دنیا میں اس سے بری چیز اور کیا ہوسکتی ہے! یقیناً آج میڈیا کے یہ دونوں دروازے سب کے لیے کھلے ہوئے ہیں۔ اور حسبِ منشا لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

میڈیا کی تقسیم:

دیکھا جائے تو میڈیا کو تین خانوں میں بانٹا جاسکتا ہے:

ا۔ مرئی، جس کا تعلق دیکھنے سے ہو۔ مثلاً: ٹیلی ویژن اور وی سی آر وغیرہ۔
۲۔ سمعی، جس کا تعلق سننے سے ہو۔ جیسے: آڈیو کیسٹ، ایم پی 3، ریڈیو اور باجے وغیرہ۔
۳۔ لسانی، جس کا تعلق پڑھنے سے ہو۔ جیسے اخبار، جرائد، رسالے اور مجلّے وغیرہ۔

ان میں سے اول الذکر اور ثانی الذکر دونوں کو ہم الیکٹرانک میڈیا سے تعبیر کرتے ہیں۔ جب کہ تیسری قسم کو پرنٹ میڈیا کا نام دیا جاتا ہے۔

سامعین کرام! آج میڈیا کے ان عناصر کی اہمیت کا کون منکر ہوسکتا ہے، اور انسانی زندگی کا کون سا شعبہ ہے جو ان سے خالی اور الگ تھلگ ہے۔ بلکہ نئی نسل کی زندگی کا آغاز ہی میڈیا سے ہوتا ہے۔

آج چاہے مسئلہ حکومت وسیاست کا ہو، چاہے دین کی نشر واشاعت کا ہو، کمپنی، ٹریڈ اور بزنس کے فروغ کا معاملہ ہو، جدید تعلیمی وسائل کی فراہمی کی بات ہو، یا کورٹ کچہری کے دنگل کی۔ ہر جگہ اور ہر موڑ پر میڈیا کی جلوہ گری نظر آتی ہے۔ اس مادی دور میں دنیوی معاملات میں منافست کوئی عجیب بات نہیں؛ بلکہ عین تقاضا ہے۔ مگر دین کی نشر واشاعت میں بھی ہر مذہب کے پیروکار جس حد تک آگے نکل چکے ہیں ہم اس کی گردِ راہ کو بھی نہیں پاسکتے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ ناممکن اور محال ہو چکا ہے؛ بلکہ معاملہ یہ ہے کہ دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں ہم یقیناً بہت پیچھے ہیں۔ لوگ تحریف شدہ مذاہب، ترمیم شدہ دین دھرموں اور صرف احبار ورہبان کے ملفوظات ہی نہیں؛ بلکہ اپنے وضع کردہ اصولوں کو بھی دین کا نام دے کر اس کی نشر واشاعت میں جس قدر میڈیا کا استعمال کر رہے ہیں، ہم اس کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے ہیں۔ جب کہ لوگ نہ صرف دنیوی امور بلکہ اپنے دینی امور میں بھی ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی پوری کوشش میں ہیں۔ مگر ہم اب تک خوابِ خرگوش میں مبتلا ہیں۔ جب کہ ہمارے پاس تمام آسمانی صحیفوں کا سب سے آخری اور

عظیم الشان نسخہ، یعنی رب کریم کا قرآن موجود ہے۔ جب کہ ہمارے پاس پیغمبر انسانیت پیارے نبی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات، یعنی احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مایۂ ناز ذخیرہ موجود ہے۔اس کے علاوہ ائمہ ومحدثین اور علماء ومفسرین کے گراں بہا خزانے بھی موجود ہیں۔اور ایسا بھی نہیں کہ یہ امت میڈیا کے اخراجات کی متحمل نہیں ہوسکتی ہے۔ بلکہ اس قوم کو نہ صرف قوت ارادی وافر مقدار میں ملی ہے؛ بلکہ قوت تحمل بھی کافی مقدار میں اس کے پاس موجود ہے۔بس ضرورت ہے بیدار ہونے اور ضروریات وتقاضوں کو اچھی طرح سمجھ کر مناسب قدم اٹھانے کی۔ بالخصوص جن کو اللہ نے دین کی دولت کے ساتھ ساتھ، دنیا کی دولت بھی عطا کی ہے،ان اصحاب سیم وزر کی یہ ذمہ داری مزید بڑھ جاتی ہے۔

حضرات گرامی! میڈیا اس دور کا ایک عجیب وغریب انقلاب ہے۔اور یہ انقلاب ہر ایک کی زندگی میں داخل ہو چکا ہے۔ یہ سچ ہے کہ انسانی زندگی اور معاشرہ کی تشکیل پر اس کے مثبت اور منفی دونوں اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ان نازک موڑ پر ارباب فکر وفن اور اصحاب سیم وزر پر، یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ میڈیا کے تمام شعبوں اور شاخوں کو، اور اس کے تمام وسائل کو دنیا میں صحیح دین کی صحیح اشاعت اور انسانیت کی رہبری، امن وسلامتی اور سماج کی ترقی اور ہر اچھے کام کے لیے مسخر کرلیا جائے۔تاکہ نور وظلمت کے تصادم میں شیشۂ ظلمت وضلالت پاش پاش ہوکر رہ جائے۔حق کی حقانیت میں باطل کو اپنی پستی قامت کا نہ صرف احساس ہو؛ بلکہ حق کے سامنے باطل سرنگوں ہوجائے اور دنیا میں کتاب وسنت کی ترویج کے ذریعہ ایک بار پھر امن کا ماحول قائم ہوجائے۔

سامعین کرام! یہ اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ میڈیا کا اٹیک، براہِ راست انسان کے ذہن پر ہوتا ہے۔اسی لیے وہ زیادہ موثر مانا جاتا ہے۔ اس کے ذریعہ بڑی آسانی سے کسی فکر کو عام کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔خواہ معاملہ عقائد وعبادات کا ہو،خواہ

اخلاق وعادات کا ہو، یا آپسی لین دین کا معاملہ ہو، ہر شعبہ میں میڈیا کا صحیح استعمال ہوسکتا ہے۔اوراس کوصحیح استعمال کے لائق بنانے کے ہم سب ذمہ دار ہیں۔

"عن عبدالله بن عمريقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: كلكم راع وكلكم مسؤول عن رعيته، الإمام راع ومسؤول عن رعيته، والرجل راع في أهله، وهومسؤول عن رعيته، والمرأة راعية في بيت زوجها، ومسؤولة عن رعيتها، والخادم راع في مال سيده، ومسؤول عن رعيته". قال وحسبت أن قد قال: "والرجل راع في مال أبيه، ومسؤول عن رعيته ، وكلكم راع ومسؤول عن رعيته"(البخاری:853)

اس حدیث کی روشنی میں تو آپ میں سے ہر کوئی اپنی ماتحتی میں رہنے والوں کا ذمہ دار قرار پاتا ہے۔اس لیے آپ میں سے ہر ایک کی ذمہ داری ہے کہ اپنی ماتحتی میں رہنے والوں کو برے راستے سے بچائے اور صحیح راستے کی طرف رہنمائی کرے۔اوراس ذمہ داری کے بارے میں قیامت کے میدان میں آپ سے باز پرس ہوگی۔آپ سے یقیناً پوچھا جائے گا کہ میڈیا کے دور میں اصحاب شر نے شر پھیلانے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی اور آپ نے اس کے ذریعہ خیر کے پھیلانے میں کیا کوشش کی؟ میڈیا کے اس دہکتے ہوئے انگارے کی لپیٹ میں نہ صرف یہ سماج جھلستا رہا ہے۔بلکہ آپ کی اولاد بھی اس کی تپش سے محفوظ نہ رہ سکی۔(اے اللہ! ہماری حفاظت فرما)

آپ کے اوپر یہ ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ہے کہ آپ اپنی اولاد کو اس آگ سے بچائیں؟ آج کون انسان ہے جو اولاد کی تربیت کے بارے میں سرگرداں اور پریشان نہیں ہے؟ ان پریشانیوں کا حل یہ نہیں ہے کہ آپ حقائق سے آنکھیں موند لیجیے۔آنکھیں موند لینے سے حقیقت چھپ نہیں جاتی۔البتہ انسان کا ضمیر اور احساس ضرور ختم ہو جاتا ہے۔اسی لیے ان حقائق سے نظریں ملانے کی کوشش کیجیے۔ان کو دیکھنے سمجھنے اور ان سے مقابلہ کے

لیے تیاری کیجیے۔آپ میڈیا کو ختم نہیں کر سکتے اور نہ ہی یہ کوئی عقلمندی کی بات ہے۔ ہاں عقلمندی کی بات یہ ہے کہ آپ اپنی اولاد کو، نئی نسل، سماج اور دنیا کو ایک نعم البدل ضرور عطا کر سکتے ہیں۔ اگر کہیں سے ایمان کش اور زہریلے پروگرام پیش کیے جاتے ہیں، تو آپ ایمان افروز واقعات مرتب کر کے پیش کریں۔ کہیں باری تعالیٰ کی حقانیت پر حملہ ہوتا ہے، تو آپ وجود باری تعالیٰ اور توحید باری تعالیٰ کی نشانیاں ودلائل پیش کریں۔ کہیں اگر نبوت محمدی پر ضرب لگتی ہے، تو آپ محسن انسانیت کے احسانات کے ذکر وبیان سے میڈیا کو بھر دیجیے۔ کہیں اگر حیاسوزں کا کام ہو رہا ہے تو اس کے مقابلہ میں آپ عفت وعصمت کی حفاظت کے وہ نادر نمونے دنیا کے سامنے پیش کیجیے کہ دنیا دنگ رہ جائے۔ یقیناً میڈیا کو انسانی زندگی سے دور نہیں کیا جا سکتا ہے۔ مگر میڈیا میں صحیح چیزیں داخل کر کے انسانی زندگی کو پر سکون بنانے کا کام ضرور کیا جا سکتا ہے۔ (ألیس منکم رجل رشید)

ہے تم میں کوئی مرد مجاہد، جو اس فکری یلغار کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ کیونکہ زمانہ کو اس کی آمد کا شدت سے انتظار ہے۔

گرامی قدر سامعین! آپ میں سے کوئی میڈیا کے کسی بھی شعبے سے جڑا ہوا ہے، تو وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ میڈیا معاشرہ کا آئینہ دار ہوتا ہے، اور معاشرے کا رہبر بھی۔ آج میڈیا کو معاشرہ کی تشکیل میں کلیدی حیثیت حاصل ہو چکی ہے۔ ہزار مخالفتوں کے باوجود بھی لاشعوری طور پر سماج میں وہی تہذیب راہ پا جاتی ہے جو میڈیا کے ذریعہ پیش کی جاتی ہے۔ آج عمداً وسہواً ہر کوئی میڈیا کا مقلد ہے۔

آج میڈیا کے دور میں بڑی افراتفری کا عالم ہے۔ رائی کو پربت اور ذرہ کو پہاڑ بنانا میڈیا کا اپنا شوق ہے۔ بہت سارے لوگ من گھڑت واقعات کو بھی پیش کرتے ہیں۔ اس کے پیچھے ان کا مقصد اور انجام جو بھی ہو، تاہم سماج اس سے متاثر ضرور ہوتا ہے۔

”عن أبي هريرة قال قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم كفى

بالمرء كذبا أن يحدث بكل ماسمع"(مسلم:5)

"عن عن ابن عباس رضى الله عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم بعث معاذا رضى الله عنه إلى اليمن فقال: "أو عهم إلى شهادة أن لا إله إلا الله وأني رسول الله ، فإن هم أطاعو لذلک، فأعلمهم أن الله قد افترض عليهم خمس صلوات في كل يوم وليلة، فإن هم أطاعو لذلک فأعلمهم، أن الله افترض عليهم صدقة في أموالهم ، تؤخذ من أغنيآء هم وترد على فقرآئهم "(البخاری:1395

اس حدیث سے یہ سبق ملتا ہے کہ دین کی دعوت اوراس کی نشر واشاعت کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یمن بھیجا۔ یعنی انہوں نے وہاں دین کا پیغام پوری ذمہ داری کے ساتھ پہنچایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر کو اپنا سفیر بنا کر مدینہ منورہ روانہ کیا۔ عہد صحابہ میں بھی اشاعت دین کے لیے صحابہ کا زمین میں پھیل جانا ایک عظیم کارنامہ تھا، جس سے اسلام پھیلا، آج اس پیغام کو عام کرنے کے لیے ہم کو زیادہ اسفار کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ میڈیا کے استعمال کی ضرورت ہے۔ یہ ضرورت کافی حد تک پوری ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح سمجھ عطا فرمائے اور اسلام کے لیے میڈیا کے صحیح استعمال کی توفیق بخشے۔ آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين. بارک الله لي ولكم ولسائر المومنين واستغفره إنه هو الغفور الرحيم.

دوسرا خطبہ:

الحمد لله رب العالمين ، والصلاة والسلام على عبده ورسوله محمد أفضل الرسل وخاتم النبيين وعلى آله وصحبه ومن اهتدیٰ بهديه إلى يوم الدين، أما بعد:

حضرات! ایک طرف تو میڈیا کی اہمیت وضرورت میں کوئی شبہ نہیں ہے، تو وہیں میڈیا میں کام کرنے والوں کی پریشانیاں بھی کم نہیں ہیں۔ عموماً یہ دیکھا جاتا ہے کہ اب پوری دنیا سے اہل غیرت کا فقدان ہوتا جارہا ہے۔ مگر میڈیا کی دنیا میں غیرت مندوں کا وجود ہی عجوبہ ہے۔ عموماً میڈیا میں کام کرنے والے کام کرتے وقت سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ انہیں اپنے پروگرام کی کامیابی اور اپنے مشن کی بہبودی ہی نظر آتی ہے، اور اس کے لیے جو بھی کرنا پڑے وہ کر گزرتے ہیں، چاہے اس کا اثر ایمان پر پڑے یا اسلام پر، کوئی فرق نہیں پڑتا۔ خواہ اس سے معاشرہ برائی کے دلدل میں پھنس جائے یا نئی نسل برباد ہوجائے اس سے کوئی مطلب نہیں۔ انہیں تو بس خود چمکنے، اپنے میڈیا کو چمکانے اور دنیا کمانے کی فکر دامن گیر رہتی ہے۔ کسی کے کام بگڑنے سے ان کو کیا مطلب! اور ایسے ہی لوگوں کے لیے ہلاکت ہے۔

دوسری بڑی مصیبت یہ بھی ہے کہ میڈیا زر کثیر کا محتاج ہوتا ہے۔ جس قدر ہم میڈیا میں کام کرنا چاہتے ہیں۔ اسی قدر اس میں لاگت آئے گی۔

تیسری مصیبت اور پریشانی یہ کہ آج کل میڈیا میں جو پروگرام پیش کیے جاتے ہیں، وہ عموماً ان لوگوں کے تیار کردہ ہوتے ہیں، جنہیں ایمان واسلام اور عقائد واخلاقیات سے کوئی مطلب نہیں ہوتا۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بجائے فائدہ کے اس میں نقصان زیادہ ہوتا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ دنیوی پروگرام پیش کرنے والے بھی اخلاقیات کا اہتمام نہیں کرتے ہیں۔ بسا اوقات اس فن سے نابلد لوگ بھی اس میں حصہ لے لیتے ہیں، جو یقیناً کافی ضرر رساں ہے۔ لہٰذا ہر فن کے ماہرین کو ہی اس فن کے پروگرام کو تیار کرنا چاہیے۔

فاسد پروگراموں کا انسداد ضروری:

آج میڈیا میں جو پروگرام پیش کیے جاتے ہیں، ان کی نگرانی ضروری ہے۔ اس لیے کہ اس میں ضرر اور زہر پوشیدہ ہوتا ہے، جس سے خصوصاً بچے اور عورتیں نہیں بچ پاتی ہیں۔

آج کے میڈیا نے شرم وحیا کو دنیا سے نیست ونابود کرنے کا عزم مصمم کر رکھا ہے۔اور جب انسان میں حیا ہی باقی نہ بچے،تو اس سے کس خیر کی امید کی جا سکتی ہے؟

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے:

"إذا لم تستحي فاصنع ماشئت"(سنن ابن ماجة: 4183، قال الشيخ الألباني :صحيح)

"اگر تمہارے اندر حیا نہیں ہے تو جو چاہو کرو"۔

ایک دوسری روایت ہے:

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :(الحياء خير كله) أو قال : الحياء كله خير"(مسلم:166)

"حیا میں اول سے آخر تک خیر ہی خیر ہے"۔

بخاری کی ایک روایت ہے:

"عن عمران بن حصين قال : قال النبي صلى الله عليه وسلم: الحياء لايأتي إلا بخير"(البخاری :5766)

"حیا ہمیشہ خیر ہی لاتی ہے۔

حتی کہ امام بخاری نے ایک باب کا نام"الحياء من الإيمان "رکھا ہے،یعنی حیاء ایمان کا ایک حصہ ہے۔

اور ایک روایت ہے:

"عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الحياء شعبة من الإيمان "(سنن نسائی:5006،علامہ البانی نے اسے صحیح کہا ہے)

"حیا ایمان کا ایک حصہ ہے"۔

الیکٹرانک میڈیا کی ایک عجیب بات یہ بھی ہے کہ عموماً پروگراموں میں اختلاط مرد

وزن کو فروغ دیا جاتا ہے۔ بلکہ میاں بیوی کے آپسی تعلقات میں سوائے جماع کے دیگر تمام حرکات کو نشر کرتے ہیں۔ مثلاً بوس وکنار، بغل گیر ہونا، معانقہ وغیرہ وغیرہ۔ ان چیزوں کو بار بار دیکھے جانے سے عموماً کم سنی ہی سے بچوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ یہ بوس وکنار یا معانقہ وغیرہ ایک عام سی بات ہے۔ اور یہ حرکتیں ان بچوں کی زندگی میں لاشعوری طور پر داخل ہو جاتی ہیں۔

ان پروگراموں کے مرتب، اداکار اور ناشرتیوں کو نہ تو اللہ کا خوف لاحق ہوتا ہے۔ اور نہ ہی سماج کے برباد ہونے اور بچوں کے بگڑنے کا اندیشہ۔ بلکہ وہ لوگ تو اتنی بنی بنائی اسکیم اور منصوبہ بند طریقہ کے تحت یہ سب کچھ کرتے ہیں۔ تاکہ دنیا اباحیت کی اماجگاہ بن جائے۔ اس لیے حسب استطاعت مسلمانوں کے لیے اس کی اصلاح اور اس کا نعم البدل پیش کرنا ضروری ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

"کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُم مِّنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُوْنَ" (آل عمران:110)

"تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو، اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو"۔

ضروری وضاحتیں:

حضرات! مسلم ممالک میں جہاں مسلمانوں کی حکومت قائم ہے، وہاں واجب ہے کہ حکومتی سطح پر میڈیا کا صحیح استعمال کیا جائے، اور غلط دروازوں کو بند کیا جائے۔ اور اسلام کی نشر واشاعت میں میڈیا کا پورا پورا استعمال کیا جائے۔ ان شاء اللہ اس سے ملک وملت اور

قوم ومعاشرہ میں خیر کی راہیں کھلیں گی، اورامن کا ماحول پیدا ہوگا۔ مگر جہاں غیر مسلم حکومتیں برسراقتدار ہیں، وہاں پر یہ معاملہ دو حال سے خالی نہیں؛ یا تو آمرانہ نظام، یا پھر جمہوریت۔ جمہوری ممالک میں کھلی آزادی ہر شہری کو حاصل ہوتی ہے۔ جب کہ آمرانہ نظاموں میں کچھ دقتیں تو ہیں؛ مگر حریت فکر وعمل ہر ایک کو حاصل رہتی ہے۔

بہر کیف غیر مسلم ممالک میں حکومت سے تو زیادہ توقع نہیں کی جاسکتی؛ البتہ وہاں کے افراد انفرادی اوراجتماعی طور پر میڈیا کا صحیح استعمال تو کر ہی سکتے ہیں۔ لہٰذا کہیں بھی فرار کی گنجائش نہیں ہے۔

حسب استطاعت میڈیا کے لیے بھی لوگوں کو تین درجے میں رکھا جائے گا۔

"عن أبي سعيد قال: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: من رأى منكم منكرا فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان."(مسلم :186)

"تم میں جب کوئی منکر چیز دیکھے، تو اس کو اپنے ہاتھ سے روکے، اس کی استطاعت نہ ہو، تو اپنی زبان سے روکے۔ اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو، تو اپنے دل سے براجانے۔ اور یہ ایمان کا آخری درجہ ہے۔ لہٰذا ہر آدمی اپنے اندر جھانک کر دیکھے، اور حسب استطاعت اس برائی کے سدباب کے لیے کوشش کرے۔

آخری بات:

اے ایمان والو! اس دن سے ڈرو، جس دن کوئی کسی کا پرسانِ حال نہ ہوگا، نہ باپ بیٹے کا ہوگا، نہ ماں بیٹی کی ہوگی، نہ بیوی شوہر کی ہوگی اور نہ شوہر بیوی کا ہوگا۔

اے لوگو! اس دن سے ڈرو، جس دن نہ کوئی راز، راز رہے گا۔ نہ کوئی بھید پوشیدہ اور چھپا ہوگا۔ اس دن یہ دنیا کچھ کام نہ آئے گی؛ بلکہ وہاں تو یہ وبال جان بن جائے گی۔

ارشاد باری ہے:

"يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ، وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ، وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ" (عبس:34-36)

"اس دن آدمی اپنے بھائی سے، اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا"۔

اس لیے اے لوگو! اس دن کو یاد کرو جس دن ہر اچھے اور برے عمل کا بدلہ دیا جائے گا۔

ارشاد ربانی ہے:

"فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْراً يَرَهُ، وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرّاً يَرَهُ" (الزلزلہ:7-8)

جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا"۔

اے نبی آخری الزماں کے پیروکارو! اس بات کو ضرور یاد رکھو، کہ جو کسی برائی کا راستہ دکھاتا ہے، تو اس دکھانے والے کو بھی اتنا ہی گناہ ملتا ہے جتنا کہ برائی کرنے والے کو ملتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی اچھی راہ دکھاتا ہے، تو اس کو بھی اتنا ہی اجر ملتا ہے جتنا کہ اس نیک راہ پر چلنے والے کو ملتا ہے۔

ارشاد نبوی ہے:

من دل علی خیر فله مثل أجر فاعله (مسلم:5007)

اللہ تعالیٰ ہمیں میڈیا کے ذریعہ لوگوں کی صحیح رہنمائی کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

اسلام میں عبادت کا مفہوم

پہلا خطبہ:

”إنَّ الحمد للّٰه نحمده، ونستعينه ،ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله. صلى اللّٰه عليه وآله وسلم تسليماً كثيراً . أعوذ باللّٰه من الشيطان الرجيم ، بسم اللّٰه الرحمن الرحيم.قال تعالىٰ:“

”قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ،بَلْ عَجِبُوْٓا أَنْ جَآءَ هُمْ مُنذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ،أَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَاباً ذٰلِكَ رَجْعٌ بَعِيْدٌ،قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتَابٌ حَفِيْظٌ،بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَ هُمْ فَهُمْ فِيْٓ أَمْرٍ مَّرِيْجٍ“(ق:5-1)

”ق! بہت بڑی شان والے قرآن کی قسم ہے۔ بلکہ انہیں تعجب معلوم ہوا کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک آگاہ کرنے والا آیا تو کافروں نے کہا کہ یہ ایک عجیب چیز ہے۔ کیا جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے پھر یہ واپسی دور (از عقل) ہے۔ زمین جو کچھ ان میں سے گھٹاتی ہے وہ ہمیں معلوم ہے اور ہمارے پاس سب یاد رکھنے والی کتاب ہے۔ بلکہ انہوں نے سچی بات کو جھوٹ کہا جب کہ وہ ان کے پاس پہنچ چکی پس وہ ایک الجھاؤ میں پڑ گئے ہیں“۔

''مَا خَلَقْنَاهُمَآ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ، إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ أَجْمَعِيْنَ ''(دخان:39-38)

''ہم نے زمین اور آسمانوں اور ان کے درمیان کی چیزوں کو کھیل کے طور پر پیدا نہیں کیا۔ بلکہ ہم نے انہیں درست تدبیر کے ساتھ پیدا کیا ہے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے''۔

وقال اللہ سبحانہ وتعالیٰ:

''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ، مَآ أُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ أُرِيْدُ أَنْ يُّطْعِمُوْنِ ''(الذاریات:57-56)

''میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔ نہ میں ان سے روزی چاہتا ہوں نہ میری یہ چاہت ہے کہ یہ مجھے کھلائیں''۔

معزز سامعین کرام! آپ روزانہ اپنے اردگرد انواع واقسام کی مخلوقات وکائنات دیکھ رہے ہوں گے۔ اللہ نے انہیں بے کار پیدا نہیں کیا۔ بلکہ انہیں انسان کے فائدے کے لیے پیدا کیا، اور انسان کو ایک عظیم حکمت ومقصد کے لیے پیدا کیا اور اسے کوئی ذمہ داری دیے بغیر مہمل نہیں چھوڑا، جس عظیم حکمت ومقصد کے لیے انسان کو پیدا کیا، اس میں اللہ تعالیٰ نے جنات کو بھی شامل فرمایا۔ جیسا کہ سورۃ الدخان اور الذاریات کی مذکورہ آیتوں سے واضح ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''مَا خَلَقْنَاهُمَآ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ، إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ أَجْمَعِيْنَ ''(دخان:39-38)

''ہم نے زمین اور آسمانوں اور ان کے درمیان کی چیزوں کو کھیل کے طور پر پیدا نہیں کیا۔ بلکہ ہم نے انہیں درست تدبیر کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ لیکن ان میں سے اکثر لوگ

نہیں جانتے''۔

پس کائنات کو پیدا کرنے سے اللہ کی حکمت یا مقصد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جس عبادت کا انہیں حکم دیا ہے، وہ اسے خوشی خوشی بجالائیں اور جو کچھ ان پر واجب کیا ہے، وہ اسے سمعاً وطاعتاً اپنی ذمہ داری سمجھ کر انجام دیں۔ اللہ تعالیٰ نے خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے رسولوں کو بھیجا، تاکہ وہ بندوں کو اپنے رب کا تعارف کرادیں، اور ان سے وہ مقصد بیان کردیں، جس کے لیے وہ پیدا کیے گئے ہیں۔ لیکن بندوں میں سے کوئی اس ہدایت کو قبول کر لیتا ہے اور کوئی اسے ٹھکرا دیتا ہے۔ اور اس طرح بندوں پر اللہ کی حجت قائم ہو جاتی ہے۔

محترم بھائیو! آپ اللہ تعالیٰ کے اس قول پر غور فرمائیں:

''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ''(الذاریات:57-56)

''میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں''۔

اور آپ اللہ کے اس قول پر بھی غور فرمائیں:

''وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا ''(النساء:36)

''اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو''۔

عبادت کا عام مفہوم:

اسلام میں عبادت کی اصل اور بنیاد یہ ہے کہ تم دین کو اللہ کے لیے خالص کرو، اور وہ اس طرح کہ ہر قسم کی عبادت میں تم اللہ کو منفرد مانو۔ تم اللہ سے محبت، خوف اور امید کرتے ہوئے، اپنے دل کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ رہو۔ ہر ایک عبادت کو تم اللہ کے لیے انجام دو۔ تمہاری نماز اللہ کے لیے ہو، تمہاری دعا اللہ کے لیے ہو، تمہاری عاجزی وانکساری اللہ

کے لیے ہو، تمہارا سچا خوف اللہ سے ہو، تمہاری مکمل امید اور پورا اعتماد اللہ پر ہو۔ پس تمہارے دل میں انتہائی درجہ کی تعظیم اللہ کے سوا اور کسی کے لیے نہ ہو۔ کیونکہ حقیقی تعظیم کا مستحق صرف اللہ ہے۔

"ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ" (الحج:62)

"یہ سب اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور اس کے سوا جسے بھی یہ پکارتے ہیں وہ باطل ہے اور بے شک اللہ ہی بلندی والا کبریائی والا ہے"۔

محترم بھائیو! اسلامی شریعت میں عبادت کا مفہوم عام ہے، اور دین و دنیا کے ہر اچھے عمل کو شامل ہے۔ چنانچہ عبادت ایک ایسا جامع لفظ ہے، جو تمام ان اقوال و اعمال پر صادق آتا ہے، جنہیں اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا اور پسند کرتا ہے۔ اور مسلمان اس دنیا میں یقین کرتا ہے کہ وہ بندہ ہے اور اس کی سچی عبودیت صرف اللہ کے لیے ہے۔ چنانچہ وہ اس عبودیت کو بروئے کار لانے کی کوشش کرتا ہے، تاکہ وہ صحیح معنی میں اپنے رب کا بندہ بنا رہے۔ پس اس کے لیے اللہ کا بندہ ہونا صحیح معنی میں اس کے لیے شرف و فضل ہے۔ جو اللہ کے احکام کی تعمیل کرتا ہے، اس کی منہیات سے اجتناب کرتا ہے، اور اس کے حدود کی پاسداری کرتا ہے، اور اس کے فرائض کو نافذ کرتا ہے۔

عزیز بھائیو! ہم اور آپ پر اللہ کا فضل و رحمت ہے کہ اس نے ہمارے لیے مختلف قسم کی عبادتیں متعین کیں ہیں۔ چنانچہ ان میں سے بعض عبادات قلبی ہیں، جو اللہ کے لیے اخلاص کے ساتھ دل میں انجام پاتی ہے۔ ایسی عبادت کی تمام اقسام میں صرف اللہ کا قصد کیا جاتا ہے، اور صرف اللہ کے لیے انجام دی جاتی ہیں۔ جب کہ بعض عبادتیں بدنی ہیں، جو پانچ نمازوں کی شکل میں ہیں اور جنہیں مسلمان دن اور رات میں پانچ مرتبہ ادا کرتا ہے۔ بعض عبادتیں مالی ہیں، جیسے یہ مختلف قسم کی زکاتیں ہیں، جنہیں مسلمان ایمانداری اور

خوشی کے ساتھ اپنے رب کا تقرب حاصل کرنے کی نیت سے نکالتا ہے۔ ایک عبادت وہ ہے جس میں اپنی چاہتوں سے نفس کو روکنا ہی اللہ کی اطاعت وعبادت ہے، جو فریضۂ روزہ کی شکل میں انجام دی جاتی ہے۔ اور بعض عبادتیں ایک ہی ساتھ مالی وبدنی دونوں نوعیتوں پر مشتمل ہیں۔ جیسے حج وغیرہ۔ یہ ایسی عبادت ہے، جو مالی اور بدنی دونوں عبادتوں کو شامل ہے۔ اسی طرح جہاد فی سبیل اللہ ہے، جو مالی اور بدنی تمام عبادتوں میں سب سے افضل اور بڑی عبادت ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ہم پر یہ مہربانی بھی کی ہے کہ اس نے ہمارے لیے متعدد قسم کے نوافل کو مشروع فرمایا۔ جیسے: نفل نمازیں، نفلی صدقات، نفلی روزے اور نفلی حج اور عمرہ وغیرہ۔ یہ سب ہمارے ایمان کو تقویت پہنچانے، ہمارے درجات کو بلند کرنے اور ہماری نیکیوں کو زیادہ کرنے کے لیے ہیں۔ لہٰذا ہم پر یہ سب اللہ کا کرم ومہربانی ہے جس کے لیے ہم اللہ کا جتنا بھی شکرادا کریں یا تعریف کریں کم ہے۔ سب تعریف اللہ کی ہے اور اسی قدر ہے جس قدر اس نے اپنے نفس کی تعریف کی ہے۔

ہمارے اسلامی بھائیو! خواہ آپ کہیں بھی ہوں، آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلامی شریعت کو مکمل کر کے بھیجا ہے، جس پر نہ کچھ زیادہ کیا جا سکتا ہے اور نہ کم۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ'' (المائدہ:3)

''آج میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا''۔

ساتھ ہی شارع حکیم نے اعمال قبول کرنے کے لیے دو اہم شرطیں متعین کر دی ہیں؛ چنانچہ جب ان میں سے کوئی ایک شرط بھی فوت ہو جائے تو وہ عمل باطل وبےکار ہو جائے گا:

پہلی شرط یہ ہے کہ عمل خالص اللہ کے لیے ہو جو ہر قسم کی ریاکاری وشہرت طلبی سے خالی ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ عمل صحیح ہو، اللہ کی شریعت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے موافق ہو، نہ وہ شریعت سے زیادہ ہو اور نہ وہ بدعت ہو۔ کیونکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی شریعت کو واضح طور پر پہنچا دیا ہے، اور دین کے اصول وفروع کو پوری طرح بیان فرما دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ لائے وہ حق ہے اور صحیح وہی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے موافق ہو، جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مخالف ہو، وہ باطل وگمراہی ہے۔ جن کاموں کو لوگوں نے خود ایجاد کر لیا ہو وہ گمراہی ہیں اور جنہوں نے ان کی اتباع وپیروی کی وہ گمراہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ" (القصص:50)

"اور اس سے بڑھ کر بہکا ہوا کون ہے؟ جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہو بغیر اللہ کی رہنمائی کے"۔

میرے مسلمان بھائیو! اس پر مزید آپ کو یقین ہونا چاہیے کہ آپ اپنی زندگی کے تمام تصرفات میں جب آپ اللہ کی خوشنودی کا ارادہ کریں گے، تو آپ کے وہ تمام اقوال واعمال جن میں آپ اللہ کے تقرب کا ارادہ رکھیں گے، وہ سب کے سب اللہ کی عبادت میں شمار ہوں گے۔ اللہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے جو مسلمان اپنے والدین کے ساتھ بھلائی واحسان کرتا ہے وہ اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

"عن عبداللّٰه بن عمرو رضی اللّٰه عنهما قال: جآء رجل إلى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يستأذنه في الجهاد، فقال: أحي والداک ؟ قال: نعم، قال: ففيهما فجاهد" (صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والأداب ،باب بر الوالدين وأنهما أحق به)

"عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد میں جانے کے لیے اجازت طلب کرے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ تمہارے والدین باحیات ہیں؟ اس نے جواب دیا: جی ہاں! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر تم انہی دونوں کی خدمت کی کوشش کرو"۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کی خدمت کو جہاد قرار دیا، جو میدان جہاد میں اترنے کے برابر ہوتا ہے۔

محترم بھائیو! آپ کا اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا بھی عبادت ہے۔ کیونکہ اس طرح آپ سے ایک ایسے واجب کی ادائیگی ہوگی، جسے اللہ تعالیٰ نے آپ پر واجب کیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ" (النساء:1)

"اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتے توڑنے سے بھی بچو"۔

عزیز بھائیو! آپ کا اپنی اولاد کی پرورش اور تعلیم وتربیت پر خرچ کرنا بھی اللہ کی عبادت ہے۔

"جاء في رواية عن سعد عن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم قال: وإنک لن تنفق نفقة إلا أجرت بها، حتى اللقمة ترفعها إلى في إمرتک......" الحديث (صحيح سنن أبي داؤد، كتاب الوصايا، باب مالايجوز للموصى في ماله: 2864)

"حضرت سعد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم (جائز طریقے) سے جو کچھ بھی (اپنے رشتہ داروں پر) خرچ کروگے، اس کا تمہیں ثواب ملے گا۔ یہاں تک کہ اس لقمہ پر بھی جسے تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو گے"۔ الحدیث

اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی صحیح تربیت ورہنمائی کرنا اور ان کے لیے جائز طریقے کا انتظام کرنا بھی اللہ کی عبادت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا'' (التحریم:6)

''اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ''۔

عزیز بھائیو! تجارت، خرید وفروخت اور کاروباری سرگرمیوں میں جب آپ اللہ کی اطاعت اور امت کو نفع پہنچانے کا ارادہ شامل رکھیں گے، تو آپ کو اپنی نیک نیتی پر ثواب ملے گا۔

عزیز بھائیو! شادی اور نکاح میں نفس کی پاک دامنی، اپنی شرمگاہ کی حفاظت اور اپنی نظر کے بچاؤ کا ارادہ رکھنا، تمہاری طرف سے اللہ کی عبادت ہے۔ اور اللہ کی ایسی فرماں برداری ہے، جس کے ذریعہ تم اللہ کا تقرب حاصل کر سکتے ہو۔

محترم بھائیو! ان تمام خوبیوں پر مزید ایک خوبی یہ بھی ہے کہ آپ جن جائز ومباح کاموں کو اپناتے ہیں، اور انہیں عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرتے ہیں، تاکہ ان کے ذریعہ آپ اپنے رب کی فرماں برداری کے لیے تقویت حاصل کریں، تو آپ کا ایسا ذریعہ اختیار کرنا بھی اللہ کی عبادت ہے۔

عزیز بھائیو! ہم سب کی عبادت اپنے رب کے لیے صرف ارکان اسلام پر ہی محدود نہیں ہے۔ بلکہ ان کے ساتھ عمومی طور پر ترک محرمات بھی عبادت ہے۔

محترم بھائیو! اللہ کی اطاعت کے لیے گھناؤنے کاموں سے بچنا بھی عبادت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض سلف نے حقیقت تقویٰ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم اللہ کی ہدایت کے مطابق اللہ کی اطاعت کرتے ہو، تو یہ تمہارے لیے اللہ سے ثواب کی امید رکھنا ہوا۔ اور اگر تم اللہ کی ہدایت کے مطابق اللہ کے معصیت کو ترک کرتے ہو، تو یہ تمہارا اللہ کے عذاب سے ڈرنا ہوا۔

ایک مسلمان اپنی بیع وشراء میں صادق القول رہے۔نہ وہ جھوٹ بولے، نہ سامان کا عیب چھپائے، نہ خیانت کرے اور نہ دھوکہ دے، تو یہ اللہ کی عبادت ہے۔مخلوق کے حقوق کو ادا کرنا بھی اللہ کی عبادت ہے۔دو جھگڑنے والوں کے درمیان صلح کرادینا بھی اللہ کی عبادت ہے۔مصیبت زدوں اور تنگ دستوں کی پریشانیوں کو دور کرنا بھی اللہ کی عبادت ہے۔

چنانچہ مسلمان کے اقوال واعمال میں، جب اس کی نیت اچھی ہو، اور اللہ کے لیے خالص ہو، تو تمام حالات میں اس کے یہ سارے کام، اللہ کی عبادت شمار ہوں گے۔اور وہ ہمیشہ اللہ کی اطاعت پر قائم سمجھا جائے گا۔

محترم بھائیو!امت کے لیے عام بھلائی کی کوشش کرنا بھی اللہ کی عبادت ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

”مامن مسلم يغرس غرسا، و يزرع زرعا، فياكل من إنسان أو طائر، إلا كان لغارسه الأول أجر“(البخاری ، كتاب المزارعة، باب فضل الزرع والغرس، وصحيح مسلم، كتاب البيوع ، باب فضل الغرس والزرع)

جو مسلمان کوئی پودا لگائے اور کوئی فصل بوئے پھر اس سے خواہ کوئی انسان کھائے یا کوئی پرندہ، بہر حال اس کے لگانے والے اور بونے والے کو ثواب ملے گا۔

آپ ملاحظہ فرمائیں کہ اسلام نے راستے سے کوئی تکلیف دہ چیز ہٹادینے کو بھی عبادت قرار دیا ہے۔

جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

”عن أبي هريرة قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم الإيمان بضع وستون شعبة، فأفضلها ؛ قول: لا إله إلا اللّٰه ، وأدناها إماطة الأذى عن الطريق،والحياء شعبة من الإيمان “(صحيح مسلم ، كتاب الإيمان ، باب بيان شعب الإيمان)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کی ستر یا ساٹھ سے زائد شاخیں ہیں۔ پس ان میں سب سے افضل؛ کلمہ لا إلہ إلا اللہ ہے۔ اور ان میں سب سے کم درجہ راستے سے (چلنے والوں کے لیے) تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے۔ جب کہ حیاء ایمان کا ایک حصہ ہے"۔

"عن أبي ذر، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: قالوا : يا رسول الله! أحدنا يقضي شهوته وتكون له صدقة؟ قال: أرأيت لو وضعها في غير محلها ألهم يأثم(صحيح أبي داؤد ، كتاب الصلاة ، باب تفريع أبواب التطوع:رقم:1285-1143)

"حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صحابہ نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کوئی اپنی شہوت پوری کرتا ہے، تو کیا یہ اس کے لیے صدقہ ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری کیا رائے ہے، اگر وہ اس شہوت کو حرام طریقے سے پورا کرتا، تو کیا وہ گناہ گار نہیں ہوتا؟ (جب یہ کام حرام طریقے سے گناہ ہے، تو اس کے مقابل یہ حلال طریقہ سے ثواب کا کام ہوگا۔ بلکہ مشروع طریقہ پر کوئی بھی لذت حاصل کرنا عبادت وکار ثواب ہے)"۔

دیکھا آپ نے کہ اس طرح اسلامی شریعت نے مسلمانوں کو کس انداز میں خیر کی دعوت وترغیب دی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے خیر کے مختلف اسباب وذرائع بھی پیدا کیے ہیں۔ تا کہ زیادہ سے زیادہ نیکیاں حاصل کی جاسکیں، درجات بلند ہوں اور خطائیں معاف ہوں۔

محترم بھائیو! آپ اللہ کی اطاعت پر ثابت قدم رہیے۔ عبادت بلا ناغہ انجام دیتے رہیے اور اسلسلے میں اکتاہٹ یا ملول کو دل میں جگہ نہ دیجیے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ ''(الحجر:99)

''اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے''۔

آپ کا ارادہ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ صرف فرض ادا ہو جائے۔ بلکہ آپ کا ارادہ صرف یہ ہونا چاہیے کہ اس کی ادائیگی اچھی طرح ہو، اور اس کا حق پورا ہو جائے۔ تا کہ آپ اس عبادت کو خوشی خوشی، کھلے دل سے اور آنکھ کی ٹھنڈک کے طور پر ادا کریں۔ میرے بھائیو! آپ اس جملہ کی معنویت پر غور کیجیے جسے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال سے فرمایا: اے بلال! ہمیں نماز کے ذریعہ آرام پہنچاؤ''۔ (مسند احمد: 5/364 رقم: 23088) نیز درج ذیل حدیث میں آیا ہے:

''عن أنس قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم : " جعلت قرة عيني في الصلاة "(سنن النسائی ، کتاب عشرة النساء، باب حب النساء ، رقم :4940صحيح بتحقيق الشيخ الألباني)

''حضرت انس سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز ہے''۔

بارک اللّٰه لنا ولكم في القرآن الكريم ونفعنا وإياكم بالآيات والذكر الحكيم".

دوسرا خطبہ:

'' يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُؤُوْسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ''(المائدۃ:6)

''اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ کو، اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں

سمیت دھولو، اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھولو"۔

سامعین کرام! آپ نے عبادت اور اس کی انواع واقسام اور خوبیوں کے بارے میں جو کچھ سنا، اسے اپنے دل ودماغ میں محفوظ رکھیں، اور یقین کریں کہ اللہ سے تعلق پیدا کرنے اور دل میں اطمینان حاصل کرنے کے لیے یہ عبادت آپ کے لیے اللہ کی ایک نعمت ہے۔ اور یہ آپ کو ان مادہ پرست و دنیا پرست لوگوں سے دریافت کرنے پر محسوس ہوگا جو اس نعمت سے محروم ہیں۔ آپ مادہ پرستوں سے پوچھیے اور ان لوگوں سے پوچھیے جنہوں نے اس دنیا کے فوائد اور اس کی خواہشات کا جس قدر بھی مزا چکھا، اور جس قدر بھی کھایا، یا پہنا، یا دنیا کی چیزوں سے فائدہ اٹھایا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَأْكُلُوْنَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ" (محمد:12)

"اور جو لوگ کافر ہو گئے وہ (دنیا ہی کا) فائدہ اٹھا رہے ہیں اور مثل چوپایوں کے کھا رہے ہیں، ان کا (اصل) ٹھکانہ جہنم ہے"۔

پھر اس عیش وآرام کے بعد کیا ہوگا؟ یعنی پھر ان کی لا فانی زندگی جہنم کی آگ میں بہت ہی ہولناک رہے گی۔ اگر لوگوں کے دلوں کی گہرائیوں میں ایمان اچھی طرح بیٹھ نہ جائے۔ اگر وہ ایک اللہ کی بندگی اور اس پر ایمان سے مشرف نہ ہو جائیں۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے لیے نماز نہ پڑھیں۔ اور وہ اس سے دن ورات پانچ بار نہ ملیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے حقیقی زندگی کو ختم کر لیا۔ اس زندگی کو ختم کر لیا جو روحانی، فکری ایمان اور صحیح عقیدہ والی زندگی ہوتی ہے۔

ایمان کے بغیر کون رہتا ہے؟ عقیدہ کے بغیر کون رہتا ہے؟ اور بغیر اللہ کی عبادت کے کون رہتا ہے؟ وہ جو جنگل کے درندے ہوتے ہیں، اور مویشی خانہ کے چوپائے ہوتے

ہیں۔ لیکن جب وہ صحیح معنی میں ایک اللہ کے ماننے والے مومن ہوں گے، تو وہ ایمان کی زینت سے مزین ہوں گے۔ اسلام کی تعلیمات کے پابند ہوں گے۔ وہ اپنے نفوس پر اس عظیم نظام کو نافذ کریں گے، جسے انسانیت اچھی طرح جان چکی ہے، اور وہ قیامت تک اس سے کوئی بہتر نظام نہیں پا سکتی۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم ان لوگوں کو جان لیں جو دھوکہ کھائے ہوئے ہیں، جو اسلام دشمنوں کی طرف سے دیئے گئے تاثر کی پیچیدگی میں الجھے ہوئے ہیں، اور یہ دشمنان اسلام امت مسلمہ سے بھی ترک دین کا مطالبہ کرتے ہیں۔

ایسے مطالبہ کرنے والے اور دھوکہ دینے والے ہمارے عقیدے کے دشمن ہیں، اور ہمارے دین کے دشمن ہیں۔ ایسے لوگ درحقیقت ہمیں خسارے میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ اور وہ ہمارے ایمان اور اسلام کی وجہ سے ہم سے حسد کرتے ہیں۔ جب کہ ہمیں یقین ہے کہ اس امت کو عزت اور مدد، اس کے لیے توفیق وسعادت اور دینی ودنیوی امور میں ہدایت صرف اسلام پر عمل کرنے سے ہی مل سکتی ہے، جو کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔ اس بارے میں ہمارے دلوں میں ذرہ برابر بھی شک نہیں ہے۔ بلکہ ہمیں پورا یقین ہے اور ہمارا ٹھوس اعتقاد بھی۔

تاہم خدشہ ہے کہ شاید بعض مسلمان بچے ان کھوکھلے دعووں سے متاثر ہو جائیں، جنہیں دین اسلام سے کینہ رکھنے والے لوگ اپنے فن وتکنیک اور قلم کے ذریعہ نشر کرتے رہتے ہیں، خواہ وہ اپنے نام مسلمان جیسے کیوں نہ رکھتے ہوں۔ کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو دشمنان اسلام سے مرعوب ہیں، اور کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جن کے دلوں میں دنیوی چمک دمک سرایت کر چکی ہے۔ جسے وہ اپنی خود فریبی میں آخرت پر ترجیح دیئے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اپنی اطاعت پر ثابت قدم رکھے اور مذکورہ قسم کے لوگوں کو ہدایت کی توفیق دے۔ کچھ لوگ عبادت کے بارے میں یہ غلط تصور رکھتے ہیں کہ عبادت صرف نماز، روزہ، زکاۃ اور حج وعمرہ میں محصور ہے۔ چنانچہ وہ ان عبادتوں کے علاوہ آپسی

لین دین، تجارت اور معاملات میں شریعت کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بلا جھجک سود اور رشوت میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ انہیں ہر کام میں شریعت کی پابندی کرنی چاہیے۔ ہمیں اور آپ کو دین و دنیا کے ہر کام میں اللہ تعالیٰ اپنی ہدایت اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر چلنے کی توفیق عطا کرے۔

إن اللّٰہ یأمر بالعدل والإحسان وإیتآء ذی القربیٰ وینھی عن الفحشآء والمنکر والبغي، یعظکم لعلکم تذکرون، ولذکر اللّٰہ أکبر، واللّٰہ یعلم ماتصنعون.

نماز کی اہمیت اور تشریعی حکمت

پہلا خطبہ:

"إنَّ الحمد للّٰه نحمده، ونستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله. صلى اللّٰه عليه وآله وسلم تسليماً كثيراً . أعوذ باللّٰه من الشيطان الرجيم ، بسم اللّٰه الرحمن الرحيم.قال تعالىٰ:"

" وَأَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ "(الروم:31)

اور نماز قائم کرو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔

"وقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم : "بني الإسلام على خمس: شهادة أن لا إله إلا اللّٰه وأن محمدا رسول اللّٰه وإقام الصلاة، وإيتاء الزكاة، وصوم رمضان، وحج البيت من استطاع إليه سبيلا"(متفق عليه)

حاضرین کرام! اسلام کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ معلوم ہوگا کہ پورا اسلام دو حصوں پر مشتمل ہے؛ ایک دل و دماغ سے یقین کرنے اور سچ جاننے والا حصہ، جس کو عقیدہ سے تعبیر کرتے ہیں، اور جو دوسرے حصے کی قبولیت کی بنیاد ہے۔ اور دوسرا حصہ وہ ہے جو جوارح یعنی ہاتھ اور پاؤں سے انجام دیا جائے، یعنی وہ عمل جو پہلے حصے کی صداقت پر دلالت کرتا ہے۔ تو اس دوسرے حصے کے تمام مشمولات (اعمال صالحہ) میں سب سے پہلا مقام اور

درجہ نماز کا ہے۔

جیسا کہ فرمان نبوی ہے:"بنی الإسلام علی خمس: شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله، وإقام الصلاة، وإيتاء الزكاة، وصوم رمضان، وحج البيت من استطاع إليه سبيلا"(متفق عليه)

نماز کا درجہ اعمال صالحہ میں ٹھیک اسی طرح پہلا ہے، جیسے ایمانیات یعنی چھ ایمان لانے والی باتوں میں اللہ پر ایمان کا درجہ ہے۔ سلف صالحین کا جو یہ عقیدہ ہے کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں، تو ان اعمال سے سارے (یعنی ستر ۷۰) اعمال صالحہ مرادنہیں ہیں۔ یا تو صرف نماز مراد ہے، یا نماز کے ساتھ اس حدیث میں مذکورہ بقیہ تین اور اعمال مراد ہیں۔ عبداللہ بن شقیق (تابعی) کی روایت کے مطابق صحابۂ کرام، اعمال میں سے کسی عمل کے ترک کو کفر قرار نہیں دیتے تھے سوائے نماز کے۔(رواه الترمذی ومحمد بن نصر المروزی في تعظيم قدر الصلاة ، صححه الألباني فی صحيح الترغيب رقم:564)

اس اثر صحابہ سے واضح ہو گیا کہ تمام اعمال میں نماز ایک ایسا عمل ہے، جس کا ترک ایمانیات کے چھ اجزاء میں سے کسی ایک جزو کے ترک کی طرح کفر کو لازم کرتا ہے۔

حاضرین! یہی وجہ ہے کہ بعض اکابر صحابہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی بے نمازی کافر ہے۔ اس کا دین سے کوئی تعلق باقی نہیں رہ جاتا۔ ان صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم) کے اقوال ملاحظہ فرمائیں:

۱۔حضرت عمر فاروق:"لاحظ في الإسلام لمن لا صلاة له""اس آدمی کا اسلام میں کچھ بھی حصہ نہیں، جس کے پاس نماز نہیں"۔

اسی طرح ان کا ایک قول ہے:

"لا إيمان لمن لاصلاة له" "اس کے پاس ایمان ہی نہیں، جس کے پاس

نماز نہیں''۔

۲. ابـن مسـعـود :"مـن لـم يـصـل فلادين له" ''جو نماز نہیں پڑھتا، اس کے پاس دن ہی نہیں''۔

یہ سب اقوال:''تـعـظـيـم قـدر الـصـلاة لـمـحـمـد بن نصر المروزی' 'میں مروی ہیں۔

حاضرین! صحابہ کرام قرآن وسنت کے اولین اور بزبان رسالت مآب دین کے معتبر شارحین ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ نماز کی بابت ارشاد باری تعالیٰ وفرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح ہی میں صحابہ نے ترک نماز پر مذکورہ حکم لگایا ہے۔

ارشاد باری ہے:

''وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ''(الروم:31)

اور نماز قائم کرو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔

اگر اس آیت سے بے نمازی کو کافر نہ بھی قرار دیں تب بھی اتنا تو ثابت ہی ہوتا ہے کہ ترک نماز مشرکین ہی کا شیوہ ہے۔

اور اسی لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لیـس بیـن الـعـبـد وبیـن الـكـفـر إلا تـرک الصلاة"(صحیح مسلم، كتاب الإيمان:35)

''بندے اور کفر کے درمیان فاصل نماز کا ترک ہی ہے''

نیز ارشاد ہے:

"الـعـهـد الـذي بـيـنـنـا وبـيـنـهـم الصلاة ، فمن تركها فقد كفر"(سنن الـنـسـائـي، كتـاب الصلاة باب:8) التـرمـذي، كتـاب الإيمان باب: 9عن بريدة)

"ہمارے (مسلمانوں) اور ان کے (یعنی مشرکین کے) درمیان نماز ہی حد فاصل ہے۔ پس جس نے نماز چھوڑ دی اس نے کفر کیا"

اسلام میں نماز کی اتنی اہمیت ہے کہ قرآن میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے نماز کو ایمان کہا ہے۔ ارشاد ہے:

"وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ إِيْمَانَكُمْ" (البقرہ:143)

"اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان ضائع نہ کرے گا"۔

یعنی جو لوگ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے ہوئے وفات پا گئے، اب خانۂ کعبہ کی طرف تحویل قبلہ ہو جانے سے ان کی نمازوں کو اللہ تعالیٰ برباد نہیں کرے گا۔ (صحیح بخاری ، كتاب الإيمان ، باب الصلاة من الإيمان)۔

نماز کو لفظ "ایمان" سے تعبیر کرنے کی وجہ یہی ہے کہ اعمال صالحہ (جو ایمان میں داخل ہیں) میں نماز کو اولین درجہ حاصل ہے۔ دیگر اعمال صالحہ کے مقابلے میں نماز کو یہ بھی حیثیت حاصل ہے کہ نماز نہ ہونے کی صورت میں اللہ کے نزدیک کوئی بھی نیک عمل قبولیت کا درجہ حاصل نہ کر سکے گا۔

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

"إن أول مايحاسب له به العبد لصلاته، فإن صلحت فقد أفلح وأنجح ، وإن فسدت فقد خاب وخسر" (نسائی، كتاب الصلاة ، باب المحاسبة على الصلاة :465، الترمذي، كتاب الإيمان باب :189)

یعنی بندے سے حقوق اللہ میں سب سے پہلے نماز میں پرسش ہوگی۔ اور اگر نماز ہی بے کار رہی تو وہ خائب و خاسر ہوگا۔ یعنی نہ تو اس کا روزہ قبول ہوگا، نہ حج اور نہ زکاۃ۔

امام ابن قیم الجوزیہ نے اس حدیث سے بے نمازی کے کافر ہونے پر استدلال کیا ہے۔ (كتاب الصلاة لابن قيم الجوزية)

اس حدیث کو فارسی شاعر نے یوں تعبیر کیا ہے۔ یہ شعر اکثر مساجد کے دروازوں اور محرابوں پر لکھا ہوتا ہے:

روز محشر کہ جان گداز بود
اولین پرسش نماز بود

یعنی محشر کے دن جب نفسی نفسی کا عالم ہوگا، بندے سے سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا۔

اسلام میں نماز کی اہمیت اور مقام و مرتبہ کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری وقت، اور جاں کنی کے عالم میں جو آخری وصیت امت کو کی تھی، وہ نماز ہی کی وصیت تھی۔ آپ پر جان کنی کی حالت طاری تھی، اور آپ فرمارہے تھے: ''الصلاۃ الصلاۃ'' یعنی نماز کا خیال رکھنا، نماز کا خیال رکھنا۔

اور اللہ کے سب سے پیارے رسول کو اس دنیائے فانی کے اسباب واموال میں جو چیز سب سے زیادہ عزیز تھی، ان میں عورتیں اور خوشبو تھی۔ مگر آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہی تھی۔ فرماتے ہیں:

''حبب إلى من دنياكم: النساء والطيب، و جعلة قرة عيني في الصلاة.(النسائي عشرة النساء، حديث رقم: 3391)

''مجھے دنیا کی چیزوں میں عورتیں اور خوشبو بہت محبوب ہیں، اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں کردی گئی ہے''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کبھی گھبراہٹ کا سامنا ہوتا تھا، تو آپ فوراً نماز کی طرف رجوع فرماتے تھے۔ (د/ الصلاۃ: 312، ح1319 / حسن)

قرآن میں بھی ایسی حالت میں نماز سے استعانت کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

''وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ'' (البقرة:45)

''اور صبر اور نماز کے ساتھ مدد طلب کرو''۔

نماز اگر حقیقی معنوں میں نماز ہو، تو نمازی کو ہر طرح کی برائیوں اور فحاشیوں سے روک دیتی ہے۔ ارشاد باری ہے:

''إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ '' (العنکبوت:45) ''یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے''۔

آج ساری دنیا میں جرائم کا دور دورہ ہے۔ حکومتیں، قانون ساز ادارے، عدالتیں، سی آئی ڈی، سب حیران و پریشان ہیں۔ مگر ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'' کا معاملہ ہے۔ اس سلسلے میں مذکورہ ارشاد ربانی کی روشنی میں نماز بہت ہی ممد و معاون ہے۔ بشرطیکہ خلوص دل سے ادا کی جائے۔ ایمان اور عقیدہ کے بعد اعمال میں نماز سب سے پہلا فرض ہے جس کی ادائیگی کے بغیر ایک آدمی مسلمان نہیں رہ سکتا۔ اللہ تعالیٰ اس کو بے شمار دنیوی واخروی فوائد اور انعامات سے بھی نوازتا ہے۔ دنیوی فوائد میں یہ کیا کم ہے کہ نماز سے آدمی کے دل کو سکون حاصل ہوتا ہے۔ وہ سکون جس کا موجودہ انسان حد درجہ متلاشی ہے مگر حاصل نہیں کر پاتا۔ کیونکہ وہ اسے الٰہی اسباب کے سوا دوسرے اسباب میں تلاش رہا ہے۔ جب کہ انسان کے خالق کا فرمان ہے:

''أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ''(الرعد:28)

''یاد رکھو اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو تسلی حاصل ہوتی ہے''۔

اور اللہ کے ذکر میں سب سے بڑا ذکر نماز ہی ہے۔ اور اخروی فوائد میں سے ایک فائدہ تو وہ ہے، جسے باری تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا:

'' قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ، الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ''(المؤمنون:2-1)

''یقیناً ایمان والوں نے فلاح حاصل کر لی جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں۔ اس

کے بعد فلاح پانے والوں کے چند اوصاف بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے:"

"وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ، أُولٰٓئِكَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ"(المومنون:10-9)

ترجمہ: جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کرتے ہیں، یہی وارث ہیں (جنت کے)

جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کرتے ہیں یہی جنت کے وارث ہیں۔

حاضرین کرام! لیکن یہ سارے دنیوی واخروی فوائد اسی وقت حاصل ہوں گے، جب نماز کو اس کی شرائط کے ساتھ ادا کیا جائے۔ صحت اور کمال نماز کی شرطوں میں ظاہری اور باطنی دونوں شرطیں ہیں اور دونوں کا لحاظ کیے بغیر نماز فائدہ نہیں دیتی۔

ظاہری شرطیں تو وہ ہیں جن کے بغیر نماز سرے سے ادا ہی نہیں ہوتی۔ جیسے: چھوٹی بڑی پاکی، جسم اور جگہ کی پاکی، ستر پوشی اور استقبال قبلہ اور سنت کے مطابق ادائیگی وغیرہ۔ اور باطنی شرائط میں سب سے پہلی شرط؛ اخلاص ہے، اور دوسری شرط: خشوع وخضوع ہے، جو دراصل نماز کی بارگاہ الٰہی میں قبولیت کی اہم ترین شرطیں ہیں۔ خشوع وخضوع کی ظاہری علامت تعدیل ارکان ہے۔ اور باطنی کیفیت یہ ہے کہ نماز اس طرح پڑھی جائے کہ جیسے نمازی اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ اور اگر یہ کیفیت نہ پیدا ہو سکے، تو کم از کم یہ کیفیت تو پیدا ہو کہ اللہ نمازی کو دیکھ رہا ہے۔ اسی مفہوم کو حدیث جبریل میں اس طرح تعبیر کیا گیا ہے:

"الإحسان أن تعبد اللّٰه كأنك تراه، فإن لم تكن تراه فإنه يراك"(متفق عليه)

"احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو۔ اور اگر یہ کیفیت پیدا نہ ہو، تو کم از کم یہ کیفیت تو پیدا کرو کہ اللہ تم کو عبادت کرتے ہوئے ضرور دیکھ رہا ہے"۔

اس بابت حدیث "مسيء الصلاة" کو نظر میں رکھنا ضروری ہے۔ وہ حدیث یہ

ہے کہ ایک بار ایک صحابی نے مسجد نبوی میں نماز پڑھی۔ نماز پڑھنے کے بعد اللہ کے رسول کے پاس جا کر سلام کیا۔ آپ نے فرمایا: "إرجع فصل فإنك لم تصل" جاؤ دوبارہ نماز پڑھو۔ کیونکہ تم نے (کما حقہ) نماز نہیں پڑھی۔

اس طرح تین بار ہوا۔ تو صحابی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں اس سے بہتر نماز پڑھ نہیں سکتا۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا صحیح طریقہ ان کو بتایا۔ جس میں آپ نے خاص بات یہ بتلائی کہ قیام، رکوع، قومہ، سجدہ، جلسہ بین السجدتین، جلسۂ استراحت، سب کے سب خوب اطمینان سے ادا کرو۔ (متفق علیہ)

لیکن افسوس کہ فی زمانہ مسلمانوں کی اکثریت گویا نماز میں کبوتر کے دانہ چگنے کی طرح اٹھک بیٹھک کرتی ہے۔ اور اس پر یہ غرہ کہ ہم نمازی ہیں، اس کے باوجود وعدۂ الٰہی سے محروم ہیں؟ تو ایسے نمازیوں سے عرض ہے کہ تمہاری نماز تو تمہارے منہ پر ماردی جاری ہے تو پھر کیسے وعدۂ الٰہی پورا ہوگا؟

اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ دم آخریں تک ہمیں صحیح طریقے سے نماز ادا کرتے رہنے کی توفیق دے اور سابقین اولین جو نبوی طریقہ پر نماز ادا کرتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہو گئے انہی کے ساتھ قیامت کے دن ہمارا حشر ونشر ہو۔ "وحسن أولئك رفيقا"۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين۔

دوسرا خطبہ:

أما بعد: فقد قال الله تعالىٰ في القرآن العظيم، أعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم:

"وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ" (البقرة:43)

"اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو"۔

"وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : صلاة الرجل في جماعة تزيد على صلاته في بيته، وصلاته في سوقه بضعا وعشرين درجة" (متفق عليه)

حاضرین کرام! نماز کے منجملہ دیگر شرائط کے علاوہ ایک شرط نماز کا جماعت سے ادا کرنا بھی ہے۔ صرف یہی نہیں کہ جماعت سے نماز کی ادائیگی پر پچیس سے ستائیس گنا اجر وثواب ملتا ہے، بلکہ محققین کی ایک جماعت، جماعت سے نماز کی ادائیگی کو فرض قرار دیتی ہے۔ اور ان کی رائے میں کافی وزن بھی ہے۔

ارشاد نبوی ہے:

"لقد هممت أن أمر بالصلاة فتقام، ثم آمر رجلا فيصلي بالناس، ثم انطلق معي برجال، معهم حزم من حطب إلى قوم لايشهدون الصلاة، فأحرق عليهم بيوتهم بالنار" (متفق عليه)

"کبھی میرا ارادہ ہوتا ہے کہ نماز کھڑی کرنے کا حکم دوں، پھر ایک شخص کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے اور میں چند آدمیوں کو لے کر جن کے ساتھ لکڑیوں کے گٹھر ہوں، ان لوگوں کے پاس جاؤں جو نماز کے لیے جماعت میں حاضر نہیں ہوتے اور ان کے گھروں کو آگ لگا دوں"۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہ کرنے کی وجہ یہ بیان کی کہ گھروں میں وہ لوگ بھی ہوتے ہیں، جن پر جماعت سے نماز ادا کرنا فرض نہیں ہے۔ جیسے: عورتیں، بچے، غلام اور مریض۔

نماز باجماعت کی اہمیت پر عظیم ترین فقیہ اور صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس فرمان سے روشنی پڑتی ہے: "تم ان پانچوں نمازوں کو پابندی سے وہاں ادا کرو، جہاں ان کے لیے ندا دی جاتی ہے۔ کیونکہ یہی ہدایت کی راہ ہے۔ اور ہم صحابہؓ

رسول تو یہ سمجھتے تھے کہ نماز باجماعت سے وہی غیر حاضر رہتا تھا، جو کھلا ہوا منافق ہوتا تھا۔ ہم تو یہ دیکھتے تھے کہ کوئی معذور آدمی دو شخصوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر چلایا جاتا تھا، یہاں تک کہ اس کو صف میں لاکر بٹھادیا جاتا تھا۔

تم میں سے ایسا کوئی شخص نہیں جس کے گھر کے قریب مسجد نہ ہو؛ لیکن اگر تم نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ چھوڑ دیا، تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔ ایک روایت میں ہے کہ کافر ہو جاؤ گے۔ (صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب رقم:44، حدیث رقم:654 / سنن أبي داؤد حدیث رقم:55)

کم از کم جو آدمی اذان کی آواز سن لے، اس پر تو جماعت واجب ہی ہے۔ (سنن ابی داؤد، رقم:551-552)

نماز باجماعت کی اہمیت پر اس حدیث سے بھی روشنی پڑتی ہے:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمی کسی بستی یا جنگل (یا بیابان) میں ہوں، اور وہ جماعت سے نماز نہ پڑھیں، تو ان پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے۔ لہٰذا تم جماعت سے نماز کو لازم پکڑو۔ اس لیے کہ بھیڑیا، اسی بکری کو کھاتا ہے، جو ریوڑ سے الگ ہو جاتی ہے۔ (سنن ابی داؤد رقم:547)

خصوصاً عشاء اور فجر کی جماعت کی اہمیت یہ ہے کہ ان نمازوں سے غیر حاضری کو منافق کی پہچان بتایا گیا ہے۔

ارشاد نبوی ہے:

”إن هاتين الصلاتين أثقل الصلوات على المنافقين“(سنن أبي داؤد ، رقم: 554/وحسنه الألباني)

”منافقوں پر سب سے بھاری یہ دو نمازیں ہیں“۔

ان نصوص اور ارشاد باری تعالیٰ ''وَارْكَعُوْا مَعَ الرَّاكِعِيْنَ ''(البقرہ:43)''اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو''۔کی بنیاد پر علماء کی ایک جماعت کے نزدیک، جماعت سے نماز فرض ہے، خواہ مسجد کے باہر کسی جگہ ہو۔ بلکہ بعض کے نزدیک بغیر جماعت کے نماز صحیح نہیں ہوتی۔

بہر حال جمہور کے نزدیک جماعت فرض علی الکفایہ اور سنت مؤکدہ ہے اور اس کا اجر وثواب اکیلے نماز سے پچیس سے ستائیس گنا تک بڑھ جاتا ہے۔

ارشاد نبوی ہے:

''صلاة الرجل في جماعة تزيد على صلاته في بيته وصلاته في سوقه خمساوعشرين درجة. وذلک بأن أحدكم إذا توضأ فأحسن الوضوء وأتى المسجد لايريد إلا الصلاة، ولا ينهزه إلا الصلاة، لم يخط خطوة إلا رفع بها درجة، وحط عنه بهاخطيئة، حتى يدخل المسجد، فإذا دخل المسجد، كان في صلاة ماكانت الصلاة هي تحبسه، والملائكة يصلون على أحدكم مادام في مجلسه الذي صلى فيه، يقولون: أللّٰهم أغفرله، اللّٰهم أرحمه، اللّٰهم تب عليه، مالم يؤذيه أويحدث''(متفق عليه من حديث أبي هريرة)

''آدمی کی باجماعت نماز اس کے گھر، یا بازار کی نماز سے پچیس درجہ بڑھ کر ہے۔ بعض روایات میں ستائیس درجہ اور بعض میں تیئیس سے اوپر ستائیس تک کا لفظ بھی ہے۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ تم میں سے کوئی جب اچھی طرح وضو کر کے مسجد آئے اور نماز کے سوا کوئی اور مقصد اس کے پیش نظر نہ ہو، تو وہ جو بھی قدم اٹھاتا ہے، اس کے بدلے میں اس کا ایک درجہ بلند ہوتا ہے، اور ایک گناہ معاف ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ مسجد میں داخل ہو جائے، پھر جب وہ مسجد میں داخل ہو جاتا ہے تو وہ نماز ہی میں رہتا ہے، جب تک کہ نماز

اسے روکے رہتی ہے۔ اور فرشتے اس کے لیے دعا کرتے ہیں، جب تک کہ وہ اس جگہ بیٹھا رہتا ہے، جہاں اس نے نماز پڑھی تھی۔ فرشتے کہتے ہی: اے اللہ! اس کو بخش دے، اے اللہ! اس پر رحم فرما، اے اللہ! اس کی توبہ قبول فرما۔ وہ یہ دعا برابر کرتے رہتے ہیں، جب تک کہ وہ اس مجلس میں جہاں وہ بیٹھا ہے، کسی کو تکلیف نہ دے، یا وضو نہ توڑ دے"۔

ایک دوسری حدیث میں عشاء اور فجر کی باجماعت ادائیگی کا اجر وثواب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یوں بیان فرماتے ہیں:

"من صلى العشاء في جماعة كان كقيام نصف ليلة، ومن صلى العشاء والفجر في جماعت كان كقيام ليلة"(مسلم، كتاب المساجد، باب:46، حديث رقم:656)

"جس آدمی نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی، گویا اس نے آدھی رات تک قیام کیا۔ اور جس نے عشاء اور فجر دونوں جماعت سے پڑھیں، اس نے گویا پوری رات قیام کیا"۔ (یعنی نفل نماز پڑھی)۔

حاضرین کرام! نماز باجماعت کے مذکورہ مقام ومرتبہ اور اہمیت کے پیش نظر اگر کسی کے دل میں حقیقت میں ایمان ہے، تو وہ مجبوری کے سوا کبھی بھی جماعت سے غیر حاضر نہیں ہو سکتا۔ مجبوری کی صورتیں علماء نے کتاب وسنت کی روشنی میں بیان کردی ہیں۔ جیسے ایک عاقل بالغ مرد کے لیے مجبوری اس کی بیماری یا حالت سفر ہے اور مطلق مجبور افراد؛ جیسے عورتیں، نابالغ بچے اور غلام ہیں۔

ایک عاقل، بالغ تندرست مرد کے لیے بیاری اور سفر کے علاوہ بھی بعض حالات میں مجبوری ہو سکتی ہے۔ مگر خواہ مخواہ شیطانی تاویلات کے سہارے مجبوری کا شوشہ آدمی کو نہیں چھوڑنا چاہیے، بلکہ اپنے من سے پوچھنا سے نہ پوچھے۔

حاضرین کرام! ہمارے ماضی قریب اور بعید کے کبھی پیش رو ایسے ہی تھے، جو (ان

شاء اللہ) کامیاب ہوں گے۔اور وہ انبیاء، صدیقین اور شہداء وصالحین کے ساتھ ہوں گے۔ ہم بھی کوشش کریں تاکہ ہمیں بھی ان کی رفاقت نصیب ہو۔

یہ عجیب المیہ ہے کہ ہم سے جہاز یا ٹرین نہیں چھوٹتی ہے۔ چاہے ان کا وقت دن اور رات میں جو بھی ہو۔ ہم دو چار گھنٹے پہلے ہی سے فکر اور تیاری میں لگ جاتے ہیں۔ مگر جماعت چھوٹ جاتی ہے، آخر اتنی تساہلی کیوں؟ حد تو یہ ہے کہ اب علمائے کرام اور واعظین عظام کی سستی بھی ایک بلائے عام کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ جلسوں، کانفرنسوں اور جمعہ کے خطبوں میں ایسی زوردار تقریر فرماتے ہیں کہ اس کے مقابلے میں ہماری ٹوٹی پھوٹی تقریر کیا حیثیت رکھتی ہے۔

خطبہ کے وقت کی تنگ دامانی کے پیش نظر نماز باجماعت کی اہمیت اور ترک نماز پر یہ چند وعیدیں سنا کر آج میں اپنی بات یہیں پر ختم کرنا چاہتا ہوں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہیں کہ وہ تمام مسلمانوں کو صحیح مسلمان بننے کی توفیق دے اور جو صحیح مسلمان بنے اور باجماعت نماز ادا کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوئے، قیامت کے روز ہمیں ان کی رفاقت نصیب ہو۔

"وحسن أولئک رفيقا"

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

بدعات

پہلا خطبہ:

"إنَّ الحمد للّٰه ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادی له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشریک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله"أمابعد:

محترم بھائیو!رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے دنیا کفر وضلالت کی تاریکیوں میں بھٹک رہی تھی۔ ہر طرف خواہشات کا دور دورہ تھا۔لوگ طرح طرح کی برائیوں میں مبتلا تھے۔ہر طرف لوٹ مار، چوری، ڈاکہ زنی،شراب نوشی اورحرام کاری کا بازارگرم تھا۔دنیا والوں کی اس حالتِ زار پر اللہ تعالیٰ کورحم آیا۔اس نے لوگوں کی ہدایت کے لیے اپنے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دین حق دے کر مبعوث فرمایا۔اوراپنی آخری شریعت کوآپ پرتمام فرمایا۔آپ نے لوگوں کواللہ کے دین کی دعوت دی۔انہیں کفر وضلالت کی تاریکیوں سے نکال کر دین حق کی روشن شاہراہ پر گامزن کیا۔اللہ کا کلمہ بلند کرنے اوردین اسلام کوغالب کرنے کے لیےآپ نے ہرطرح کی تکلیفیں جھیلیں۔بالآخر اللہ ہی نےآپ کےذریعہ اپنے دین کوغالب فرمایا۔آپ نے دین حق کی امانت لوگوں کو پہنچانے،ان کی خیرخواہی چاہنے اورفریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کوئی کسرنہیں چھوڑی۔ اوراس کاپوراحق ادا کیا۔اورامت کوایک ایسی شاہراہ پرچھوڑکراس دنیا سے رخصت ہوئے

جس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے۔ آپ کو اپنی حیاتِ مبارکہ میں اس بات کا اندیشہ تھا کہ لوگ پھر اس دین کی روشن شاہراہ کو چھوڑ کر اپنی خواہشات کی پیروی میں نہ لگ جائیں، اور آپ کے طریقے کو چھوڑ کر اپنے نفس کی اور اپنے آباء واجداد کی پیروی نہ کرنے لگ جائیں، اس لیے آپ نے لوگوں کو آنے والے فتنوں سے بھی آگاہ وخبردار کر دیا۔ سنتوں کو چھوڑنے اور دین میں بدعات وخرافات کو ایجاد کرنے سے لوگوں کو ڈرایا۔ اور ان خواہشات کی پیروی کرنے والوں سے جنہوں نے عصر نبوت کے بعد امت کو مختلف گروہوں اور فرقوں میں بانٹ دیا ہے، ہوشیار اور خبردار رہنے کی تلقین فرمائی۔

ابھی آپ کی وفات پر زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ عقل پرستوں اور خواہشات نفس کے بندوں نے پر پرزے نکالنے شروع کر دیئے۔ خوارج اور اہل تشیع کا ظہور ہوا۔ اور معتزلہ ومرجۂ وغیرہ مختلف ناموں سے بہت سارے گمراہ فرقے امت میں پیدا ہو گئے۔ آہستہ آہستہ لوگ سنت کی روش کو چھوڑ کر خواہشات کی پیروی میں لگ گئے۔ شریعت کے بجائے اپنی عقلوں سے فیصلے ہونے لگے، اور دین میں نئی نئی بدعتیں ایجاد ہونے لگیں۔ حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو قرآن وحدیث کو مضبوطی سے تھامے رہنے کی بڑی تاکید فرمائی تھی۔ آپ نے اپنی وفات سے قبل فرمایا تھا:

"تركت فيكم أمرين لن تضلوا ماتمسكتم بهما ، كتاب الله وسنتي"

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے، ہرگز گمراہ نہ ہو گے؛ ایک اللہ کی کتاب ہے، اور دوسری میری سنت ہے''۔

قرآن کریم میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرماں برداری پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ بے شمار آیتوں میں اس کی تاکید آئی ہے۔ قرآن مجید نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کو اللہ سے محبت کی علامت اور نشانی بتائی ہے۔

ارشاد باری ہے:

"قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ" (البقرہ:31)

"کہہ دیجیے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرما دے گا"۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

"وَإِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا" النور:54)

"اگر تم ان کی اطاعت کرو گے راہ یاب ہو گے"۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

"وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا" (الحشر:7)

"اور رسول تمہیں جو کچھ دیں لے لو، اور جس سے روکیں رک جاؤ"

اگر کوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے اعراض کرتا ہے تو اس کے لیے خواہشات کی اتباع کے سوا کوئی اور راستہ نہیں بچتا ہے۔

ارشاد باری ہے:

"فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ أَهْوَآءَهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ" (القصص:50)

"پھر اگر یہ تیری نہ مانیں تو تو یقین کر لے کہ یہ صرف اپنی خواہش کی پیروی کر رہے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر بہکا ہوا کون ہے جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہو بغیر اللہ کی رہنمائی کے، بے شک اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا"۔

اس کے معنی یہ ہوئے کہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے اور آپ کی سنت سے اعراض کرے، وہ اپنے نفس اور اپنی خواہشات کا بندہ ہے۔ ایسے لوگوں کو قرآن نے بڑی

زبردست دھمکی دی ہے۔

ارشاد باری ہے:

''وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكاً وَّنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمٰى''(طٰہٰ:124)

''اور (ہاں) جو میری یاد سے روگردانی کرے گا اس کی زندگی تنگی میں رہے گی، اور ہم اسے بروز قیامت اندھا کر کے اٹھائیں گے''۔

خواہشات کے بندوں اور بدعات کے خوگر لوگوں کا ہمیشہ یہی حال رہتا ہے۔ وہ ہمیشہ کڑھن، تنگی اور حرج میں مبتلا رہتے ہیں۔ کبھی انہیں اطمینان وسکون اور شرح صدر میسر نہیں ہوتا۔ ہدایت کا نور صرف اتباع سے حاصل ہوتا ہے۔ اتباع اور اطاعت کی راہ چھوڑ کر گمراہی اور بدبختی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

ارشاد باری ہے:

''فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى''(طٰہٰ:123)

''جو میری ہدایت کی پیروی کرے نہ تو وہ بہکے گا نہ بدبختی میں پڑے گا''۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہدایت سے منہ موڑنے والا گمراہ اور بدبخت ہوگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدعات ومحدثات (دین میں نئی چیزوں) کی بڑی مذمت فرمائی ہے۔

آپ کا ارشاد ہے:

''من أحدث في أمرنا هذا، ماليس منه، فهو رد''(البخاري ومسلم)

''جو ہمارے اس دین میں ایسی باتیں ایجاد کرے گا، جو اس میں سے نہیں ہیں، تو وہ مردود اور نا قابل قبول ہوں گی''۔

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے:

''من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد''

''جو کوئی ایسا کام کرے گا، جو ہمارے حکم کے مطابق نہ ہوگا، تو وہ نا قابل قبول ہوگا۔''

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں:

''كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا خطب إحمرت عيناه، وعلاصوته، واشتد غضبه، كأنه منذر جيش ، يقول: صبحكم ومسّاكم، ويقول: بعثت أنا والساعة، كهاتين، ويقرنبين أصبعيه: السبابة ، الوسطىٰ ، ويقول: أما بعد! فإن خير الحديث كتاب الله، وخير الهدى، هدى محمد صلى الله عليه وسلم ، وشر الأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة'' (مسلم)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے، تو آپ کی آنکھیں سرخ اور آواز بلند ہو جاتی۔ اور آپ کا غضب شدید ہو جاتا۔ گویا کہ آپ دشمن کو کسی لشکر سے ڈرار ہے ہیں۔ اور آپ فرماتے: میں اور قیامت دونوں ایسے بھیجے گئے ہیں، جیسے یہ دونوں انگلیاں ہیں۔ اور آپ اپنی شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی دونوں کو ایک دوسرے سے ملا لیتے۔ یعنی جس طرح یہ دونوں انگلیاں متصل ہیں اور درمیان میں کوئی فاصلہ نہیں۔ اسی طرح میرے اور قیامت کے درمیان کسی نبی کا فاصلہ نہیں۔ اور فرماتے: یقیناً بہترین بات، اللہ کی کتاب ہے، اور بہترین راستہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے۔ اور بدترین کام دین میں محدثات (نئے پیدا کردہ امور) ہیں اور ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے''۔

نیز مسلم کی ایک روایت میں ہے:

''من رغب عن سنتي فليس مني''

''جس نے میری سنت سے اعراض کیا، وہ ہم (مسلمانوں) میں سے نہیں ہے''۔

طبرانی کی ایک روایت میں جس کی سند حسن ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد وارد ہے:

"إن الله حجب التوبة عن كل صاحب بدعة حتىٰ يدع بدعته"

"اللہ تعالیٰ نے ہر بدعتی سے توبہ کو آڑ میں کرلیا ہے۔ یعنی اسے توبہ سے محروم رکھا ہے۔ جب تک کہ وہ اپنی بدعت کو چھوڑ نہ دے"۔

کلمۂ طیبہ کا دوسرا حصہ: یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کی گواہی کا تقاضا یہی ہے کہ آپ کی مکمل اتباع کی جائے۔ اور آپ کی سنتوں کی پوری پابندی کی جائے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول ماننے کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں کہ آپ نے جن باتوں کی حکم دیا ہے انہیں کیا جائے اور جن باتوں کی خبر دی ہے ان کی دل سے تصدیق کی جائے اور جن چیزوں سے آپ نے روکا ہے ان سے بچا جائے۔ اور اللہ کی عبادت انہی طریقوں سے کی جائے جنہیں آپ نے مشروع قرار دیا ہے۔ ہمارے لیے کسی بھی طرح سے یہ جائز نہیں کہ ہم اللہ سے تقرب ایسے طریقوں اور ایسی عبادتوں کے ذریعہ ڈھونڈیں، جنہیں اللہ اور اس کے رسول نے مشروع نہ کیا ہو۔

ارشاد باری ہے:

"أَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللّٰهُ" (الشوریٰ:21)

"کیا ان لوگوں نے ایسے (اللہ کے) شریک (مقرر کر رکھے) ہیں جنہوں نے ایسے احکام دین مقرر کر دیئے ہیں جو اللہ کے فرمائے ہوئے نہیں ہیں"۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایسے اقوال کی اتباع جائز نہیں جو قرآن وسنت کے مخالف ہوں، ان کا کہنے والا خواہ کوئی بھی ہو۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہر شخص کی بات مانی بھی جاسکتی ہے اور اسے ٹھکرائی بھی جاسکتی ہے سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کے۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أجمع العلماء على أن من استبانت له سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ، لم يكن له أن يدعها لقول أحد"

"علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت جس پر واضح ہو جائے اس کے لیے کسی کی بات پر سنت کو چھوڑنا جائز نہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مجھے ان لوگوں پر تعجب ہے جو اسناد اور حدیث کی صحت سے واقف ہونے کے باوجود، حدیث رسول کو چھوڑ کر سفیان وغیرہ کی رائے کو اختیار کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

" فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ "(النور:63)

"سنو جو لوگ حکم رسول کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آ پڑے یا انہیں دردناک عذاب نہ آ پہنچے"۔

آپ کو معلوم ہے کہ فتنہ کیا ہے؟ فتنے سے مراد شرک ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ جو آپ کی مخالفت کرے گا، خدشہ ہے کہ وہ شرک میں گرفتار ہو کر ہلاک و برباد نہ ہو جائے۔ اس لیے میرے بھائیو! اسلام جس طرح اللہ کی اطاعت و فرماں برداری کا نام ہے، اسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا بھی نام ہے۔ جب کسی صحیح سند سے آپ کی کوئی بات ثابت ہو جائے تو اس کا ماننا واجب ہے۔

ارشاد باری ہے:

"وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَمْراً أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالاً مُّبِيْناً"(الأحزاب:36)

"اور (دیکھو) کسی مومن مرد وعورت کو اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ آجانے کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا ہے، (یادرکھو) اللہ تعالٰی اور اس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑے گا"۔

سنت کی خلاف ورزی دین میں تفرقہ پیدا کرتا ہے۔

ارشاد باری ہے:

"وَأَنَّ هٰـذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْماً فَاتَّبِعُوْهُ وَلاَ تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ" (الأنعام:153)

"اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی۔ اس کا تم کو اللہ تعالٰی نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیزگاری اختیار کرو"۔

کتاب وسنت سے انحراف وتجاوز اللہ اور رسول سے سرکشی کے مترادف ہے۔

ارشاد باری ہے:

"فَاسْتَقِمْ كَمَآ أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلاَ تَطْغَوْا" (ہود:112)

"پس آپ جمے رہیے جیسا کو آپ کو حکم دیا گیا ہے اور وہ لوگ بھی جو آپ کے ساتھ توبہ کر چکے ہیں، خبردار تم حد سے نہ بڑھنا"۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبوں میں فرمایا کرتے تھے:

"إن أحسن الحديث كتاب الله، وخير الهدي هدى محمد صلى الله عليه وسلم، وكل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة"

"سب سے اچھی بات اللہ کی کتاب ہے اور سب سے اچھا طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔ دین میں ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے"۔

اس حدیث میں ہر بدعت کو گمراہی کہا گیا ہے۔ کیونکہ بدعتی کتاب وسنت کی

دلیلوں کو چھوڑ کر اپنی خواہشات اور من چاہی چیزوں کو دلیل بنالیتا ہے، اور اس کی پیروی کرنے لگتا ہے۔

ابن ماجشون نے امام مالک سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

''جس نے اسلام میں کوئی بدعت ایجاد کی اور اس کو ایک اچھا کام بھی سمجھا، تو گویا اس کا خیال یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے رسالت میں خیانت کی ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ'' (المائدہ:3)

''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا''۔

لہٰذا جو اس دن دین نہیں تھا آج بھی دین نہیں ہوسکتا۔ جہاں بدعات کا چلن ہوتا ہے، وہاں سے سنتیں رخصت ہوجایا کرتی ہیں۔ اور وہ لوگ صحیح دین سے محروم کر دیئے جاتے ہیں۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"ماابتدع قوم بدعة إلا نزع الله عنهم من السنة مثلها".

''جب بھی کسی قوم نے کوئی بدعت ایجاد کی تو اللہ تعالیٰ نے اس قوم سے اسی کے مثل سنت چھین لی''۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قوموں میں بدعتوں کے فروغ سے سنتیں اٹھالی جاتی ہیں۔ اور وہ لوگ انہی بدعات کے خوگر ہوجاتے ہیں اور انہی کو دین سمجھنے لگتے ہیں۔ اس طرح وہی آہستہ آہستہ صحیح دین سے محروم کر دیئے جاتے ہیں۔

دارمی کی ایک روایت میں ہے:

"ثم لايعيدها إلى يوم القيامة"

''پھر قیامت تک اللہ تعالیٰ ان سنتوں کو ان میں واپس نہیں لاتا''۔

اہل بدعات کی سب سے بڑی محرومی یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے حوض کوثر سے دھتکار دیئے جائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"أنا فرطكم على الحوض ، ليرفعن إلي رجال منكم ، حتى إذا أهويت لأناولهم اختلجوا دوني، فأقول :أي رب! أصحابي ، يقول: لاتدري ماأحد ثوا بعدك؟"

"میں حوض کوثر پر ہوں گا، اور تم میں سے کچھ لوگ میری طرف آئیں گے۔ جب میں انہیں حوض کا پانی دینے کے لیے جھکوں گا، تو انہیں میرے سامنے سے کھینچ کر بھگا دیا جائے گا۔ میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ تو میری امت کے لوگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تمہیں معلوم نہیں کہ ان لوگوں نے تمہارے اس دین میں کیا کیا باتیں ایجاد کر لی تھیں"۔

ایک روایت میں ہے۔ اس پر میں کہوں گا: "سحقا سحقا لمن غير بعدي"

اس لیے میرے بھائیو! کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھامے رہو اور بدعات ومحدثات سے بچو۔ یاد رکھو دین وہی ہے جو کتاب وسنت میں ہے۔ اس سے دوری دین سے انحراف، ہلاکت اور بربادی کے سوا کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں کتاب وسنت پر مضبوطی سے قائم رکھے اور بدعات ومحدثات سے بچائے رکھے۔

"أقول قولي هذا واستغفر اللّٰه لي ولكم ولسائر المسلمين فاستغفروه إنه هو الغفور الرحيم"

دوسرا خطبہ:

الحمد للّٰه، كفى وسلام على عباده الذين اصطفىٰ .أمابعد!

آیئے! میں آپ کو بتاؤں کہ بدعات وخرافات میں مبتلا کرنے والی چیزیں کیا ہیں۔

پہلی چیز، دین سے جہالت اور لاعلمی ہے۔ اگر آدمی صحیح دین کو جاننے کی کوشش کرے اور قرآن مجید اور صحیح احادیث کو معانی ومطالب کے ساتھ پڑھتا رہے اور ثقہ اور معتبر علماء کے دروس میں بیٹھے، تو اس کے اندر صحیح دینی شعور پیدا ہوگا اور وہ بدعات وخرافات سے ضرور بچے گا اور ہر نئے کام پر کتاب وسنت سے دلیل ڈھونڈے گا۔ اس لیے میرے بھائیو! دین کا صحیح علم حاصل کرو اور اپنی اولاد کو بھی دین کا ضروری علم سکھاؤ۔

دوسری چیز، جو لوگوں کو حق سے منحرف کرتی اور بدعات وخرافات میں مبتلا کرتی ہے، اور اپنے آباء واجداد کے رسوم ورواج کی تقلید اور اپنے بزرگوں سے بے جا عقیدت ومحبت اور اپنے علماء اور ائمہ کے لیے تعصب اور ہٹ دھرمی اور ان کی بے جا طرفداری ہے۔ انہی چیزوں کی وجہ سے ایک انسان کتاب وسنت کے نصوص کی تاویلیں کرتا ہے۔ اسے ان کی محبت وعقیدت اندھا کر دیتی ہے۔ جس طریقے پر وہ چلتے ہیں وہی انہیں اچھا لگتا ہے، خواہ وہ کتاب وسنت کے صریح مخالف ہی کیوں نہ ہو۔ مشہور صحابی حضرت معاذ بن جبل اپنے شاگرد یزید بن عمیرہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"إياكم وما يبتدع فإن ما ابتدع ضلالة، وأحذركم زيغة الحكيم، فإن الشيطان قد يقول كلمة الضلالة على لسان الحكيم، وقد يقول المنافق كلمة الحق، قال: قلت: لمعاذ مايدريني رحمك الله؟ إن الحكيم قد يقول كلمة الضلالة وإن المنافق قد يقول كلمة الحق، قال: بلى اجتنب من كلام الحكيم المشتهرات التي يقال لها: ماهذه؟ ولا يثنيك ذلك عنه، فإنه لعله أن يراجع وتلق الحق إذا سمعته فإن على الحق نورا" (أبو داؤد ، كتاب السنة، باب لزوم السنة: 4611)

"دین میں جو نئی چیز نکالی جائے تم اس سے بچو، اس لیے کہ ہر نئی چیز جو (دین کے نام پر) نکالی جائے، گمراہی ہے۔ اور میں تمہیں حکیم ودانا کی گمراہی سے بھی ڈراتا ہوں۔

اس لیے کہ شیطان حکیم ودانا کی زبان سے گمراہی کی بات نکلواتا ہے اور کبھی کبھی منافق بھی حق بات کہتا ہے۔ان کے شاگرد یزید بن عمیرہ کہتے ہیں: میں نے معاذ بن جبل سے کہا: اللہ آپ پر رحم کرے، مجھے کیسے معلوم ہوگا کہ حکیم ودانا گمراہی کی بات کہتا ہے اور منافق حق بات؟ وہ بولے کیوں نہیں، حکیم ودانا کی ان مشہور باتوں سے بچوں جن کے متعلق یہ کہا جاتا ہو، یہ یوں نہیں ہیں۔لیکن یہ چیزیں تمہیں خود اس حکیم سے نہ پھیر دیں، اس لیے کہ امکان ہے کہ وہ اپنی اس بات سے پھر جائے اور جب تم حق بات سنو تو اسے لے لو۔اس لیے کہ حق میں ایک نور ہوتا ہے''۔

اس حدیث میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے باطل کی نشانی یہ بتائی ہے کہ وہ قرآن وسنت میں نہ ہو اور عقل سلیم بھی اس کو قبول نہ کرے۔آپ نے عالم کے فتنے سے بھی لوگوں کو ڈرایا۔کیونکہ عالم کا فتنہ بڑا سخت ہوتا ہے۔وہ جھوٹی باتوں پر غلط استدلال اور چرب زبانی سے عوام کو فریفتہ کر لیتا ہے۔آج یہی حال لوگوں کا ہے۔باطل پرست اور بدعات کے خوگر قرآن وسنت سے الگ ہٹ کر نئی نئی بدعات میں عوام کو پھنسائے ہوئے ہیں اور لوگوں نے اپنے عالموں اور بزرگوں کے ایجاد کیے ہوئے کاموں کو دین اور اسلام کا نام دے رکھا ہے۔ اور اس کے لیے قرآن وحدیث کے واضح نصوص کی غلط تاویلیں کرتے ہیں اور انہیں ایسے ایسے معانی پہناتے ہیں جو سلف کے وہم وگمان میں بھی کبھی نہیں آئے تھے۔حق کی جستجو کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ قرآن وحدیث میں حق کو تلاش کریں۔خواہشات کی پیروی کرنے والے لوگوں سے اور ان علمائے سوء سے دور رہیں جو دین میں نئی چیزیں نکال کر بدعات ومحدثات کو فروغ دیتے ہیں۔

مقاتل بن حیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بڑی آفت اہل الاہواء (خواہشات پرست) ہیں۔یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت کا ذکر کر کے، جاہل عوام کو اپنے دامِ فریب میں پھنساتے ہیں اور پھر انہیں ہلاکت

و بربادی کے کھڈ میں گرادیتے ہیں۔ان لوگوں کی مثال اس شخص کی ہے جو شہد کے نام پر لوگوں کو زہر پلارہا ہو۔

شیطان کا یہ قدیم حربہ ہے کہ وہ لوگوں کو حق اور سنت کی راہ سے پھیرنے کے لیے اپنی راہ کو خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے اور لوگوں کو یہ باور کراتا ہے کہ تمہارے باپ، دادا، بزرگ اور علماء جو کچھ کرتے آئے وہی صحیح اور درست ہے۔اور کتاب وسنت کے جو نصوص اس کے خلاف ہیں ان کے یہ معنی نہیں۔بلکہ ان کے صحیح معنی یہ ہیں۔

اس طرح وہ کتاب وسنت کے نصوص کی نئی نئی تاویلات اور معانی سمجھاتا رہتا ہے۔ اس لیے میرے بھائیو! بدعات کے مفاسد اور مضرات سے ہمیں ہوشیار اور چوکنا رہنا چاہیے۔اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ آدمی صحیح دین سے محروم ہو جاتا ہے اور وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ دین ناقص ہے اور قرآن وسنت میں کمیاں ہیں جنہیں ان بدعات سے مکمل کیا جاسکتا ہے۔چنانچہ وہ دین میں بدعات ایجاد کرنے لگ جاتا ہے۔جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ سنتوں سے بے رغبت ہو جاتا ہے اور اس کے متعلق اس کی ہمتیں جواب دینے لگتی ہیں اور اس کی سرگرمیاں کمزور پڑ جاتی ہیں۔بلکہ اس کے اندر سنتوں سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ جب اسے کسی سنت پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ اسے ماننے اور اس پر عمل کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔اور اپنی بدعات کی مدافعت میں دلیلیں ڈھونڈنے لگتا ہے۔

اس لیے صحیح العقیدہ اور صحیح الفکر علماء اور خطباء کا فرض بنتا ہے کہ وہ علماء سوء کی ان مکاریوں اور فریب کاریوں کا پردہ قرآن وسنت کے دلائل سے چاک کرتے رہیں، اور صحیح دین سے لوگوں کو آگاہ کرتے رہیں، اور اس پر عمل پیرا رہنے کی ترغیب دیتے رہیں۔صحابہ کرام لوگوں کو بدعات سے حد درجہ ڈراتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما۔کے بارے میں آتا ہے کہ انہیں یہ خبر ملی کہ عمرو بن عتبہ اور اس کے ساتھیوں نے کوفہ میں کوئی مسجد بنوائی ہے جس میں وہ بدعات

ومحدثات کوفروغ دے رہے ہیں۔تو انہوں نے جا کر اس مسجد کو منہدم کروادیا۔اس کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ یہ لوگ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے ہیں اور مسجد کے ایک گوشے میں جمع ہوکر اجتماعی طور پر''سبحان اللہ ، لا إله إلا للّٰه '' کاورد کرتے ہیں۔تو وہ کپڑے سے اپنا چہرہ چھپا کر ان کی مجلس میں تشریف لے گئے تاکہ صحیح صورت حال کا پتہ لگائیں۔جب انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور ان کی باتیں سن لیں تو اپنے چہرہ سے کپڑا ہٹا کر بولے:سنو! میں ابوعبدالرحمٰن ہوں۔کیا تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے دین کے زیادہ جانکار ہوگئے ہو؟ یا تم کوئی بدعت لے کر آئے ہو؟ اس پر عمرو بن عتبہ نے تین بار ''استغفراللہ'' کہا۔اس کے بعد اس کی مجلس میں سے ایک شخص نے کہا:نہ تو ہم علم میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے افضل ہیں اور نہ ہی ہم کوئی بدعت کا کام کررہے ہیں۔ہم تو اللہ کا ذکر کررہے ہیں۔اس پر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیوں نہیں ضرور! ان دونوں میں سے کوئی بات ہے۔اگر تم صحابہ کرام کے نقش قدم پر چلو گے تو ہدایت میں آگے بڑھو گے۔اور اگر تم دائیں بائیں مڑ گئے تو کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

دیکھا آپ نے صحابۂ کرام کے طریقے کے خلاف ''سبحان اللّٰه''اور''لا إله إلا اللّٰه'' کے ورد کو بھی انہوںؓ نے گوارا نہیں کیا اور اس پر ان کی سرزنش کی۔اس لیے میرے بھائیو! کتاو سنت اور صحابہ کرام کے نقش قدم کو لازم پکڑو۔اور بدعات سے کنارہ کش رہنے اور صحیح دین پر چلنے کی اللہ سے توفیق مانگتے رہو۔اور یہ جان لو کہ ہدایت اور گمراہی صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے''۔

اخیر میں دعا ہے کہ اللہ ہمیں صحیح دین پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور اہل بدعات کی دین میں نکالی ہوئی نئی چیزوں سے ہمیں محفوظ رکھے،آمین۔

توکل کی اہمیت وافادیت اور غلط فہمیوں کا ازالہ

پہلا خطبہ:

الحمد للّٰه رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین، ومن تبعهم بإحسان إلی یوم الدین وبعد!

برادران باصفا اور حاضرین باوفا! آج کے خطبۂ جمعہ میں ہم ایک انتہائی اہم موضوع پر لب کشائی کرنے کے لیے آپ تمام معزز ومکرم حاضرین کے سامنے حاضر ہوئے ہیں۔ ہمیں اپنی علمی بے مائیگی اور خطابی بے بضاعتی کا احساس ہے۔ تاہم محض اللہ تعالیٰ کی توفیق گراں مایہ پر توکل کامل کرتے ہوئے ہم آپ کے سامنے اپنی باتیں رکھنے کی جسارات کر رہے ہیں:

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ ترے دل میں اتر جائے میری بات

معزز سامعین! آج کی اس بزم مخلصاں میں ہم توکل کے موضع پر کچھ بات کرنا چاہتے ہیں۔ توکل کیا ہے؟ اس کی اہمیت وافادیت کیا ہے؟ ایک مسلمان کی زندگی میں توکل کیا کردار ادا کرتا ہے یا کر سکتا ہے؟ توکل کے اثرات اخروی زندگی پر کیا اور کیسے پڑ سکتے ہیں؟ توکل کے بارے میں کیا غلط فہمیاں پیدا کی گئی ہیں اور ان کا ازالہ کیسے ممکن ہے؟ انہی اور ان جیسے دوسرے سوالات کا قرآن وحدیث اور آثارِ صحابہ واسلاف کی روشنی اور رہنمائی میں جواب ہمارے آج کے خطبہ کا اصل

مدعا ہے:

الٰہی! دے مجھے طرزِ تکلم
میری آواز کو تو زندگی دے
مجھے افکار صالح بھی عطا کر
مرے افکار کو تابندگی دے

حاضرین جمعہ! توکل قرآن پاک کی ایک نہایت اہم اصطلاح ہے جس کے لغوی معنی بھروسہ کرنے کے ہیں۔ اور اصطلاح میں اللہ پر پورا بھروسہ اور اعتماد کرنے کا نام توکل ہے۔ عام لوگ اس کے یہ معنی سمجھتے ہیں یا یوں کہیے کہ عام لوگوں کو توکل کے معنی یہ سمجھا دیئے گئے ہیں کہ کسی کام کے لیے جد وجہد اور کوشش نہ کی جائے بلکہ چپ چاپ ہاتھ پر ہاتھ دھرے، زانو پر زانو ڈالے کسی حجرہ یا خانقاہ میں بیٹھ رہا جائے۔ اور یہ خوش گمانی پال لی جائے کہ اللہ کو جو کچھ کرنا ہے وہ خود کردے گا۔ بہ الفاظ دیگر مقدر میں جو کچھ ہے وہ ہو کر رہے گا۔ قسمت کی اسکرین پر پردۂ غیب میں جو کچھ لکھا ہے اپنے آپ ظاہر ہو ہی جائے گا۔ اسباب وتدابیر اختیار کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ایسا کرنا قرآنی اصطلاح یعنی توکل کے سراسر منافی ہے۔ لیکن یہ سراسر وہم ہے اور مذہبی اپاہجوں کا ایسا دل خوش فلسفہ ہے جس کو اسلام سے ذرا بھی واسطہ وتعلق نہیں؛ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ مذہبی اپاہجوں کا یہ جنونی فلسفہ پوری اسلامی عمارت کو زمین بوس کر دینے کے لیے کافی ہے تو ہمارے خیال میں ذرا بھی مبالغہ آمیزی نہیں ہوگی۔

میرے اسلامی بھائیو! آج بھی اسلامی معاشرے میں ایسے نام نہاد زاہدوں اور صوفیوں کی کمی نہیں جنہوں نے ترک عمل، اسباب وتدابیر اختیار کرنے سے بے پروائی اور خود کام نہ کر کے دوسروں کے خیراتی ٹکڑوں اور لقموں پر جینے کا نام توکل رکھ دیا ہے۔ حالانکہ توکل نام ہے کسی کام کو پورے ارادہ وعزم اور کوشش وتدبیر کے ساتھ انجام دینے اور یہ

یقین و اعتماد کامل دل میں نہاں رکھنے کا کہ اگر اس کام میں خیر و برکت اور بھلائی ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں ضرور ہی کامیابی عطا فرمائے گا۔ توکل یہ قطعاً نہیں ہے کہ مقدر پر ہر کام کی ذمہ داری ڈال کر خواب خرگوش میں مست رہا جائے۔ اگر تدبیر، جدوجہد اور کوشش کے ترک کا نام توکل ہوتا تو بھلا بتاؤ اتنی بڑی تعداد میں اللہ تعالیٰ انبیاء ورسل اور مصلحین کو مبعوث ہی کیوں کرتا؟ انبیاء ورسل کو تبلیغ رسالت میں پیہم جدوجہد کی تلقین وتاکید کیوں کرتا؟ توحید ورسالت کے اثبات اور ابلیسی نظام عالم کو بیخ وبن سے اکھاڑ کر اس کی جگہ خدائی نظام حیات قائم کرنے کی راہ میں جان و مال کی قربانی کو واجب ولازم کیوں گردانتا؟ بدر، احد اور خندق وحنین میں سواروں، تیراندازوں، زرہ پوشوں اور تیغ آزماؤں کی بھلا کیا ضرورت پڑتی؟ انبیاء ورسل کو ایک ایک قبیلہ، ایک ایک بستی اور ایک ایک فرد کے پاس جا جا کر اسلام کی تبلیغ کرنے کی ضرورت کیوں پڑتی؟

خدارا مجھے بتاؤ کہ اگر توکل کا مفہوم اور مدعا یہی ہے جو تم بتا اور سکھا رہے ہو تو پھر یہ کائنات کا پورا ہنگامی نظام برپا ہی کیوں کیا گیا؟ بتاؤ اگر توکل ترک عمل کا نام ہے تو پھر پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معرکہ احد میں دو دانت شہید کیوں کروانے پڑے؟ میں جانتا ہوں کہ ان سوالوں کا جواب تمہارے پاس ہے نہیں: تمہیں بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟

اسلام کے شیدائیو! توکل ترک عمل اور ترک تدابیر کا نام نہیں، بلکہ عمل و تدابیر کے ساتھ توکل کرنا مسلمانوں کی کامیابی کا اہم راز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رب کائنات نے قرآن کریم کی متعدد آیتوں میں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی متعدد حدیثوں میں توکل علی اللہ کے فضائل و برکات کے دریا بہائے ہیں۔ چنانچہ آسمان و زمین کے رب کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے کہ جب کوئی اہم معاملہ درپیش ہو تو سب سے پہلے مسلمانوں سے مشورہ لیں اور جب رائے کسی ایک نکتہ پر آکر ٹھہر جائے تو اس کو انجام دینے کی ٹھان لیں اور ٹھان

لینے کی مستعدی سے وہ خاطر خواہ نتائج پیدا کرے گا۔ارشاد ہوتا ہے:

''وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ''(آل عمران:159)

''اور کام کا مشورہ ان سے کیا کریں، پھر جب آپ کا پختہ ارادہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں، بے شک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے''۔

اور کام یا (لڑائی) کے سلسلے میں ان سے مشورہ لے لو، پھر جب پکا ارادہ کر لو تو اللہ پر بھروسہ رکھو، بے شک اللہ (اللہ پر) بھروسہ رکھنے والوں سے پیار کرتا ہے۔ اگر اللہ تمہارا مددگار ہو تو کوئی تم پر غالب نہ آ سکے گا اور اگر وہی تم کو چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کر سکے؟ اور اللہ ہی پر ایمان والوں کو بھروسہ رکھنا چاہیے''۔

ملت بیضاء کے سپاہیو! دیکھو، ان آیات کو اور سوچو، کتنے نرالے اور خوبصورت انداز میں اللہ نے توکل کی پوری اہمیت اور حقیقت واضح کر دی؟ کیا ان آیات سے لگتا ہے کہ توکل پسپائی اور ترک عمل و ترک تدابیر کا نام ہے؟ نہیں، کبھی نہیں! ان سے تو واضح ہو جاتا ہے کہ پورے عزم و ارادہ اور مستعدی کے ساتھ کام کو انجام دیتے ہوئے انجام یا نتائج کو اللہ کے حوالے کر دینے کا نام توکل ہے؟ یہ سمجھنے کا نام ہے توکل کہ اگر اللہ ہمارا مددگار ہے تو ہمیں کوئی ناکام کر ہی نہیں سکتا اور اگر وہی نہ چاہے تو کسی کی کوشش اور تدبیر کام نہیں آ سکتی۔ لہٰذا ہر مومن کا فرض ہے کہ وہ اپنے کام میں اللہ پر بھروسہ اور اعتماد کامل رکھے۔ کیا ملے گا ایسے توکل، اعتماد یا بھروسہ سے؟ سنیے! آمنہ کے لال عبداللہ کے لخت جگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''اگر تم لوگ کما حقہ اللہ پر توکل کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں ویسے ہی رزق دے، جیسے پرندوں کو دیتا ہے، کہ وہ پرندے صبح کو اپنے آشیانوں سے خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں''۔(احمد)

اسلامی جیالو! دیکھو، یہاں بھی پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تمہیں

پرندوں کی طرح روزی عطا فرمائے گا یعنی پرندے اپنے آشیانوں سے نکل کر دور دراز جگہوں پر اپنی روزی تلاش کرتے ہیں اور انہیں مل جاتی ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ گھروں میں بیٹھے رہو گے اور تم پر من وسلویٰ نازل ہوتا رہے گا؛ بلکہ فرمایا اور نہایت بلیغ انداز میں فرمایا کہ توکل علی اللہ کے ساتھ ہاتھ پیر مارو گے تو روزی تمہیں ملے گی۔ شرط یہ ہے کہ حجرے یا خانقاہ یا کٹیا میں بیٹھ مت رہنا، ورنہ بھوکے مرو گے۔

حقیقت توکل پر ایک نظر:

میرے بزرگو اور دوستو! توکل علی اللہ ایمان کے واجبات وفرائض میں سے ایک عظیم فریضہ وواجب ہے، جس کے دل میں توکل کا نور نہیں، اس کا ایمان اندھیر نگری اور اس کا دل چوپٹ راجہ ہے۔ توکل ایسا عمل ہے جو بندے کو اللہ سے قریب کرتا ہے۔ توکل متوکلین کے اندر دو ایسی صفات پیدا کر دیتا ہے جو کسی دوسرے عمل صالح سے بھی ممکن نہیں اور وہ دو صفات یہ ہیں کہ متوکل طلب روزی میں سعی پیہم کرتا ہے، اور اللہ مسبب الاسباب پر اسے اعتماد کامل ہوتا ہے۔ علامہ امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ توکل نصف ایمان ہے اور نصف آخر انابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے توکل رکھنے والوں کو اجر جزیل اور ثواب عظیم کا وعدہ دیا ہے۔

سامعین کرام! اب اگر آپ کو تعجب ہوتا ہے تو اس شخص پر تعجب کیجیے جو قدم قدم پر اپنے خالق ورب حقیقی کا محتاج تو ہوتا ہے مگر اس پر توکل نہیں رکھتا! تعجب اس پر کیجیے جو یہ بات بخوبی جانتا ہے کہ وہ اپنے آقا و مولیٰ کے سامنے ایک دم بے بس و بے کس اور عاجز وقاصر ہے۔ تاہم وہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتا نہیں اور نہ اس کی طرف رجوع کرتا ہے!

حیرت اس پر کیجیے جسے یقین ہے کہ تمام امور ومعاملات کی کنجی صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ پھر بھی وہ اس سے نہیں مانگتا جس کے پاس کنجیاں ہیں!

حیرت واستعجاب اس پر کیجیے جو اللہ کی بے پناہ بے نیازی اور اس کی بے پناہ سخاوت کا

علم تو رکھتا ہے؛ لیکن اپنے تمام معاملات کو اس کے ہاتھوں میں نہیں سونپتا!

حیران و ششدر اس پر ہوئیے جو یہ بات جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر اس سے بھی زیادہ رحیم و کریم ہے، جتنی رحیم کریم ماں اپنے بچوں کے لیے ہے، تاہم اس کا دل اللہ کی تدبیر کارسازی پر مطمئن نہیں ہوتا!

تعجب اس پر کیجیے جو یہ بات جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی تدابیر کو بخوبی جانتا ہے؛ لیکن وہ اللہ کی دی ہوئی تقدیر پر راضی نہیں ہوتا!

اے اللہ کے بندو! ہمیشہ یاد رکھو کہ کوئی خیر اور بھلائی بغیر تدابیر کے اختیار کیے حاصل نہیں ہوسکتی۔ معبود برحق سے مدد مانگے بغیر اور اس پر کامل بھروسہ و اعتماد رکھے بغیر تمہاری کوئی مراد پوری ہو نہیں سکتی۔

اے گناہوں سے بچنے کی کوشش کرنے والو! تم اپنی کوشش میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتے، جب تک کہ تم اللہ کی قوت و طاقت کا دامن مضبوطی سے تھام نہیں لیتے۔

یادرکھو! جس نے اللہ پر توکل جمادیا، اللہ اس کے لیے کافی و شافی ہے۔ جس نے اس سے مدد مانگی اور اسی کا دامن گیر ہوا، اس نے اپنا دین اور دنیا دونوں کو سنوار لیا۔ بڑھو! اللہ پر بھروسہ رکھتے ہوئے نیکی کی راہ پر قدم بڑھاتے چلو، دیکھ لینا تمہاری اندھیری رات کا روشن سویرا بہت جلد طلوع ہوگا۔ بس ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ مت جاؤ۔ کیوں کہ یہ اپاہجوں کا راستہ ہے اور اس راستے پر چلنے والا ضرور ہی اپاہج بن کر رہ جاتا ہے۔ اللہ ہم سب کی نصرت و امداد فرمائے، آمین۔

دوسرا خطبہ:

میرے اسلامی بھائیو! توکل علی اللہ سے متعلق جتنی بھی آیات کریمہ قرآن پاک میں آئی ہیں، ان پر ایک سرسری نظر بھی ڈال لی جائے تو معلوم ہوجائے گا کہ ان میں سے کسی کا

بھی یہ مفہوم نہیں نکلتا جو ہم اپنی جہالت کی وجہ سے سمجھ بیٹھے ہیں۔

حضرات گرامی! ان آیات میں سے ہر ایک کا مفہوم و مدعا اور مقصود یہ ہے کہ ہم مشکلات کے ہجوم و سیلاب، موانع کی کثرت اور زوردار مخالفتوں سے بے خوف ہو کر عزم، استحکام، ثابت قدمی اور استقلال کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہتے ہوئے اللہ کی مدد سے کام کے حسب خواہ نتیجہ پیدا ہونے کا یقین دل میں رکھیں۔

لیکن صد افسوس! آج ہمارے معاشرے میں کثرت سے ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو تعویذ، گنڈا، غیر شرعی جھاڑ پھونک، ٹونے ٹوٹکے اور جنتر منتر پر یقین رکھتے ہیں اور سمجھ بیٹھے ہیں کہ مادی اسباب و تدابیر کو چھوڑ کر ان چیزوں سے مطلب برآری کرنا ہی توکل ہے۔ زمانۂ جاہلیت کے توہم پرست لوگ بھی ایسا ہی عقیدہ رکھتے تھے۔ لیکن قربان جائیے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ انہوں نے ہمیں سیدھی راہ دکھائی اور بتایا کہ ''اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ میری امت کے ستر ہزار اشخاص حساب کتاب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ اشخاص وہ ہوں گے جو تعویذ گنڈا نہیں کرتے، جو بدشگونی کے قائل نہیں، جو داغا نہیں کرتے، بلکہ اپنے پروردگار پر توکل اور اعتماد رکھتے ہیں۔ (البخاری: کتاب الطب : باب من لم یرق، و کتاب الرقاق، و صحیح مسلم: کتاب الإیمان)

ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا: جو دغواتا اور تعویذ گنڈا کراتا ہے، وہ توکل سے محروم ہے۔ (الترمذی: باب ماجاء فی کراہیۃ الرقی)

برادران اسلام! ذرا اپنے دل پر ہاتھ رکھیے اور بتائیے کہ کیا اس سے مقصود و مدعا نفس تدبیر کی ممانعت ہے؟ نہیں، حاشا وکلا۔ اس سے مقصود رسومِ جاہلیت کی بیخ کنی ہے۔ اس سے پہلے بھی جو حدیث ہم نے آپ کے سامنے بیان کی تھی، اس سے مراد بھی ترک عمل اور ترک تدابیر نہیں بلکہ اس سے بھی مقصود یہ ہے کہ جو لوگ اللہ پر توکل اور اعتماد سے محروم ہیں وہ روزی کے لیے دل تنگ کر لیتے اور کبیدۂ خاطر ہوتے ہیں، اور اس کے حصول کے لیے ہر قسم کی بدی اور برائی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر ان کو یقین ہو کہ:

"وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا" (ہود:6)

"زمین پر چلنے پھرنے والے جتنے جاندار ہیں سب کی روزیاں اللہ پر ہیں"۔

تو وہ اس کے لیے چوری، ڈاکہ زنی، بے ایمانی، جنگ وقتال اور خیانت کے مرتکب نہ ہوتے، اور نہ ان کو تنگدلی اور مایوسی کا شکار ہونا پڑتا، بلکہ صحیح طور سے وہ کوشش کرتے اور روزی پاتے ہیں۔ ان حدیثوں کا وہی مفہوم ہے جو اس آیت میں ادا ہوا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

"وَمَن يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجاً" (الطلاق:2)

"اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے چھٹکارے کی شکل نکال دیتا ہے"۔

حاضرین گرامی! ان تفصیلات سے ہویدا ہو گیا کہ توکل جس قلبی یقین کا نام ہے۔ اسی کے قریب قریب آج کل کے اصطلاحات میں خود اعتمادی کے لفظ کا استعمال ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ کامیاب افراد وہی ہوتے ہیں جن کے اندر خود اعتمادی کا جوہر بدرجۂ اتم پایا جائے۔ لیکن یاد رہے کہ جہاں پر خود اعتمادی کی سرحد ختم ہوتی ہے وہیں سے اقلیم غرور اور ملک فریب نفس کی سرحد شروع ہو جاتی ہے۔ اس لیے مذہب اسلام نے انانیت کی خود اعتمادی کے بجائے "خدا اعتمادی" کا نظریہ پیش کیا ہے۔

میرے دینی بھائیو! اللہ تعالیٰ نے اس امت کو جو عزت و شرف اور جو کرامت و بزرگی عطا کی ہے، اس کا انحصار اور دار و مدار کلی طور پر صحیح عقیدۂ اسلامی پر ہے۔ اگر آپ کا عقیدہ صحیح ہے تو آپ کو مرحبا، لیکن اگر آپ کا عقیدہ ہی صحیح نہیں ہے، تو پھر نامرادی آپ کا مقدر ہے۔ لہٰذا ہر قسم کی جاہلانہ رسوم و بدعات سے اجتناب کیجیے کیوں کہ آپ حامل عقیدۂ اسلامی ہیں۔ توکل کے جو معنی آپ کو بتائے گئے، ان کو گرہ باندھ لیں تاکہ شیطان آپ کے دل میں راہ نہ پا سکے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس کی توفیق عنایت فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰه رب العالمين.

دعا: اہمیت، آداب اور قبولیت کی شرطیں

پہلا خطبہ:

الحمد للّٰہ کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ أمابعد!

معزز برادران اسلام!

انسان جب رحم مادر میں نطفہ کی شکل میں قرار پاتا ہے اسی وقت سے وہ حاجتوں اور ضرورتوں کا غلام بن جاتا ہے اور اس کی ضرورتوں اور حاجتوں کا یہ لامتناہی سلسلہ اس کی زندگی کی آخری سانس تک ختم نہیں ہوتا۔ وہ مرنے کے بعد بھی دوسروں کا محتاج ہوتا ہے۔ اس کی محتاجی اور ضرورت مندی کبھی ختم نہیں ہوتی۔ ویسے تو انسان دنیا میں آنے کے بعد قدم قدم پر اپنے ہی جیسے دوسرے انسانوں کا بھی ضرورت مند ہوتا ہے؛ لیکن سب سے زیادہ ضرورت مند وہ اپنے خالق حقیقی کا ہوتا ہے۔ زندگی میں اسے بے شمار ایسے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے جن میں کوئی دوسرا انسان اس کی ذرا بھی مدد نہیں کرسکتا۔ دنیا کے سارے وسائل وذرائع جواب دے جاتے ہیں۔ اپنے بھی بے گانے ہوجاتے ہیں۔ وہ لوگ بھی ساتھ چھوڑ جاتے ہیں جو ہمیشہ اور ہر حال میں نصرت وامداد کا متاع زیست لٹانے کا اور ضرورت پڑنے پر جان تک نچھاور کردینے کا دم بھرتے رہتے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر انسانی زندگی میں ایسا وقت بھی آتا ہے جب بقول شاعر ؎

وقت انسان پہ ایسا بھی کبھی آتا ہے
راہ میں چھوڑ کے سایہ بھی چلا جاتا ہے

ایسے میں اس کی امیدوں کا چراغ، تمناؤں کی کرن، آرزوؤں کا محل، آشاؤوں کی جوتی صرف ایک رہ جاتی ہے اور وہ ہوتی ہے رب کائنات کی ذات کریم۔ ہاں وہی ذات باقی رہ جاتی ہے جو انسان کو کبھی تنہا اور بے سہارا نہیں چھوڑتی۔ پوری دنیا سے مایوس ہو کر جب کوئی بے چارہ، بے بس، لاچار، مجبور و مقہور، ستم رسیدہ اور کمزور و لاغر بندہ اسے پکارتا ہے تو وہ ذات فوراً اس کی چارہ جوئی کرتی ہے، اس کے دکھوں کا مداوا کرتی ہے، اس کے غموں کو ہلکا کرتی ہے۔ وہ جو کچھ مانگتا ہے دیتی ہے اور جو آرزو کرتا ہے پوری کرتی ہے۔ بے شک وہ ذات ہے رب کائنات کی، وہ ذات ہے وحدہ لاشریک کی، جو ہر حال میں، ہر وقت اپنے بندوں کی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہوتی ہے اور ستم رسیدہ افراد کی فریاد سنتی ہے اور اسے پورا بھی کرتی ہے۔ وہ ذات ہے ہی ایسی جس کے درِ اقدس سے کبھی کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹتا۔ بس اسے پکار کر دیکھ تو لو!

سامعین کرام! دنیا کی تمام مخلوقات خواہ وہ جاندار ہوں یا بے جان، زبان رکھتی ہوں یا بے زبان ہوں اپنے تمام معاملات میں اپنے رب کی محتاج ہوتی ہیں۔ فوائد کے حصول میں، مصائب و آلام سے نجات پانے میں، اپنے دین وایمان کی اصلاح اور اپنی دنیا کی بہتری کے لیے الغرض ہر ایک معاملہ میں تمام مخلوقات اپنے رب کریم کی سراپا محتاج ہوتی ہیں۔ اور اپنی محتاجگی میں، اپنی ضرورت خیزی میں، اپنی حاجت مندی میں جب کوئی مخلوق اپنے رب کو پکارتی ہے تو درحقیقت وہ اپنی عبدیت کا اظہار کرتی ہے اور یہی عبدیت کا اظہار انسانیت کی معراج ہے اور اللہ تعالیٰ اس بات کو بہت پسند فرماتا ہے کہ اس کے بندے اسی سے اپنی حاجات وضروریات کی تکمیل کا سامان مانگیں۔ رب کریم خود کہتا ہے:

''وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ ''(غافر:60)

''اور تمہارے رب کا فرمان (سرزد ہو چکا) ہے مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعاؤں کو

قبول کروں گا، یقین مانو کہ جو لوگ میری عبادت سے خودسری کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہوکر جہنم میں پہنچ جائیں گے"

حضرات گرامی! یہ مقام عبرت اور مقام سبق آموزی ہے۔ ذرا غور کرو اور سمجھو کہ رب کائنات جو کسی کا محتاج نہیں، جسے کسی کی کوئی ضرورت و حاجت نہیں، خود وہ کہہ رہا ہے کہ مجھ سے دعا کرو، میں تمہاری دعا کو قبولیت کا تاج پہناؤں گا۔ جو مانگو گے دوں گا؛ کیوں کہ میرے خزانہ میں کسی چیز کی کوئی کمی نہیں ہے۔ اگر پوری دنیا کی بادشاہت بھی مانگو گے، جب بھی عطا کردوں گا، میرے خزانے میں اس سے کوئی کمی نہیں آئے گی۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ پوری دنیا میری نظر میں ایک پر کی بھی تو حیثیت نہیں رکھتی، تم مانگ کر تو دیکھو، جھولی پھیلاؤ تو سہی!

دوستو! ذرا غور کرو۔ کوئی بات تم بھی کہتے ہو، ہم بھی کہتے ہیں، ساری دنیا کہتی ہے؛ لیکن ہمارے اور رب کائنات کے کہنے میں فرق ہوتا ہے۔ آسمان وزمین کا فرق ہوتا ہے۔ ہم آپ جو بات کہتے ہیں وہ پوری ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی ہوسکتی ہے۔ ہماری بات حقیقت بھی ہوسکتی ہے اور مذاق بھی؛ لیکن رب کائنات جو بات کہتا ہے وہ وعدہ ہوتی ہے اور رب کا وعدہ سچا ہی ہوتا ہے، کبھی جھوٹا نہیں ہوتا اور ہو بھی نہیں سکتا۔ اب دیکھو، رب کیا کہتا ہے؟ وہ کہتا ہے: مجھ سے دعا مانگو، میں قبول کروں گا۔ نامراد نہیں کروں گا بلکہ بامراد بنادوں گا۔

سبحان اللہ! یہ وہی رب کائنات وعدہ کرتا ہے جسے کسی چیز کو انجام دینے کے لیے صرف "ہوجا" کے الفاظ کہنے پڑتے ہیں اور وہ چیز معرضِ وجود میں آجاتی ہے۔ چاہے وہ کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہو؟

ایک حدیث قدسی میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اے میرے بندو! میں نے خود پر ظلم کو حرام قرار دے لیا ہے، اور اسے تمہارے لیے بھی حرام ٹھہرا دیا ہے، لہٰذا ایک دوسرے پر ظلم وستم نہ کرو۔ اے میرے بندو! ہر ایک گمراہ ہے، مگر جسے میں ہدایت عطا کردوں، لہٰذا مجھ سے ہدایت طلب کرو، میں تمہیں ہدایت سے نوازوں گا۔ اے میرے بندو! تم سب لوگ ننگے رہو گے اگر میں تمہیں نہ پہناؤں، لہٰذا مجھ سے پہناوے مانگو، میں تمہیں پہناوے عطا کروں گا۔ اے میرے بندو! تم سب رات دن گناہ کرتے رہتے ہو، اور میں تمام گناہوں کو بخش سکتا ہوں، لہٰذا تم مجھ سے اپنے گناہوں کی بخشش مانگو، میں تمہیں بخش دوں گا۔

حدیث کے آخر میں رب کریم فرماتا ہے:

اے میرے بندو! جنات وانسان کے اولین وآخرین ایک ہی جگہ جمع ہو کر مجھ سے مانگیں اور میں ہر ایک کو اس کی مانگی ہوئی چیز عطا کردوں تو بھی میرے خزانے میں اتنی بھی کمی نہیں آئے گی جتنی کمی سمندر میں سوئی ڈبو کر اٹھا لینے سے واقع ہوتی ہے''۔ (صحیح الترغیب والترہیب: جلد دوم صفحہ نمبر، 274، حدیث نمبر: 1625)

دوستان و بزرگان دین وملت! میں نے آپ حضرات کے سامنے جو آیت کریمہ پڑھی ہے اور جو حدیث پاک بیان کی ہے اس جیسی بہت سی آیات اور بہت سی احادیث ایسی ہیں جن سے دعا کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔ اب آیئے! میں آپ کو بتادوں کہ دعا کی حقیقت و ماہیت کیا ہے؟

دعا دنیوی اور اخروی حاجات وضروریات کی تکمیل کا زینہ ہے۔

دعا غموں اور مصیبتوں کو دور کرنے کا عظیم ترین ذریعہ ووسیلہ ہے۔

دعا عبدیت وعبودیت کی تکمیل کا اشارہ ہے۔

دعا اللہ سے تعلقات استوار کراتی ہے۔

دعا اخلاصِ عمل کی رغبت وخواہش بڑھاتی ہے۔

دعا احساس دلاتی ہے رب کی قدرت کا اور بندے کی عاجزی کا۔
دعا آدابِ حیات سکھاتی اور انہیں دل کے نہاں خانوں میں پیوست کرتی ہے۔
دعا مومنوں، مسلمانوں کا اچوک ہتھیار ہے۔
دعا عبادت ہے اور عبادت ذریعہ ہے خوشنودی رب کے حصول کا۔
دعا زندگی کی زینت و آرائش ہے جو سجاتی ہے امیدوں کا گلشن۔
دعا فضائل و برکات کے حصول کا وہ ذریعہ ہے جو تقدیر بھی بدل ڈالتا ہے۔
دعا زندگی کا وہ گل سر سبز ہے جو پورے گلشن حیات کو معطر رکھتا ہے۔
دعا احساس بندگی کی وہ معراج ہے جس کے اوپر کوئی معراج نہیں۔
دعا خالق و مخلوق کے درمیان کا وہ پل ہے جو خالق سے مخلوق کو سیدھا جوڑ دیتا ہے۔
دعا سرگوشی ہے جو رب کائنات سے کی جاتی ہے۔
دعا قربت الٰہی کا وہ وسیلہ ہے اور یہ ایسی فضیلت ہے جو کسی عبادت کو بھی حاصل نہیں۔

دعا کے فضائل:

دوستو! اب اس کی فضیلتوں کی گلشن نما محفل میں آیئے اور سنیے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا: دعا عبادت ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا کی کوئی بھی شے اللہ کے نزدیک دعا سے زیادہ برتر و عزیز نہیں۔ (صحیح الترغیب والترہیب:1629)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے پاس ہوتا ہوں اور جب وہ مجھے پکارتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ (صحیح الترغیب والترہیب:1626)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روئے زمین پر کوئی بھی مسلمان اللہ سے کوئی دعا کرے تو اللہ اس کی دعا ضرور قبول کرتا ہے۔ یا تو اس کی مانگی ہوئی مراد فوری طور پر اسے مل جاتی ہے یا دعاء کے بقدر اس کی مصیبت ٹال دی جاتی ہے۔ شرط یہ ہے کہ اس کی دعا گناہ یا قطع رحمی پر مبنی نہ ہو۔ (حوالہ مذکور حدیث: 1631)

دعا صرف اللہ سے کیجیے:

میرے محترم و مکرم بھائیو! یہ رہے دعا کے فضائل و برکات کے سمندر کے محض چند قطرے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر دعا کے فضائل و برکات کو ایک ایک کر شمار کیا جائے تو دفتر چاہیے۔ ہم نے صرف یہ اشارہ کر دیا ہے کہ دعا واقعی انتہائی فضیلت و اہمیت کی حامل عبادت ہے۔ اب یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ دعا کس سے کی جائے؟ کیسے کی جائے؟ کن اوقات اور کن گھڑیوں میں کی جائے؟ کن وسائل کے ذریعہ اور کن آداب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کی جائے؟

محترم دوستو! جہاں تک سوال ہے کہ دعا کس سے کی جائے؟ تو خود اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک کے اندر متعدد مقامات پر مختلف انداز میں اس کا جواب دیا ہے۔ اگر اس نے ایک طرف "وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ أَحَداً" (الجن: 18)

"بے شک مسجدیں اللہ ہی کے لیے ہیں پس اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو"۔

فرما کر دعا کا رخ صرف اپنی جانب موڑ لیا ہے تو دوسری طرف

"وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ إِلَهاً آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُوْنَ" (المومنون: 117)

"جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے جس کی کوئی دلیل اس کے پاس نہیں، پس اس کا حساب تو اس کے رب کے پاس ہے، بے شک کافر لوگ نجات سے محروم ہیں"۔

فرما کر دعا کے تمام شرکیہ دروازوں کو پوری طرح بند فرما دیا ہے۔ اگر اس نے ایک جگہ
"وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ" (یونس: 106)
"اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی عبادت نہ کرنا جو تم کو نہ کوئی نفع پہنچا سکے اور نہ کوئی ضرر"۔
ارشاد فرما کر بتوں اور پتھروں سے مانگنا منع فرمایا ہے تو دوسری جگہ " وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعاً ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ أَهٰٓؤُلَآءِ إِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ (40) قَالُوْا سُبْحَانَكَ أَنْتَ وَلِيُّنَا " سبا: 41-40)

"اور ان سب کو اللہ اس دن جمع کر کے فرشتوں سے دریافت فرمائے گا کہ کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے، وہ کہیں گے تیری ذات پاک ہے اور ہمارا ولی تو تو ہے"۔ فرما کر یہ بالکل واضح کر دیا ہے کہ دعا صرف ایک اللہ وحدہٗ لاشریک سے کی جائے گی۔ کیوں کہ وہی ہے داتا جس کے سوا کوئی داتا نہیں۔ وہی ہے عطا و بخشش کا منبع و سرچشمہ جس کے سوا کوئی اور نہیں جو کسی کو کچھ دے سکے۔

حضرات! دعا صرف رب کائنات سے کیجیے، رب کائنات کے سوا کوئی مقرب فرشتہ، خدا کا کوئی نبی و رسول اور نہ ولی اور نہ پیر فقیر آپ کو کچھ دے سکتا ہے اور نہ آپ کی بلاؤں کو ٹال سکتا ہے۔ کیوں کہ ایسا کرنے کا اختیار صرف کائنات کے رب کو ہے اور بس۔

کہاں ہیں وہ لوگ جو خالق کو چھوڑ کر مخلوق کو پکارتے ہیں؟
کہاں ہیں وہ لوگ جو کسی نبی کو پکار کر خوش ہوتے ہیں؟
کہاں ہیں وہ لوگ جو کسی فرشتے کو پکار کر اپنی مراد پانے کی آشا کرتے ہیں؟
کہاں ہیں وہ لوگ جو اولیاء اور صالحین میں اللہ کا جلوہ دیکھنے اور عوام کو دکھانے کے سوسو جتن کرتے ہیں؟
کہاں ہیں وہ لوگ جو جنات کو پکار کر خوش ہولیا کرتے ہیں؟
کہاں ہیں وہ لوگ جو اہل قبور سے اپنی مرادیں مانگتے ہیں؟

کہاں ہیں وہ لوگ جو خود ساختہ اقطاب وابدال سے اپنی مرادیں مانگتے ہیں؟
کہاں ہیں وہ لوگ جو پیروں اور فقیروں کو اپنا ملجاو ماوی بنائے ہوئے ہیں؟
کہاں ہیں وہ لوگ جو مجذوبوں اور باباؤں کو اپنا مشکل کشا اور حاجت روا بنائے بیٹھے ہیں؟

آؤ! اور دیکھو ان آیات کو، آؤ اور سمجھو ان آیات کو، آؤ اور تدبر و تفکر کرو ان آیات ربانیہ میں۔ اور ذرا ایمان سے بتاؤ کہ کیا تمہارا اللہ کو چھوڑ کر نبیوں اور ولیوں کو پکارنا شرک نہیں؟ کیا تمہارا ابدال واقطاب سے اپنی مرادیں مانگنا شرک جلی نہیں ہے۔ یاد رکھو کہ یہ تمہارے سارے کرتوت خدائی فرمان کے خلاف ہیں۔ خدارا ان سے باز آؤ اور اپنی ہر ضرورت کی چیز اللہ سے مانگو کیوں کہ تمہاری مرادیں صرف وہی پوری کرسکتا ہے، کوئی اور نہیں، کوئی اور نہیں!

دوسرا خطبہ:

قبولیت دعا کی شرطیں:

بزرگانِ دین وشریعت! آج کے خطبۂ جمعہ کے پہلے وقفے میں میں نے دعا کی اہمیت، مشروعیت، حقیقت، فضائل اور دعا کس سے کی جائے؟ جیسے موضوعات پر روشنی ڈالی ہے۔ اس وقفے میں میری گفتگو کا موضوع ہوگا؛ دعا کی قبولیت کی شرطیں کیا ہیں۔

عزیزانِ قوم وملت! آپ کو بھی بہت سے ایسے لوگوں سے پالا پڑا ہوگا جو دعا کا مذاق اڑاتے ہیں۔ یہ بات کہتے ہوئے آپ نے بہتوں کو سنا ہوگا کہ دعا سے کیا ہوتا ہے؟ میں نے بھی اپنی زندگی میں بے شمار دعائیں کیں۔ لیکن ان میں سے ایک بھی دعا قبول نہیں ہوئی یہ اور اس طرح کی دوسری بے شمار باتیں کی جاتی ہیں۔ یہ بہکی بہکی باتیں خصوصاً آج کے زمانے میں ہر چوک اور چوراہے پر سنی جاسکتی ہے۔

لیکن میرے دوستو! حقیقت یہ ہے کہ ایسی بے ہودہ باتیں جو لوگ کرتے ہیں، انہوں نے دراصل دعا کے آداب واصول کو جانا ہی نہیں۔ جس طرح دنیا کی ہر چیز اصول وضوابط کے بندھن میں بندھی ہوئی ہے، اسی طرح دعا بھی ایک عظیم شے ہے اور وہ بھی اپنے جلو میں کچھ آداب واصول وضوابط رکھتی ہے۔ میں آپ کو بتانا چاہوں گا کہ دعا کی قبولیت کے آداب اور شرائط کیا ہیں؟

پہلی چیز:

اس ضمن کی پہلی چیز یہ ہے کہ آپ مناسب اوقات میں دعا کریں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دعا کے مناسب اوقات کون سے ہیں؟ جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں حاضر ہے:

دعا کے مناسب وموزوں اوقات:

ا۔ آپ سجدوں میں دعا کرنے کی عادت ڈالیں کیوں کہ بندہ سجدہ کی حالت میں اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً بیان کرتے ہیں کہ رسول گرامی قدر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ سجدے کی حالت میں اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ لہٰذا سجدوں میں کثرت سے دعا کیا کرو"۔ (مسلم)

دوسری حدیث پاک رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مجھے رکوع اور سجدے میں قرآن پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ لہٰذا رکوع میں اپنے رب کی کبریائی اور عظمت بیان کرو اور سجدوں میں کثرت سے دعائیں کرو۔ کیوں کہ سجدوں کی حالت میں کی جانے والی دعائیں جلد قبول ہوتی ہیں"۔ (مسلم)

۲۔ اذان اور اقامت صلوۃ کے درمیان کا وقت قبولیتِ دعا کا خاص اور موزوں وقت ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دعائیں جلد قبول فرماتا ہے۔

حضرت انس مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اذان اور اقامت کے درمیانی وقت میں کی جانے والی دعا رد نہیں کی جاتی''۔ (ترمذی)

۳۔ جمعہ کے دن میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی گھڑی رکھی ہے جس میں کی جانے والی کوئی بھی دعا قبولیت سے سرفراز ضرور ہوا کرتی ہے۔ اس گھڑی میں کی جانے والی دعا رد نہیں کی جاتی۔

بخاری و مسلم کی متفق علیہ روایت میں آیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن کے فضائل کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جمعہ کے دن میں ایک ایسا پل اور ایک ایسا لمحہ ہے کہ جس بندے کی دعا اس لمحے سے ٹکرائی یعنی اس گھڑی میں جس بندے کی زبان سے دعا نکلی اللہ تعالیٰ اسے ضرور شرف قبولیت سے نوازتا ہے۔

وہ گھڑی کون سی ہے؟ اس سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے۔ سب سے زیادہ صحیح بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ وہ گھڑی جمعہ کے دن عصر کے بعد ہوتی ہے اور اس کی دلیل ابو داؤد کی وہ حدیث ہے جس میں کہا گیا ہے کہ جمعہ کے دن کی گھڑیوں میں ایک گھڑی ایسی ہے جس میں بندہ اللہ سے جو کچھ مانگتا ہے پالیتا ہے، اسے عصر کے بعد والی گھڑی میں تلاش کرو۔

قبولیتِ دعا کے مقامات خاصہ:

چلتے چلتے ان مقامات کا ذکر کر دینا بھی مناسب سمجھتا ہوں کہ کچھ خاص مقامات ایسے بھی ہیں، جہاں کی جانے والی دعائیں ضرور قبولیت کا تاج پہنتی ہیں۔ شریعت کی نظر میں پہلی جگہ وہ ہے جہاں پر آپ شب قدر کے دوران ہوں۔ اسی طرح عرفہ کے میدان میں کی جانے والی دعائیں بھی قبول کر لی جاتی ہیں۔ حجر اسود کے پاس، بارش کے نزول کے وقت

چاہے آپ جہاں کہیں بھی ہوں، اسی طرح فرض نمازوں کے بعد کی جانے والی دعائیں بھی شرف قبولیت سے نوازی جاتی ہیں۔

قبولیت دعا کی شرطیں:

عزیزان گرامی! جس طرح پھولوں کے بغیر گلستاں میں رونق نہیں آسکتی، جس طرح سورج کی کرنوں کے بغیر دھرتی پہ اُجالا پھیلنا ناممکن ہے، جس طرح آسمان تاروں کے بغیر بے زیب وزینت لگتا ہے، اسی طرح اگر آپ کی دعائیں اخلاص کے زیور سے آراستہ وپیراستہ نہ ہوں، اگر آپ کے جسم میں حرام کا دانہ پانی جاتا ہو، آپ کا لباس حرام رقم سے خریدا گیا ہو، اگر آپ کی دعائیں حضورِ قلب اور قوت آرزوئے قبولیت سے خالی خولی ہوں، اگر آپ کی دعائیں حمد وثنائے خداوندی کی شمیم عطر بیز میں گھلی ہوئی نہ ہوں، تو یقین جانیے، آپ کی تمام دعائیں صدا بصحرا ثابت ہوں گی۔ وہ دعائیں جوان اوصاف سے خالی ہوں، یقین مانئے، عرش رب ذوالجلال تک پہنچنا تو در کنار، آپ کے سر کے اوپر بھی نہیں جاسکتیں۔ آپ دعائیں کرتے جائیں گے اور سنی نہیں جائیں گی۔ آپ گڑگڑائیں گے، لیکن مایوسی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ پھر شکایت آپ ہی کو ہوگی کہ میں دعائیں کرتا ہوں، لیکن میری دعائیں سنی نہیں جاتیں۔ میں روتا ہوں لیکن میرے آنسو کام نہیں آتے۔ اللہ کو پکارتا ہوں لیکن اللہ میری پکار نہیں سنتا۔ اسی لیے میں آپ سے کہتا ہوں کے پہلے خود کو ان اوصاف سے متصف کیجیے پھر دعا کیجیے ورنہ ۔

آپ ہی اپنی اداؤں پر ذرا غور کریں
ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

میرے دوستو! پہلے اپنے دل کو اخلاص عمل اور اخلاص نیت کے ضیاء سے منور کیجیے، خلوص وصفا کی جوت اپنے من مندر میں جگائیے۔ کیونکہ اس کے بغیر دعائیں مجنوں کی بڑ، دیوانوں کے خواب اور مجذوب کی بے ہنگام باتوں کے سوا کچھ نہیں۔ دیکھیے، رب کائنات

خود اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ''(غافر:14)

''تم اللہ کو پکارتے رہو اس کے لیے دین کو خالص کر کے گو کافر برا مانیں''۔

یعنی اگر دعا کی قبولیت کا مزا چکھنا ہے، دعا کی قبولیت کی بھینی بھینی خوشبو سے اپنی حیاتِ مستعار کے مشامِ جاں کو معطر کرنا ہے، تو پہلے توحید کو اللہ کے لیے خالص کر لو، ہر آمیزش سے بالکل پاک اور شدھ، ورنہ دعائیں کرتے جاؤ گے اور میں ان سنی کرتا جاؤں گا۔

اور دیکھیے، یہ حدیث قدسی جس میں رب کائنات اپنے بندوں کو اخلاص کی شمع لیے اپنے پاس آنے کی دعوت دے رہا ہے۔ وہ کہہ رہا ہے:

اے ابن آدم اگر تم زمین بھر گناہوں کے ساتھ میرے پاس آؤ گے اور اخلاص کے ساتھ مجھ سے معافی چاہو گے تو میں بھی زمین بھر مغفرت کے ساتھ تم سے ملوں گا لیکن شرط یہ ہے کہ تم نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو۔

دوستو! اگر تمہارا کھانا پینا حرام کا ہو، تمہارا پہننا حرام کا ہو اور تمہارے جسم کا گوشت اور اعضاء حرام کمائی کھا کھا کر فربہ ہوں، پلے بڑھے ہوں تو پھر اپنی دعاؤں کی قبولیت کی امیدوآرزو نہ کرو۔ کیوں کہ رسولِ عرب وعجم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا ہے کہ لوگو! اللہ تعالیٰ خود پاکیزہ ہے اور پاکیزہ اشیاء کو ہی قبول کرتا ہے۔ اللہ نے تمام مومنوں کو وہی حکم دیا ہے جو اس نے اپنے انبیاء ورسل کو دیا تھا۔ یعنی: ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ''(البقرہ:172)

''اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں انہیں کھاؤ، پیو اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرو، اگر تم خاص اسی کی عبادت کرتے ہو''۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کوئی آدمی لمبے سفر پر روانہ ہوتا ہے اور اس کے بال پراگندہ اور قدم گرد آلود ہوتے

ہیں، وہ اسی حال میں آسمان کی طرف ہاتھوں کو اٹھا کر گڑگڑاتا ہے: اے میرے رب! اے میرے رب! حالانکہ اس کا کھانا حرام، اس کا پینا حرام، اس کا لباس حرام اور اس کے جسم میں جانے والی غذائیں حرام کی، پھر بھلا اس کی دعائیں قبول ہوں بھی تو کس بنا پر؟ (صحیح مسلم)

لہٰذا میرے بزرگوں اور دوستو! حرام کھانے سے بچو۔ کیوں کہ یہ حرام کھانا دعاؤں کو بے اثر بنا دیتا ہے۔ اور اسی وجہ سے لب پہ یہ بات آجاتی ہے کہ ۔

آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک

حضورِ قلب وذہن:

عزیزان ملت بیضاء! آپ اللہ سے دعائیں کررہے ہیں؛ لیکن آپ کا دل کہیں اور ہے۔ یعنی غافل دل سے دعائیں کررہے ہیں۔ ایسے میں آپ کا اپنی دعاؤں کے قبول ہونے کی امید رکھنا کارِعبث ہے۔ دعا مانگتے ہوئے آپ کی حالت ایسی ہونی چاہیے کہ۔

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن تمہاری یاد سے غافل نہیں رہا

یعنی جب بھی آپ دعا کریں تو دل کے حضور کے ساتھ کریں اور آپ کے دل میں یہ یقین کامل ہو کہ میری دعا ضرور قبول کی جائے گی۔ دیکھیے یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمارہے ہیں: ''قبولیت کے یقین کامل کی ضیا اپنے دل میں لیے دعا کرو۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ دلِ غافل کی دعا قبول نہیں کرتا''۔ (ترمذی)

ثنائے باری تعالیٰ اور درود بر نبی صلی اللہ علیہ وسلم:

دوستو! بزرگو! قبولیت دعا کی چوتھی شرط یہ ہے کہ آپ کی دعائیں حمد وثنائے باری تعالیٰ سے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام سے مزین ہوں۔ یعنی اصل دعا کرنے سے پہلے آپ رب کائنات کی ثنا اور بڑائی بیان کریں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام

بھیجیں۔ اس کے بعد اللہ کے سامنے اپنا مدعا رکھیں اور پھر قبولیت دعا کا ذائقہ جی بھر کر چکھیں۔ دیکھیے، حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کیا فرما رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ نبوی میں تشریف فرما تھے۔ اسی دوران ایک نمازی آیا اور نماز پڑھنے کے بعد دعا کی: اے اللہ! مجھ پر رحم کر اور مجھے بخش دے۔

یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے نمازی! تم نے تو بڑی جلد بازی دکھائی، دیکھو! آئندہ پہلے نماز پڑھو، پھر اللہ کی شایانِ شان تعریف کرو، پھر مجھ پر درود پڑھو، اس کے بعد دعا کرو۔

حضرت فضالہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ پھر ایک دوسرا نمازی آیا اور اس نے نماز پڑھنے کے بعد اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا۔ یہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے نمازی! اب دعا کرو، تمہاری دعا قبول کی جائے گی۔ (اسے احمد، ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔ یہ صحیح حدیث ہے۔ اسے صحیح الترغیب، جلد دوم صفحہ: 282 پر حدیث نمبر: 1643 کے تحت دیکھا جا سکتا ہے)

آدابِ دعا:

دوستو اور محترم بزرگو! اب رہ گئی بات آدابِ دعا کی، تو میں اس کی تفصیل میں نہ جا کر مختصر بیان کر دینے کے بعد جلد ہی اپنی بات ختم کروں گا۔ (إن شاء اللہ)۔

پہلا ادب:

یہ ہے کہ آپ پاک صاف ہو کر دعا کریں کیوں کہ:

"إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ "(البقرہ:222)

"اللہ توبہ کرنے والوں کو اور پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے"۔

دوسرا ادب:

یہ ہے کہ آپ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگیں۔ کیوں کہ حدیث میں آیا ہے کہ تمہارا رب زندہ

جاوید اور سخی ہے۔ وہ اس بات سے شرماتا ہے کہ کوئی بندہ اس سے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر مانگے اور وہ اسے خالی ہاتھ لوٹا دے"۔ (مستدرک حاکم)

تیسرا ادب:

یہ ہے کہ دعا یقین محکم کے ساتھ کی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی دعا کرے تو دعا کی قبولیت کے پختہ یقین کے ساتھ کرے۔ یہ نہ کہے کہ اگر تو چاہے تو مجھے فلاں چیز عطا کر دے۔ کیوں کہ اللہ کو کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ (بخاری، الأدب المفرد)

چوتھا ادب:

یہ ہے کہ دعا کرنے والا اپنی دعا میں ماثور الفاظ استعمال کرے۔ خاص کر کے ان صیغوں، الفاظ اور جملوں کا استعمال کرے جن میں اللہ کا اسم اعظم آتا ہو۔ مثلاً "حی قیوم" وغیرہ الفاظ سے اپنی دعا کا آغاز کرے۔

پانچواں ادب:

یہ ہے کہ دعا میں مداومت برتے۔ صرف مصائب آنے پر ہی دعا نہ کرے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جسے اس بات سے خوشی ہو کہ اللہ اس کی دعا مصائب وآفات کے وقت قبول کرے، اسے چاہیے کہ وہ خوشحالی کے وقت بھی خوب دعائیں کرے"۔ (ترمذی حاکم)

نیز دعا کرنے والا یاس وقنوط میں مبتلا نہ ہو جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا۔

حضرات گرامی! یہ تھے دعا کی قبولیت کے آداب وشرائط۔ اب آپ خود اپنے آپ کو جانچیں اور پرکھیں کہ اگر آپ کی دعا قبول نہیں کی جاتیں ہیں؟ تو کیوں نہیں کی جاتی ہیں؟ کیا آپ کی دعاؤں میں کوئی خامی در آئی ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر اس خامی کو دور کرنے کی پوری کوشش کیجیے، پھر دیکھیے، آپ کی دعا ضرور قبول کی جائے گی۔ ذرا بتائیں، کہاں گئیں

ہماری نماز کے اندر کی اور بعد کی دعائیں؟ کہاں گئی ہماری آہِ سحر گاہی؟ کہاں ہیں وہ لوگ جن کی دعاؤں کو اللہ سنے؟ دوستو! حقیقت تو یہ ہے کہ ہم نے دعا کے اثرات کو نہیں پہچانا، اس کی اہمیت کو نہیں سمجھا، اللہ ہمیں دعا کے آداب وشرائط پر عمل پیرا ہونے اور دعا کے ثمرات وبرکات اور فضائل سے آشنا ہونے کی توفیق دے۔ آمین۔

واخر دعوانا أن الحمد للّٰه رب العالمين.

اللہ تعالیٰ کا ذکر

پہلا خطبہ:

"إنَّ الحمد لله ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله"

عزیز بھائیو! ہم خود کو اور آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اپنانے کی وصیت کرتے ہیں۔ آپ سری طور پر بھی اور ظاہری طور پر بھی اس سے ڈرتے رہیں۔ اسی کی عبادت کریں، اسی کو سجدہ کریں اور بھلائی کا کام کرتے رہیں۔ تاکہ آپ کامیابی حاصل کرسکیں۔

بھائیو! انسان کا دل دیگر جاندارِ کائنات کی طرح نرم ہوتا ہے، اسے ایسے مادہ کی ضرورت ہے جس کے ذریعہ زندہ رہنے اور آگے بڑھنے کی قوت حاصل ہو۔ تمام عقلمند انسان اس بات پر متفق ہیں کہ دل بھی زنگ آلود ہو جاتے ہیں، جیسے لوہا زنگ آلود ہوتا ہے۔ انہیں بھی پیاس لگتی ہے، جیسے کھیتی کو پیاس لگتی ہے اور وہ سوکھ جاتے ہیں، جیسے دودھ کا تھن سوکھ جاتا ہے۔ لہٰذا وہ روشنی وسیرابی کے محتاج ہیں، جو دل کے زنگ و پیاس کو دور کردیتے ہیں۔ انسان اس زندگی میں ہر جانب سے دشمنوں کے گھیرے میں ہے۔ برائی کی رہنمائی کرنے والا اس کا نفسِ امارہ اسے ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔ اسی طرح کا برتاؤ اس کی ہوس اور اس کا شیطان بھی کرتا ہے۔

چنانچہ انسان بہت زیادہ محتاج ہے ایسی چیز کا جو اسے بچائے، اطمینان دلائے، خوف والی باتوں سے اسے سکون بخشے اور اس کے دل کو مطمئن کر دے۔ جو چیز سب سے زیادہ ان بیماریوں کو دور کرتی ہے اور دشمنوں سے محفوظ رکھتی ہے، وہ اللہ کی یاد اور اس کی یاد میں زیادہ سے زیادہ مشغول رہنا ہے۔ کیونکہ اللہ کی یاد دلوں کو روشن اور صیقل کرتی رہتی ہے۔ بلکہ وہ دلوں کی دوا ہے۔ جب انہیں کوئی بیماری لاحق ہو۔

ابن القیم رحمہ اللہ نے کہا میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ۔ قدس اللہ روحہ۔ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ دل کے لیے اللہ کی یاد ایسی ہے جیسے مچھلی کے لیے پانی۔ چنانچہ جب مچھلی پانی سے الگ ہوتی ہے تو اس کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟

میرے بھائیو! بندہ اور اس کے رب کے درمیان تعلق صرف صبح وشام کی مناجات کے وقت تک ہی محدود نہیں ہے کہ اس وقت کے بعد وہ یکسر غافل و مست رہے اور بغیر کسی قید وضبط کے جو چاہے کرتا رہے، ہرگز نہیں! یہ دھوکہ والی دینداری ہے۔ اس کے برعکس عابد و معبود کے درمیان سچا تعلق یہ ہے کہ بندہ جہاں کہیں بھی ہو اپنے رب کو یاد کرے اور اس کی یہ یاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر ونواہی کا پابند رکھنے والی اور بندے کو اس کی بشری کمزوری پر متنبہ کرنے والی ہو اور اسے ہر پیش آنے والی پریشانی کے وقت اپنے خالق کی پناہ لینے پر معین ومددگار ہو۔

دین حنیف یعنی دین اسلام نے ترغیب دی ہے کہ مسلمان اپنے رب سے تعلق پیدا کرے تاکہ اس کا ضمیر زندہ رہے، اس کے نفس کا تزکیہ ہو۔ اس کا دل پاک رہے اور اپنے رب سے مدد وتوفیق طلب کرتا رہے۔ اسی لیے قرآنِ کریم اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ذکرِ الٰہی زیادہ سے زیادہ کرنے کی دعوت دی گئی ہے:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا، وَسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً

وَأَصِيْلاً "(الأحزاب:42-41)

"مسلمانو! اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت زیادہ کرو۔ اور صبح و شام اس کی پاکیزگی بیان کرو"۔

اور فرمایا:

" وَالـذَّاكِـرِيْـنَ الـلّٰـهَ كَثِيْـراً وَّالـذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّأَجْراً عَظِيْماً "(الأحزاب:35)

" بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والے اور ذکر کرنے والیاں ان (سب کے) لیے اللہ تعالیٰ نے (وسیع) مغفرت اور بڑا ثواب تیار کر رکھا"۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم: كلمتان خفيفتان على اللسان، ثقيلتان في الميزان، حبيبتان إلى الرحمن، سبحان الله وبحمده، سبحان الله العظيم"(صحيح البخارى، كتاب الدعوات،باب فضل التسبيح)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو کلمات ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں؛ لیکن میزان (ترازو) میں بھاری ہیں اور اللہ کے نزدیک بہت محبوب ہیں اور وہ یہ ہیں: سبحان الله وبحمده، سبحان الله العظيم"

"عن أبي الدرداء قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : ألا أنبكم بخير أعمالكم وأزكاها عند مليككم وأرفعها في درجاتكم، وخيرلكم من إعطاء الذهب والورق وخير لكم من أن تلقو ا عدوكم فتضربوا أعنا قهم ويضربو اأعناقكم؟ قالوا: وذلک ماهو يارسول الله ؟ قال: ذكر الله عزوجل "(مسند احمد، باقى حديث أبي الدرداء)

ابودرداء روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہارے ایسے عمل کے بارے میں خبر نہ کروں جو سب سے بہتر ہو، رب کے نزدیک سب سے پاکیزہ ہو، تمہارے درجات کو زیادہ بلند کرنے والا ہو، تمہیں سونا چاندی دینے سے بہتر ہو اور تمہاری اس شہادت سے بھی بہتر ہو کہ تم نے اپنے دشمن سے لڑکر انہیں قتل کرڈالا ہو اور انہوں نے تمہیں قتل کرڈالا ہو؟ صحابہ نے دریافت کیا کہ وہ کیا عمل ہے، اے اللہ کے رسول؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔

"عن جابر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من قال: "سبحان اللّٰه وبحمده، غرست له نخلة في الجنة"(صحيح سنن الترمذى، أبواب الدعوات، بعد باب: من باب فضل التسبيح والتكبير ......)

جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص "**سبحان الله وبحمده**" پڑھتا ہے اس کے لیے جنت میں کھجور کا ایک باغ لگایا جاتا ہے۔

میرے بھائیو! ذکر کی وجہ سے بہت ساری آفات ٹل جاتی ہیں، بہت ساری تکالیف دور ہوجاتی ہیں اور مصیبت زدہ شخص پر بہت ساری آفات ہلکی ہوجاتی ہیں۔ اس کی وجہ سے اللہ ذکر کرنے والوں کی زبانوں کو مؤثر بنادیتا ہے اور دیکھنے والوں کی بصارت کو نور سے مزین کردیتا ہے۔ اللہ کے ذکر سے غافل شخص کی زبان، اندھی آنکھ جیسی بے فیض، بہرے کان جیسا بے فائدہ اور سوکھا مارے ہوئے ہاتھ کی طرح بے سود ہوتی ہے۔

گناہ کا ارتکاب، خواہ کبیرہ ہو یا صغیرہ، بنی آدم صرف اسی وقت کرتا ہے جب وہ اللہ کی یاد سے غفلت کی حالت میں ہوتا ہے، یا وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا بھول جاتا ہے؛ کیونکہ اللہ کی یاد، کامل زندگی گزارنے کا سبب ہوتی ہے اور جس کی موجودگی میں اس شخص کے لیے مشکل ہے کہ وہ اپنے نفس کو جہنم کے گڑھے میں یا رب عظیم کے غیض وغضب میں دھکیل

دے۔ اور اس کے برعکس اللہ کی یاد کو ترک کرنے والا یا بھولنے والا، تو وہ ایک مردے جیسا ہے، جسے شیطان کسی بھی کوڑے دان یا کسی گندی جگہ پر ڈال دینے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ''(الزخرف:36)

''اور جو شخص رحمٰن کی یاد سے غفلت کرے ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں وہی اس کا ساتھی رہتا ہے''۔

نیز فرمایا:

''وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَإِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمٰى ''(طٰہٰ:124)

''اور (ہاں) جو میری یاد سے روگردانی کرے گا اس کی زندگی تنگی میں رہے گی۔ اور ہم اسے بروز قیامت اندھا کر کے اٹھائیں گے''۔

"عن أبي المليح عن رجل قال: كنت رديف النبي صلى الله عليه وسلم فعثرت دابته، فقلت: تعس الشيطان، فقال: "لا تقل: تعس الشيطان، فإنك إذا قلت ذلك تعاظم حتى يكون مثل البيت ويقول: بقوتي ولكن قل: بسم الله، فإنك إذا قلت ذلك تصاغر حتى يكون مثل الذباب "(صحيح سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب لا يقال خبثت نفسي، رقم:4982)

ابوملیح نے ایک آدمی سے روایت کی، انہوں نے کہا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا کہ آپ کی سواری پھسل گئی، اس پر میں نے کہا: شیطان کا برا ہو، تو آپ صلی اللہ

علیہ وسلم سے فرمایا: تم یہ نہ کہو کہ شیطان کا برا ہو، اس لیے کہ جب تم ایسا کہو گے تو وہ فخر سے پھول کر گھر کے برابر ہو ہو جائے گا اور وہ کہے گا کہ میں نے اپنی طاقت سے ایسا کیا۔ بلکہ بسم اللہ کہو یعنی اللہ کی مشیت سے ایسا ہوا، جب تم یہ کہو گے تو وہ پچک کر مکھی کی طرح چھوٹا ہو جائے گا۔

ذکر اللہ، کثرت سے کرتے رہنا نفاق سے براءت کا باعث ہے۔ خواہش نفس کی قید سے آزادی ہے اور گویا وہ ایک پل ہے جس کے ذریعہ بندہ اپنے رب کی رضامندی اور ہمیشہ باقی رہنے والی اس نعمت تک پہنچتا ہے جسے اس کے لیے اللہ نے تیار کر رکھا ہے؛ بلکہ وہ حقیقی لڑائی کا پیشگی ہتھیار ہے جو کبھی کند نہیں ہوتا۔ قسطنطنیہ کی فتح کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرف اشار فرمایا:

"عن أبي هريرة أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: (هل)سمعتم بمدينة جانب منها في البر وجانب منها في البحر؟ قالوا: نعم يارسول الله! قال : لاتقوم الساعة حتى يغزوها سبعون ألفا من بني اسحاق، (والمعروف والمحفوظ"من بنى إسماعيل "في أصول صحيح مسلم وهو الذي يد ل عليه سياق الحديث فإذا جاء ها نزلوا، فلم يقاتلوا بسلاح ولم يوموا بسهم، (بل) قالوا: "لا إله إلا الله، والله اكبر، فيسقط أحد جانبيها، ثم يقول الثانية: لاإله إلا الله، والله اكبر، فيسقط جانبيها الآخر، ثم يقول الثالثة: لا إله إلا الله، والله اكبر فيفرج لهم فيدخلوها فيغنموا ......الحديث"(صحيح مسلم، كتاب الفتن وأشراط الساعة، باب لاتقوم الساعة حتى يمر)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم لوگوں نے کسی ایسے شہر کے بارے میں سنا ہے جس کا ایک کنارہ خشکی پر ہے اور اس کا

دوسرا کنارہ سمندر پر؟ صحابۂ کرام نے جواب دیا کہ جی ہاں، اے اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت نہیں قائم ہوگی یہاں تک کہ بنی اسحاق کے ستر ہزار مجاہدین اس پر فوج کشی کریں گے۔ (اور صحیح مسلم کی اصل کتابوں میں معروف ومحفوظ الفاظ بنی اسحاق کے بجائے ''بنی اسماعیل'' ہیں اور حدیث کا سیاق بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔) پس جب وہ لوگ شہر کے قریب پہنچ جائیں گے تو وہ (شہر کے باہر) پڑاؤ ڈالیں گے پھر وہ کوئی ہتھیار لے کر لڑائی نہیں کریں گے اور نہ کوئی تیر چلائیں گے۔ بلکہ وہ لوگ صرف ''لا إلـه إلا لـلّٰـه والـلّٰه أكبر '' کا نعرہ لگائیں گے تو شہر کا ایک کنارہ مسمار ہو جائے گا، پھر دوسری بار ''لا إله إلا للّٰه والله أكبر '' کا نعرہ لگائیں گے تو اس کا دوسرا کنارہ مسمار ہو جائے گا، پھر وہ لوگ تیسری بار ''لا إلـه إلا للّٰه والله أكبر '' کا نعرہ لگائیں گے تو ان کے لیے دروازہ کھول دیا جائے، پھر وہ لوگ اس شہر میں داخل ہو جائیں گے اور غنیمت کے مال حاصل کریں گے......الحدیث

میرے بھائیو! آپ نے ''ذکراللہ'' کی خوبی دیکھ لی۔ اب تک جس قدر اذکار بیان کیے گئے اگر آپ نے ان میں سے کوئی مختصر ''ذکر'' کو اپنا کر اسے صبح وشام کی نماز کے بعد چند منٹ ہی سہی، روزانہ پڑھنے کا معمول بنالیا تو آپ کی اخروی سعادت اور اطمینانِ قلب کے لیے بہت زیادہ مفید ہوگا۔

مثال کے طور پر بہت اجر وثواب والا ایک ذکر یہ بھی ہے:

''سبحانه اللّٰه وبحمده، عدد خلقه، ورضا نفسه، وزنة عرشه، ومداد كلماته'' (صحيح مسلم، كتاب الدعاء والتوبة والاستغفار، باب التسبيح أول النهار وعند النوم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کلمات کو تین بار پڑھنے کا بہت زیادہ ثواب بتایا ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ''ذکر'' ذاکر کے دل میں اللہ کی عظمت کا شعور پیدا کرتا ہے اور یہ شعور

بھی عطا کرتا ہے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ کوئی بھی چیز اس کے قہر و قوت سے باہر نہیں جا سکتی اور وہی اس شخص کو لاحق مخفی پریشانی سے بھی دور کرتا ہے؛ ساتھ ہی وہ ذکر کرنے والا شخص سعادت و اطمینان محسوس کرتا ہے جو اس کے قلب و جوارح پر چھائے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ(28) اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ"(الرعد:28)

"جو لوگ ایمان لائے ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ یاد رکھو اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو تسلی حاصل ہوتی ہے"۔

عزیز بھائیو! اگر ہم میں سے ہر ایک شخص اپنے نفس کو اس بات کے لیے مکلّف کرے کہ وہ اپنی دونوں پلکوں کو حرکت دے تاکہ وہ اپنے دائیں بائیں قلت ذکر و غفلت کی وجہ سے گر پڑے، لوگوں کو دیکھے، تو کیا اسے گھروں و محلات کی اندھیری نظر نہیں آتی، جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے خالی ہیں؟ کیا اسے ایسے بیمار لوگ نظر نہیں آتے، جن کی ہڈیاں ٹوٹ پھوٹ چکی ہیں؟ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے اپنے نفس کے حوالہ کر دیا ہے؛ لیکن وہ اپنی کسی ایک ہڈی کو بھی نہ جوڑ سکے جسے اللہ نے توڑ دیا ہے اور ایسے بیمار لوگوں کی بیماری ایک کے بعد دوسری بڑھتی ہی گئی۔ کیا ایسے جادو میں مبتلا مرد و عورتیں نظر نہیں آ رہی ہیں جن کے خلاف جادوگروں، شعبدہ بازوں اور جھوٹے دھوکہ بازوں کے مجرم ہاتھوں نے اذیت رساں کارروائیاں کر رکھی ہیں۔ پھر انہوں نے ایسے لوگوں سے خوشی و سادگی بھی چھین لی اور ان کی اطمینان بخش زندگی کے ستون اکھاڑ پھینکے۔ چنانچہ اوپر سے ان کی نیک بختی کی چھت بھی ان پر گر پڑی۔

کیا ان سب لوگوں نے اس بات سے واقفیت حاصل نہیں کی کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے ہر موقعہ ومناسبت کے لیے ذکر متعین فرمایا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں داخل ہونے کے لیے اور گھر سے نکلنے کے لیے ذکر متعین فرمایا۔ سونے اور جاگنے کے لیے ذکر متعین فرمایا۔ صبح وشام کے لیے ذکر یا دعا سکھائی۔ یہاں تک کہ اپنی بیوی سے ہم بستر ہونے، بلکہ بیت الخلا میں داخل ہونے اور نکلنے کی بھی دعا سکھائی۔ بلکہ ہر کام کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نہ کوئی دعا متعین فرمائی۔ جس کسی نے اس کا اہتمام کیا اس نے اسے سیکھ لیا اور جس نے اس سے لا پرواہی برتی وہ اس سے ناواقف رہا۔ میرے عزیز بھائیو! آپ اللہ سے ڈرو اور اس آیت کو اس سلسلے میں اپنا لائحہ عمل بنالو:

"وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْراً لَّعَلَّكُمْ تُفْلَحُوْنَ" (الأنفال:45)

"اور بکثرت اللہ کو یاد کرو تا کہ تمہیں کامیابی حاصل ہو"۔

یقین کرو کہ موجودہ تمدن اور خشک مادی زندگی میں لوگوں کا اللہ کے ساتھ تعلق تقریباً منقطع ہو چکا ہے اِلا ماشاء اللہ، اور انسان خواہ وہ جتنا بھی طاقتور ہو پھر بھی وہ کمزور ہے۔ خواہ اس نے جس قدر بھی علم حاصل کیا ہو پھر بھی اس کا علم محدود ہے۔ ہوا و پانی سے زیادہ اسے اپنے رب کی ضرورت ہے اور مصیبتوں کے وقت اللہ کا ذکر ایک مسلم کے لیے اطمینان وتسلی کا ذریعہ اور جینے کی امید ہے۔ جب کہ اطمینان اللہ کے ذکر سے ہی حاصل ہوتا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ" (الرعد:28)

"جو لوگ ایمان لائے ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ یاد رکھو اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو تسلی حاصل ہوتی ہے۔

اگر مسلمان اس راز سے آگاہ ہو جائیں اور مسنون اوراد واذکار کا التزام کریں تو اس کے بعد نہ کوئی جادوگر نقصان پہنچانے کی جرأت کر سکتا ہے اور نہ کوئی جادو کردہ شخص حیران ہو سکتا ہے، نہ کوئی خیر وبرکت پلٹ سکتی ہے، اور نہ خوشی میں کوئی کدورت آسکتی ہے۔

دوسرا خطبہ:

"الحمد لله الذي هدانا بهذالدين، والصلاة والسلام علي خاتم الأنبياء وسيد المرسلين، محمد بن عبدالله وصحبه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، أما بعد!"

"وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعاً وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلاَ تَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِيْنَ" (الأعراف:205)

"اور اے شخص! اپنے رب کی یاد کیا کر اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ اور زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ صبح اور شام اور اہل غفلت میں سے مت ہونا"۔

سامعین کرام! اللہ کے ذکر کے سلسلے میں آپ کو بہت اچھی اچھی باتیں بتائیں گئیں۔ کچھ اوراد و اذکار یا دعائیں بھی نوٹ کردی گئیں ہیں۔ آپ ان کا حتی الامکان اہتمام کریں اور جو اذکار و دعائیں پڑھیں دھیان سے سمجھ کر پڑھیں۔ بہت سے لوگ پڑھتے تو ہیں؛ لیکن وہ ذکر کے معنی نہیں سمجھتے۔ چنانچہ ان کے دل اللہ کی عظمت وجلالت کے شعور سے خالی رہ جاتے ہیں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ایسا کلام ہے جس سے ان لوگوں کے بدن کانپ جاتے ہیں، جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ پھر ان کے جسم اور دل اللہ کے ذکر کی طرف مائل ہوجاتے ہیں۔ لیکن لوگ جس چیز سے مانوس ہیں اور اس کے معنی سے ناواقف، اسے رسمی کلام کی طرح رٹتے ہیں۔ کیا کسی نے کلمہ "اللہ اکبر" کے بارے میں غور کیا ہے، جو کہ تکبیر کا سرِ ستون ہے؟ اور وہ ایسا کلمہ ہے جسے سب سے پہلے دل سے پڑھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکلف کیا۔ جب اللہ نے آپ کو حکم فرمایا کہ لوگوں کو برے انجام سے ڈرائیں۔ چنانچہ فرمایا:

"يَآ اَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ، قُمْ فَاَنْذِرْ، وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ" (المدثر:3-1)

"اے کپڑا اوڑھنے والے! کھڑے ہو جا اور آگاہ کر دے۔ اور اپنے رب کی بڑائیاں بیان کر"۔

بے شک یہ ایک عظیم کلمہ ہے جو خشک زمین کو زندہ کر دیتا ہے۔ جس کی آواز میں موج مارنے والے سمندر کی طرح ایک شور ہوتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ اثر اندازی ہوتی ہے۔ یہ تکبیر ایسا کلمہ ہے جو اگر کسی چور یا اُچکے کے کان میں گونجنے لگے تو اس کا ہاتھ کانپ اٹھے اور اس کا وجود تھر تھرانے لگے۔ اسی طرح ہر اس شخص کے کان میں گونجنا چاہیے جو گناہ یا معصیت کا ارادہ کرتا ہے۔ تاکہ اس کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور وہ ڈر جائے۔ بلکہ اسے ہر ظالم، زیادتی کرنے والے متکبر شخص کے کان میں گونجنا چاہیے تاکہ وہ نصیحت حاصل کرے اور اس کے اندر یہ احساس پیدا ہو کہ اللہ اس کے قریب ہے، جو اس سے زیادہ طاقتور ہے جس کی پکڑ انسانی پکڑ اور مکر و فریب سے زیادہ سخت ہے۔ اللہ اکبر!۔

عزیز بھائیو! اللہ سے ڈرو اور اللہ کو یاد کرتے رہو۔ تاکہ تم آخرت کی دائمی زندگی میں کامیاب ہو سکو۔

کوئی یہ سوال کر سکتا ہے "ذکر اللہ" میں کیا راز ہے کہ یہ کلمہ زبان پر ہلکا ہونے اور اس کے پڑھنے میں تھکاوٹ نہ ہونے کے باوجود زیادہ نفع بخش اور زیادہ فضیلت والا ہے، بنسبت ان جملہ عبادات کے جنہیں بار بار مشقتوں کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے؟

اس سلسلے میں عرض ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بقیہ عبادتوں کی مقدار متعین کر دی ہے، جن کے لیے اوقات بھی محدود کر دی ہے؛ لیکن "ذکر اللہ" کے لیے نہ کوئی مقدار متعین فرمایا اور نہ کوئی وقت، اسے زیادہ سے زیادہ کرنے کی ترغیب دی ہے۔ کیونکہ "ذکر اللہ" ایسا نیک و باقی رہنے والا سرمایا ہے جو اللہ کو بہت زیادہ پسند ہے۔ جیسا کہ درج ذیل صحیح حدیث سے ثابت ہے:

"عن أبي هريرة قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم : "خذوا جنتكم ، قلنا : يا رسول اللّٰه ! من عدو قد حضر؟ قال: لا، جنتكم من النار، قولوا: سبحان اللّٰه ، والحمدللّٰه، واللّٰه أكبر، فانهن ياتين يوم القيامة منجيات ومقدمات وهن الباقيات الصالحات"(رواه الحاكم في المستدرك ، كتاب الدعاء والتكبير والتهليل والتسبيح والذكر وصححه)

"ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ اپنے بچاؤ کا انتظام کرو۔ تو صحابہ نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا ہم ایسے دشمن سے بچاؤ کا انتظام کریں جو حملہ کرنے کے لیے پہنچ گیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، بلکہ تم جہنم کی آگ سے بچاؤ کرو، ان کلمات کے ورد کے ذریعہ: **سبحان اللّٰه، والحمدللّٰه، واللّٰه أكبر** ، کیونکہ یہ کلمات قیامت کے دن نجات دینے والے اور سفارش پیش کرنے والے بن کر آئیں گے"۔

میرے بھائیو! ایک سچے مسلمان کو یہ جان لینا چاہیے کہ ذکر یا دعا کے سلسلے میں وہی ذکر دعا مؤثر و نفع بخش ہوتی ہے جو حضور قلب کے ساتھ زبان سے روزانہ پڑھی جائے۔ کیونکہ زبان دل کی ترجمان ہے اور دل احساس و اسرار کو محفوظ رکھنے والا ایک گودام ہے اور سینہ کا کام یہ ہے کہ اللہ کا جو ذکر اس میں پہنچے اس کے لیے وسعت پیدا کرے، اسے پڑھنے کے لیے زبان کو پیش کرنے میں وہ لذت محسوس کرے اور اپنے خلوات میں دعا کے ساتھ صرف اپنے نفس کو مخاطب کرنے پر اکتفا نہ کرے، بلکہ اسے زبان تک پہنچا دے تا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تعمیل ہو سکے کہ:

"وَاذْكُر رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعاً وَّخِيفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَ الْأصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِيْنَ"(الأعراف:205)

''اور اے شخص! اپنے رب کو یاد کیا کر اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ اور زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ صبح اور شام اور اہل غفلت میں سے مت ہونا''۔

ایک حدیث میں آیا ہے:

"عن أبي هريرة قال :قال رسول صلى اللّٰه عليه وسلم :إعلموا أن اللّٰه لايقبل دعاء من قلب غافل لاهٍ" (مستدرک الحاكم، كتاب الدعاء والتكبير والذكر. والترمذي ، باب جامع الدعوات)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی کھیلنے والے غافل دل کی دعا قبول نہیں کرتا۔

هذا، وصلوا رحمكم اللّٰه خير البرية وأفضل البشرية، اللّٰهم صل عليه وسلم تسليما كثيرا.

جنت کی نعمتیں اور قبر کا عذاب

پہلا خطبہ:

"إنَّ الحمد للّٰه، نحمده، و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادى له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله"

أما بعد فإن خير الحديث كتاب اللّٰه، وخير الهدي هدي محمد صلى اللّٰه عليه وسلم، وشر الأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة و كل ضلالة في النار.

محترم بھائیو! آج کے خطبے کا موضوع ایک ایسے گراں قدر اور بیش قیمت سودے کا ذکر ہے جس کے پانے کی ہر مسلمان خواہش کرتا ہے اور اس کے لیے کوشش کرتا ہے اور قیامت تک کوشاں رہے گا۔ لیکن اسے صرف وہی لوگ پاسکیں گے، جن پر اللہ کی رحمت خاص ہوگی اور اس کا خصوصی فضل وانعام ان کے شامل حال ہوگا۔ آپ جاننا چاہتے ہوں گے کہ آخر وہ کون سی ایسی گراں بہا اور بیش قیمت چیز ہے جس کے پانے کی ہر مسلمان خواہش وتمنا رکھتا ہے؟

میرے بھائیو! یہ گراں بہا اور بیش قیمت چیز جنت کا ابدی گھر ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے خاص طور سے اہلِ ایمان کے لیے تیار کیا ہے۔ اس کے مقابل ایک گھر اور ہے جو

کافروں یا منافقوں اور نافرمان لوگوں کے لیے بنایا گیا ہے جس کا نام جہنم ہے۔

جنت اور جہنم دونوں اللہ کی مخلوق ہیں۔ جنت اور اس کی جملہ نعمتوں اور آسائشوں کو اللہ تعالیٰ نے ازل ہی میں پیدا کر دیا ہے۔ اسی طرح جہنم اور اس کی تکلیفوں اور عذابوں کو بھی وہ ازل ہی میں پیدا کر چکا ہے۔ یہ دونوں گھر پہلے ہی پیدا کیے جا چکے ہیں۔ جنت اللہ پر ایمان رکھنے اور اس سے ڈرنے والوں کے لیے ہے۔

جنت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ''(الحدید:21)

''(آؤ) دوڑو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان وزمین کی وسعت کے برابر ہے یہ ان کے لیے بنائی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں''۔

اور جہنم کے بارے میں ارشاد ہے:

''فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ''(البقرہ:24)

''پس اگر تم نے نہ کیا اور تم ہرگز نہیں کر سکتے تو (اسے سچا مان کر) اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے''۔

محترم بھائیو! جنت متقیوں کا گھر ہے۔ ان انبیاء ورسل، صدیقین وشہداء اور صالحین کا گھر ہے، جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے۔ یہ ایسے باغات کا گھر ہے، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ یہ ایسا گھر ہے جس کی اینٹیں سونے اور چاندی کی ہوں گی، جس پر مشک کا پلاسٹر ہوگا، جس سے ہمیشہ بہترین خوشبو پھوٹتی رہے گی، جس کی کنکریاں موتی اور یاقوت کی ہوں گی۔ جس کی مٹی زعفران کی ہوگی اور جس کے خیمے جوف دار موتی کے ہوں

گے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"إن للمؤمن في الجنة لخيمة من لؤ لؤة واحد مجوفة طولها في السماء ستون ميلا" (مسلم)

''مومن کے لیے جنت میں ایک جوف دار موتی کا خیمہ ہوگا، جس کی لمبائی بلندی میں ساٹھ میل ہوگی''۔

جوفدار کا مطلب درمیان سے خالی ہوگا۔ یہ خیمہ ان عالیشان محلات کے علاوہ ہوگا، جن میں ان کا مستقل قیام ہوگا۔ نیز جنت میں ہرے بھرے باغات ہوں گے۔

ارشاد باری ہے:

''إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ أَمِيْنٍ، فِيْ جَنَّاتٍ وَّعُيُوْنٍ'' (الدخان: 51-52)

''بے شک (اللہ سے) ڈرنے والے امن وچین کی جگہ میں ہوں گے۔ باغوں اور چشموں میں۔ جس میں سے جتنا چاہیں گے وہ اطمینان کے ساتھ کھائیں گے۔

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **''يأكل أهل الجنة فيها ويشربون ولا يتغوطون ولا يمتحظون ولا يبولون ولكن طعامهم ذلك جشاء كرشح المسلك''** ''جنتی جنت میں کھائیں گے، پئیں گے؛ لیکن نہ ان کو قضائے حاجت کی ضرورت ہوگی نہ ناک سے ریزش نکلے گی، نہ وہ پیشاب کریں گے۔ ان کو ایک ڈکار آئے گی، اسی سے ان کا کھانا ہضم ہوجائے گا یہ ڈکار بھی مشک کے پسینے کے مانند ہوگی''۔ یعنی وہ بھی خوشگوار ہوگی۔ ایک دوسری روایت میں جو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ یوں آیا ہے:

"أول زمرة يدخلون الجنة على صورة القمر ليلة البدر، ثم الذين يلونهم على أشد كوكب دري في السماء إضاءة، لا يبولون ولا يتخوطون ولا يتفلون ولا يمتحظون، امشاطهم الذهب ور شحهم

المسک ومجامرهم الألوة عودهم الطيب أزواجهم الحور العين على خلق رجل واحد على صورة أبيهم ادم ستون ذراعان في السماء"

''پہلا گروہ جو جنت میں داخل ہوگا، ان کے چہرے اس طرح چمک رہے ہوں گے، جیسے چودھویں رات کا چاند ہوتا ہے۔ پھر ان کے بعد داخل ہونے والوں کے چہرے آسمان پر سب سے زیادہ روشن ستارے کی طرح ہوں گے۔ وہ پیشاب کریں گے نہ پاخانہ، نہ تھوکیں گے نہ ناک چھینکیں گے۔ ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی۔ ان کا پسینہ مشک کی طرح خوشبودار ہوگا۔ ان کی انگیٹھیوں میں جلانے کے لیے خوشبودار لکڑی ہوگی۔ ان کی بیویاں بڑی بڑی آنکھیں والی حوریں ہوں گی۔ سب ایک ہی آدمی کی ساخت پر اپنے باپ آدم کی شکل وصورت پر ہوں گے۔ ان کے قد کی لمبائی ساٹھ ہاتھ کی ہوگی جیسے حضرت آدم تھے''۔

بخاری ومسلم کی ایک روایت میں ہے:

''آنيتهم فيها الذهب، ورشحهم المسک، ولكل واحد منهم زوجتان؛ يرى مخ سوقهما من وراء اللحم من الحسن"

''جنت میں ان کے کھانے کے برتن سونے کے ہوں گے۔ ان کا پسینہ مشک کی طرح خوشبودار ہوگا۔ ان میں سے ہر ایک کے لیے دو بیویاں ہوں گی۔ وہ ایسی حسین ہوں گی کہ حسن کی وجہ سے ان کی پنڈلیوں کا گودا گوشت کے پار سے نظر آئے گا''۔

ایک روایت میں ان کے حسن وجمال کے متعلق آیا ہے کہ اگر ان میں سے ایک عورت اہل زمین کی طرف جھانک لے تو آسمان وزمین کے درمیان کا سارا حصہ چمک اٹھے اور خوشبو سے بھر جائے۔ اور اس کے سر کا دوپٹہ اتنا قیمتی ہوگا کہ وہ دنیا ومافیہا سے بہتر ہوگا''۔

ایک حدیث کی رو سے جنت میں آرام وآسائش کی ایسی ایسی نعمتیں ہوں گی، جو ہمارے وہم وگمان میں بھی نہیں آتی ہوں گی۔

ارشاد باری ہے:

”فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ“(السجدہ:17)

”کوئی نفس نہیں جانتا کہ کیا ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لیے پوشیدہ کر رکھی ہے، جو کچھ کرتے تھے یہ اس کا بدلہ ہے“۔

ایک حدیث قدسی میں یوں وارد ہے:

”قال اللّٰہ تعالیٰ : أعددت لعبادي الصالحين مالاعين رأت ولا أذن سمعت ولا خطر على قلب بشر“

”اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہیں، نہ کسی کان نے سنی ہیں اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال ہی گزرا ہے“۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمانے کے بعد فرمایا: اس کی تصدیق کے لیے اگر تم چاہو تو قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ پڑھو:

”فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ“(السجدہ:17)

جنتیوں پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام یہ ہوگا کہ وہ انہیں اپنے دیدار سے مشرف فرمائے گا۔ جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھا اور فرمایا:

”إنكم سترون ربكم عيانا كما ترون هذا القمر لاتضامون في رويته“

"یقیناً تم (جنت میں) اپنے رب کو واضح طور پر ایسے ہی دیکھو گے، جیسے تم یہ چاند دیکھ رہے ہو۔ اس کے دیکھنے میں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوتی جیسے بھیڑ میں پڑتی ہے۔

یعنی جس طرح چاند کے دیکھنے میں کوئی ازدحام نہیں ہوتا، کوئی کشمکش نہیں ہوتی، کوئی زحمت نہیں اٹھانی پڑتی؛ بالکل اسی طرح اہلِ جنت بھی بیک وقت سارے لوگ اپنے رب کا دیدار کریں گے۔ دنیا میں ان فانی آنکھوں سے دیدارِ الٰہی ممکن نہیں؛ لیکن جنت میں دیدار اس لیے ممکن ہو جائے گا کہ وہاں کی ہر چیز غیر فانی ہو گی۔ اسی طرح جنتیوں کو جو آنکھیں ملیں گی، وہ بھی غیر فانی ہوں گی۔ ان میں اتنی طاقت ہو گی کہ آسانی سے اللہ کا دیدار اور مشاہدہ کر سکیں۔

مسلم کی ایک روایت میں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إذا دخل أهل الجنة الجنة يقول الله تبارك وتعالى: تريدون شيئا أزيدكم؟ فيقولون: ألم تبيض وجوهنا؟ ألم تدخلنا الجنة وتنجنا من النار؟ فيكشف الحجاب فما اعطوا شيئا أحب إليهم من النظر إلى ربهم"

"جب جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا: تم کسی اور چیز کی خواہش رکھتے ہو کہ میں تمہیں مزید دوں؟ تو وہ کہیں گے: کیا تو نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں کیا؟ کیا تو نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا اور جہنم سے نجات نہیں دی؟ پس اللہ تعالیٰ پردہ ہٹا دے گا اور جنتی اپنے رب کا دیدار کریں گے۔ تو وہ کوئی چیز ایسی نہیں دیئے گئے ہوں جو انہیں اپنے رب کو دیکھنے سے زیادہ محبوب ہو"۔

دنیا میں انسان کی زندگی کو قرار وثبات نہیں۔ ہر وقت اسے ایسی بیماری اور ناگہانی حادثات کا خطرہ لگا رہتا ہے، جو اس کی زندگی کا خاتمہ کر دے۔ اسی طرح جوانی وصحت کو قرار وثبات نہیں۔ جوانی بڑھاپے میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ صحت بیماری میں بدل جاتی ہے۔ اسی

طرح آرام وراحت بھی مصیبتوں اور تکلیفوں میں بدل جایا کرتی ہے۔ دنیا کی کسی بھی چیز کو دوام وثبات حاصل نہیں؛ لیکن جنت کی ساری نعمتیں زوال وفنا سے محفوظ ہوں گی۔ وہاں زندگی ہوگی، موت نہیں۔ صحت ہوگی، بیماری نہیں۔ جوانی ہوگی، بڑھاپا نہیں۔ ہر طرح کی راحت وآسائش ہوگی، کوئی دکھ اور تکلیف کبھی بھٹک کر بھی پاس نہیں آئے گی۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

"إذا دخل أهل الجنة الجنة ينادي مناد: أن لكم أن تحيوا فلا تموتوا أبدا، وأن لكم أن تصحوا فلا تسقموا أبدا، وأن لكم أن تشبوا فلا تهرموا أبدا، وأن لكم أن تنعموا فلا تبأسوا أبدا"

''جب جنتی جنت میں داخل ہوجائیں گے تو ایک پکارنے والا پکارے گا کہ اب تمہیں زندگی ہی زندگی ہے اب تم کبھی موت سے ہم کنار نہیں ہوگے، اور یہ بھی کہ تم صحت مند ہوگے کبھی بیمار نہیں ہوگے، اور یہ کہ تم جوان رہوگے کبھی بوڑھے نہیں ہوگے، اور یہ کہ تمہارے لیے راحت ہی راحت ہے تمہیں کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"إن أدنى مقعد أحد كم من الجنة أن يقول الله له تمن فيتمني ويتمني فيقول له هل تمنيت فيقول: نعم فيقول له فإن لک ماتمنيت ومثله معه"(مسلم:8153)

''تم میں سے ادنیٰ جنتی کا یہ مقام ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ آرزو کر، پس وہ آرزو کرے گا۔ پھر آرزو کرے گا کہ میرے لیے فلاں چیز ہو، فلاں چیز ہو، اور فلاں چیز ہو۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا: تو نے اپنی ساری آرزوں کا اظہار کردیا: وہ کہے گا: ہاں، تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا: تیرے لیے وہ ہے جو کچھ تو نے آرزو کی ہے۔ اور اس کے ساتھ اسی کے مثل اور بھی۔

اس کے برخلاف جہنم۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ بڑے دردناک عذاب کا گھر ہے۔ ارشاد باری ہے:

"لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَّعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ" (الأنعام:70)

"ان کے لیے نہایت تیز گرم پانی پینے کے لیے ہوگا اور دردناک سزا ہوگی اپنے کفر کے سبب"۔

"وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَّعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ" (یونس:4)

"اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے نہایت تیز گرم پانی پینے کے لیے ہوگا اور دردناک سزا ہوگی اپنے کفر کے سبب"۔

میرے بھائیو! یہ اللہ کے نافرمانوں اور اس سے سرکشی کرنے والوں کے لیے بہت برا ٹھکانا ہوگا۔ ارشاد باری ہے:

"هٰذَا وَإِنَّ لِلطّٰغِينَ لَشَرَّ مَاٰبٍ، جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمِهَادُ" (ص:55-56)

"یہ تو ہوئی جزا (یاد رکھو کہ) سرکشوں کے لیے بری جگہ ہے۔ دوزخ ہے جس میں وہ جائیں گے (آہ) کیا ہی برا بچھونا ہے"۔

نیز ارشاد باری ہے:

"سَرَابِيلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوهَهُمُ النَّارُ" (ابراہیم:50)

"ان کے لباس گندھک کے ہوں گے اور آگ ان کے چہروں پر بھی چڑھی ہوئی ہوگی"۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کا ارشاد ہے:

"یؤتي بجهنم یومئذ لها سبعون ألف زمام، مع کل زمام سبعون ألف ملک یجرونها"

"اس دن جہنم لائی جائے گی، اس کے ستر ہزار لگام ہوں گے، اور ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے، جو اسے کھینچ رہے ہوں گے"۔

جہنم کی گہرائی کا اندازہ آپ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے کیجیے، وہ کہتے ہیں کہ ایک دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک آپ نے کسی چیز کے گرنے کی آواز سنی تو آپ نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ آواز کس چیز کی تھی؟ ہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں، آپ نے فرمایا:

"هذا حجر رمی به في النار من سبعین خریفا فهو یهوی في النار الآن حتی انتهی إلی مقرها" (مسلم)

"یہ ایک پتھر کے گرنے کی آواز تھی، جسے ستر سال پہلے جہنم میں ڈالا گیا تھا، اور وہ گہرائی میں برابر جا تا رہا، یہاں تک کہ اب وہ جا کر اس کی گہرائی تک پہنچا ہے"۔

اسی طرح کی ایک روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لو أن حجرا مثل سبع خلفات ألقی عن سفیر جهنم هوي فیها سبعین خریفا یبلغ حفرها".

"اگر ایک پتھر جو سات موٹی اونٹنیوں کے مثل ہو، جہنم کے کنارے سے اس کے اندر گرایا جائے اور وہ ستر سال تک برابر گرتا رہے، تو وہ پھر بھی اس کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکے گا"۔

جہنم کی آگ کی شدت وگرمی کا ذکر قرآن کریم میں مختلف انداز میں آیا ہے۔ایک جگہ ارشاد ہے:

"كَلَّا إِنَّهَا لَظٰى، نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى"(المعارج:16-15)

"(مگر) ہرگز یہ نہ ہوگا، یقیناً وہ شعلہ والی (آگ) ہے۔ جو منہ اور سر کی کھال کھینچ لانے والی ہے"۔

ایک آیت میں اسے "نار اًتلظیٰ" کہا گیا ہے۔یعنی ایسی آگ جو برابر دہکتی رہے گی۔

ایک آیت میں ارشاد ہے:

"إِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ"(المرسلات:32)

"یقیناً دوزخ چنگاریاں پھینکتی ہے جو مثل محل کے ہیں"۔

اس کی شدت اور ہولناکی کا اندازہ آپ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے کیجیے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"نار كم هذه التي يوقد ابن اٰدم جزء من سبعين جزء امن حر جهنم قالو: والله إن كانت لكافيه يا رسول الله ! قال فإنها فضلت عليها سبعن جزء ا كلها مثل حرها"

"تمہاری یہ آگ جسے آدم زاد جلاتا ہے، جہنم کی آگ کے سترویں حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔لوگوں نے آپ سے عرض کیا: اگر یہی ہوتی پھر بھی کافی ہوتی؟ آپ نے فرمایا: جہنم کی آگ اس سے ستر گنا زیادہ شدید ہے، اور ان میں سے ہر گنا کی شدت اتنی ہے، جتنی دنیا کے آگ کی ہے"۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"يؤتي بأنعم أهل الدنيا من أهل النار يوم القيامة فيصبغ في النار صبغة ثم يقال: يا ابن آدم هل رأيت خيرا قط؟ هل مربك نعيم قط؟

فیقول: لا واللّٰہ یا رب"

"دنیا میں سب سے زیادہ نعمتوں میں پلا ہوا شخص جو کہ جہنمی ہوگا، قیامت کے دن لایا جائے گا، پھر اسے جہنم میں ایک ڈبکی دی جائے گی، پھر اس سے پوچھا جائے گا: اے ابن آدم کیا تو نے کبھی کوئی بھلائی دیکھی تھی، کیا کبھی تو نے کوئی نعمت دیکھی تھی؟ وہ کہے گا: اللہ کی قسم، اے میرے پروردگار! میں نے کبھی کوئی نعمت نہیں دیکھی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں جنت کی ان نعمتوں کا مستحق بنائے اور جہنم کے عذاب اور اس کی تکلیفوں سے محفوظ رکھے، آمین۔

أقول قولي هذا، واستغفر اللّٰه لي ولكم ولسائر المسلمين، فاستغفروه إنه هو الغفور الرحيم

دوسرا خطبہ:

محترم بزرگو اور عزیزو! ابھی آپ نے جنت کی نعمتوں اور اس کی راحتوں اور آسائشوں اور جہنم کے عذابوں اور اس کی تکلیفوں اور کلفتوں کا مختصر تذکرہ سنا۔ آپ یہ جاننا چاہتے ہیں ہوں گے کہ ہم جنت کی نعمتوں کو کیسے پا سکتے ہیں اور جہنم کے عذاب سے اپنے آپ کو کیسے بچا سکتے ہیں۔ تو آیئے ہم آپ کو بتائیں کہ جنت کے پانے کی کیا کیا تدبیریں ہیں۔

میرے بھائیو! یہ جنت صرف انہیں لوگوں کے لیے ہے جو ایمان اور عملِ صالح کے زیور سے آراستہ ہوں۔

ارشاد باری:

"وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ "(البقرۃ:25)

''اور ایمان والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو ان جنتوں کی خوشخبریاں دو جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں''۔

''إِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ''(الحج:14)

''ایمان اور نیک عمل کرنے والوں کو اللہ ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں''۔

اس لیے جنت کے حصول کے لیے ہمیں ایمان اور عمل کے زیور سے اپنے آپ کو آراستہ کرنا چاہیے۔

یہ جنت ان لوگوں کے لیے ہوگی، جو اللہ سے ڈرتے ہوں گے اور جن کاموں کے کرنے کا اس نے حکم دیا ہے انہیں کرتے ہوں گے اور جن سے روکا ہے ان سے بچتے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا''(مریم:63)

''یہ ہے وہ جنت جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے انہیں بناتے ہیں جو متقی ہوں''۔

یہ جنت ان لوگوں کے لیے ہوگی جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے اور نماز، روزہ اور زکاۃ کے پابند ہوں گے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں:

"إن أعرابيا أتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال يارسول الله! دلني على عمل إذا عملته دخلت الجنة قال: تعبدالله لاتشرك به شيئا وتقيم الصلاة وتؤتي الزكاة المفروضة وتصوم رمضان. قال والذي نفسي بيده لاأزيد على هذا. فلما ولى قال: من سره أن ينظرإلى رجل من أهل الجنة فلينظر إلى هذا"(متفق عليه)

''ایک دیہاتی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ایسے عمل کی طرف میری رہنمائی فرمائیں جسے میں کروں تو جنت میں چلا جاؤں۔ آپ نے فرمایا: اللہ کی عبادت اس طرح کر کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا۔ نماز قائم کر، فرض زکاۃ ادا کر، اور رمضان کے روزے رکھ۔ اس نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں اس پر کوئی اضافہ نہیں کروں گا۔ تو جب وہ دیہاتی واپس ہوا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جسے کوئی جنتی دیکھنا پسند ہو، تو وہ اس آدمی کو دیکھ لے''۔

اسی طرح یہ جنت ان لوگوں کے لیے ہوگی جو اپنے والدین کی خدمت کرتے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں۔

طبرانی کی ایک روایت میں ہے۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے جہاد میں شرکت کی خواہش ظاہر کی۔ تو آپ نے پوچھا کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں، آپ نے فرمایا:

(الزمهما فإن الجنة تحت أرجلهما)

''جاؤ انہیں کی خدمت میں لگے رہو، جنت ان کے قدموں کے نیچے ہے''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"دخلت الجنة فسمعت فيها قرأة، فقلت من هذا؟ قالوا حارثة بن النعمان، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : كذا لكم البر، كذالكم البر، وفي رواية لعبد الرزاق قال: أبر الناس بأمه".

''میں جنت میں داخل ہوا، تو میں نے قراءت سنی، میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ جواب ملا حارثہ بن نعمان ہیں پھر آپ نے فرمایا: (ماں باپ سے) نیکی اسی طرح ہوتی

ہے۔ ماں باپ سے نیکی کا یہ فائدہ ہوتا ہے۔ اور مصنف عبدالرزاق کی ایک روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: وہ اپنی ماں کے ساتھ بہت نیکو کار تھے"۔

یہ جنت ان لوگوں کے لیے ہوگی جو پنج وقتہ نمازوں کی پابندی کے ساتھ نوافل کا بھی کثرت سے اہتمام کرتے ہوں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"من صلى اثنى عشرة ركعة في اليوم والليلة بنى الله له بيتا في الجنة ؛ ركعتين قبل صلاة الصبح، وأربعا قبل الظهر واثنتين بعدها، وركعتين بعد صلاة المغرب ، وركعتين بعد صلاة العشاء".

"جو دن رات میں بارہ رکعتیں پڑھے گا۔ اللہ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا۔ دو رکعت صبح کی نماز سے پہلے، چار ظہر سے پہلے اور دو اس کے بعد، دو مغرب کی نماز کے بعد، اور دو عشاء کی نماز کے بعد"۔

یہ جنت ان لوگوں کے لیے ہوگی جو تہجد کی نماز کا اہتمام کرتے ہوں گے۔

ارشاد باری ہے:

"تَتَجَافٰى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفاً وَّطَمَعاً وَّمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُوْنَ" (السجدۃ:16)

"ان کی کروٹیں اپنے بستروں سے الگ رہتی ہیں۔ اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے وہ خرچ کرتے ہیں"۔

ایک روایت میں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"أيها الناس أفشوا السلام، وأطعموا الطعام، وصلوا الأرحام، وصلوا بالليل والناس نيام، تدخلوا الجنة بالسلام".

"لوگو! سلام کو عام کرو، کھانا کھلاؤ، قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرو، رات میں نمازیں پڑھو جب لوگ سو رہے ہوں، اطمینان و سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ"۔

یہ جنت ان لوگوں کے لیے ہوگی جو فرض روزوں کے ساتھ نفلی روزوں کا بھی اہتمام کرتے ہوں گے۔

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ وعلیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"إن في الجنة بابا يقال له الريان، يدخل منه الصائمون يوم القيامة لا يدخل منه أحد غير هم، يقال اين الصائمون؟ فيقومون لايدخل منه أحد غيرهم، فإذا دخلوا أغلق، فلم يدخل منه أحد"

''جنت میں ایک دروازہ ہے جسے ریان کہا جاتا ہے، قیامت کے دن اس سے صرف روزے دار داخل ہوں گے۔ ان کے سوا اس سے کوئی اور داخل نہیں ہوگا۔ کہا جائے گا: روزے دار کہاں ہیں؟ تو وہ اٹھ کھڑے ہوں گے اور داخل ہوجائیں گے۔ ان کے سوا اس سے کوئی اور داخل نہیں ہوگا۔ جب وہ داخل ہوجائیں گے، تو اسے بند کردیا جائے گا۔ پس اس سے کوئی اور داخل نہیں ہوسکے گا''۔

میرے بھائیو! یہ جنت اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے اور اس کے رسول کی تصدیق کرتے ہوئے اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والوں کے لیے ہوگی۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"يضمن اللّٰه لمن خرج في سبيله، لا يخرجها إلا جهاد في سبيلي وإيمان بي وتصديق برسولي فهو ضامن على أن أدخله الجنة أو أرجعه إلى منزله الذي خرج منه"

''اللہ نے اس شخص کی ذمہ داری لی ہے، جو اس کے راستے میں نکلے (اللہ فرماتا ہے) اس کو گھر سے نکالنے والی چیز میرے راستے میں جہاد کرنے، مجھ پر ایمان اور میرے رسولوں کی تصدیق کے سوا کوئی اور چیز نہیں، لہٰذا میں اس بات کا ضامن ہوں کہ اسے جنت میں داخل کروں، یا اس گھر کی طرف اجر یا غنیمت کے ساتھ واپس لوٹا

دوں جس سے نکلا ہے"

یہ چند اعمال صالحہ ہیں جن کا ذکر ہم نے کیا۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے نیک اعمال ہیں جن کا احاطہ اس مختصر سے خطبہ میں ممکن نہیں۔ اب میں چند ایسے کاموں کا ذکر کروں گا جو جہنم میں لے جانے کا باعث بنتے ہیں۔ ان میں سب سے اہم کفر اور شرک ہے۔

ارشاد باری ہے:

"إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا أُولٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ "(البینہ:6)

"بے شک جو لوگ اہل کتاب میں سے کافر ہوئے اور مشرکین سب دوزخ کی آگ میں (جائیں گے) جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گے۔ یہ لوگ بدترین خلائق ہیں"۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: جنت اور جہنم کو واجب کرنے والی دو چیزیں کون سی ہیں؟ آپ نے فرمایا:

"من مات لايشرك بالله شيئا دخل الجنة ومن مات يشرك بالله دخل النار"

"جس شخص کی موت اس حالت میں آئی کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اور جس کی موت اس حالت میں ہوئی کہ وہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہو وہ جہنم میں داخل ہوگا"۔

کفر وشرک کے بعد دوسرا سب سے بڑا گناہ والدین کی نافرمانی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ألا أنبئكم بأكبر الكبائر"

"کیا میں تمہیں سب سے بڑے گناہ کے بارے میں نہ بتاؤں، ہم نے عرض کیا کیوں نہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ضرور بتایئے۔ آپ نے یہی سوال تین بار دہرایا،

اس کے بعد فرمایا:

"إلا شراک باللّٰہ وعقوق الوالدین"

"اللہ کے ساتھ شرک کرنا، اور والدین کی نافرمانی کرنا اور انہیں اذیت پہنچانا"

پھر آپ لیٹے ہوئے تھے، اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا:

"ألا وقول الزور وشهادة الزور، ألا وقول الزور وشهادة الزور"

"خبردار، اور جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی ہے۔ خبردار، اور جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی ہے"۔

آپ یہ جملہ اس طرح دہراتے رہے کہ ہم دل میں کہنے لگے کاش آپ خاموش ہو جاتے۔

یہ ہیں چند اعمال جو انسان کو جہنم میں لے جانے کا باعث ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے اعمال ہیں جو انسان کی ہلاکت و بربادی کا سبب بنتے ہیں۔ جن سے انسان کے لیے بچنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ایسے اعمال کی توفیق دے جو ہمیں جنت میں لے جانے والے ہیں اور اس کی نعمتوں سے مستفیض ہونے کا باعث بنیں اور ہمیں ایسے کاموں سے محفوظ رکھے جو انسان کی ہلاکت و بربادی اور اسے جہنم میں لے جانے کا باعث بنتے ہیں۔

اللّٰهم أدخلنا الجنة وأجرنا من النار.

گناہوں سے توبہ

پہلا خطبہ:

"إنَّ الحمد للّٰه،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادى له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله"

قال اللہ تعالیٰ:

"وَتُوبُوْآ إِلَى اللّٰهِ جَمِيعاً أَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ "(النور:31)

"(اے مسلمانو!)تم سب کے سب اللہ کی جناب میں توبہ کروتا کہ تم نجات پاؤ"۔

وقال:

"يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ امَنُوْا تُوبُوْآ إِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحاً"(التحریم:8)

"اے ایمان والو! تم اللہ کے سامنے سچی خالص توبہ کرو"۔

محترم حاضرین! انسان کا اصل کام اللہ کی عبادت ہے، اسی کے لیے اس کی تخلیق عمل میں آئی ہے۔

ارشاد باری ہے:

"وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ "(الذاريات:56)

"میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری

عبادت کریں''۔

لہٰذا جو بھی اللہ کی عبادت اور اس کی مرضی کے کام کرے گا، وہ اپنا فرض ادا کرے گا، اور جو اللہ کی عبادت سے منہ موڑے گا اور اس کی ناراضگی کے کام کرے گا تو وہ جس کام کے لیے پیدا ہوا تھا اس کے خلاف کام کر رہا ہے اسے اس کا وبال بھگتنا پڑے گا۔

یاد رکھیے! اللہ کی نافرمانی اور گناہ کے کاموں سے اللہ کا کچھ نہیں بگڑتا۔ اس کا وبال خود اسی کو بھگتنا پڑتا ہے جو گناہ کرتا ہے۔ اسی طرح نیکی اور ثواب کے کاموں کا فائدہ خود اسی کو پہنچتا ہے جو نیکی کرتا ہے۔ اس سے اللہ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔

محترم بھائیو! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہ کے کاموں کو قاذورات (گندگی اور آلائش) سے تعبیر کیا ہے۔ موطاء امام مالک کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''من أصاب من هذه القاذورات شيئا فليستتر بستر اللّٰه''

''جو اس طرح کے گندے کام (گناہ) کر بیٹھے تو وہ اسے اللہ کے پردے میں چھپا لے''۔

اس حدیث میں آپ نے گناہ کے کاموں کو قاذورات یعنی گندے کام سے تعبیر کیا ہے۔ اور فی الواقع ہے بھی یہ گندگی۔ اگرچہ ہم اس گندگی کو دیکھ نہیں سکتے ہیں اور نہ ہی اس کی بدبو سونگھ سکتے ہیں۔ لیکن ان گناہوں کا اثر ہم دلوں پر دیکھتے ہیں۔ جب انسان مسلسل گناہ کرتا ہے تو یہ گناہ اس کے دل کو ڈھانپ لیتے ہیں اور اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ اور کوئی بھی بھلی بات اس کے دل کو اچھی نہیں لگتی۔

ارشاد باری ہے:

''كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ''(المطففین:14)

''یوں نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کی وجہ سے زنگ (چڑھ گیا) ہے''۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"إن العبد إذا أذنب ذنبا كانت نكتة سوداء في قلبه، فإن تاب منها صقل قلبه وإن زادت زاد"

"بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نکتہ پڑ جاتا ہے۔ اگر وہ توبہ کر لے تو یہ نکتہ اس کے دل سے صاف ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ مزید گناہ کرتا ہے تو وہ نکتہ اور بڑھ جاتا ہے۔ اور جتنا وہ گناہ کرتا جاتا ہے وہ نکتہ بڑھتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ پورے دل کو ڈھانپ لیتا ہے"۔

یہ گناہ جو دل پر برابر بڑھتا چلا جاتا ہے اور اسے توبہ واستغفار کے ذریعہ صاف نہیں کیا جاتا، ایک سخت حجاب بن جاتا ہے۔ پھر اس کے دل میں کوئی بھلی بات داخل نہیں ہو پاتی۔

میرے بھائیو! آپ غور کریں، کپڑے پر برابر گندگی لگتی چلی جائے اور اسے صابن وغیرہ سے نہ دھویا جائے تو اس کا کیا حال ہوگا؟ اسی طرح جب دل پر گناہ کا اثر بڑھتا چلا جائے اور توبہ واستغفار سے اس کے اثر کو زائل نہ کیا جائے تو پھر دل کا کیا حال ہوگا؟ ہم دن رات گناہ پر گناہ کیے جاتے ہیں۔ اور اپنے پورے دل کو سیاہ کر لیتے ہیں اور ہمیں توبہ واستغفار کی بھی توفیق نہیں ہوتی کہ ہم ہاتھ اٹھا کر اللہ سے گناہوں کی معافی مانگیں۔ پھر ہم گناہوں سے آلودہ اپنے ان دلوں سے کیا امید رکھ سکتے ہیں۔

میرے بھائیو! اصل صفائی وستھرائی ہے دل کی صفائی وستھرائی۔ دل اگر گندہ ہو تو کپڑوں اور جسم کی ظاہری صفائی سے کچھ نہیں ہوتا۔ کتنے لوگ ایسے ہیں جن کے جسم اور کپڑے بظاہر صاف ستھرے ہوتے ہیں؛ لیکن وہ دل کے انتہائی گندے ہوتے ہیں، گناہ اور معصیت کی کثرت سے ان کے دل بدبودار ہوتے ہیں، اور ان کی یہ بدبو بڑھتی چلی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ توبہ واستغفار سے اسے صاف نہیں کرتے۔ پھر ایسے دل کی قیامت کے دن اللہ کی نظر میں کیا وقعت ہوگی، جس دن دلوں کے سارے راز منکشف ہو جائیں گے اور

دلوں میں جو کچھ ہے باہر آ جائے گا، اور اللہ سے کوئی چیز چھپی نہیں رہے گی۔

میرے بھائیو! انسان سب کے سب خطا کار ہیں۔ (کل بنی آدم خطاؤن وخیر الخطائین التوابون)

''سارے بنی آدم خطا کار ہیں اور خطا کاروں میں بہتر وہ لوگ ہیں جو کثرت سے توبہ کرنے والے ہوں''۔

گناہ بھی لوگوں سے ہوتے ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ کچھ لوگ اپنے گناہوں پر شرمندہ اور نادم ہوتے ہیں اور اللہ سے توبہ واستغفار کر کے اپنے گناہ بخشوا لیتے ہیں اور ان کے دل پاک وصاف ہو جاتے ہیں۔ اور کچھ اپنے گناہوں سے غافل اور لاپرواہ ہوتے ہیں اور ان کے گناہوں کی سیاہی ان کے دلوں کو برابر ڈھانپتی چلی جاتی ہے۔

میرے بھائیو! توبہ واستغفار کا دروازہ برابر کھلا ہوا ہے۔ ارشاد باری ہے:

''قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ أَسْرَفُوْا عَلٰٓى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعاً إِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ'' (الزمر:53)

''(میری جانب سے) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ، بالیقین اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے، واقعی وہ بڑی بخشش بڑی رحمت والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں غفور اور تواب بھی ہے۔ یہ دونوں اسم عظیم گناہوں کو بخشنے اور توبہ قبول کرنے کی صفت کو شامل ہیں۔ وہی اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے کہ جب انہوں نے بغیر ارادے کے ایک شخص کو قتل کر دیا تو انہوں نے اپنے رب سے دعا فرمائی:

''قَالَ رَبِّ إِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ إِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ'' (القصص:16)

''اے میرے پروردگار میں نے اپنے اوپر ظلم کیا تو تو مجھے بخش دے تو اس نے انہیں بخش دیا، وہ بہت بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اور آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا: ''وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی، ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰی''(طٰہٰ:121-122)

''آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب کی نافرمانی کی، پس وہ بہک گیا۔ پھر اس کے رب نے نوازا، اس کی توبہ قبول کی اور اس کی رہنمائی کی''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْ عَنِ السَّيِّئَاتِ''(الشوریٰ:25)

''وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں سے درگزر فرماتا ہے۔''

ایک دوسری آیت میں اس کی وضاحت یوں کی ہے: ''أَلَمْ يَعْلَمُوْآ أَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ وَأَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ''(التوبہ:104)

''کیا ان کو یہ خبر نہیں کہ اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہی صدقات کو قبول فرماتا ہے اور یہ کہ اللہ ہی توبہ قبول کرنے میں اور رحمت کرنے میں کامل ہے''۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا إِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحاً عَسٰى رَبُّكُمْ أَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ''(التحریم:8)

''اے ایمان والو! تم اللہ کے سامنے سچی خالص توبہ کرو۔ قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہ دور کر دے''۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

''وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا اللّٰهُ''(آل عمران:135)

''اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون گناہوں کو بخش سکتا ہے؟''

اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں جن کا احاطہ یہاں ممکن نہیں۔

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''إن اللّٰه يبسط يده بالليل ليتوب مسئى النهار، ويبسط يده بالنهار ليتوب مسئى الليل، حتى تطلع الشمس من مغربها''

''اللہ تعالیٰ رات کو اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے، تاکہ دن کو برائی کرنے والا رات کو توبہ کرے۔ اور دن کو اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے، تاکہ رات کو گناہ کا ارتکاب کرنے والا دن کو توبہ کرے۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو جائے، جو قربِ قیامت کی نشانی ہے۔ اس نشانی ظاہر ہونے کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا''۔

گناہوں سے جلدی توبہ کرنا ضروری اور واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَتُوبُوا إِلَى اللّٰهِ جَمِيعاً أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ''(النور:31)

''اے مسلمانو! تم سب کے سب اللہ کی جناب میں توبہ کرو تاکہ تم نجات پاؤ۔''

اور اس میں تاخیر تباہی و خسران کا باعث ہے۔

ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے:

''اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوآ إِلَيْهِ''(ھود:52)

''تم اپنے پالنے والے سے اپنی تقصیروں کی معافی طلب کرو اور اس کی جناب میں توبہ کرو''۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

''يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا تُوبُوآ إِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوحاً''(التحریم:8)

''اے ایمان والو! تم اللہ کے سامنے سچی خالص توبہ کرو''۔

ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ گناہوں سے توبہ کرنا واجب ہے۔ کیونکہ ان آیات میں امر کا صیغہ وارد ہے۔ اور اصحاب اصول کے نزدیک امر وجوب کے لیے ہوا کرتا ہے، الا یہ کہ کوئی قرینہ ایسا موجود ہو جو اسے وجوب کے معنی سے پھیر رہا ہو۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: واللّٰہ إني لأستغفر اللّٰہ وأتوب إلیہ في الیوم أکثر من سبعین مرۃ"

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ اللہ کی قسم! میں دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور اس سے توبہ کرتا ہوں''۔

اغر بن یسار مزنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"یا أیھا الناس توبوا إلی اللّٰہ واستغفروہ فإني أتوب في الیوم مائۃ مرۃ"

''اے لوگو! اللہ سے توبہ کرو، اور اس سے مغفرت طلب کرو، کیونکہ میں دن میں سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں''

اہلِ علم کا کہنا ہے کہ جب بندہ کسی گناہ سے توبہ کرتا ہے تو یہ توبہ صرف اسی گناہ کے لیے ہوتا ہے جس سے وہ توبہ کر رہا ہے۔ اس کے بقیہ گناہ اس کی گردن پر باقی رہتے ہیں جب تک کہ وہ ان سے بھی توبہ نہ کر لے۔

اللہ تعالیٰ نے توبۂ نصوح (خالص توبہ) کا حکم دیا ہے اور توبۂ نصوح وہ توبہ ہے جس میں توبہ کے وہ تمام شروط پائے جائیں جو شریعت سے منصوص ہیں اور وہ شروط یہ ہیں:

اگر گناہوں کا تعلق اللہ سے ہے، کسی آدمی کا کوئی حق اس سے متعلق نہیں ہے، تو ایسے گناہ سے توبہ کی قبولیت کے لیے تین شرطیں ہیں: پہلی یہ کہ اس گناہ کو آدمی فوری طور پر چھوڑ دے۔ دوسری یہ کہ اس پر پشیمانی وندامت کا اظہار کرے۔ اور تیسری یہ کہ وہ پختہ ارادہ

کرے کہ آئندہ کبھی یہ گناہ نہیں کرے گا۔ اگر ان تین شرطوں میں سے ایک بھی شرط مفقود ہوتی ہے تو توبہ صحیح نہیں ہوگی۔ اور اگر اس گناہ کا تعلق دوسرے آدمیوں سے ہے، مثلاً کسی کا حق مارا ہے، یا کسی پر بہتان لگایا ہے، تو اس سے توبہ کے لیے چار شرطیں ہیں؛ تین وہی جو ابھی مذکور ہوئیں اور چوتھی یہ کہ وہ صاحبِ حق کا حق ادا کرے، اگر کسی کا مال یا اس قسم کی کوئی چیز ناحق لے لی ہے، تو اسے واپس کرے اور اگر کسی پر تہمت وغیرہ لگائی ہے تو اس کی حد اپنے نفس پر لگوائے یا اس سے معافی طلب کر کے اس کو راضی کرے۔

گناہ کرنے والوں کا اکثر حال یہ ہے کہ وہ گناہ کیے چلے جاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ غفور ورحیم ہے، وہ ہمارے گناہ بغیر توبہ کے ہی بخش دے گا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر امید کا پہلو خوف کے پہلو پر غالب رہتا ہے۔ اسی کو اللہ کے عذاب سے بے خوف ہو جانا کہتے ہیں، ایسے ہی لوگوں کے متعلق ارشاد ہے:

"أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ" (الأعراف:99)

"کیا وہ اللہ کی اس پکڑ سے بے فکر ہو گئے۔ سو اللہ کی پکڑ سے بجز ان کے جن کی شامت ہی آگئی ہو اور کوئی بے فکر نہیں ہوتا"۔

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں "مکر اللہ" سے مراد اللہ کا عذاب اور اس کی پکڑ ہے، وہ اچانک انھیں پکڑ لے گا جب وہ غافل و بے پرواہ ہوں گے۔

حسن بصری کہتے ہیں: مومن کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ وہ نیکی اور ثواب کے کام کرتا ہے، اس کے باوجود اللہ کے خوف سے ہمیشہ لرزاں وترساں رہتا ہے۔ اس کے برخلاف کافر گناہ کیے جاتا ہے اور بے خوف ہوتا ہے۔ لہٰذا عقلمند انسان وہ ہے جو اللہ کی پکڑ سے کبھی غافل نہ رہے۔ برابر اللہ کی پکڑ اور اس کے عذاب سے ڈرتا رہے۔

ربیع بن خثیم سے ان کی صاحبزادی نے پوچھا: ابا! جان کیا بات ہے، میں دیکھتی ہوں کہ آپ رات کو سوتے نہیں ہیں۔ تو انہوں نے کہا: بیٹی! تمہارا باپ اس بات سے ڈرتا ہے

کہ کہیں اللہ کا عذاب رات ہی میں نہ آ جائے۔ اس سے ان کی مراد اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد تھا:

"أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَى أَنْ يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا بَيَاتاً وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ" (الأعراف:97)

"کیا پھر بھی ان بستیوں کے رہنے والے اس بات سے بےفکر ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب شب کے وقت آ پڑے جس وقت وہ سوتے ہوں"۔

اس لیے میرے بھائیو! اللہ کے عذاب سے کبھی بے خوف نہیں ہونا چاہیے۔ اپنے گناہوں کی اس سے برابر معافی مانگتے رہنا چاہیے۔ اگر آدمی باوضو ہو کر دو رکعت نماز پڑھے اور اللہ سے توبہ کرے اور اپنے گناہوں پر پشیمانی کا اظہار کرے اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا اللہ سے عہد کرے، تو اللہ اس کی توبہ ضرور قبول کرے گا۔

امام احمد بن حنبل نے صحیح سند سے حضرت علی بن ابی طالب سے روایت نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں: جب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بھی حدیث سنتا، تو اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے جتنا چاہتا فائدہ پہنچاتا، اور جب میں کسی شخص کے واسطے سے آپ کی کوئی حدیث سنتا، تو میں اس سے قسم لیتا، اگر وہ قسم کھالیتا، تو میں اس کی تصدیق کرتا۔ ایک دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے حدیث بیان کی، اور وہ اپنے اس بیان میں یقیناً سچے تھے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص گناہ کرتا ہے، پھر اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ عز وجل سے مغفرت طلب کرتا ہے، تو اللہ اسے بخش دیتا ہے۔ اس حدیث کی تائید امام مسلم کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے، جسے انہوں نے اپنی صحیح میں امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ جو شخص اچھی طرح وضو کرتا ہے پھر "أشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريك له وأشهد أن محمدا عبده ورسوله" کہتا ہے، تو جنت کے آٹھوں دروازے اس کے لیے کھول دیے جاتے ہیں، وہ جس سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے۔

دوسرا خطبہ:

"إنَّ الحمد للّٰه ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهداللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله"

شریعت کے نصوص سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آدمی جب نزع کی حالت میں گرفتا ہوجاتا ہےاورروح حلق تک آجاتی ہے،تو توبہ کی مہلت ختم ہوجاتی ہے۔اسی کوغرغرہ کی حالت کہتے ہیں۔اسی طرح جب سورج مشرق کے بجائے مغرب سےطلوع ہو،تو اس وقت بھی توبہ کادروازہ بند ہوجائے گا۔

اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے:

"هَلْ يَنظُرُونَ إِلآَ أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلآئِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ يَوْمَ يَأْتِيْ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لاَ يَنْفَعُ نَفْساً إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِيْ إِيْمَانِهَا خَيْراً قُلِ انتَظِرُوْآ إِنَّا مُنتَظِرُوْنَ"(الأنعام:158)

"کیا یہ لوگ صرف اس امر کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا ان کے پاس آپ کا رب آئے یا آپ کے رب کی کوئی (بڑی) نشانی آئے؟جس روز آپ کے رب کی کوئی بڑی نشانی آپہنچے گی،کسی ایسے شخص کا ایمان اس کے کام نہ آئے گا جو پہلے سے ایمان نہیں رکھتا۔یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک عمل نہ کیا ہو۔آپ فرمادیجیے کہ تم منتظر رہو،ہم بھی منتظر ہیں"۔

اس آیت میں فرشتوں کے آنے یا پرودگار کے آنے کا جو ذکر ہے،وہ قیامت میں

ہوگا۔ اور تمہارے رب کی بعض نشانیوں کے آنے کا جو ذکر ہے، وہ قیامت سے پہلے ہوگا۔ یہ قرب قیامت کی نشانیوں میں ہوگا۔ جیسا کہ امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

"لاتقوم الساعة حتى تطلع الشمس من مغربها فإذا رأها الناس أمن إيمانها لم تكن أمنت من قبل"

"قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی، جب تک سورج مغرب سے نہ طلوع ہو جائے۔ اور جب لوگ اسے دیکھیں گے، تو اس پر ایمان لے آئیں گے۔ لیکن یہ وہ وقت ہوگا، جب ان کا ایمان انہیں کوئی نفع نہ دے گا۔ جو پہلے سے ایمان نہ لائے ہوں"۔

اسی طرح عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"إن اللّٰه عز وجل يقبل توبة العبد مالم يغرغر"

"اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول کرتا ہے، جب تک اسے غرغرہ شروع نہ ہو"۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ اور غرغرہ شروع ہونے کے معنی یہ ہیں کہ جب تک روح حلق کو نہ پہنچ جائے، یعنی مرنے کا یقین نہ ہو جائے۔ مرنے کا یقین ہو جانے کے بعد اللہ کی نظر میں توبہ کی کوئی وقعت نہیں رہ جاتی ہے۔

ارشاد باری ہے:

"وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّئَاتِ حَتّٰى إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّىْ تُبْتُ الْاٰنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ أُولٰٓئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيْمًا" (النساء:18)

"ان کی توبہ نہیں جو برائیاں کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی

کے پاس موت آجائے تو کہہ دے کہ میں نے اب توبہ کی، اوران کی توبہ بھی قبول نہیں جو کفر پر ہی مر جائیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے المناک عذاب تیار کر رکھے ہیں"۔

یہ آیت صریحاً اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ موت کے وقت کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ توبہ آدمی کی ابدی سعادت اور دنیا وآخرت دونوں میں اس کے لیے خوشگوار زندگی کا ضامن ہے۔

ارشاد باری ہے:

"مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ" (النحل:97)

"جو شخص نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت، لیکن با ایمان ہو تو ہم اسے یقیناً نہایت بہتر زندگی عطا فرمائیں گے۔ اور ان کے نیک اعمال کا بہتر بدلہ بھی انہیں ضرور دیں گے"۔

قرآن کریم کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ نیک عمل وہ ہے جس میں تین شرطیں پائی جائیں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے موافق ہو؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَمَآ اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ" (الحشر:7) "اور تمہیں جو کچھ رسول دے لے لو، اور جس سے روک رک جاؤ"۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ عمل خالص اللہ کے ہو؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَمَآ أُمِرُوْٓا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ" (البینۃ:5) "انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی کے لیے دین کو خالص رکھیں"۔

تیسری شرط یہ ہے کہ صحیح عقیدے کی اساس پر مبنی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَمَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ"

''اور جس نے نیکی کی ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان والا ہو''۔

جس نے بھی نیک عمل کیا، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، اور وہ مومن ہو، اللہ تعالیٰ نے اسے ایمان کے ساتھ مقید کیا ہے۔ اس کا مفہوم مخالف یہ ہوا کہ اگر وہ مومن نہیں، تو اس کا یہ عملِ صالح قابل قبول نہ ہوگا۔ سنت کی پابندی اخلاص اور ایمان یہ تینوں چیزیں توبہ ہی کے نتائج وثمرات میں سے ہیں۔ توبہ سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

''إِلَّا مَنْ تَابَ وَامَنَ وَعَمِلَ عَمَلاً صَالِحاً فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَّكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيماً ''(الفرقان:70)

''سوائے ان لوگوں کے جو توبہ کریں اور ایمان لائیں اور نیک کام کریں، ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیتا ہے، اللہ بخشنے والا مہربانی کرنے والا ہے''۔

توبہ واستغفار سے اللہ کی رضا، اس کی مغفرت وبخشش حاصل ہوتی اور جنت ملتی ہے۔

ارشاد باری ہے:

''وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوٓا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلٰى مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ، أُولَٰئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ''(آل عمران:135-136)

''جب ان سے کوئی ناشائستہ کام ہو جائے یا کوئی گناہ کر بیٹھیں تو فوراً اللہ کا ذکر اور اپنے گناہوں کے لیے استغفار کرتے ہیں، فی الواقع اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون گناہوں کو بخش سکتا ہے؟ اور وہ لوگ باوجود علم کے کسی برے کام پر اڑ نہیں جاتے۔ انہیں کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، ان نیک کاموں کے کرنے والوں کا ثواب کیا ہی اچھا ہے''۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو فوراً توبہ واستغفار کرتے ہیں۔

امام احمد نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان ہے کہ ایک آدمی نے گناہ کیا، پھر اس نے اللہ سے یوں دعا کی کہ: اے میرے پروردگار! میں نے گناہ کرلیا ہے، تو اسے بخش دے۔ اس پر اللہ عزوجل فرماتا ہے: میرے بندے نے گناہ کیا، تو اسے اس کا علم ہے کہ اس کا ایک رب ہے، جو گناہ کو بخشتا ہے اور اس پر پکڑتا ہے۔ میں نے اس کے گناہ کو بخش دیا۔ پھر وہ دوسرا گناہ کرتا ہے، پھر کہتا ہے: پروردگار! میں نے گناہ کیا، تو اسے بخش دے۔ اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ پھر فرماتا ہے: میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا ایک رب ہے، جو گناہ کو بخشتا ہے اور اس پر پکڑ کرتا ہے میں نے اس کے گناہ کو بخش دیا اس کے بعد پھر وہ گناہ کرتا ہے اور پھر کہتا ہے: اے میرے پروردگار! میں نے گناہ کیا، تو اسے بخش دے۔ اس پر پھر اللہ عزوجل فرماتا ہے: میرے بندہ کو معلوم ہے کہ اس کا ایک رب ہے، جو گناہ کو بخشتا ہے اور اس پر گرفت کرتا ہے۔ میں تم سب کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنے بندے کو بخش دیا۔ وہ جو چاہے کرے۔ اس حدیث میں گنہ گاروں کے لیے زبردست خوشخبری ہے۔

اس لیے میرے بھائیو! گناہوں پر توبہ واستغفار کرتے رہو، اور یقین رکھو کہ اللہ گناہوں کو ضرور بخش دے گا۔ شرط یہ ہے کہ سچے دل سے توبہ واستغفار ہو۔

اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں سچی توبہ کی توفیق بخشے، اور اپنی مغفرت وبخشش اور اپنی جنت کا ہمیں مستحق بنائے۔

أقول قولي هذا واستغفر الله لي ولكم ولسائر المسلمين، فاستغروه إنه هو الغفور الرحيم.

اہل توحید کا مقام ومرتبہ اور اس کی افضلیت

پہلا خطبہ:

فقد قال اللّٰه تعالىٰ في القرآن العظيم، أعوذ باللّٰه من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم.

"وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ "(النسا:131)وقال:" وَمَآ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا نُوحِيْٓ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُوْنِ "(الأنبياء:25)

"تجھ سے پہلے جو بھی رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں، پس تم سب میری ہی عبادت کرو"۔

وقال صلى اللّٰه عليه وسلم :حق الله على عباده أن يعبدوه ولا يشركوا به شيئا.(متفق عليه من حديث معاذ بن جبل)

حاضرین کرام! فرمان الٰہی ہے:

"وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُوْا اللّٰهَ"(النسا:131)

"ہم نے ان لوگوں کو جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے تھے اور تم کو بھی یہی حکم کیا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو"۔

پس اس فرمان باری تعالیٰ پر عمل کرتے ہوئے میں سب سے پہلے خود اپنے کو، پھر

آپ حاضرین اور تمام مسلمانوں کو اللہ سے ڈرتے رہنے کی تلقین کرتا ہوں۔

حاضرین کرام! انسان کا دل ایک اہم ترین چیز ہی سے صحیح ہو سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حدیثوں میں کھول کھول کر بیان کر دیا ہے، اس کو اپنائے بغیر کوئی بھی انسان نجات نہیں پا سکتا، وہ ہے: توحیدِ باری تعالیٰ، یعنی: صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو خالق و مالک، مدبر و متصرف ماننا، اور عبادت کی ساری قسموں کو صرف اور صرف اسی کے لیے خاص کر دینا، اور سارے نیک اعمال کو صرف اسی کی رضا کی خاطر انجام دینا۔

توحید کی پہلی قسم ''توحید الربوبیۃ'' یعنی پالنہاری میں وحدانیت، اور دوسری قسم کو ''توحید الالوہیۃ'' یعنی عبادت میں واحدانیت کہتے ہیں۔ توحید کی پہلی قسم کا نہ تو پہلے انبیاء کے دور کے مشرکوں نے انکار کیا تھا، اور نہ ہی نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے مشرکین نے۔ ہاں دونوں ادوار میں خال خال افراد اس کے منکر پائے جاتے تھے۔ بنابریں اس کے دلائل پر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بہت زیادہ زور نہیں دیا ہے، ہاں چند دلیلیں مستقلاً اور کچھ دلیلیں توحید الوہیت کا اقرار کرانے میں ذکر کی ہیں۔

انہی میں سے یہ دلیل بھی ہے: ''لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ''(الأنبياء:22)

''اگر آسمان و زمین میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور بھی معبود ہوتے تو یہ دونوں درہم برہم ہو جاتے پس اللہ تعالیٰ عرش کا رب ہر اس وصف سے پاک ہے جو یہ مشرک بیان کرتے ہیں۔

اسی کی تعبیر ایک اردو شاعر نے یوں کی ہے:

اگر دو خدا ہوتے سنسار میں
تو دونوں بلا ہوتے سنسار میں

اس کی وضاحت اس طرح کی جاتی ہے کہ ایک خدا کہتا: آج دنیا میں بارش ہوگی، دوسرا کہتا: نہیں آج بارش نہیں ہوگی اس طرح دنیا کا نظام درہم برہم ہوکر رہ جاتا۔

اس دلیل سے دو خدا ہونے کا بطلان اس طرح ثابت کیا جاتا ہے کہ دونوں ہی کی بات رہ جائے، یہ ممکن ہی نہیں؛ بلکہ محال ہے۔اسی کو علم اصول میں کہا جاتا ہے: ''اجتماع ضدین'' محال ہے۔اور اگر یہ کہا جائے کہ دونوں میں سے کسی کی بھی بات نہ رہے، تو دونوں عاجز ہوگئے، اور عاجز ذات الٰہ نہیں ہوسکتی۔اور اگر ایک کی بات رہے اور دوسرے کی نہ رہے، تو جس کی بات رہے گی وہی غالب ہوا، اور دوسرا عاجز، پس غالب ایک ہوا، تو وہی الٰہ ہوا۔

آیت میں ارباب کی جگہ ''اٰلِهَةٌ'' جو ''اِلٰهٌ'' کی جمع ہے استعمال ہوا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو ''الٰہ'' معبود برحق ہوتا ہے اسی کا حکم چلتا ہے، وہی متصرف اور مدبر ہوتا ہے۔

حافظ صلاح الدین یوسف اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں؛ یعنی اگر واقعی آسمان وزمین میں دو معبود ہوتے تو کائنات میں تصرف کرنے والی دو ہستیاں ہوتیں، اور دونوں کا ارادہ اور شعور اور مرضی کارفرما ہوتی ہے۔اور جب دو ہستیوں کا ارادہ اور فیصلہ کائنات میں چلتا تو یہ نظم کائنات اس طرح قائم رہ ہی نہیں سکتا تھا، جو ابتدائے آفرینش سے بغیر کسی ادنی توقف کے قائم چلا آرہا ہے۔کیونکہ دونوں کا ارادہ ایک دوسرے سے ٹکراتا، دونوں کی مرضی آپس میں تصادم ہوتا، دونوں کے اختیارات ایک دوسرے کی مخالف سمت میں استعمال ہوتے، جس کا نتیجہ ابتری اور فساد کی صورت میں رونما ہوتا۔اور اب تک ایسا نہیں ہوا، تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ کائنات میں صرف ایک ہی ہستی ہے جس کا ارادہ اور مشیت کارفرما ہے۔اور جو کچھ بھی ہوتا ہے، صرف اور صرف اس کے حکم پر ہوتا ہے۔اس کے دیے ہوئے کو کوئی روک نہیں سکتا، اور جس سے وہ اپنی رحمت روک لے اور اس کو دینے والا کوئی نہیں ہے۔

''قرآن نے اس کے علاوہ بھی مشرکین کی زبان سے گواہی درج کی ہے کہ:

''وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ''(العنکبوت:61)

''اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ زمین وآسمان کا خالق اور سورج چاند کو کام میں لگانے والا کون ہے؟ تو ان کا جواب یہی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ''۔

نیز ارشاد باری ہے:

''قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ والْأَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ أَفَلاَ تَتَّقُوْنَ ''(یونس:31)

''آپ کہیے کہ وہ کون ہے جو تم کو آسمان وزمین سے رزق پہنچاتا ہے؟ یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے؟ اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے؟ اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟ ضرور وہ یہی کہیں گے کہ اللہ''۔

نیز ارشاد باری ہے:

''قُلْ لِّمَنِ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيْهَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ،سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ أَفَلاَ تَذَكَّرُوْنَ،قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ،سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ أَفَلاَ تَتَّقُوْنَ،قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ،سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ فَأَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ''(المؤمنون:89-85)

''پوچھیے تو سہی کہ زمین اور اس کی کل چیزیں کس کی ہیں؟ بتلاؤ اگر جانتے ہو؟ فوراً جواب دیں گے کہ اللہ کی۔ کہہ دیجیے کہ پھر تم نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے۔ دریافت کیجیے کہ ساتوں آسمان کا اور بہت باعظمت عرش کا رب کون ہے؟ وہ لوگ جواب

دیں گے کہ اللہ ہی ہے۔ کہہ دیجیے کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے؟ پوچھیے کہ تمام چیزوں کا اختیار کس کے ہاتھ میں ہے؟ جو پناہ دیتا ہے اور جس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دیا جاتا ، اگر تم جانتے ہو تو بتلا دو؟ یہی جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے، کہہ دیجیے پھر تم کدھر سے جادو کر دیئے جاتے ہو؟''

سورۃ العنکبوت کی آیت رقم 63 میں بھی اسی طرح کا سوال و جواب مذکور ہے:

''وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ''(العنکبوت:61)

''اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ زمین و آسمان کا خالق اور سورج چاند کو کام میں لگانے والا کون ہے؟ تو ان کا جواب یہی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ''۔

یہ اللہ تعالیٰ کی گواہی ہے، جو کبھی غلط نہیں ہو سکتی، تو اس سے بڑھ کر اور کیا گواہی ہوگی۔ اس بات کی کہ مشرکین مکہ بھی پروردگاری اور پالنہاری کے کاموں میں صرف اللہ کی وحدانیت کے قائل تھے؟ لیکن فی زمانہ یہ بڑی ہی ٹریجڈی ہے کہ آج اللہ کا نام لیوا مسلمان پروردکاری اور پالنہاری کے کاموں میں اللہ کے ساتھ انبیاء، اولیاء بلکہ جعلی اور بناوٹی پیروں اور فقیروں بلکہ پاگلوں بلکہ کتوں کی قبروں سے بھی دھڑلے سے حاجت روائی اور مشکل کشائی کا طالب ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے سوال و جواب کے مذکورہ اسلوب کے علاوہ بھی غیر اللہ کی پروردگاری اور پالنہاری کی کھلم کھلا تردید کی ہے۔

ارشاد ہے:

''وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ، أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَآءٍ وَّمَا يَشْعُرُوْنَ أَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ''(النحل:21-20)

''اور جن جن کو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے، بلکہ وہ خود پیدا کیے ہوئے ہیں۔ مردہ ہیں زندہ نہیں، انہیں تو یہ بھی شعور نہیں کہ کب اٹھائے

جائیں گے"۔

اسی طرح یہ فرمان باری ہے:

"وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا "(الفرقان:3)

"ان لوگوں نے اللہ کے سوا جنہیں اپنے معبود ٹھہرا رکھے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں، یہ تو اپنی جان کے نقصان و نفع کا بھی اختیار نہیں رکھتے اور نہ موت وحیات کا اور نہ دوبارہ جی اٹھنے کے وہ مالک ہیں"۔

حاضرین کرام! نام نہاد مسلمانوں کے علمائے سوعوام الناس کو یہ باور کراتے رہتے ہیں کہ ارے یہ سب آیتیں مشرکوں کے بتوں کے بارے میں ہیں، ہم تو اللہ کے محبوب بندوں؛ انبیاء اور اولیاء اللہ کو پکارتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ ہی نے نفع ونقصان کا اختیار سونپ رکھا ہے۔ تو ایسے شیطان کے ایجنٹوں کا زعم صرف اس ایک بات سے باطل ہو جاتا ہے کہ فتح مکہ کے دن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جن بتوں کو خانۂ کعبہ سے نکال پھینکے تھے، ان میں حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے بت بھی تھے۔ تو ان جیسے عظیم انبیاء کے مقابلے میں ان چھوٹے موٹے اولیاء اللہ کی کیا حیثیت؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی پروردگاری اور پالنہاری بلکہ عبادت میں ادنیٰ سی بھی شرکت (ساجھا) پسند نہیں کرتا۔ اس کی قرآن اور حدیث میں سینکڑوں کھلی کھلی دلیلیں ہیں۔ ذرا اس فرمانِ الٰہی کو دیکھیے کہ کائنات کی سب سے عظیم ہستی، اپنے بعد سب سے اعلیٰ وافضل ہستی اور اپنے سب سے محبوب ذات گرامی کی زبان مبارک سے کیا کہلوا رہی ہے:

"قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ "(الأعراف:188)

''آپ فرمادیجیے کہ میں خود اپنی ذات خاص کے لیے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا، مگر اتنا ہی کہ جتنا اللہ نے چاہا''۔

یعنی محمد! آپ کہہ دیجیے کہ میں تو اپنے نفع ونقصان کا بھی مالک نہیں۔ اس بابت صحیح مسلم کی وہ حدیث بھی نظر میں رکھی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قبیلے، اور رشتہ داروں، حتی کہ اپنی پیاری بیٹی فاطمہ سے بھی کہا تھا کہ تم لوگ خود کو اللہ سے بچاؤ، کیونکہ میں تمہارے لیے اللہ تعالی سے کچھ بھی نہیں کرواسکتا۔ (صحیح مسلم حدیث رقم:204)

اللہ اور رسول کی طرف سے ان دونوں واضح فرمانوں کے بعد اب اس بات کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے کہ پالنہاری صرف اور صرف اللہ کی خاصیت اور خصوصیت ہے۔

حاضرین کرام! مشرکین کے مذکورہ اقرار کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے جنگیں بھی لڑنی پڑیں۔ تو ایسا آخر کیوں ہوا؟ اس لیے وہ مشرکین توحید عبادت میں توحید کے قائل اور اس پر عامل نہیں تھے۔ توحید کی اسی قسم کے اقرار کرانے کے لیے رسالت اور نبوت کا سلسلہ قائم ہوا، اور الہی کتابیں نازل کی گئیں۔ نبیوں اور رسولوں کی دعوت کی شروعات اسی توحید کی دعوت سے ہوتی تھی۔

ارشاد باری ہے:

''وَمَآ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِيٓ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنَا فَاعْبُدُونِ'' (الأنبياء:25)

''تجھ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں پس تم سب میری ہی عبادت کرو''۔

سورۃ الأعراف میں متعدد نبیوں کے نام کے ساتھ یہ تذکرہ ہے کہ ان سب نے اپنی اپنی دعوت کی ابتدا اسی سے کی۔

اسی توحید کے اقرار کرانے، اور اس بابت ذہنوں کی اصلاح کے لیے رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے مکی زندگی کے تیرہ سال صرف کر دیے، یہاں تک کہ اسی توحید سے انکار کے نتیجے میں آپ کو اپنا محبوب وطن مکہ چھوڑنا پڑا۔ نیز مدینہ آجانے پر بھی اس کی سزا میں مشرکوں نے آپ پر متعدد حملے کیے، جن کو ہم غزوات کے نام سے جانتے ہیں۔ اس توحید کے قرآن میں متعدد عقلی دلائل اللہ تعالیٰ نے دیے ہیں۔ توحیدِ ربوبیت کے بارے میں آتیوں کے اخیر میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کتنا معنی خیز ہے، ذرا غور فرمائیے: (فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُوْنَ) ''آپ ان سے کہیے کہ پھر کیوں نہیں ڈرتے''۔ (فأنیٰ یؤفکون) ''پھر یہ کہاں الٹے جاتے ہیں؟''

قرآن کریم میں اس توحید (توحید عبادت) کے دلائل بے شمار ہیں کیوں تمام اقسام توحید میں اصل الاصول یہی توحید ہے، اس بابت ایک مشہور آیت ہے:

''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ'' (الذاریات:56)

''میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں''۔

انہیں صرف اسی بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، اور شرک سے منہ موڑتے ہوئے عبادت کو صرف اسی کے لیے خالص رکھیں۔

اس توحید سے مراد یہ ہے کہ عبادت (پرستش اور پوجا) کے سارے کاموں کو صرف اللہ کے لیے انجام دیا جائے، اور کسی کو بھی (حتیٰ کہ انبیاء اور اولیاء کو بھی) ان کاموں میں شریک نہ ٹھہرایا جائے۔

عبادت کے لغوی معنی ہیں؛ کسی کے سامنے خود کو انتہائی عاجز، خاکسار اور ہیچ ظاہر کیا جائے، خواہ زبان سے ہو یا عمل سے۔ عبادت کے معانی میں؛ نماز، روزہ، حج، زکاۃ، قربانی، نذر و نیاز وغیرہ سارے اعمال کے ساتھ ساتھ مندرجہ ذیل امور بھی آتے ہیں کیونکہ ان میں عبادت کا معنی پایا جاتا ہے:

ا۔ دینے والا صرف اللہ کو مانا جائے اس لیے دعا صرف اسی سے کی جائے، ہر مشکل

میں مدد، استعانت اور حاجت روائی اسی سے کی جائے۔

۲۔ تمام امیدیں اسی سے وابستہ کی جائیں۔

۳۔ صرف اسی پر توکل کیا جائے۔

۴۔ صرف اسی کا خوف دل میں رکھا جائے وغیرہ وغیرہ۔

ارشاد باری ہے:

"قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ" (الأنعام:162)

"آپ فرما دیجیے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو سارے جہان کا مالک ہے"۔

نیز ارشاد ہے:

"وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُوا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غَافِلُوْنَ" (الأحقاف:5)

"اور اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا؟ جو اللہ کے سوا ایسوں کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی دعا قبول نہ کر سکیں بلکہ ان کے پکارنے سے محض بے خبر ہوں"۔

غیر اللہ سے دعا کرنے کی ممانعت میں یہ فرمان باری کتنا واضح ہے:

"أَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ" (النمل:62)

"بے کس کی پکار کو جب کہ وہ پکارے، کون قبول کر کے سختی کو دور کر دیتا ہے"۔

اس کے آگے ارشاد ہے: (أَإِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ) "کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور بھی کوئی معبود ہے؟" جو فریاد کو سن سکے۔ نیز یہ ارشاد بھی کتنا واضح ہے: "وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ أَحَدًا" (الجن:18)

"اور یہ کہ مسجدیں صرف اللہ ہی کے لیے خاص ہیں پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی

اور کو نہ پکارو"۔

اور توکل کے بارے میں ارشاد باری ملاحظہ ہو:

"وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ"(المائدہ:23)

"اورتم اگر مومن ہو تو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھو"۔

حاضرین کرام! اس توحید کا دل سے اقرار کر لینے والے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے شمار فضیلتیں حاصل ہوں گی۔

عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من مات وهو يعلم أنه لا إلٰه إلا اللّٰه دخل الجنة"(صحيح مسلم حديث رقم:26)

"جس کی موت اس حالت میں ہوئی کہ وہ یہ اقرار کرتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اگر کبیرہ گناہوں کے سبب ایک مدت کے لیے خدا نخواستہ جہنم میں جائے گا تو بالآخر توحید کے طفیل اس سے نکال لیا جائے گا۔

جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من مات لايشرك باللّٰه شيئا دخل الجنة، ومن مات يشرك باللّٰه شيئا دخل النار"(صحيح مسلم:93)

"جو اس حال میں مرا کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہیں ٹھہراتا تھا تو وہ بالآخر جنت میں داخل ہوگا۔ اور جو اس حال میں مرا کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک ٹھہراتا تھا وہ جہنم رسید ہوگا۔

توحید الوہیت کی مذکورہ فضیلت اور فائدے کے علاوہ بھی اور بہت سے فضائل وفوائد ہیں جن میں سے بعض کا ذکر یہاں کیا جارہا ہے:

ا۔ آدمی جس قدر توحید میں خالص ہوگا اسی کے بقدر اس سے دنیا اور آخرت میں

بلائیں اور پریشانیاں دور ہوں گی۔

ارشاد باری ہے:

"اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ" (الأنعام:82)

"جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں کرتے، ایسوں ہی کے لیے امن ہے اور وہی راہ راست پر چل رہے ہیں"۔

نیز ارشاد ہے:

"لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ" (الأنبياء:103)

"وہ بڑی گھبراہٹ (بھی) انہیں غمگین نہ کر سکے گی اور فرشتے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے، کہ یہی تمہارا وہ دن ہے جس کا تم وعدہ دیئے جاتے رہے"۔

۲۔قرآن وحدیث میں موحدین کے لیے اور بھی دیگر فضائل وانعامات کا تذکرہ ہے جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں، جیسے دنیا ہی میں ان کے لیے جنت کی خوشخبری جس کا تذکرہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ایک طویل قصے میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) میرے یہ دونوں جوتے لے جاؤ" اور تمہیں باغ کے باہر جو شخص بھی ایسا ملے کہ وہ دل کے یقین کے ساتھ اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں تو اسے جنت کی بشارت دے دو"۔ صحیح مسلم حدیث رقم:31)

اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو مسلمان فوت ہو جائے پھر اس کی نماز جنازہ میں چالیس افراد شرکت کریں جنہوں نے کبھی اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرایا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے حق میں ان کی شفاعت قبول کر لیتا ہے"۔ (صحیح مسلم حدیث رقم:948)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ قیامت کے دن سب سے خوش نصیب وہ کون آدمی ہوگا جس کے حق میں آپ شفاعت کریں گے؟ تو آپ نے جواب دیا: قیامت کے دن میری شفاعت کی سعادت اس شخص کو نصیب ہوگی جس نے اپنے دل کی گہرائیوں سے اخلاص کے ساتھ "لا إله إلا الله" کہا ہو"۔ (صحیح بخاری رقم:99، 6570)

سامعین کرام! توحید کے بیان میں اس کی مذکورہ دونوں قسموں؛ توحیدِ ربوبیت اور توحیدِ الوہیت کے علاوہ توحید کی ایک اور قسم سے واقفیت بھی ضروری ہے، اور وہ ہے توحید اسماء وصفات باری تعالیٰ۔ اس توحید کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور اپنی ذاتی و فعلی صفات کے بارے میں جو بھی الفاظ استعمال کیے ہیں ان پر ایمان لایا جائے۔ نہ تو ان کا انکار کیا جائے جیسا کہ ایک گمراہ فرقہ معطلہ کرتا ہے۔ اور نہ ہی ان کو اس طرح مانا جائے کہ ان اسماء وصفات میں خالق اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان مشابہت لازم آجائے، جیسا کہ ایک گمراہ فرقہ مجسمہ ومشبہ کرتا ہے۔ دونوں کے درمیان سلف صالحین صحابہ وتابعین اور اتباع تابعین کا معتدل عقیدہ یہ ہے کہ ان سب اسماء وصفات پر جو قرآن اور حدیث میں اللہ کے لیے آئے ہیں ان کو اللہ کے لیے ان کے ظاہر معنی کے لحاظ سے ہی ثابت مانا جائے۔ البتہ ان کی کیفیت کو اللہ کے حوالہ کردیا جائے کہ ہمیں ان کی کیفیت نہیں معلوم۔ اس سلسلے میں سب سے بنیادی آیت ہے:

"لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَّهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ" (الشوریٰ:11) "اس جیسی کوئی چیز نہیں وہ سننے اور دیکھنے والا ہے"۔

اس آیت میں جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے سے مشابہت کی نفی کی ہے، وہیں اپنے لیے "سمیع اور بصیر" کی صفت ثابت کی ہے۔ جب کہ خود اللہ تعالیٰ نے اس طرح کی صفات بندوں کے لیے استعمال کیے ہیں۔ یعنی؛ اللہ کے لیے صفات تو ہیں۔ مگر بندوں کی

صفات کی طرح نہیں۔

اسماء وصفات باری تعالیٰ کے سلسلے میں سلف صالحین کے موقف کی وضاحت امام مالک نے اس طرح کی ہے:

"الا ستواء معلوم والكيف مجهول، والإيمان به واجب، والسؤال عنه بدعة"

"استواء کا معنی معلوم ہے۔ یہ "الرحمن على العرش استوىٰ" کی طرف اشارہ ہے۔ استواء کی کیفیت معلوم نہیں۔ اور اس پر ایمان واجب ہے اور اس کے متعلق سوال بھی بدعت ہے"۔

ان اسماء وصفات میں سے اللہ کے وہ صفاتی نام ہیں جن کا تذکرہ اللہ نے سورۃ الشوریٰ کی آیت:23، سورۃ الاسرائے کی آیت:110 سورۂ طٰہ کی آیت:8 اور سور لأعراف کی آیت:180 میں کیا ہے، ان کو اسماء الحسنٰی سے تعبیر کیا ہے۔ اور ان کے ذریعہ دعا کرنے کا حکم دیا ہے۔

اور ان میں الحاد کرنے سے منع کیا ہے۔ اسماء میں الحاد سے مراد یہی ہے کہ نہ تو ان کو معطل کیا جائے اور نہ ہی ان میں مخلوق سے مشابہت دی جائے۔

ان اسماء وصفات کے جو ظاہری معنی ومطلب بیان کیے گئے ہیں قرآن کے اولین مخاطب صحابہ، اور بزبان رسالت مآب صحابہ کی طرح دین کی سمجھ میں معتبر تابعین واتباع تابعین نے یہی معنی ومطلب بیان کیے ہیں۔ اس لیے ان کے معنی ومطلب یہود ونصاریٰ کے دم چھلے فلاسفہ ومتکلمین، معتزلہ، اشاعرہ، ماتریدیہ وغیرہم پر دھیان نہ دیا جائے۔

اور آخیر میں دعا کی جائے کہ اللہ تعالیٰ ہمارا خاتمہ سلف صالحین کے ایمان وعقیدہ پر فرمائے اور قیامت کے دن ہمارا حشر ونشر انہیں کے ساتھ ہو۔ "وحسن أولئک رفيقا .وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين."

دوسرا خطبہ:

الحمد للّٰہ ، والصلاۃ والسلام علی رسول اللّٰہ. أمابعد : فأعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم ، بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم:

"إِنَّ اللّٰہَ لاَ یَغْفِرُ أَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ" (النساء:116)

وقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم :من مات یشرک باللّٰہ دخل النار (صحیح مسلم حدیث رقم:93)

حاضرین کرام! توحید میں، جس کا بیان خطبۂ اولیٰ میں ہوا، خلل ڈالنے والے بہت سے امور ہیں جن میں ایک لفظ "شرک" ہے، شرک توحید کی نقیض ہے، اور ایسا گناہ ہے جس کے مرتکب انسان کی کبھی بھی بخشائش نہیں ہوگی۔

جیسا کہ سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ کا حتمی اعلان ہے:

"إِنَّ اللّٰہَ لاَ یَغْفِرُ أَن یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ" (النساء:116)

"اسے اللہ تعالیٰ قطعاً نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک ٹھہرایا جائے، ہاں شرک کے علاوہ گناہ جس کے چاہے معاف فرما دیتا ہے"۔

بنابریں ہر طرح کے شرک سے بچتے رہنا بہت ضروری ہے۔

حاضرین کرام! شرک کی دو قسمیں ہیں: ایک شرک اکبر، دوسری شرک اصغر، شرک اکبر انسان کو ایمان واسلام سے خارج کر دیتا ہے اور اگر انسان بغیر توبہ کے مر جائے تو اس کی بخشائش کسی قیمت پر نہیں ہوگی جیسا کہ اللہ کا اعلان ہے۔

توحیدِ ربوبیت میں شرک اکبر یہ ہے کہ اللہ کے سوا بھی کسی ذات کو نفع ونقصان کے

معاملات میں مالک ومتصرف مانا جائے،اس سے حاجت روائی طلب کی جائے،اس سے دعا کی جائے، دعا تو توحیدِ ربوبیت اور توحیدِ الوہیت ہر دو قسم کی توحید کو جامع ہے۔اور کسی ہستی سے ماورائے اسباب دعا دونوں توحید میں نقص ہے یعنی شرک اکبر ہے۔بلکہ اکبر ترین شرک ہے۔

اور توحیدِ الوہیت میں شرک اکبر یہ ہے کہ عبادت کے کسی بھی کام میں غیر کو شریک کرلیا جائے، جیسے مزاروں پر سجدہ کیا جائے، مزاروں کا طواف کیا جائے، غیر اللہ کے لیے نذر و نیاز پیش کیا جائے، غیر اللہ کے نام پر قربانی کی جائے، تعویذ گنڈے لٹکائے جائیں، اللہ کے بندوں سے منتیں مانگی جائیں وغیرہ وغیرہ۔

شرکِ اکبر کی قسموں میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ کے سوا دوسرں کی حلال کردہ چیزوں اور کاموں کو حلال مانا جائے، اور دوسروں کے حرام کردہ چیزوں اور کاموں کو حرام مانا جائے، جس کی طرف عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اشارہ ہے کہ جب یہ آیت اتری:

"اِتَّخَذُوْ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ"(التوبہ:31)

"ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنایا"۔

یعنی اہل کتاب نے اپنے علماء اور راہبوں کو اللہ کے سوا رب بنا رکھا تھا تو عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ہم نے ان کو رب نہیں بنایا تھا، نہ ان کی عبادت کیا کرتے تھے۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا ایسا نہیں تھا کہ جو چیز وہ حلال قرار دیتے تھے اہل کتاب کے عوام ان کو حلال مان لیتے تھے، اور جو چیز وہ حرام قرار دیتے تھے اس کو وہ حرام مان لیتے تھے؟ تو یہی ان کو رب ماننا اور ان کی عبادت کرنا ہے"۔(رواہ الترمذی وحسنہ الألبانی)

شرک اکبر کی قسموں میں سے ایک قسم غیر اللہ سے اللہ کی طرح محبت کرنا بھی ہے۔

ارشار باری ہے:

"وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ أَنْدَاداً يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا أَشَدُّ حُبّاً لِّلّٰهِ "(البقرۃ:165)

''بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے شریک اوروں کو ٹھہرا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں، جیسی محبت اللہ سے ہونی چاہیے اور ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں''۔

اور شرک اصغر بھی گرچہ شرک کے زمرے میں آتا ہے؛ مگر یہ انسان کو ملتِ اسلام سے خارج نہیں کرتا، اس شرک کا اطلاق خاص طور پر ریا پر ہوتا ہے۔

ارشاد نبوی ہے:

"إن أخوف ما أخاف على أمتي الشرك الأصغر، قالوا: وما الشرك الأصغر يا رسول الله! قال: الرياء" (مسند احمد5/428، 429/وصححه الألباني في الصحيحة رقم : 951)

''مجھے اپنی امت کے سب سے زیادہ شرک اصغر میں مبتلا ہونے کا ڈر ہے۔ لوگوں نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! شرک اصغر کیا ہے؟ فرمایا: ریا''۔

اس لیے شرک اصغر بھی خطرناک ہے کہ اس کا مرتکب شرک اکبر تک پہنچ جاتا ہے، اس لیے اس سے ہمہ وقت چوکنا رہنا چاہیے۔ شرکِ اصغر کی اور قسموں سے وقت کی تنگ دامانی کے سبب صرف نظر کیا جاتا ہے۔

اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم کو مکمل توحید اور حقیقی توحید کو سمجھنے کی توفیق دے، اور تا حیات شرک کے شائبہ تک سے بچاتا رہے، اور جن کو بچایا ہے انہی کے عقیدے اور منہج پر ہمارا خاتمہ کرے، اور قیامت کے دن انہی کے ساتھ ہمارا حشر ونشر کرے۔ ''وحسن أولئك رفيقا''۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

یہ لٹیرے دین وایمان کے

(کاہن، نجومی، جادوگر، شعبدہ باز اور ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر مقدر بتانے والے)

پہلا خطبہ:

"إنَّ الحمد للّٰه ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادی له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله"

أمابعد!

محترم سامعین کرام! ایک مسلمان صرف اور صرف اللہ عزوجل سے لولگا تا ہے۔اس کی محبت والفت کی ڈور محض رب تعالیٰ سے بندھی رہتی ہے۔ زندگی میں اگر اسے خوشی ومسرت نصیب ہوتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ شکر بجالاتا ہے اور اگر گردش لیل ونہار اسے مصائب وآلام کے سمندر میں ڈبوتی ہے تو وہ اسی رب کے حضور گڑگڑاتا ہے، دعا کرتا ہے، روتا اور بلکتا ہے، اپنے گناہوں سے معافی چاہتا ہے اور اپنے رب ہی سے فریاد کرتا ہے کہ پروردگار! تیرے سوا میرا اور کون ہے جس سے میں اپنے گناہوں کی معافی چاہوں؟ کس کے سامنے ہاتھ پھیلاؤں؟ کس سے فریاد کروں؟ کون ہے تیرے سوا جو میری مصیبتوں کا مداوا کرے گا، میرے دکھوں اور غموں کو دور کرے گا، میرے اشکوں کی لاج

رکھے گا؟ پروردگار! میرا سہارا تو بس تو ہی ہے اور میں تجھ ہی سے مدد چاہتا ہوں، تجھ ہی سے فریاد کرتا ہوں کہ میرے مصائب دور کر دے! غرض کہ ایک بندۂ مومن کا دل خوشی اور غمی ہر دو حال میں اپنے رب سے لگا رہتا ہے! وہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زندگی کے ہر موڑ پر رہنما اور رہبر بنا کر اپنے رب سے اپنے تعلقات کو مضبوط ترین بنانے کی سعی پیہم میں مصروف رہتا ہے۔

معزز سامعین کرام! بندہ کا اپنے رب سے یہی وہ تعلق اور رابطہ ہے جسے توڑنے کی کوشش اور مسلسل جدوجہد شیاطین انس وجن ہمہ وقت کرتے ہیں۔ جہاں کہیں کسی بندے کا اپنے رب سے تعلق ورابطہ ذرا مستحکم ہوا، یا ہونا شروع ہوا، شیاطین انس وجن متحرک وسرگرم ہو گئے۔

ہمیں وہ حدیث پاک ہرگز نہیں بھولنا چاہیے جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس میں آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابلیس لعین نے کہا: پروردگار! تیری عزت کی قسم! میں تیرے بندوں کو اس وقت تک گمراہ کروں گا جب تک ان کے جسموں میں روح باقی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: میرے عزت وجلال کی قسم! میں بھی ان کو اس وقت معاف کرتا رہوں گا جب تک وہ مجھ سے معافی مانگتے رہیں گے''۔ (احمد اور حاکم نے اسے روایت کیا ہے۔ حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے)۔

سامعین کرام! معلوم ہوا کہ شیطنت کی انسانیت سے دشمنی اور عداوت ازلی ہے۔ یہ اتنی قدیم ہے جتنی خود انسانیت کی تاریخ قدیم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم تاریخ کے ہر دور میں دیکھتے ہیں کہ شیطانوں نے انسانوں کو طرح طرح کی ضلالتوں اور گمراہیوں میں مبتلا کیا اور انہوں نے اس سلسلے میں نہ صرف یہ کہ اپنی جنس نوع کے افراد کو استعمال کیا بلکہ جنس ونوع انسانی کے بے شمار افراد کو بھی اپنے دام فریب میں پھانس کر اپنا کارندہ وکار پرداز بنالیا۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ شیطانوں کے لیے ان کے انسانی کارندے زیادہ کارگر اور مفید ثابت

ہوئے۔ کچھ کارندے ایسے تھے جو وقتی ثابت ہوئے؛ لیکن کاہن، نجومی، جادوگر، شعبدہ باز اور ہاتھ کی لکیروں کو دیکھ کر قسمت بتانے والے، شیطان کے ایسے کارندے ثابت ہوئے جن کی زہرناکی کی شکار انسانیت روزِ اول سے رہی ہے اور آج بھی ہو رہی ہے۔

حاضرینِ گرامی! تاریخ کے گزرے ہوئے ادوار کی بات چھوڑ دیئے کہ ان ادوار کو اندھیروں کا زمانہ کہہ کر پلو جھاڑ لیا جاتا ہے؛ لیکن موجودہ زمانہ جسے جدید اور ترقی یافتہ زمانہ کہا جاتا ہے، اس زمانہ میں بھی وہ کون سی توہم پرستی ہے جو پوری شان وشوکت بلکہ یوں کہیے کہ پہلے سے ہزار گنا زیادہ خطرناک صورت میں موجود نہیں۔ زمانہ ہاتھ کی لکھائی کے دور سے نکل کر پرنٹ کے دور میں داخل ہوا۔ پرنٹ دور بھی اب پیچھے چھوٹ رہا ہے اور الکٹرانک پرنٹ کا زمانہ بھی تقریباً ناپید ہوا چاہتا ہے، کیوں کہ یہ سیٹلائٹ کا زمانہ ہے۔

اس زمانہ میں بھی دھڑلے سے ان گمراہیوں کو سیٹلائٹ چینل عوام الناس کے سامنے چھوٹے اور بڑے ہر پردے میں پیش کر رہے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ عظیم الشان تجارتی انڈسٹری بن گئی ہے۔

سامعین عظام! ذرا غور فرمائیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ آج کیا مرد، کیا عورت، کیا چھوٹے اور کیا بڑے بوڑھے، دھڑلے سے جادوگروں، کاہنوں، نجومیوں اور شعبدہ بازوں کے آستانے پر اپنی جبینِ نیاز خم کرنے آتے ہیں اور مقصد و مدعا اتنا یہ ہوتا ہے کہ وہ ان چالبازوں کے ذریعہ اپنی آرزو اور تمنا کی کلیاں کھلا کر پھول بنانے میں کامیاب و بامراد رہیں گے۔ جو افسر و حاکم ہے وہ بھی ان کی چوکھٹ پر سرِ تسلیم خم یہ عقیدہ رکھتے ہوئے کرتا ہے اور ان کا اشارہ پائے بغیر کوئی کام نہیں کرتا کہ اسی کاہن کی بدولت اس نے افسری اور حاکمیت پائی ہے اور وہ جب چاہیں گے اس کی افسری اور حاکمیت چھین بھی سکتے ہیں۔ وہ بھول جاتا ہے کہ افسری اور حاکمیت عطا کرنا کسی بدچلن و بداطوار کاہن کے بس کا کام نہیں بلکہ یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو افسری عطا کرتی ہے اور چھینتی ہے۔

ارشاد باری ہے:

"قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" (آل عمران:26)

"آپ کہہ دیجیے اے اللہ! اے تمام جہان کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے، تیرے ہی ہاتھ میں سب بھلائیاں ہیں، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے"۔

اگر کوئی تاجر ہے تو وہ بھی خرید وفروخت اسی کاہن کے مشورے سے یا شعبدہ باز کی ہری جھنڈی پا کر کرتا ہے، جس سے اس کا دل لگا ہوا ہے۔ تاجر وہی کرتا ہے جو کاہن اسے کرنے کے لیے کہتا ہے۔

محترم دوستو اور بزرگو! حد تو اس وقت ہو جاتی ہے جب کسی کی بیوی کسی بابا یا پیر وفقیر یا کاہن وجادوگر کے پاس جاتی ہے اور اپنے شوہر پر کلی حکمرانی کا نسخہ کاہن یا دوگر سے مانگتی ہے۔ اس کے صلے میں اسے ملتا کیا ہے؟ (نعوذ باللہ) اس کی عزت وعصمت تار تار ہوتی ہے۔ کاہن وجادوگر اس کی عزت وعصمت سے کھلواڑ کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کی زندگی کالک کی لیپ بن کر رہ جاتی ہے جسے وہ کبھی مٹا نہیں پاتی۔ یہ ہے ہمارے جدید معاشرے کی بدصورت کہانی کی ایک جھلک۔

جادوگری، کہانت اور شعبدہ بازی کی حرمت:

معزز حاضرین! یہی وہ اسباب ووجوہات ہیں جن کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے جادو، کہانت اور شعبدہ بازی کے علم کو سیکھنا اور کسی بھی طرح برتنا کفر قرار دیا ہے؛ کیوں کہ ان علوم کے ذریعہ انسانیت کو فائدہ ہونے کے بجائے مختلف قسم کے سماجی، معاشرتی اور سیاسی نقصانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتّٰى يَقُولَآ إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلاَ تَكْفُرْ"(البقرۃ:102)

"وہ دونوں بھی کسی شخص کو اس وقت تک نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیں کہ ہم تو ایک آزمائش ہیں تو کفر نہ کر"۔

ہاروت اور ماروت جس کسی کو جادو کا علم سکھاتے تھے، اسے پہلے ہی بتا دیتے تھے کہ ہم ایک آزمائش ہیں، لہٰذا ہم سے علم سیکھ کر کفر نہ کرو۔

دوسری جگہ باری تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

"وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتٰى"(طٰہٰ:69)

"اور جادوگر کہیں سے بھی آئے کامیاب نہیں ہوتا"۔

سامعین کرام! دیکھا آپ نے ان دو آیتوں میں رب کائنات نے جادوئی علم کے بارے میں کیا کہا؟ کہا کہ یہ علم کفر کا دروزاہ کھولتا ہے۔ جو بھی اسے سیکھتا ہے، وہ کفر کا ارتکاب کرتا ہے۔ اور کافر کا ٹھکانہ کہاں اور کیا ہے؟ یہ بات آپ سب کو معلوم ہے۔ دوسری بات یہ کہی کہ جادوگر اپنے فن میں چاہے جتنا بھی کرتب دکھالے، کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اور جب جادوگر خود کامیاب و بامراد نہیں ہوسکتا تو بھلا وہ شخص جو کسی پر جادو کرے، کیسے اور کیوں کر کامیاب ہوسکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ رب العالمین کے رسول برحق رحمۃ للعالمین نے ارشاد فرمایا ہے: کہ سات ہلاکت خیز و بلا آفریں چیزوں سے بچو! صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پوچھا: یارسول اللہ وہ سات چیزیں کیا ہیں؟ ارشاد ہوا:

۱۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا۔

۲۔ جادو

۳۔ یتیم کا مال ناحق طریقے پر کھانا۔

۴۔میدان جنگ سے پیٹھ دکھا کر بھاگنا۔

۵۔سادہ لوح پاک دامن مومنہ عورتوں پر تہمت تراشی کرنا......'' الخ (متفق علیہ)

دوسری حدیث میں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ کچھ لوگوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کاہنوں کے بارے میں پوچھا آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ کسی کھیت کی مولی نہیں ہوتے۔ان لوگوں نے عرض کیا: لیکن یا رسول اللہ! وہ کبھی ایسی بات بھی بتا دیتے ہیں جو حقیقت بن کر سامنے آجاتی ہے! تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ بات سچ نکل جاتی ہے، اس کی اصل یہ ہے کہ کوئی جن اسے آسمان سے اچک کر لے آتا ہے اور اپنے مؤکل کے کانوں میں ڈال دیتا ہے۔ پھر وہ مؤکل اس میں سو جھوٹ ملا کر لوگوں کو بتا دیتے ہیں''۔(بخاری)

دوستو اور عزیزو! کاہنوں، نجومیوں اور جادوگروں کی بات یہیں تک محدود نہیں ہے، بلکہ معاملہ اس سے بھی کہیں زیادہ سنگین ہے۔ یہ دراصل ایمان و شریعت کے لیٹرے ہیں جو مختلف بھیسوں میں عوام الناس اور سادہ لوح لوگوں کا دین وایمان برباد کر دیتے ہیں اور لوگوں کو پتہ بھی نہیں چلتا۔ یہی سبب ہے کہ نبی گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اوہام پرستوں کے سایہ سے بھی اپنی امت کے لوگوں کو دور رہنے کی جا بجا تلقین و تاکید فرمائی۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ ہم سے نہیں جس نے بدشگونی لی یا جس کے لیے بدشگونی لی گئی، جس نے کہانت کی یا جس کے بارے میں کہانت کرائی گئی، جس نے جادو کیا یا جس کے لیے جادو کرایا گیا۔ اور جو کاہن کے پاس گیا اور اس کی باتوں کی تصدیق کی، اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو چیز نازل کی گئی یعنی قرآن وسنت سے کفر کیا۔ (بزار۔بسند صحیح)

معزز حاضرین جمعہ! یہی وجہ ہے کہ آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے معلوم ہوتا ہے کہ جادوگر اور شعبدہ بازوں کی سزا تلوار سے قتل کر دینا ہے۔ کیا بات ہے آخر کہ اسلام میں ایسے

لوگوں کے لیے قتل کی سزا مقرر کی گئی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے لوگ کسی بھی معاشرہ کو تباہ و برباد کر ڈالتے ہیں۔ وہ لوگ معاشرہ کے لیے زہر ہلاہل سے بھی زیادہ نقصان دہ ہوا کرتے ہیں۔ ان کی غلط کاریوں سے معاشرہ کی چولیں ہل جاتی ہیں۔ نقصانات کا ایک لامتناہی سلسلہ معاشرہ کو آ گھیرتا ہے:

پہلا نقصان:

ایسے لوگوں سے یہ ہوتا ہے کہ ان کے پاس آنے والے لوگوں اور ان کی تصدیق کرنے والے اشخاص کا دین و ایمان چھن جاتا ہے جیسا کہ آپ نے حدیث پاک میں ملاحظہ فرمایا۔

دوسرا نقصان:

ان لوگوں سے یہ ہوتا ہے کہ معاشرہ میں قتل و غارت گری کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ یہ بد قماش و بد فطرت لوگ انسانوں کی بلی چڑھانے تک سے گریز نہیں کرتے جس سے ہتک انسانیت ہوتی ہے۔ حالانکہ اللہ نے انسان کو مکرم بنایا ہے۔

تیسرا نقصان:

یہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے ذریعہ سماج و معاشرہ میں زنا کاری و بدکاری کی وبا عام ہو جاتی ہے۔ کتنے ہی کاہن اور بابا ایسے ہیں جنہوں نے ان گنت عورتوں کی عصمت و عزت کو تار تار کیا۔ ایسی خبریں گاہے بگاہے تاریکی کے پردے سے چھن چھن کر روشنی میں آتی رہتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معاشرہ کی بنیاد متزلزل ہو جاتی ہے۔

چوتھا نقصان:

یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے خون پسینہ کی کمائی کو باطل طریقے سے کھانے کا رواج عام ہوتا ہے کیوں کہ یہ لوگ اپنے محنتانہ کے طور پر جو مال لوگوں سے وصول کرتے ہیں، وہ یقیناً باطل اور خبیث ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ "رسول

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت، رنڈی یا فاحشہ عورت کی کمائی اور کاہن کی شیرینی کھانے سے منع فرمایا ہے"۔(بخاری)

پانچواں نقصان:

یہ سادہ لوح لوگوں کو گمراہی اور فسق و فجور کے غار عمیق میں دھکیلتے اور انہیں شعائر دینیہ کی دھجیاں اڑانے پر مجبور کرتے ہیں۔ بسا اوقات وہ اپنے پاس آنے والوں کو واضح طور پر نماز چھوڑنے اور غسل جنابت نہ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں اور ہر قسم کی برائیوں کا ارتکاب کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ ان کے متبعین ایسا کرتے بھی ہیں۔

چھٹا نقصان:

یہ لوگ اس طرح پہنچاتے ہیں کہ وہ اپنی کالے کرتوتوں سے اللہ تعالیٰ کے عذاب وعقاب کو دعوت دیتے ہیں کیوں کہ یہ چیزیں اللہ کی نظر میں نہایت مبغوض و مکروہ ہیں اور جس سماج میں یہ چیزیں پائی جائیں، وہ ہمیشہ عذاب خداوندی کی لپیٹ میں رہتا ہے۔

ساتواں عظیم ترین نقصان:

یہ ہے کہ ایسے لوگ اور ان پر یقین کرنے والے لوگ دنیا و آخرت دونوں کے خسران ونقصان سے دوچار ہوتے ہیں۔ انہیں کسی کروٹ بھی فلاح و کامرانی نہیں ملتی۔

ارشاد باری ہے:

"وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتٰى "(طٰہٰ:69)

"اور جادوگر کہیں سے بھی آئے کامیاب نہیں ہوتا"۔

علامہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مشاہدات سے معلوم ہوتا ہے کہ نجومی کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ دنیا و آخرت میں کہیں بھی نہیں۔(مجموع فتاوی ابن تیمیہ: 193/35)

بزرگو اور دوستو! اب ذرا اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر بتاؤ کہ کیا تم ان کے ہتھے چڑھ کر اپنا

دین وایمان کفر کے بدلے بیچو گے؟ کبھی نہیں۔

کیا تم چاہو گے کہ معاشرہ میں انارکی پھیلے، قتل وغارت گری عام ہو، اور عزت وعصمت یوں ہی ان گھناؤنے لوگوں کے ہاتھوں لٹتی رہے؟ ہرگز نہیں، واللہ ہرگز نہیں۔

تو اٹھو، ایسے لوگوں سے اپنے سماج، گاؤں اور خاندان کو بچاؤ۔ ایک ایک آدمی کو بتاؤ کہ یہ چیزیں سراپا نقصان ہیں۔ ان سے اصل متاع زندگی چھن جاتی ہے۔ ان سے باز رہو، خدارا باز رہو۔

اللہ ہم سب کا حامی وناصر ہو! آمین۔

دوسرا خطبہ:

”إنَّ الحمد لله ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله“

دوستان گرامی! خطبۂ اولیٰ میں آپ نے سنا کہ معاشرہ کو جادو اور اس سے متعلق علوم کس قدر نقصانات سے دوچار کرتے ہیں۔ اب میں چند ناصحانہ کلمات اپنے دل کی گہرائیوں سے آپ حضرات کے سامنے رکھنا چاہوں گا۔ میرے دوستو! تم ان شعبدہ بازوں کی طرف نہیں، بلکہ اپنے ہر معاملے میں اللہ سے رجوع کرو۔ وہ اللہ ایسا ہے کہ اگر وہ دے تو کوئی روکنے والا نہیں اور اگر وہ روک دے تو کوئی دے نہیں سکتا۔

اس اللہ نے ہمارے لیے شرعی اسباب پیدا کر دیے ہیں، انہیں کو بروئے کار لا کر اپنی زندگی کا سامان کرو، اسی سے دعائیں مانگو، اسی سے اپنے مصائب سے چھٹکارا مانگو۔

کون ہے جو صرف اللہ تعالیٰ سے اپنی روزی مانگے کہ وہ اللہ عطا کرنے کے لیے ہمہ

وقت تیار ہے۔ارشاد ہے:

"فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ" (العنکبوت:17)

"تم اللہ تعالیٰ ہی سے روزیاں طلب کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کی شکر گزاری کرو اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے"۔

اے وہ خواتین! جو باباؤں اور ڈھونگی پیروں کے پاس اپنے بانجھ پن کی شکایت لے کر جاتی ہو اور بسا اوقات اپنے دامن عصمت کو تار تار کر کے واپس آتی ہو کیا تمہیں یاد نہیں کہ زکریا علیہ السلام نے اللہ سے کیا دعا مانگی تھی؟ اگر نہیں یاد ہے تو اب یاد کر لو، رب کائنات نے ان کی دعا کو قرآن پاک میں نقل کیا ہے:

"رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ" (آل عمران:38)

"اے میرے پروردگار! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بے شک تو دعا کا سننے والا ہے"۔

اور اے غلط طریقوں اور وسائل سے جاہ و منصب طلب کرنے والو! جاہ و منصب ان بدقماش شعبدہ بازوں سے نہیں بلکہ حقیقی جاہ و منصب والے خدا سے مانگو۔وہ خود تم سے کہتا ہے:

"وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ" (البقرۃ:186)

"جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو آپ کہہ دیں کہ میں بہت ہی قریب ہوں ہر پکارنے والے کی پکار کو جب کبھی وہ مجھے پکارے، قبول کرتا ہوں"۔

رب کائنات خود کہہ رہا ہے کہ میں اپنے بندے کی پکار سنتا ہوں، وہ جب مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا کو قبول کرتا ہوں، اور تم اے نادانو! رب کریم کے آستانِ مبارک کو چھوڑ کران بے مایہ بدقماشوں کی چوکھٹ پر سر جھکانے اور گڑگڑانے جاتے ہو؟ اور اے افسر اور حاکمو! تمہاری غیرت کہاں چلی گئی؟ تم کیوں اتنے مجبور ہوئے گئے کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے شعبدہ بازیوں کا جال پھیلا ہوا ہے اور تم آنکھیں بند کیے پڑے ہو؟ اٹھو، خدارا، اٹھو اپنی غیرت کو آواز دو، اور سماج سے ان شعبدہ بازوں کے اڈوں کو اکھاڑ پھینکو، تا کہ کسی کی عزت نہ لٹے، کسی کی عصمت تار تار نہ ہو، کوئی ٹھکانہ جا، کسی کی بلی نہ چڑھے۔ اٹھو ،خود جاگو اور قوم وملت کو جگا دو۔ یاد رکھو:

”وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ“(المائدہ:2)

”نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم وزیادتی میں مدد نہ کرو“۔

سامعین کرام! یہ تھیں میرے دل کی آوازیں جن کو آپ تک پہنچا دینا میرا فریضہ تھا، اور وہ فریضہ میں نے ادا کردیا ہے۔ اب آیئے ہم سب مل کر سماج ومعاشرہ کو جادوگری، کہانت اور شعبدہ بازی کے مکڑ جالوں سے پاک کریں۔ خود جاگیں اور لوگوں کو جگائیں۔ اللہ ہمارا اور آپ کا اور تمام مسلمانوں کا حامی وناصر ہو۔ آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

پابندی سنت

پہلا خطبہ:

"إنَّ الحمد للّٰه ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريك له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله"

محترم بزرگو، بھائیو اور عزیزو! ہم میں سے کون ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہ رکھتا ہو اور ان چیزوں سے محبت نہ رکھتا ہو جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محبت رکھتے تھے۔ اسی طرح ہم میں سے کون ہے جو آخرت میں آپ کی قربت ومعیت اور آپ کی شفاعت کا خواہاں نہ ہو۔ ہم میں سے ہر شخص کی یہ خواہش ہے کہ آخرت میں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت ومعیت حاصل ہو اور ہمیں آپ کی شفاعت میسر ہو، اور محشر میں آپ کے ہاتھ سے ہمیں جامِ کوثر نصیب ہو؛ لیکن سوال یہ ہے کہ ہم سب کی یہ خواہش اور چاہت کیسے پوری ہوسکتی ہے اور اس کی کیا سبیل ہے؟

میرے محترم بھائیو اور بزرگو! اس کا صرف ایک ہی راستہ ہے، اس کے علاوہ کوئی اور دوسرا راستہ نہیں، اور وہ ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت جو دنیا کی ہر چیز سے یہاں تک کہ ماں باپ اور اولاد کی محبت سے بھی بڑھ کر ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”لا یؤمن أحدکم حتی أکون أحب إلیه من والده وولده والناس اجمعین“

”تم میں سے کوئی کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے اپنے والدین اپنے بیٹوں اور سارے لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں“۔

یاد رکھیے، آپ سے محبت کی پہلی علامت آپ کی مکمل اطاعت و پیروی آپ کی سنتوں پر پوری طرح سے کاربند ہونا ہے۔ قرآن کریم کی بے شمار آیتوں میں اللہ کی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔

ارشاد باری ہے:

”قُلْ أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللّٰهَ لاَ يُحِبُّ الْكَافِرِيْنَ“ (آل عمران:32)

”کہہ دیجیے! کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو، اگر یہ منہ پھیر لیں تو بے شک اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتا“۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

”يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ“ (النساء:59)

”اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اور اپنے میں سے اختیار والوں کی۔ پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف، اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے“۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

"يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْا اَعْمَالَكُمْ" (محمد:33)

"اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو غارت نہ کرو"۔

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نیک اعمال کی بربادی کا باعث ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و پیروی درحقیقت اللہ کی اطاعت و پیروی ہے۔

ارشاد باری ہے:

"مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا" (النساء:80)

'اس رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جو اطاعت کرے اسی نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی اور جو منہ پھیر لے تو ہم نے آپ کو کچھ ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا"۔

اللہ سے محبت کا دعوی بغیر رسول کی اطاعت کے درست نہیں۔

ارشاد باری ہے:

"قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ" (آل عمران:31)

"کہہ دیجیے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور وہ تمہارے گناہ معاف فرمادے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے"۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے بغیر اللہ سے محبت کا دعوی صحیح نہیں۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ بھی اپنے بندوں سے اسی وقت محبت

کرے گا جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و پیروی کریں گے۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول کی اتباع گناہوں کی بخشش و مغفرت کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ درحقیقت صحیح معنوں میں مومن وہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے ہر حکم اور ہر فیصلے کے سامنے اپنا سر خم کر دے۔

ارشاد باری ہے:

''إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذَا دُعُوْآ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ، وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ''(النور:52-51)

''ایمان والوں کا قول تو یہ ہے کہ جب انہیں اس لیے بلایا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ان میں فیصلہ کر دے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا۔ یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔ جو بھی اللہ تعالیٰ کی، اس کے رسول کی فرماں برداری کریں، خوف الٰہی رکھیں اور اس کے عذابوں سے ڈرتے ہیں، وہی نجات پانے والے ہیں''۔

قرآن کریم کی آیات کے علاوہ احادیث مبارکہ میں بھی کی اتباع و پیروی کی بڑی تاکید آئی ہے۔

"عن عرباض بن سارية وعظنا رسول الله صلى الله عليه وسلم موعظة وجلت منها القلوب وذرفت منها العيون، فقلنا: يا رسول الله! كأنها موعظة مودع فأوصنا قال: أوصيكم بتقوى الله والسمع والطاعةوإن تأمر عليكم عبد، وإنه من يعش منكم فسيرى اختلافا كثيرا، فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، عضوا عليها بالنواجذ وإياكم ومحدثات الأمور، فإن كل بدعة ضلالة"

''رسول اللہ صلی اللہ وعلیہ وسلم نے ہمیں ایک مرتبہ نہایت مؤثر وعظ ارشاد فرمایا جس

سے دل دہل گئے، اور آنکھیں بہہ پڑیں۔ ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تو گویا الوداع کہنے والے کا وعظ ہے؟ پس آپ ہمیں وصیت فرمایئے! آپ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی اور سمع وطاعت یعنی ولی امر کی بات سننے اور اس پر عمل کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ اگر چہ تم پر کوئی غلام ہی نہ کیوں امیر مقرر ہو جائے۔ یاد رکھو، تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت اختلاف دیکھے گا۔ پس تم میری سنت کو اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا، ان کو دانتوں سے مضبوطی سے پکڑ لینا اور دین میں بدعات (نئے کام) ایجاد کرنے سے بچنا، اس لیے کہ ہر بدعت گمراہی ہے"۔

اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ دیا، آپ نے اس خطبے میں فرمایا:

"إن الشيطان قد يئس أن يعبد بأرضكم ولكن رضى أن يطاع فيما سوى ذلک مما تحاقرون من أعمالک، فأحذروا إني قدتركت فيكم ما إن اعتصمتم به فلن تضلوا أبدا؛ كتاب اللّٰه وسنة نبيه"(حاكم)

"شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ تمہاری اس سرزمین میں اس کی عبادت کی جائے، البتہ وہ اس بات سے خوش ہے کہ اس کی اطاعت ان چیزوں میں کی جائے جو اس کے علاوہ ہیں یعنی تمہارے ان کاموں میں جنہیں تم حقیر سمجھ کر انہیں کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ پس تم (محتاط رہو) میں نے تمہارے اندر ایسی چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم اسے مضبوطی سے تھامے رہو تو کبھی بھی گمراہ نہیں ہو گے؛ وہ اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت ہے۔

ایک روایت میں آپ نے فرمایا:

"كل أمتي يدخلون الجنة إلا من أبي، قالوا: يارسول اللّٰه! ومن يأبي؟ قال من أطاعني دخل الجنة، ومن عصاني فقد أبي"(بخاری)

"ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو بھی میری امت میں سے ہے وہ جنت میں

جائے گا، سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے انکار کیا۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ! جنت میں جانے سے کون انکار کرے گا؟ آپ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے جنت میں جانے سے انکار کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی درحقیقت اللہ کی نافرمانی ہے۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں:

"جاء ت ملائكة إلى النبي صلى الله عليه وسلم وهو نائم، فقال بعضهم: إنه نائم وقال بعضهم : إن العين نائمة والقلب يقظان، فقالوا: إن لصاحبكم هذا مثلاًفاضربوا له مثلا فقالوا: مثله كمثل رجل بنى دارا وجعل فيها مأدبة وبعث داعيافمن أجاب الداعي دخل الدار وأكل من المأدبة،ومن لم يجب الداعي لم يدخل الدار ولم يأكل من المأدمة فقالوا: أولوها يفقهها فقال بعضهم: إنه نائم وقال بعضهم: إن العين نائمة والقلب يقطان، فقالوا: الدار الجنة والداعي محمد صلى الله عليه وسلم ، فمن أطاع محمد اصلى الله عليه وسلم فقد أطاع الله ومن عصى محمدا صلى الله عليه وسلم فقد عصي الله، ومحمد صلى الله عليه وسلم فرق بين الناس"

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ فرشتے اس حال میں آئے کہ آپ سوئے ہوئے تھے۔ ایک نے یہ کہا کہ آپ سوئے ہوئے ہیں۔ دوسرے نے کہا کہ ان کی آنکھیں سورہی ہیں؛ لیکن ان کا دل بیدار ہے۔ ان فرشتوں نے کہا کہ تمہارے ان صاحب کی ایک مثال ہے۔ تو تم اسے بیان کرو تو انہوں نے کہا: ان کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے ایک گھر بنایا اور اس میں کھانے کی دعوت کی اور بلانے والے کو بھیجا تو جس نے بلانے والے کی دعوت قبول کی وہ گھر میں داخل ہوا، اور دسترخوان سے کھایا اور جس نے بلانے والے کی دعوت قبول نہیں کی وہ گھر میں داخل نہیں ہوا اور دسترخوان سے نہیں کھایا۔ پھر انہوں نے کہا

اس کی وضاحت کرو تاکہ یہ سمجھ پائیں، پھر انہوں نے کہا گھر تو جنت ہے اور بلانے والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پس جس نے ان کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے ان کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اچھے اور برے لوگوں کے درمیان فارق ہیں۔

اللہ ورسول کے ان فرامین کا اثر دیکھنا ہوتو ہم صحابہ کرام کی زندگیوں پر ایک سرسری نظر ڈالیں تو ہمیں اندازہ ہوگا کہ وہ اللہ ورسول کے حکموں کے سامنے کس طرح سر تسلیم خم کردیا کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ادنی سنت پرعمل پیرا ہونے کا وہ کس درجہ اہتمام کرتے تھے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں روایات میں آتا ہے کہ مکہ اور مدینہ کے راستے میں ایک درخت پڑتا تھا وہ جب کبھی اس درخت سے گزرتے تو وہاں رک کر آرام کرتے تھے اور کہتے تھے کہ مجھے آرام کرنے ضرورت نہیں لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے اس لیے میں ایسا کررہا ہوں۔

اسی طرح مجاہد سے روایت ہے وہ کہتے ہیں: میں عبداللہ بن عمر کے ساتھ ایک سفر میں تھا تو وہ راستے سے ہٹ کر چلے تو ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، اس جگہ آپ نے ایسا کیا تھا۔

عابس بن ربیعہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا، وہ حجر اسود کو بوسہ لے رہے تھے اور کہہ رہے تھے:

"إني أعلم أنک حجر لا تنفع ولا تضر ولو لا أني رأيت رسول اللّٰه صلی اللّٰه وسلم يقبلک ماقبلتک"

''میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔ اور اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ لیتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے بوسہ نہ لیتا''۔

یہ تھا صحابہ کرام کا حال۔ آیئے، ہم آپ کو بتائیں کہ اللہ و رسول کی اطاعت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی پیروی کے کیا فوائد ہیں۔

میرے بھائیو! اس کا پہلا فائدہ یہ ہے کہ آدمی اس اختلاف سے محفوظ رہتا ہے جو امت کی کمزوری اور ضعف کی علامت ہے۔

ارشاد باری ہے:

''وَأَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَلاَ تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ'' (الأنفال:46)

''اور اللہ کی اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرتے رہو، آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی''۔

عرباض بن ساریہ کی روایت جو ابھی میں نے آپ کے سامنے بیان کی ہے، اس میں آپ نے فرمایا کہ تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ زبردست اختلاف دیکھے گا، تو جو بھی اس اختلاف کو پائے اس کے لیے اس اختلاف سے بچنے کی راہ صرف یہ ہوگی کہ وہ میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑے۔ کیونکہ یہ لوگ بھی دراصل میری ہی سنت پر عمل پیرا رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ باہمی اختلاف سے بچنے کی راہ صرف سنت کی اتباع و پیروی کی راہ ہے۔

جامع ترمذی میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت آئی ہے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''میری امت میں بھی وہی سورت حال پیش آئے گی جو بنی اسرائیل میں پیش آئی تھی۔ میری امت کی ان سے مشابہت ایسی ہی ہوگی جیسے جوتے کے جوڑے میں ہوتی ہے۔ بنی اسرائیل کے لوگ بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے، اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ اور سب کے سب جہنمی ہوں گے، سوائے ایک کے۔ صحابہ کرام نے پوچھا:

یہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہوں گے جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہوں گے''۔

اس حدیث میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ ان مذموم فرقوں سے جنہیں جہنم کی دھمکی دی گئی ہے، بچاؤ اور حفاظت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی روش پر چلنے میں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کی پیروی اور سنت کے التزام کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ وہ یقینی طور پر ہدایت کی راہ پر ہوگا، اور گمراہی سے محفوظ رہے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"ترک فیکم شیئین لن تضلوا ما تمسکتم بھما؛ کتاب اللّٰہ وسنتی، ولن یتفرقا حتی یردا علی الحوض"

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں جب تک تم ان دونوں چیزوں کو پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے؛ ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری سنت۔ یہ دونوں ہرگز تم سے جدا نہ ہوں، جب تک کہ وہ تمہیں حوض کوثر پر نہ لے آئیں۔

اس حدیث میں ان لوگوں کے لیے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر کاربند ہیں، اس بات کی بشارت ہے کہ قیامت کے میدان میں یہ دونوں چیزیں ان کی رہنمائی کرنے والی ہوں گی جو حوض کوثر تک ان کی رہنمائی کریں گی۔ اسی لیے امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"السنة مثل سفینة نوح من رکبھا نجا ومن اختلف فیھا ھلک"

''سنت کی مثال سفینہ نوح کی ہے جو اس پر سوار ہوا نجات پا گیا اور جو سوار نہیں ہوا ہلاک ہو گیا''۔

یہ حقیقت ہے کہ نوح علیہ السلام کی کشتی پر وہی لوگ سوار تھے، جنہوں نے ان کی تصدیق کی اور ان کی اتباع بھی کی اور جو سوار نہیں ہوئے تھے وہ لوگ تھے، جنہوں نے ان کی

تکذیب کی تھی۔ سنت کی اتباع کرنے والے دراصل ان لوگوں کے درجے میں ہیں جو نوح کی کشتی پر سوار تھے۔ اور اس کی مخالفت کرنے والے ان لوگوں کے درجے میں ہیں جنہوں نے نوح کی بات نہیں مانی تھی اور کشتی پر سوار نہیں ہوئے تھے۔ سنت کی پیروی کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت میں شامل ہونا ہے، اور اس سے اعراض کرنا آپ کی جماعت سے نکل جانے کے مترادف ہے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تین لوگوں کی ایک جماعت امہات المومنین کے پاس آئی۔ یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کا حال ان سے دریافت کر رہے تھے۔ جب انہیں اس کے بارے میں بتایا گیا تو انہیں کچھ کم محسوس ہوا۔ چنانچہ وہ کہنے لگے: کہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کہاں ہم؟ آپ کے تو اگلے پچھلے سارے گناہ بخش دیے گئے ہیں۔ اس لیے آپ کو اس کی زیادہ ضرورت نہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں ہمیشہ رات نماز میں گزاروں گا۔ دوسرے نے کہا: میں برابر روزہ رکھوں گا، کبھی بغیر روزہ کے نہیں رہوں گا۔ اور تیسرے نے کہا: میں ہمیشہ عورتوں سے علیحدہ رہوں گا، کبھی شادی نہیں کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان باتوں کی خبر ہوئی تو آپ ان کے پاس آئے اور آپ نے فرمایا تم لوگوں نے ایسا ایسا کہا ہے۔ (**والله إني لأخشاكم لله، واتقاكم، لكني أصوم وأفطر وأصلي وأرقد وأتزوج النساء، فمن رغب عن سنتي فليس مني**)

"اللہ کی قسم! میں اللہ سے تم میں سب سے زیادہ ڈرنے والا ہوں، اس کے باوجود میں روزہ بھی رکھتا ہوں، اور بغیر روزے کی بھی رہتا ہوں۔ نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں۔ چنانچہ جو میرے طریقے سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں۔ یاد رکھیے، سنت سے اعراض کے دو درجے ہیں؛ ایک درجہ معصیت کا ہے اور دوسرا درجہ کفر کا ہے۔ اگر آپ سستی اور غفلت سے اسے چھوڑ دیں تو گنہگار ہوں گے۔

جس درجہ کی وہ سنت ہوگی اسی اعتبار سے آپ گنہگار رہوں گے۔ اگر وہ واجب ہوگی تو واجب کے ترک کا گناہ ہوگا۔ اور اگر مستحب ہوگی تو مستحب کے ترک کا گناہ ہوگا۔ اور اگر سنت سے آپ کا اعراض اس کے انکار اور اس کی تحقیر و توہین پر مبنی ہوگا تو بلا شبہ یہ دین سے اعراض اور دین کی توہین کے مترادف ہوگی، جو ایک طرح کا کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔

دوسرا خطبہ:

"إنَّ الحمد اللّٰه ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادى له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله"

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں۔

"خط لنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم خطا، فقال هذا سبيل اللّٰه، ثم خط خطوطا عن شماله وعن يمينه، ثم قال: وهذه سبل على كل سبيل منها شيطان يدعوا إليه ثم تلا:

"وَأَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْماً فَاتَّبِعُوْهُ وَلاَ تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ" (الأنعام:153)

''ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے ایک خط کھینچا اور فرمایا یہ اللہ کا راستہ ہے۔ پھر اس کے دائیں بائیں مزید خط کھینچے اور فرمایا یہ جو راستے ہیں ان میں سے ہر راستے پر شیطان بیٹھا ہے اور وہ اپنی طرف بلاتا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی'' یہ میرا راستہ ہے جو سیدھا ہے؟ سو تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر مت چلو، کہ یہ راہیں تمہیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں۔ اسی کی اس نے تم کو وصیت کی ہے شاید کہ تم پرہیز گار بن جاؤ''۔

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہی اللہ کا راستہ ہے۔ باقی سارے راستے شیطان کے راستے ہیں۔ اور شیطان کے راستے سے دوری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم کی اتباع اور آپ کی سنت کے التزام ہی سے ممکن ہے۔ سنت کی پیروی کا ایک بڑا فائدہ شیطان کے راستوں سے گلوخلاصی اور رہائی ہے۔

سنت کا ایک اہم فائدہ یہ بھی ہے کہ دین ہمیں سنت ہی سے حاصل ہوا ہے۔ دین کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کی جائے اور اللہ کی عبادت بھی اسی طریقے سے کی جائے جو مشروع ہے۔ یعنی اس طریقے سے جو شریعت نے ہمیں بتایا ہے اور شریعت کی معرفت قرآن کریم اور سنت نبویہ کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ اسی وجہ سے عبادات کو توقیفی کہا گیا ہے۔ یعنی اللہ و رسول کے بتانے سے ہمیں اس کا علم ہوا ہے۔ سنت دین کے جملہ امور کو شامل و محیط ہے۔ سنت سے قرآن کی وضاحت ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ“ (النحل:44)

”دلیلوں اور کتابوں کے ساتھ، یہ ذکر (کتاب) ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں، شاید کہ وہ غور و فکر کریں“۔

چنانچہ آپ نے عبادت کے تمام طریقوں کو پوری وضاحت سے بیان کیا۔ آپ نے وضو کر کے لوگوں کو دکھایا اور فرمایا:

”هذا وضوئي ووضوء الأنبياء من قبلي، فمن زاد أو نقص فقد أساء وظلم“

”یہ میرا اور مجھ سے پہلے انبیاء کا وضوء ہے تو جس نے اس میں زیادتی یا کمی کی تو اس نے برا کیا اور حد سے تجاوز کیا“۔

اسی طرح آپ نے نماز پڑھ کر لوگوں کو بتایا اور فرمایا:

"صلوا كما رأيتموني أصلي"

''اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے''۔

''اسی طرح آپ نے فرمایا:

"خذوا عني مناسككم"

''تم حج کے احکام ومناسک مجھ سے سیکھ لو''۔

شریعت کے یہ تمام امور دین ہیں۔ حدیث جبریل میں ایمان، اسلام اور ان دونوں کے ارکان اور احسان کا ذکر کرنے کے بعد آپ نے فرمایا:

"هذا جبريل أتاكم يعلم أمور دينكم"

''یہ جبریل تھے جو اس لیے آئے تھے تاکہ تمہیں تمہارے دین کے احکام سکھائیں''۔

تو کیا ہم بغیر نماز کا طریقہ سیکھے، دین سیکھ سکتے ہیں اور طہارت جو نماز کی کلید ہے، کو جانے بغیر دین جان سکتے ہیں؟ کیا ہم اپنی عورتوں بچیوں کو حیض ونفاس کے احکام کو سکھائے بغیر انہیں دین سکھا سکتے ہیں؟ کیا ہم اللہ کی عبادت کے طریقوں کو جانے بغیر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہماری نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی طرح ہے؟ ہمارے یہ روزے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روزوں کے مثل ہیں؟ اور ہمارا یہ حج بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کی طرح ہی ہے۔

محترم بھائیو! یہ ساری چیزیں ہمیں سنت ہی سے معلوم ہوتی ہیں۔ سنت کی جانکاری کے بغیر دین کی جان کاری ممکن ہی نہیں ہے۔ سنت سے ہماری بیماریوں کی تشخیص ہوتی ہے اور اسی سے ہمیں ان کے علاج کا بھی پتہ چلتا ہے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"يوشك الأمم أن تداعي عليكم كما تداعي الأكلة على قصعتها،

فقال قائل: ومن قلة نحن يومئذ؟ قال: بل أنتم يومئذ كثير، ولكنكم غثاء كغثاء السيل، ولينزعن الله من صدور عدوكم المهابة منكم، وليقذفن الله في قلوبكم الوهن، فقال قائل: يا رسول الله! ماالوهن؟ قال: حب الدنيا وكراهية الموت"

"قریب ہے کہ تم پر امتیں ٹوٹ پڑیں جیسے کہ کھانے والے پیالوں پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ ایک کہنے والے نے کہا کیا: ہم اس دن تھوڑی تعداد میں ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ تم کثیر تعداد میں ہو گے؛ لیکن تمہاری حیثیت ایسی ہی ہوگی جیسے سیلاب کے جھاگ کی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے سینوں سے تمہارا رعب و دبدبہ نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں وہن ڈال دے گا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول وہن کیا ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: دنیا کی محبت اور موت سے نفرت"۔

اس حدیث میں آپ نے ہماری بیماری کی جو تشخیص فرمائی ہے، کیا ہماری حالت اس وقت ویسی ہی نہیں ہے؟ اور آپ نے ہمارے لیے جو دعا تجویز فرمائی ہے، کیا ہم اس کے بغیر اس ذلت و رسوائی سے نجات پا سکتے ہیں؟

محترم بھائیو! یاد رکھو ہماری بیماریوں کا علاج سنت کی اتباع و پیروی ہی میں مضمر ہے۔ اس کے بغیر ہم اقوام عالم میں اپنا کھویا ہوا وقار حاصل نہیں کر سکتے۔ سنت کی پیروی کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ آدمی ہر طرح کے فتنوں اور عذاب الٰہی سے محفوظ رہتا ہے۔

"فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ "(النور:63)

"سنو! جو لوگ حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آپڑے یا انہیں دردناک عذاب نہ آپہنچے"۔

ایک شخص امام مالک کے پاس آیا اور ان سے کہنے لگا: میں عمرہ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ

نے کہا: کرلو، اس نے کہا: میں نے مدینہ ہی سے احرام باندھا ہے۔ امام مالک نے کہا: تمہارا مسجد نبوی سے احرام باندھنا سنت کی خلاف ورزی ہوگی، میں ڈر رہا ہوں کہ اگر تم ایسا کرو، تو تمہیں کوئی فتنہ نہ لاحق ہو جائے۔ پھر آپ نے قرآن مجید کی اسی آیت کی تلاوت فرمائی:

"فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ" (النور:63)

اس لیے میرے بھائیو! سنت کی اس شاہراہ پر گامزن رہو، جس پر چلنے کی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے۔ اسی پر کاربند رہنے سے تم صحیح طریقے سے اللہ کی عبادت کرسکو گے اور دین پر عمل پیرا ہوسکو گے۔ اس کے بغیر نہ تم صحیح ڈھنگ سے اللہ کی عبادت کرسکو گے اور نہ ہی تم صحیح دین کو پاسکو گے۔ اسی میں تمہاری، تمہارے اہل وعیال کی، تمہارے خاندان اور سماج کی اور پوری امت کی اصلاح وفلاح مضمر ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ سب کو سنت پر کاربند رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور بدعات وخرافات سے محفوظ رکھے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

خطبۂ استسقاء

پہلا خطبہ:

"إنَّ الحمد للّٰہ ،نحمدہ،ونستعینہ، ونستغفرہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا، وسیئات أعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ، ومن یضلل فلا ھادی لہ، وأشھد أن لا إلہ إلا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ،وأشھد أن محمداً عبدہ ورسولہ"

برادرانِ اسلام! سب سے پہلے میں اپنے آپ کو پھر آپ سب کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اللہ سے ڈرنے کے معنی اور اس کے سوا کچھ نہیں کہ جن کاموں کو اس نے کرنے کا حکم دیا ہے اسے کیا جائے اور جن کاموں سے روکا ہے اس سے رک جایا جائے۔ قرآن کریم کی زبان میں اسی کو تقویٰ کہتے ہیں۔ اور یہی تقویٰ ہی نجات وسلامتی اور فلاح وکامرانی کا دارومدار ہے۔ جولوگ اللہ سے ڈر کر اس کے حکم پر عمل کرتے اور اس کی نافرمانی سے بچتے ہیں وہی اللہ کے عذاب سے نجات پاسکیں گے۔

ارشاد باری ہے:

''ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِیْنَ فِیْهَا جِثِیًّا'' (مریم:72)

''پھر ہم پرہیز گاروں کو تو بچالیں گے اور نافرمانوں کو اسی میں گھٹنوں کے بل گرا ہوا چھوڑ دیں گے''۔

اللہ نے اپنے نیک بندوں کے لیے جس جنت کا وعدہ کیا ہے اس کے وارث بھی یہی

لوگ ہوں گے جو اللہ سے ڈر کر نیک عمل کریں گے اور برے کاموں سے بچیں گے۔

ارشاد باری ہے:

''تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا''(مریم:63)

''یہ ہے وہ جنت جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے انہیں بناتے ہیں جو متقی ہوں''۔

نیز ارشاد باری ہے:

'' إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ''(المائدہ:27)

''اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کا ہی عمل قبول کرتا ہے''۔

میرے بھائیو! گناہوں پر پردہ ڈالنے والی اور ہماری خطاؤں اور غلطیوں کو معاف کرنے والی ذات صرف اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں سے فرماتا ہے:

'' وَتُوْبُوْآ إِلَى اللّٰهِ جَمِيْعاً أَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ''(النور:31)

''اے مسلمانو! تم سب کے سب اللہ کی جناب میں توبہ کرو تا کہ تم نجات پاؤ''

وہ انہیں ملاء اعلیٰ میں آواز دیتا ہے:

''يـاعبـادي إنـكـم تـخـطـؤن بالليل و النهار و أنا أغفر الذنوب جميعا فاستغفروا لي أغفر لكم''

''اے میرے بندو! تم رات اور دن خطائیں کرتے ہو، اور میں تمہارے سارے گناہوں کو معاف کرتا ہوں، لہٰذا تم مجھ سے مغفرت طلب کرو، میں تمہیں معاف کردوں گا''۔

اللہ تعالیٰ اپنی ساری مخلوقات کو جانتا اور ان سے پوری طرح واقف ہے۔ وہ ان کی ساری کمزوریوں اور خامیوں سے آگاہ ہے۔ اسی لیے وہ اپنی بخشش و مغفرت کا دروازہ ان کے لیے ہر آن کھلا رکھے ہے اور انہیں اپنی جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے۔

ارشاد باری ہے:

'' وَاللّٰهُ يَدْعُوْآ إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ ''(البقرۃ:221)

"اور اللہ جنت کی طرف اور اپنی بخشش کی طرف اپنے حکم سے بلاتا ہے"۔

ہمارے رب کی رحمتیں بے پایاں ہیں ان کا کوئی حساب نہیں۔ وہ دینے سے کبھی ختم بھی نہیں ہوتیں۔ وہ اپنے بندوں پر بہت رحیم و شفیق ہے۔ اس کے علاوہ کوئی نہیں جو ان کے گناہ معاف کرے۔

"وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ" (آل عمران:135)

"فی الواقع اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون گناہوں کا بخش سکتا ہے"؟

میرے بھائیو! امت میں جب توبہ واستغفار کی کثرت ہوتی ہے تو اللہ ان سے اپنی ارضی وسماوی آفات ومصائب کو دفع فرما دیتا ہے۔

ارشاد باری ہے:

"وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ" (الأنفال:33)

"اور اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرے گا کہ ان میں آپ کے ہوتے ہوئے ان کو عذاب دے اور اللہ ان کو عذاب نہ دے گا اس حالت میں کہ وہ استغفار کرتے ہوں"۔

توبہ واستغفار سے اللہ کی رحمتیں اترتی ہیں۔

ارشاد ہے:

"لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ" (النمل:46)

"تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کیوں نہیں کرتے تاکہ تم پر رحم کیا جائے"۔

میرے بھائیو! فرد اور سوسائٹی کی فارغ البالی اور خوشحالی اور مالداری میں اضافے میں اور توبہ واستغفار کے ذریعہ پاکی میں بہت گہرا اور مضبوط رشتہ ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اسی حقیقت کی طرف اپنی قوم کو توجہ دلاتے ہوئے ان سے فرمایا تھا:

"فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا، يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ

مِّدْرَاراً،وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنَّاتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ أَنْهَاراً"(نوح:12-10)

"اپنے رب سے اپنے گناہ بخشواؤ (اور معافی مانگو) وہ یقیناً بڑا بخشنے والا ہے۔وہ تم پر آسمان کو خوب برستا ہوا چھوڑ دے گا۔اور تمہیں خوب پے درپے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہیں باغات دے گا،اور تمہارے لیے نہریں نکال دے گا"۔

سب سے افضل استغفار یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا سے اس کی شروعات کی جائے۔ پھر اس کے انعامات واحسانات اور نوازشوں کا ذکر کیا جائے۔ پھر اپنے گناہوں اور کوتاہیوں کا اعتراف واقرار کیا جائے۔اس کے بعد اس سے مغفرت وبخشش کا سوال کیا جائے۔جیسا کہ شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہے،وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

"سيد الاستغفار أن يقول العبد: اللّٰهم أنت ربي، لا إله إلا أنت، خلقتني وأنا عبدک، وأنا على عهدک، ووعدک مااستطعت، أعوذبک من شر ماصنعت، أبوء لک بنعمتک علي، وأبوء بذنبي، فاغفرلي، فإنه لا يغفرالذنوب إلا أنت"(بخاری)

"سید الاستغفار یہ ہے کہ بندہ کہے:اے اللہ! تو میرا رب ہے۔تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں،تو نے ہی مجھے پیدا کیا ہے،اور میں تیرا بندہ ہوں۔اور جہاں تک طاقت رکھتا ہوں،تیرے عہد اور وعدے پر قائم ہوں،اور میں اپنے کیے ہوئے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ان نعمتوں کا اقرار کرتا ہوں جو تو نے مجھ پر کیں ہیں،اور میں اپنے گناہوں کا بھی اعتراف کرتا ہوں۔پس تو مجھے معاف فرمادے،بے شک تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں۔

اہل علم کا کہنا ہے کہ یہ دعا سید الاستغفار اس لیے ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت

والوہیت اور اس کی توحید کے اقرار اور اعتراف پر مشتمل ہے۔ اور ساتھ ہی اس میں بندے کے اپنے عجز و تقصیر اور اپنی کوتاہیوں کا بھی اعتراف و اظہار ہے۔

اللہ کے بندے! تمہیں ایک ایسی ذات نے پیدا کیا ہے جو ہر چیز پر قدرت رکھتی ہے۔ وہی تمہیں وفات دے گی، پھر وہی تمہیں دوبارہ زندہ کرے گی، اور تم اللہ کے سامنے حساب کے لیے پیش کیے جاؤ گے۔ اس لیے اس دن کی تیاری کر لو، اور اس دن کے لیے توشہ جمع کر لو۔

میرے نوجوان بھائیو! کیا تم بڑھاپے کا انتظار کر رہے ہو؟ اور اس انتظار میں ہو کہ تمہیں کوئی بیماری آ دبوچے اور تم عمل کرنے کے لائق نہ رہ جاؤ۔ یاد رکھو! موت پہلے سے بتا کر نہیں آئے گی، وہ اچانک آئے گی۔ اس لیے ہمیں ہر وقت اس کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ اور ہم نے جو گناہ کے کام کیے ہیں، نیک اعمال کر کے اس کی تلافی کرتے رہنا چاہیے۔ اللہ ہمیں ان لوگوں میں سے نہ بنائے جنہوں نے اپنی عمریں ضائع کر دیں اور مرنے کے قریب پہنچ گئے اور ابھی تک آنے والی زندگی کے لیے کوئی سامان نہیں کیا۔

میرے بھائیو! اپنے اس رب سے ڈرو جو تمہارا پالنہار اور پروردگار ہے۔ نیکی کے کام کرو اور اچھے لوگوں کی صحبت اختیار کرو۔ برائی سے اور بے حیائی کے کاموں سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ لوگوں کے حقوق کا خیال رکھو۔ ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرو۔ بھوکوں کو کھانا کھلاؤ۔ یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری کرو۔ اور اللہ کی راہ میں کثرت سے صدقہ و خیرات کرو۔ یہی وہ اعمال ہیں جو ہمیں اللہ کی ناراضگی سے بچا سکتے ہیں۔

میرے بھائیو! اس جگہ ہم اس لیے جمع ہوئے ہیں تاکہ ہم اپنے رب سے اس قحط اور خشک سالی کی شکایت کریں، جو ہماری بداعمالیوں کی وجہ سے ہم پر مسلط ہو گئی ہے۔ ہم اس سے بارش طلب کریں، جس کی خود ہمیں ہمارے چوپایوں اور ہماری کھیتیوں کو شدید ضرورت ہے، جو ہمیں اللہ کو خوش کیے بغیر نہیں مل سکتی ہے۔ اس لیے ہم اپنے نیک اعمال

کے حوالے سے رو رو کر، گڑ گڑا کر اس سے دعائیں کریں، اور اپنی عاجزی و بے چارگی اور محتاجی کا اقرار و اعتراف کریں اور اپنی کوتاہیوں اور بداعمالیوں پر افسوس و ندامت کا اظہار کریں اور آئندہ اس سے باز رہنے کا پختہ عہد کریں۔ اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود و سلام بھیجیں کیونکہ دعائیں اس وقت تک آسمان و زمین کے درمیان موقوف ہوتی ہیں، جب تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام نہ بھیجا جائے۔

اللّٰھم صل وسلم وبارک علی عبدک ورسولک محمد، وعلی آله وصحبه أجمعین

میرے بھائیو! ہم پر جو آفتیں اور مصیبتیں آتی ہیں، وہ ہماری بداعمالیوں ہی کا نتیجہ ہوتی ہیں۔

ارشاد باری ہے:

"وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَأَخَذْنَاهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ" (الأعراف:96)

"اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے لیکن انہوں نے تکذیب کی تو ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا"۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"وَمَآ أَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ" (الشوریٰ:30)

"تمہیں جو کچھ مصیبتیں پہنچتی ہیں وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوت کا بدلہ ہیں اور وہ تو بہت سی باتوں سے درگزر فرما دیتا ہے"۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

"ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ

بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا لَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ "(الروم:41)

"خشکی اور تری میں لوگوں کی بداعمالیوں کے باعث فساد پھیل گیا۔ اس لیے کہ انہیں ان کے بعض کرتوتوں کا پھل اللہ تعالیٰ چکھا دے"۔

میرے بھائیو! آسمان سے جو بارش رک جاتی ہے اور کنویں، تالاب اور دریا خشک ہو جاتے ہیں، اور لہلہاتی کھیتیاں سوکھنے لگتی ہیں، گھاسیں اور سبزیاں خشک ہو جاتی ہیں، جانور اور چوپائے بھوک اور پیاس سے مرنے لگتے ہیں۔ (معاذ اللہ) یہ اس وجہ سے نہیں کہ اللہ کے خزانے میں کوئی کمی واقع ہو گئی ہے۔ اس کے خزانے میں کبھی کوئی کمی نہیں ہوتی۔ اس کا ہاتھ ہمیشہ بھرا ہوتا ہے۔ وہ دن رات خرچ کرتا ہے۔ پھر بھی اس میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ قسم ہے اللہ کی! اس کی وجہ اور اس کا سبب صرف اور صرف ہماری بدعملی، کوتاہی اور اللہ کے احکام کی نافرمانی ہے۔ ہماری بداعمالیوں اور نافرمانیوں سے ناراض ہو کر اللہ ہم سے اپنی رحمت روک لیتا ہے۔ اس لیے آیئے، ہم اپنے اعمال کا جائزہ لیں۔ ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جو شرک و بدعات میں گرفتار ہیں، ان کے عقیدے صحیح نہیں، جو تعلق اللہ سے ہونا چاہیے وہ دوسروں سے قائم کر رکھے ہیں۔ توحید جو ہمارا مضبوط قلعہ ہے اور ہماری پناہ گاہ بھی، وہ ہمارے پاس نہیں رہی۔ تو ہم اللہ کے غضب کا شکار کیوں نہیں ہوں گے۔ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ کی تاریکی میں اپنے رب کو پکارتے ہیں۔ اس کی الوہیت کا اقرار اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں اور کہتے ہیں:

" لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ "(الأنبیاء:87)

"الٰہی! تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے، بے شک میں ہی ظالموں میں ہو گیا"۔

چنانچہ اللہ کی مدد آتی ہے اور وہ اس مصیبت سے جس میں وہ گرفتار تھے نجات پا لیتے ہیں۔

"فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّیْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ وَکَذٰلِکَ نُنْجِی

الْمُؤْمِنِيْنَ "(الأنبياء:88)

"تو ہم نے اس کی پکار سن لی اور اسے غم سے نجات دے دی اور ہم ایمان والوں کو اسی طرح بچالیا کرتے ہیں"۔

آیئے، ہم اپنے اعمال کا جائزہ لیں۔ ہم میں کتنے ایسے ہیں جو سرے سے نماز پڑھتے ہی نہیں، اور کتنے ایسے ہیں جو من چاہی نماز پڑھتے ہیں۔ جب ان کا دل چاہتا ہے پڑھتے ہیں اور جب دل چاہتا ہے چھوڑ دیتے ہیں۔ کیا نماز کا چھوڑنا اکبر الکبائر نہیں؟ بہت سے محققین اہل علم کے نزدیک جان بوجھ کر نماز چھوڑ دینے سے آدمی دائرۂ اسلام ہی سے نکل جاتا ہے۔

بریدہ ابن حصیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"العهد الذي بيننا وبينهم الصلاة فمن تركها فقد كفر"(ترمذی)

ہم میں سے کتنے مالدار ہیں جو صاحب نصاب ہیں جن پر زکاۃ فرض ہے؛ لیکن وہ زکاۃ نہیں دیتے۔ حالانکہ اللہ نے اپنی کتاب میں بے شمار مقامات پر نماز کے ساتھ زکاۃ کا ذکر کیا ہے اور اسے غریبوں اور محتاجوں کا حق بتایا ہے، اور اس کی ادائیگی کی تاکید فرمائی ہے۔ اس کے باوجود ہم اس کی حکم عدولی سے نہیں ڈرتے۔ اللہ کی رحمت ہم سے کیوں نہیں روٹھے گی۔

"فَإِنْ تَابُوْا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ "(التوبہ:11)

"اب بھی اگر یہ توبہ کرلیں اور نماز کے پابند ہو جائیں اور زکاۃ دینے لگ جائیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں"۔

ہمارے دین کا ایک رکن رکین امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے؛ لیکن کتنے لوگ ہیں جو اس ذمہ داری کو پابندی کے ساتھ نبھاتے ہیں؟ ہم اپنی آنکھوں سے لوگوں کو منکر

کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھتے ہیں؛ لیکن ہم انہیں نہیں روکتے، اور اپنے بھائیوں کے لیے ہمارے اندر خیر خواہی کا کوئی جذبہ نہیں ابھرتا۔ اسی طرح ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جو سود خوری، شراب نوشی، زنا وحرام کاری میں مبتلا ہیں، اور کھلے عام بے حیائی کے کام کرتے ہیں۔ کیا ہم کبھی خیر خواہانہ طور پر ان سے ان کاموں سے باز رہنے کے لیے کہتے ہیں؟

"وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهِ لَكَانَ خَيْراً لَّهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتاً، وَإِذاً لَّآتَيْنَاهُمْ مِّنْ لَّدُنَّا أَجْراً عَظِيْماً، وَلَهَدَيْنَاهُمْ صِرَاطاً مُّسْتَقِيْماً" (النساء:66-68)

"اور اگر یہ وہی کریں جس کی انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو یقیناً یہی ان کے لیے بہتر اور بہت زیادہ مضبوطی والا ہے۔ اور تب تو انہیں ہم اپنے پاس سے بڑا ثواب دیں۔ اور یقیناً انہیں راہ راست دکھا دیں"۔

میرے بھائیو! ہم نے شرک وکفر کا ارتکاب کیا، نمازوں کو ضائع کیا، حرمتوں کو پامال کیا، ہمارے معاملات درست نہیں، سود خوری ہم میں عام ہے، گانے بجانے کی چیزوں، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ہم دالدادہ ہیں، بے حیائی اور فحش کاری میں ہم سر سے پیر تک غرق ہیں۔ پھر اللہ اپنی رحمت کو ہم سے کیوں نہیں روک لے گا؟ جب کہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ زکاۃ کی عدم ادائیگی، حرام خوری اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو چھوڑ دینے سے آسمان سے بارش روک لی جاتی ہے۔

"اللّٰھم لا تقتلنا بغضبک"

"اے اللہ! تو ہمیں اپنے غضب کا شکار نہ بنا"

'اللّٰھم لا تھلکنا بعذابک"

"اے اللہ! تو ہمیں اپنے عذاب سے ہلاک نہ کر"۔

دوسرا خطبہ:

"إنَّ الحمد للّٰه ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، منْ يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادى له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله"

میرے بھائیو! یادرکھو جب کسی قوم میں برائی عام ہوجاتی ہے،تو وہ قوم ہلاک کردی جاتی ہے۔ برائیوں کی کثرت اورزیادتی رزق سے محرومی اوررحمتوں اور برکتوں کے چھن جانے کا سبب بنتی ہے۔اس سے فساد عام ہوتا ہے، بیماریاں پھیلتی ہیں، دشمنوں کا خوف دلوں پر چھاجاتا ہے،سوسائٹی اضطراب وبے چینی اورانتشارکا شکار ہوجاتی ہے۔ایک دن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہوئے اوران سے فرمایا:

"يا معشر المهاجرين خمس إذا ابتليتم بهن وأعوذباللّٰه أن تدركوهن، لم تظهر الفاحشة في قوم قط حتى يعلنوا بها إلا فشا فيهم الطاعون والأوجاع التي تكن مضت في أسلافهم الذين مضوا، ولم ينقصوا المكيال والميزان إلا أخذوا بالسنين وشدةالمؤونة وجور السلطان عليهم ولم يمنعوا الزكاة في أموالهم إلا منعوا القطر من السماء ولو لا البهائم لم يمطروا، ولم ينقضوا عهد اللّٰه وعهد رسوله إلا سلط اللّٰه عليهم عدوا من غيرهم فأخذوا بعض مافي أيديهم، ومالم تحكم أئمتهم بكتاب اللّٰه ويتخيروا مما أنزل اللّٰه إلا جعل اللّٰه بأسهم بينهم "(ابن ماجه وحاكم)

"اے مہاجرین کی جماعت! پانچ باتیں ہیں جب تم ان میں مبتلا ہوجاؤگے۔(اور

میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ تم ان میں مبتلا ہو)

پہلی یہ کہ جب کسی قوم میں اعلانیہ فسق و فجور اور زنا کاری ہونے لگ جائے، تو ان میں طاعون اور ایسی بیماریاں پھوٹ پڑتی ہیں، جو ان سے پہلے کے لوگوں میں نہ تھیں۔

دوسری یہ کہ جب لوگ ناپ تول میں کمی کرنے لگ جاتے ہیں تو وہ قحط، معاشی تنگی اور ظلم و جور کے شکار ہو جاتے ہیں۔

تیسری یہ کہ جب لوگ اپنے مالوں کی زکاۃ نہیں دیتے تو اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش کو روک لیتا ہے اور اگر زمین پر چوپائے نہ ہوتے تو آسمان سے بارش کا ایک قطرہ بھی نہ گرتا۔

چوتھی یہ کہ جب لوگ اللہ اور اس کے رسول کے عہد و پیمان کو توڑ دیتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ان پر ان کے علاوہ لوگوں میں سے کسی دشمن کو مسلط کر دیتا ہے، وہ جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے ان سے چھین لیتا ہے۔

پانچویں یہ کہ جب ان کے حکمران اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلے نہیں کرتے اور جو اللہ نے نازل کیا ہے، اسے اختیار نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ ان میں پھوٹ اور اختلاف ڈال دیتا ہے۔

میرے بھائیو! گناہوں کی نحوست ہوتی ہے۔ اس کے اثرات بد اور برے انجام ہوتے ہیں، جنہیں قوموں کو بھگتنا پڑتا ہے۔ تاریخ اٹھا کر دیکھیے، کتنی قومیں اپنے گناہوں کے پاداش میں ہلاک و برباد کر دی گئیں۔

ارشاد باری ہے:

"وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّأَنْشَأْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ" (الأنبياء:11)

"اور بہت سی بستیاں ہم نے تباہ کر دیں جو ظالم تھیں اور ان کے بعد ہم نے دوسری قوم کو پیدا کر دیا"۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

"كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنَّاتٍ وَّعُيُوْنٍ، وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ، وَنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فَاكِهِيْنَ، كَذٰلِكَ وَأَوْرَثْنَاهَا قَوْماً اٰخَرِيْنَ، فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ" (الدخان:29-25)

"وہ بہت سے باغات اور چشمے چھوڑ گئے۔ اور کھیتیاں اور راحت بخش ٹھکانے۔ اور وہ آرام کی چیزیں جن میں عیش کر رہے تھے۔ اسی طرح ہو گیا اور ہم نے ان سب کا وارث دوسری قوم کو بنا دیا۔ سو ان پر نہ تو آسمان و زمین روئے اور نہ انہیں مہلت ملی"۔

گناہوں سے نعمتیں چھن جاتی ہیں، اور آفات و مصائب، اور بلیات نازل ہوتی ہیں، اور لوگ فتنوں اور آزمائشوں میں مبتلا کر دیے جاتے ہیں۔

ارشاد باری ہے:

"إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ" (الرعد:11)

"اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدل لیں"۔

میرے بھائیو! اللہ کی حکمت اور اس کی مشیت اس بات کی متقاضی ہوتی ہے کہ وہ اس علاقے میں رہنے والے بندوں کو آزمائے۔ وہ خوش حالی اور قحط اور فراخی و تنگی دونوں کے ذریعہ آزماتا ہے۔ یہ آزمائش بھی درحقیقت اس کی مہربانیاں اور اس کے الطاف ہیں۔ اس کا شعور اور ادراک وہی لوگ کر پاتے ہیں جو سچے اور مخلص مومن ہوتے ہیں۔ ان آزمائشوں سے ایمان و یقین میں اضافہ ہوتا ہے۔ جب آزمائشیں انتہا کو پہنچ جاتی ہیں اور پریشانیاں اور مصائب و آرام سخت ہو جاتے ہیں، تو اللہ کی نصرت و مدد کا وقت بھی قریب آ جاتا ہے۔

ارشاد باری ہے:

"حَتّٰى إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْآ أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ

نَصْرُنَا"(یوسف:110)

"یہاں تک کہ جب رسول ناامید ہونے لگے اور وہ (قوم کے لوگ) خیال کرنے لگے کہ انہیں جھوٹ کہا گیا فوراً ہی ہماری مدد ان کے پاس آ پہنچی"۔

ہلاکتیں اور مصیبتیں مومن کی توجہ مخلوقات سے ہٹا کر اس کے خالق کی طرف پھیر دیتی ہیں، اور وہ صدق دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، اور اللہ سے عاجزی و گریہ وزاری میں لگ جاتا ہے۔ اللہ نے اپنی کتاب میں ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے، جو بلاؤں، آفتوں اور آزمائشوں میں اپنی عجز و بے بسی اور بے چارگی کا اظہار نہیں کرتے اور اپنے رب کی طرف رجوع نہیں کرتے۔

ارشاد باری ہے:

"وَلَقَدْ أَخَذْنَاهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ"(المومنون:76)

"اور ہم نے انہیں عذاب میں بھی پکڑا تاہم یہ لوگ نہ تو اپنے پروردگار کے سامنے جھکے اور نہ ہی عاجزی اختیار کی"۔

اللہ تعالیٰ ایسے بدبخت لوگوں میں سے ہمیں نہ بنائے۔ آیئے، ہم صدق دل سے اللہ کی طرف رجو کریں اور اس سے توبہ واستغفار کریں۔ اپنے گناہوں، خطاؤں اور کوتاہیوں کو یاد کریں اور اس سے معافی طلب کریں، اس کے سامنے رو رو کر، گڑگڑا کر اس سے اس بات کا عہد کریں کہ ہم سے پھر یہ گناہ سرزد نہ ہوں گے۔ یاد رکھیں، دل کی آہ وزاری اور آنکھوں کے آنسوؤں سے بڑھ کر اس کی بارگاہ میں کوئی شفیع نہیں۔ ہم سے جس طرح بھی ہو سکے، ہم اپنے پیدا کرنے والے کو راضی کریں، اور اسے منائیں۔ ہم نے اپنی بداعمالیوں سے اسے ناراض کر دیا ہے۔

آیئے ہم اس سے یوں دعا کریں۔ بارالہا! ہم نے اپنی بداعمالیوں سے تیری مقدس

زمین کو ناپاک اور گندہ کر دیا ہے۔ ہم اپنی سزاؤں کو پہنچ چکے ہیں۔ اب ہم میں مزید طاقت نہیں ہے کہ ہم تیرے غضب و ناراضگی کو برداشت کر سکیں، اے ''حی'' اور ''قیوم'' ہم پر رحم فرما۔ ہمارے قصوروں کو معاف فرما۔ ہم اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں پر نادم و شرمسار ہیں۔ اگر چہ ہماری خطائیں بے شمار ہیں؛ لیکن ہم تو تیرے ہی بندے اور غلام ہیں۔ تو اگر ہم سے منہ موڑے گا، تو ہم کہیں کے نہیں رہیں گے۔ ہمارے معصوم بچے پیاس سے بلک رہے ہیں، ہمارے چوپائے بھوک و پیاس سے مر رہے ہیں، ہماری لہلہاتی کھیتیاں خشک ہوگئی ہیں، ہماری خطاؤں کی سزا ہمارے معصوم بچوں اور بے جان چوپایوں اور ہماری کھیتیوں کو نہ دے۔ بارالہا! ہم پر کرم فرما۔ ہم اپنے گناہوں پر بے حد نادم و شرمسار ہیں اور رو رو کر تجھ سے اس بات کا عہد کرتے ہیں کہ اب ہم ان گناہوں کے قریب نہ بھٹکیں گے۔ بار الہا! ہمیں اپنی ناراضگی کا شکار نہ بنا، ہم پر ہمارے معصوم بچوں پر رحم فرما۔ اور ہمیں اپنی رحمت سے محروم نہ کر۔

''اللّٰهم أنت اللّٰه، لا إله إلا أنت، أنت الغني، ونحن الفقرآء أنزل علينا الغيث، واجعل ماأنزلت لنا قوة وبلاغا إلى حين''

''اے اللہ! تو ہی معبود حقیقی ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو غنی ہے اور ہم فقیر ہیں، تو ہم پر باران رحمت نازل فرما، اور جو تو نازل فرما اسے ہماری قوت (رزق) بنا دے، اور ایک مدت تک اس سے ہمیں فائدہ پہنچا''۔

''اللهم أغثنا غيثا مغيثا مرئيا مريعا نافعا غير ضار عاجلا غير اٰجل''

''اے اللہ تو ہمیں سیراب فرما، ایسی بارش سے جو ہماری فریاد رسی کرنے والی ہو، اچھے انجام والی ہو، سبزی اگانے والی ہو، نفع بخش ہو، مضرت رساں نہ ہو، جلد آنے والی ہو، تاخیر سے آنے والی نہ ہو۔

''اللّٰهم اسق عبادک وبهائمک وانشر رحمتک واحي بلدک

المیت"

"اے اللہ تو اپنے بندوں اور چوپایوں کو سیراب فرما، اپنی رحمت کو عام فرما، اور اپنے مردہ شہر کو زندگی عطا فرما۔

"اللّٰھم أنبت لنا الزرع وأدرلنا الضرع وأنزل علینا برکاتک"

"اے اللہ! تو ہماری کھیتیاں پھر سے سبز و شاداب فرما، ہمارے چوپایوں کے تھنوں کو دودھ سے بھر دے، ہم پر اپنی برکتیں نازل فرما۔

اے اللہ! ہماری پریشانیوں کو دور فرما دے اور ہم پر آئی ہوئی اس مصیبت کو ٹال دے۔ بلاشبہ تو ہی بلاؤں، مصیبتوں اور آفتوں کا ٹالنے والا ہے۔ ہم تجھ سے مغفرت و بخشش طلب کرتے ہیں۔ تو بہت بڑا غفار ہے۔ ہمارے اوپر اپنی باران رحمت نازل فرما"۔

اے اللہ! تو ہمیں اپنی باران رحمت سے سیراب کر، ہمیں خوف سے امن دے، ہمیں اپنی رحمت سے مایوس نہ فرما، ہمیں قحط اور خشک سالی سے ہلاک نہ فرما۔ اے اللہ! تو ہمارے دودھ پیتے بچوں پر رحم فرما۔ ہمارے بے عقل چوپایوں پر رحم فرما۔ ہمارے بوڑھوں، کمزوروں اور ناتوانوں اور بیمار لوگوں پر رحم فرما۔ اور اپنی تمام مخلوق پر رحم فرما۔

"رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ إِنْ نَّسِينَآ أَوْ أَخْطَأْنَا، رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْراً كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا، رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ، وَاعْفُ عَنَّا، وَاغْفِرْ لَنَا، وَارْحَمْنَا، أَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ" (البقرۃ:286)

"اے ہمارے رب! اگر ہم بھول گئے ہوں یا ہم نے خطا کی ہو تو ہمیں نہ پکڑنا، اے ہمارے رب! تو ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا، اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں طاقت نہ ہو اور ہم سے درگزر فرما! اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر! تو ہی ہمارا مالک ہے، ہمیں کافروں کی قوم پر غلبہ عطا فرما"۔

"اللّٰھم إدفع لنا القحط والبلاء والوباء والربا والزنا والزلزال والمحق وسوء الفتن ماظھر منھا ومابطن عن بلدنا وعن سائر بلاد المسلمین"

"اے اللہ کے بندو! اپنے نبی کی سنت کی اقتدا کرتے ہوئے، تم بھی اپنی چادریں پلٹ لو اور اللہ سے رو رو کر دعائیں کرو، اور گڑگڑا کر اس سے رحمت کا سوال کرو، تم یقین رکھو، اللہ تمہاری دعائیں ضرور قبول کرے گا۔

کثرت سے توبہ واستغفار اور صدقہ وخیرات کرو، رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرو، لوگوں کے حقوق ادا کرو، ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ یقین رکھو، اللہ تعالیٰ کی رحمت ضرور تمہیں ڈھانپے گی۔ وہ تمہیں، تمہارے بچوں، تمہارے چوپایوں اور تمہاری کھیتیوں کو اپنی باران رحمت سے ضرور سیراب فرمائے گا۔

"سبحان ربک رب العزة عما یصفون، وسلام علی المرسلین، والحمد للّٰه رب العالمین، وصلی اللّٰه علی النبي الکریم"

زبان کی حفاظت

پہلا خطبہ:

"إنَّ الحمد للّٰه ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادی له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله"

أما بعد ! قال اللّٰه تعالىٰ:

" وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجاً،وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهُ إِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ أَمْرِهِ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْراً "(الطلاق:3-2)

"اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے چھٹکارے کی شکل نکال دیتا ہے۔اور اسے ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہ ہو،اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا اللہ اسے کافی ہوگا۔اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کر کے ہی رہے گا۔اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے"۔

وقال فی موضع آخر:" وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْماً"(الأنعام:80)

"میرا پروردگار ہر چیز کو اپنے علم میں گھیرے ہوئے ہے"۔

وقال :" وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي

السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِکَ وَلَآ اَکْبَرَ اِلَّا فِیْ کِتَابٍ مُّبِیْنٍ "(یونس:61)

"اور آپ کے رب سے کوئی چیز ذرہ برابر بھی غائب نہیں، نہ زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی اور نہ کوئی چیز بڑی مگر یہ سب کتاب مبین میں ہے"۔

محترم حاضرین جمعہ! ابھی میں نے آپ کے سامنے جو آیتیں پڑھی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بندہ ہر وقت اللہ کی نگرانی میں رہتا ہے، اس کی کوئی بھی حرکت اس سے پوشیدہ نہیں۔ یہی نہیں بلکہ آسمان وزمین کی کوئی بھی چیز اس سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے، چھوٹی بڑی ہر چیز سے وہ باخبر ہے۔ اسی وجہ سے اس نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اس سے ڈریں اور ان تمام چیزوں سے اپنے آپ کو بچائے جو اس کی ناراضگی کا باعث ہیں۔

اللہ کے بندو! زبان اللہ کی نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ یہ انسان کو اس لیے ملی ہے تا کہ وہ اس سے چیزوں کا ذائقہ معلوم کر سکے اور اپنے دل کی باتیں لوگوں کو بتا سکے۔ زبان نہ ہوتی تو ہم اپنے مافی الضمیر کا اظہار نہیں کر سکتے تھے۔ اسی لیے احسان جتاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر فرمایا ہے۔

"اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِ وَلِسَانًا وَّ شَفَتَیْنِ "(البلد:8-9)

"کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہیں بنائیں، اور زبان اور ہونٹ (نہیں بنائے)"۔

زبان ہی سے آدمی کے عقل وشعور اور اس کی صلاحیتوں کا پتہ چلتا ہے۔ لیکن اس نعمت کا استعمال اگر غلط طریقے سے ہو تو یہ نعمت اللہ کی ناراضگی کا باعث بن جاتی ہے اور لوگوں کے دل بھی اس سے زخمی ہوتے ہیں۔ یاد رکھیے، زبان کا زخم تیر وسنان کے زخم سے زیادہ کاری ہوتا ہے۔ اسی لیے زبان کے خوف سے بڑے بڑے بہادر لرزتے ہیں۔ ایک عربی شاعر کہتا ہے:

جراحات السنان لها التیام

ولا یلتام ما جرح اللسان

''تیرے کے زخم بھر جاتے ہیں لیکن زبان کے زخم کبھی نہیں بھرتے''۔

اسی وجہ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم میں لوگ اپنی زبانوں کے حصائد یعنی زبان کی کاٹی ہوئی کھیتیوں سے ہی اوندھے منہ گرائے جائیں گے۔ زبان کی کاٹی ہوئی کھیتیوں سے مراد زبان سے سرزد ہونے والے گناہ کی باتیں ہیں۔ اسی لیے مومن جو اس بات کا یقین رکھتا ہے کہ اللہ اس کی ہر بات اور ہر حرکت کو سنتا اور دیکھتا ہے، کبھی بھی اپنی زبان کو آزاد اور بے لگام نہیں چھوڑتا۔ ہمیشہ اسے اپنے کنٹرول میں رکھتا ہے۔ زبان کے حصائد یعنی اس سے سرزد ہونے والے گناہوں کی بہت ساری قسمیں ہیں۔ ان میں سے چند کا ذکر ہم آج کے اس خطبے میں کریں گے۔ ان میں سے سب سے اہم غیبت اور بہتان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجرات میں اس سے بچنے کی سخت تاکید فرمائی ہے۔

ارشاد باری ہے:

'' وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضاً أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَّأْكُلَ لَحْمَ أَخِيْهِ مَيْتاً فَكَرِهْتُمُوْهُ''(الحجرات:12)

''اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ تم کو اس سے گھن آئے گی''۔

ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''یامعشر من آمن بلسانه ولم يدخل الإيمان في قلبه لا تغتابوا المسلمين ولا تتبعوا عوراتهم فإنه من اتبع عوراتهم يتبع الله عزوجل عورته، ومن يتبع الله عورته يفضحه في بيته''(ابوداؤد)

''اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنی زبان سے اور حال یہ ہے کہ ایمان اس کے دل میں داخل نہیں ہوا ہے، مسلمانوں کی غیبت نہ کرو، اور ان کے عیوب کے پیچھے نہ پڑو۔ اس

لیے کہ جو ان کے عیوب کے پیچھے پڑے گا، اللہ اس کے عیب کے پیچھے پڑے گا۔ اور اللہ جس کے عیب کے پیچھے پڑے گا، اسے اس کے گھر میں ذلیل ورسوا کر دے گا"۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"أتدرون ما الغيبة؟ قالوا: الله ورسوله أعلم، قال: ذكرك أخاك بما يكره، قيل: أفرأيت إن كا ن في أخي ما أقول؟ قال: إن كان فيه ما تقول فقد اغتبته وإن لم يكن فيه فقدبهته"

"کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اپنے بھائی کا اس انداز میں ذکر کرنا جسے وہ ناپسند کرے۔ آپ سے پوچھا گیا: اگر میرے بھائی میں وہ چیز موجود ہو جس کا میں ذکر کروں؟ آپ نے فرمایا: اگر اس میں وہ چیز موجود ہو جس کا تو نے ذکر کیا، تو یہ اس کی غیبت ہے اور اگر اس میں وہ بات نہیں ہے جو تو اس کی بابت بیان کر رہا ہے تو پھر تو نے اس پر بہتان باندھا۔

اسی طرح زبان کے حصائد میں سے چغل خوری بھی ہے۔ اس سے بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈرایا ہے۔ جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دو قبروں کے پاس سے گزر ہوا تو آپ نے فرمایا:

"إنهما ليعذبان وما يعذبان في كبير، أما أحدهما فكان لا يستنزه من بوله، وأما الأخر فكان يمشي بالنميمة"

"یہ دونوں قبر والے عذاب دیے جا رہے ہیں اور وہ بھی کسی بڑے گناہ کی وجہ سے نہیں، بلکہ ان میں سے ایک شخص تو پیشاب سے پاکی حاصل نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغل خوری میں لگا رہتا تھا"۔

زبان ہی کے حصائد میں سے عورتوں کا کثرت سے لعن طعن کرنا بھی ہے۔ جہنم میں عورتوں کے زیادہ جانے کا سبب آپ نے ان کی لعن طعن کی کثرت کو بتایا۔ جیسا کہ ابوسعید

خدری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے۔"یا معشر النساء تصدقن فإني رأيتكن أكثر أهل النار، فقلن : لم ذلك يا رسول الله ؟ قال: تكثرن اللعن وتكفرن العشير " (بخاری)

"اے عورتوں کی جماعت! صدقہ کیا کرو، کیونکہ میں نے تم عورتوں کو جہنم میں زیادہ دیکھا ہے۔تو ان سب نے پوچھا: اس کی کیا وجہ ہے اے اللہ کے رسول؟ آپ نے فرمایا: تم لعن طعن زیادہ کرتی ہو اور شوہروں کی ناشکری کرتی ہو"۔

بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے:

وأن العبد ليتكلم بالكلمة من سخط الله لا يلقي لها بالا يهوي بها في جهنم".

"بندہ اپنی زبان سے اللہ کی ناراضگی کی بات بولتا ہے اور اسے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔حالانکہ وہ اس کی وجہ سے جہنم میں ڈال دیا جاتا ہے"۔

اس کے برعکس اچھی اور بھلی بات سے اللہ خوش ہوتا ہے اور اس سے بندے کا درجہ اور وقار بلند ہوتا ہے۔اسی لیے زبان کی حفاظت کی طرف اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص توجہ دی ہے۔مسند احمد وغیرہ میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز، روزہ، زکاۃ، جہاد وغیرہ اچھی باتوں کا ذکر کیا اور فرمایا:

"ألا أخبرك بملاك ذلك كله ؟ قلت بلى يا رسول الله ! فأخذ بلسانه وقال: كف عليك هذا، قلت: يا رسول الله! وأنا لمؤاخذون بما نتكلم به؟ فقال ثكلتك أمك وهل يكب الناس في النار على وجوههم إلا حصائد ألسنتهم"

"کیا میں تمہیں ایسی بات نہ بتاؤں جس پر ان سب کا دار و مدار ہے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! آپ نے اپنی زبان پکڑی اور فرمایا: اس کو روک کے

رکھ۔ میں نے عرض کیا: ہم زبان کے ذریعہ سے جو گفتگو کرتے ہیں، اس پر بھی ہماری گرفت ہوگی؟ آپ نے فرمایا: تیری ماں تجھے گم پائے، (یہ بددعا نہیں عربی محاورہ ہے) جہنم میں لوگوں کو ان کی زبانوں کی کاٹی ہوئی کھیتیاں ہی اوندھے منہ گرائیں گی۔

اس سلسلے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل وعیال کی خاص طور سے نگرانی کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ ایک بار میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ''حسبک من صفية كذا و كذا'' آپ کے لیے کافی ہے کہ صفیہ ایسی اور ایسی ہیں''۔

بعض رواۃ نے کہا ہے کہ ان کی مراد اس سے یہ تھی کہ وہ پست قد ہیں، تو آپ نے فرمایا:

"لقد قلت كلمة لو مزجت بماء البحر لمزجته قالت وحكيت له إنسانا، فقال: ماأحب إني حكيت إنسانا وأن لي كذا و كذا"

''تو نے ایسی کڑوی بات کہی ہے کہ اگر یہ دریا کے پانی میں ملا دی جائے تو اسے بھی کڑوا کر دے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آپ کے سامنے ایک آدمی کی نقل اتاری تو آپ نے فرمایا: میں پسند نہیں کرتا کہ میں کسی انسان کی نقل اتاروں، چاہے اس کے بدلے مجھے اتنا اور اتنا مال ملے۔

لایعنی اور فضول باتوں سے بھی زبان کو بچانا چاہیے جس سے نہ کوئی نقصان ہو، نہ فائدہ۔

امام بخاری نے ''الأدب المفرد'' میں حضرت انس سے صحیح سند سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عمر کی موجودگی میں خطبہ دیا اور اس نے بہت سی بے فائدہ باتیں کہیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"إن كثرة الكلام في الخطب من شقاشق الشيطان"

''خطبوں میں زیادہ بولنا ایسا ہی ہے جیسے شیطان منہ سے جھاگ نکالے''

لایعنی چیزوں میں نہ پڑنا آدمی کے حسن اسلام کی دلیل ہے۔
ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من حسن إسلام المرء تركه مالايعنيه "

"آدمی کے حسن اسلام میں سے اس کا لایعنی چیزوں کا چھوڑ دینا ہے"۔ (امام ترمذی نے اس حدیث کی تخریج بسند حسن کی ہے)

زبان کی حصائد میں سے مسلمان کی عزت وآبرو کے در پے ہونا بھی ہے۔ واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"المسلم على المسلم حرام دمه وعرضه وماله المسلم أخو المسلم لايظلمه ولا يخذله، التقوى ها هنا وأومأ بيده إلى القلب "

"مسلمان کا خون، اس کی عزت وآبرو اور اس کا مال، مسلمان پر حرام ہے۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ اس پر زیادتی کرے اور نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑے کہ اسے دشمن کے سپرد کر دے۔ تقویٰ یہاں ہے اور آپ نے اپنے ہاتھ سے دل کی طرف اشارہ کیا"۔

بے حیائی کی باتیں اور فحش کلامی بھی زبان کے حصائد میں سے ہے۔ آج کل مسلمان سوسائٹیوں میں یہ وبا بڑی تیزی کے ساتھ پھیل رہی ہے۔ یہ نتیجہ ہے یہودیوں کی ابلاغی یورش، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور بے حیائی اور فحاشی پھیلانے والے چینلوں کا۔ ان فحش چینلوں کے ذریعہ مسلمانوں کے گھروں میں یہ برائی بڑی تیزی سے پھیل رہی ہے اور انہیں اس کا شعور واحساس تک نہیں۔

ابوداؤد کی روایت ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مامن شئ أثقل في ميزان العبد المؤمن يوم القيامة من حسن الخلق وإن الله يبغض الفاحش البذي"

''قیامت کے دن مومن بندے کی میزان میں حسن خلق سے زیادہ بھاری کوئی چیز نہیں ہوگی۔ اور یقیناً اللہ تعالیٰ بدزبان اور فحش گوئی کرنے والے کو نہیں پسند کرتا ہے''۔

جھوٹ بولنا بھی زبان کے حصائد میں سے ہے۔

آج کل یہ وبا بھی مسلمانوں میں عام ہے۔ حالانکہ جھوٹ بولنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نفاق کی علامت قرار دیا ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"وإياكم الكذب فإن الكذب يهدي إلى الفجور والفجور يهدي إلى النار وإن الرجل ليكذب حتى يكتب عند الله كذابا"(بخاری)

''جھوٹ سے بچو، بلاشبہ جھوٹ نافرمانی کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اور نافرمانی جہنم کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اور آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے یہاں کذاب لکھ دیا جاتا ہے''۔

انہیں سے روایت ہے آپ نے فرمایا:

"لايصلح الكذب في جدو لا هزل أن يعد أحدكم ولده ثم لا ينجز"

''جھوٹ سنجیدگی اور مذاق کسی حال میں درست نہیں، اور نہ یہ کہ تم میں سے کوئی اپنے بیٹے سے جھوٹا وعدہ کرے، پھر اسے پورا نہ کرے''۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"من تحلم بحلم لم يره كلف أن يعقد بين شعير تين ولن يفعل"

''جو شخص جھوٹا خواب بیان کرے جسے اس نے نہیں دیکھا ہے تو اسے قیامت کے دن مجبور کیا جائے گا کہ وہ جو کے دو دانوں کے درمیان گرہ لگائے اور وہ یہ گرہ نہیں لگا سکے گا''۔

اسی طرح جھوٹی گواہی دینا بھی زبان کے حصائد میں سے ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:

"ألا أنبئكم بأكبر الكبائر؟قلنا : بلىٰ يارسول اللّٰه! قال:الإ شراك باللّٰه وعقوق الوالدين وكان متكئا فجلس فقال: ألا وقول الزور، فما زال يكررها حتى قلنا: ليته سكت"

"کیا میں تمہیں سب سے بڑے گناہ کی خبر نہ دوں؟ ہم نے کہا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔ اور آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: سنو اور جھوٹی بات، جھوٹی بات، آپ برابر دہراتے رہے یہاں تک کہ ہم نے کہا: کاش آپ خاموش ہو جاتے"۔

اللہ تعالیٰ نے مومن کی صفات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ" (الفرقان:72)

"اور جو لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے"۔

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ وہ کسی فاسق سے کوئی بات سنیں تو پہلے اس کی پوری تحقیق کر لیں، پھر اسے لوگوں سے بیان کریں۔

ارشاد باری ہے:

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ" (الحجرات:6)

"اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچا دو پھر اپنے کیے پر پشیمانی اٹھاؤ"۔

علامہ سعدی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ ان آداب میں سے ہے جس سے ہر صاحب عقل وشعور بہرہ ور ہوتا ہے۔ جب اسے کوئی فاسق کسی چیز کی خبر دیتا ہے تو وہ اس کی اچھی طرح چھان بین کرتا ہے۔ اسے سنتے ہی مان نہیں لیتا کیونکہ اندیشہ ہے کہ اسے

صحیح سمجھ کر آدمی کوئی ایسا اقدام کر بیٹھے جس میں جان واموال ناحق تلف ہوں اور بعد میں اسے شرمندگی وندامت اٹھانی پڑ جائے۔ اس لیے فاسق کی خبر کی چھان بین ضروری ہے۔ اگر دلائل وقرائن سے اس کا جھوٹا ہونا ثابت ہو جائے تو قوم اس کی بات پر عمل نہ کرے۔ اس میں اس بات کی دلیل بھی ہے کہ سچے آدمی کی خبر مقبول ہوگی اور جھوٹے شخص کی خبر مردود۔ اور فاسق کی خبر پہ توقف کیا جائے گا۔ اسی وجہ سے سلف نے ان خوارج کی بہت سی روایات قبول کی ہیں جو اپنی سچائی اور صدق بیانی میں معروف ومشہور تھے۔ اگر چہ وہ فاسق تھے۔

دوسرا خطبہ:

"إنَّ الحمد لله ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريك له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله"

قرآن وسنت میں ایسی بہت سی نصوص وارد ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو لوگوں کی نگرانی کرتے ہیں۔

ارشاد باری ہے:

"وَيُرْسِلُ عَلَيْكُم حَفَظَةً" (الأنعام:61)

"تم پر نگہداشت رکھنے والے بھیجتا ہے"۔

یہ فرشتے اس کے اچھے اور برے تمام اقوال واعمال کو نوٹ کرتے رہتے ہیں۔

"وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِيْنَ، كِرَاماً كَاتِبِيْنَ، يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ" (انفطار:12-10)

"یقیناً تم پر نگہبان عزت والے، لکھنے والے مقرر ہیں۔ جو کچھ تم کرتے ہو وہ جانتے ہیں"

ایک جگہ ارشاد ہے:

''إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ، مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ''(ق:18-17)

''جس وقت دو لینے والے جا لیتے ہیں ایک دائیں طرف اور ایک بائیں طرف بیٹھا ہوا ہے۔(انسان) منہ سے کوئی لفظ نکال نہیں پاتا مگر کہ اس کے پاس نگہبان تیار ہے''۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

''أَمْ يَحْسَبُوْنَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ''(الزخرف:80)

''کیا ان کا یہ خیال ہے کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں کو اور ان کی سرگوشیوں کو نہیں سنتے، (یقیناً ہم برابر سن رہے ہیں) بلکہ ہمارے بھیجے ہوئے ان کے پاس ہی لکھ رہے ہیں''۔

بخاری اور مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''يتعاقبون فيكم ملائكة بالليل وملائكة بالنهار يجتمعون في صلاة الفجر وصلاة العصر ثم يعرج الذين باتوا فيكم قال لهم ربهم وهو أعلم بهم كيف تركتم عبادي ؟ فيقولون تركناهم وهم يصلون واتيناهم وهم يصلون''(بخاری مسلم)

''تمہارے درمیان رات کو اور دن کو فرشتے باری باری سے آتے اور جاتے ہیں اور صبح کی نماز میں اور عصر کی نماز میں وہ اکٹھے ہوتے ہیں۔ پھر وہ فرشتے جو تمہارے درمیان رات گزارتے ہیں اوپر چڑھ جاتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے:(حالانکہ وہ ان کے بارے میں ان سے زیادہ جاننے والا ہے) تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ کہتے ہیں: ہم انہیں نماز پڑھتے ہوئے چھوڑ کر آئے ہیں۔ اور جب ہم ان کے

پاس گئے تھے تب بھی وہ نماز ہی میں مصروف تھے۔

آ گر آپ یہ اعتراض کریں کہ اللہ تعالیٰ تو سب کچھ جانتا ہے۔اسے فرشتوں کے لکھنے کی کیا ضرورت پڑگئی؟ تو ہم کہیں گے کہ یہ بندوں پر اس کا لطف و کرم ہے۔اس نے ایسا اس لیے کر رکھا ہے تا کہ بندے اس بات کو یاد رکھیں کہ اللہ ان کی نگرانی کر رہا ہے۔اور اس نے ان کی ہر ہر حرکت کو نوٹ کرنے کے لیے فرشتوں کو لگا رکھا ہے جو اس کی مخلوق میں اشرف ہیں۔یہ فرشتے اس کے تمام اعمال رجسٹر میں نوٹ کر رہے ہیں اور قیامت کے دن میدان محشر میں اسے پیش کریں گے۔یہ چیز اسے غلط کاریوں سے زیادہ روکنے والی ہوگی۔

جب ایسی بات ہے کہ اللہ ہماری ہر بات اور ہر حرکت فرشتوں کے ذریعہ نوٹ کروا رہا ہے تو ہمیں درست اور سچی بات ہی زبان سے نکالنی چاہیے اور زبان کو غلط اور دل آزار باتوں سے آلودہ نہیں ہونے دینا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلاً سَدِیْداً، یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِیْماً" (الأحزاب:71-70)

"اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سیدھی سیدھی (سچی) باتیں کیا کرو۔اللہ تعالیٰ تمہارے کام سنوار دے اور تمہارے گناہ معاف فرما دے،اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی تابعداری کرے گا اس نے بڑی مراد پالی"۔

"قول" منہ سے نکلی ہوئی بات کو کہتے ہیں اور سدید کے معنی درست اور حق ہونے کے ہیں۔ اسی سے "تسدالسھم" آتا ہے، یعنی تیر کو شکار کی طرف درست کرنا تا کہ نشانہ نہ چوکے۔

لہٰذا "قول سدید" ان تمام باتوں کو شامل ہوگا جو درست، صحیح اور مفید ہوں۔اس میں سلام کرنا، اپنے مسلمان بھائی سے یہ کہنا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں، قرآن مجید کی

تلاوت کرنی، اچھی باتوں کی طرف رہنمائی کرنا، اللہ کی تسبیح وتحمید کرنی، اذان واقامت کہنی، وغیرہ تمام امور "قول سدید" میں داخل ہیں۔

محترم بھائیو! یہ بات یاد رکھیے کہ زبان نیکی اور بدی کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ لوگ جہنم میں اوندھے منہ اپنی زبان ہی سے کہی ہوئی باتوں کی وجہ سے ڈالے جائیں گے۔ اسی وجہ سے حدیث میں آتا ہے:

"من كان يؤمن بالله واليوم الأخر فليقل خيرا أو ليصمت"

"جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ وہ اچھی اور بھلی بات کہے یا خاموش رہے۔

"قول سدید" ہی سے معاشرے میں اچھی باتوں کا فروغ ہوتا ہے۔ لوگوں میں حقیقت پسندی عام ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف "قول شر" سے گمراہیاں پھیلتی ہیں۔ "قول سدید" کے نتیجے میں لوگوں کے اعمال میں درستگی آتی ہے؛ کیونکہ ایسے شخص کی لوگ اقتدا کرتے ہیں اور اس کی باتوں کو غور سے سنتے ہیں اور اپنی اصلاح کرتے ہیں۔

اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اپنی زبان کو قابو میں رکھنے اور اس سے سچی اور درست بات کہنے کی توفیق دے۔ اور ہمیں ایسی باتیں زبان پر لانے سے محفوظ رکھے جو اللہ کی ناراضگی کا باعث ہیں اور جن سے اللہ کے بندوں کی بھی دل آزاری ہو رہی ہو۔

أقول قولي هذا واستغفر الله لي ولكم ولسائر المسلمين، فاستغفروه إنه هو الغفور الرحيم.

زکاۃ،فوائدواحکام

پہلا خطبہ:

"إنَّ الحمد لله ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله"

وقد قال الله تبار وتعالىٰ في محكم تنزيله، أعوذ بالله من الشيطان الرجيم:

"خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا"(التوبہ:103)

برادران اسلام!زکاۃ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن اور اسلامی فرائض وواجبات میں سے ایک اہم فریضہ ہے۔یہ ارکان اسلام میں ترتیب کے لحاظ سے تیسرا رکن ہے،نماز کے بعد ہی اس کا ذکر کیا گیا ہے۔بلکہ قرآن کریم کے اندر تیس سے زائد مقامات پر نماز کے ساتھ زکاۃ کا ذکر ہے، جو اس کی دینی اہمیت وعظمت،مقام ومرتبہ اور کثیر المنافع اور عظیم المقاصد ہونے کی دلیل ہے۔

چنانچہ سورۂ توبہ کی آیت 103 جو آپ کے سامنے تلاوت کی گئی:

"خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ"(التوبہ:103)

"آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجیے، جس کے ذریعہ سے آپ انہیں پاک کردیں، اور ان کے لیے دعا کیجیے بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لیے موجب اطمینان ہے اور اللہ خوب سنتا اور جانتا ہے"۔

میں صدقہ یعنی زکاۃ کو تطہیر وتزکیہ یعنی مال اور نفس کی پاکیزگی کا سبب بتایا گیا ہے۔

زکاۃ کے لغوی معنی پاکیزگی اور بڑھوتری ہیں۔ یعنی زکاۃ ادا کرنے سے مال اور انسان کا نفس پاک ہوتا ہے، صفت بخل سے انسان محفوظ رہتا ہے اور دل میں انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا فریضہ سمجھ کر شرعی ضابطہ کے مطابق اس کی ادائیگی مال میں برکت اور اضافہ کا باعث ہے۔ اس کو صدقہ بھی کہا جاتا ہے یعنی صدقۂ واجبہ (لازمی اور فرض صدقہ) کیوں کہ یہ ایک مسلمان کے صادق الایمان اور محبِ خیر ہونے کی بھی علامت ہے۔ اسے مال نہیں بلکہ ایمان اور ثواب محبوب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جنت جو متقیوں کا دائمی ٹھکانہ ہے، مومن کا محبوب ومطلوب ہے، جس کے لیے وہ بدنی عبادت نماز اور مالی عبادت زکاۃ کا بطور خاص اہتمام کرتا ہے۔ زکاۃ کی ادائیگی، اللہ تعالیٰ کی ایک اہم نعمت، نعمت مال پر اس کا شکرانہ ہے اور اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو مزید انعام واکرام سے نوازتا ہے جب کہ ناشکروں کو نعمتوں سے محروم کردیتا ہے۔ اس سلسلہ میں متعدد آیات وارد ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کے لیے قرآن مجید میں ایک مقام پر یوں بشارت آئی ہے:

"وَمَآ أَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ" (سبا:39)

"تم جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کروگے اللہ اس کا (پورا پورا) بدل دے گا اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے"۔

اس معنی ومفہوم کی آیات اور بھی کئی مقامات پر موجود ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ارشاد گرامی ہے:

"ما من يوم يصبح العباد فيه إلا ملكان ينزلان فيقول أحدهما:

اللّٰهم أعط منفقا خلفا ويقول الأخر: اللّٰهم أعط ممسكا تلفا"(متفق عليه عن أبي هريرة)

"ہر روز صبح کے وقت آسمان سے دو فرشتے نازل ہوتے ہیں، ایک کہتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بہتر عوض عطا فرما۔ اور دوسرا کہتا ہے: اے اللہ! بخیل اور کنجوس کے مال کو تلف (برباد) کر دے"۔

زکاۃ کی ادائیگی کا ایک بڑا فائدہ فقراء و مساکین کی حاجت برآری اور ان کی ہمدردی و غم خواری ہے۔ گویا غریب اور محتاج مسلمانوں کی ضروریات کی تکمیل اور ان کی کفالت کا بہت اہم اور مضبوط ذریعہ زکاۃ ہے۔ اگر نظم و ضبط کے ساتھ زکاۃ جمع کی جائے اور مستحقین تک اسے پہنچایا جائے تو مسلم معاشرہ میں کسی فقیر و مسکین اور دیگر مستحقین زکاۃ کو در در بھٹکنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ کیوں کہ حاجت مندوں کی حاجت برآری اور ان سے فقر و فاقہ کو دور کرنے کے لیے ہی اسلام نے صاحب نصاب مالدار پر زکاۃ فرض کی ہے۔ جس کا بنیادی مقصد فقراء و مساکین کی ضرورتوں کی تکمیل ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إن اللّٰه فترض عليهم صدقة تؤخذ من أغنياء هم وترد على فقراء هم" (الحديث رواه الشيخان عن ابن عباس)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب یمن کا معلم بنا کر بھیجا تو انہیں ضروری ہدایات فرمائیں، ان ہی میں ایک بات یہ بھی فرمائی کہ اہل یمن اللہ کی توحید کو مان لیں اور نماز قائم کرنے لگیں تو انہیں بتلاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر صدقہ (یعنی زکاۃ) فرض کیا ہے جو ان کے مالداروں سے لی جاتی ہے اور ان کے فقراء پر لوٹا دی جاتی ہے"۔

گویا زکاۃ کا فائدہ مسلم معاشرہ کے فقراء و مساکین کو ہی ہوتا ہے۔ اور اس طرح ان کی غریبی اور محتاجی دور ہو جاتی ہے۔ پھر ان کے دلوں میں مالداروں کے تئیں حقد و حسد کے

جذبات نہیں پائے جاتے۔ بلکہ مزید مالداری اور فارغ البالی کی دل سے دعائیں نکلتی ہیں۔ اور یوں پورا معاشرہ، کیا امیر، کیا غریب، محبت وغم خواری کے ایک دھاگے میں پرویا ہوا نظر آتا ہے۔ زکاۃ کے علاوہ صدقات فطر اور دیگر نفلی صدقات وعطیات اس پر مستزاد ہیں۔
حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ میں اور اس طرح مصارف زکاۃ متعین کرنے والی سورۃ التوبہ کی آیت 60 میں فقراء اور دوسرے مساکین کو بیان کیا گیا ہے۔ کیوں کہ ان کا حق دیگر حقوق ومصارف کے مقابلہ میں مقدم ہے۔

دینی بھائیو! زکاۃ کی عدم ادائیگی سنگین عذاب اور ہلاکت وبربادی کا موجب ہے۔ ایک طرف جو فوائد ومصالح ادائیگی زکاۃ پر مرتب ہوتے ہیں ان سے محرومی ہوتی ہے۔ دوسری طرف مال ہلاکت وبربادی کے خطرے سے دوچار ہوتا ہے۔ چوری، ڈاکہ، آتش زنی، لوٹ مار، خسارہ محتاجی، آفات جو پھلوں اور پیداوار کو پہنچتی ہیں اور قحط سالی وغیرہ۔ زکاۃ ادا نہ کرنے کی صورت میں جلد لاحق ہونے والی تباہیوں اور سزاؤں کی بعض صورتیں ہیں جب کہ عذاب اخروی اور بھی بڑا سنگین اور دردناک ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ، يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ" (التوبۃ:34-35)

"اور جو لوگ سونے چاندی کا خزانہ رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک عذاب کی خبر پہنچا دیجیے۔ جس دن اس خزانے کو آتش دوزخ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی (ان سے کہا جائے گا) یہ ہے جسے تم نے اپنے لیے خزانہ بنا کر رکھا تھا۔ پس اپنے خزانوں کا مزہ چکھو"۔

جس مال پر زکاۃ واجب ہو اور اس کی زکاۃ نہ دی جائے وہ کنز ہے۔ اور اس کا دردناک انجام آپ نے آیت کریمہ کے حوالہ سے ملاحظہ کیا۔ اگر زکاۃ صحیح طریقہ پر دے دی جائے تو مال کنز نہیں کہلاتا، چاہے وہ زیر زمین مدفون کیوں نہ ہو، یا کروڑوں میں کیوں نہ ہو۔ کنز کر کے مال رکھنے والوں کے سلسلہ میں آیت سے ملتی جلتی ایک حدیث ملاحظہ کیجیے۔

صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مامن صاحب ذهب و لا فضة لايؤدي حقها إلا إذا كان يوم اليقامة صفحت له صفائح من نار" ......الی آخر الحدیث

"جو بھی سونے اور چاندی والا اپنے سونے اور چاندی کی زکاۃ (بشرطیکہ وہ نصاب کو پہنچ جائے) نہیں دیتا، تو قیامت کے دن اس کے سونے اور چاندی کی تختیاں بنا کر جہنم میں انہیں تپا کر ان سے اس کے پہلو، پیشانی اور پیٹھ (پشت) کو داغا جائے گا۔ جب جب تختیاں سرد ہوں گی انہیں گرم کیا جائے گا اور وہ بھی ایسا گرم کہ تختیوں پر جہنم کی آگ رکھی جائے گی تاکہ تختیاں اور زیادہ تپ جائیں، کیوں کہ جس چیز پر آگ رکھی جاتی ہے وہ چیز زیادہ تپ جاتی ہے۔ ان گرم تختیوں سے مسلسل عذاب دیا جاتا رہے گا، ایک ایسے دن میں جو پچاس ہزار سال کا ہوگا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ فرمائے، تو وہ اپنا راستہ دیکھے کہ جنت کی طرف ہے جہنم کی طرف؟

مال میں بخل سے کام لینے والوں کے حق میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِن فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ" (آل عمران:180)

"جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے کچھ دے رکھا ہے وہ اس میں اپنی کنجوسی کو اپنے لیے بہتر خیال نہ کریں بلکہ وہ ان کے لیے نہایت بدتر ہے، عنقریب قیامت والے دن یہ

اپنی کنجوسی کی چیز کے طوق ڈالے جائیں گے“۔

آیت کریمہ کی تفسیر میں ایک صحیح حدیث بھی وارد ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”من اتاہ اللّٰہ مالا فلم یؤد زکاتہ مثل له شجاعا أقرع له زبیبتان یطوقه یوم القیامة ثم أخذ بلهزتیه ثم یقول أنا مالک أنا کنزک“

”جسے اللہ تعالیٰ نے مال دے رکھا ہے اور وہ اس کی زکاۃ ادا نہیں کرتا، تو وہ مال اس کے لیے نہایت خطرناک ڈراؤنے، زہریلے، گنجے سانپ کی صورت میں تبدیل کر دیا جائے گا، جس پر دو سیاہ نقطے ہوں گے (جو خطرناکی کی علامت ہوں گے) یا اس کے منہ سے زہریلی جھاگ نکل رہی ہوگی، وہ اس کے گلے میں قیامت کے دن مثل طوق ڈال دیا جائے گا، پھر وہ اس کے دونوں کلپھڑوں کو پکڑ لے گا اور کہے گا: میں تیرا مال ہوں، میں تیرا کنز (خزانہ) ہوں۔ والعیاذ باللہ! اتنا خطرناک عذاب، وہ بھی گھنٹہ دو گھنٹہ کا نہیں پورے پچاس ہزار سال تک کا۔

حقیقت یہ ہے کہ چند آیات وحادیث زکاۃ نہ دینے والوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہیں۔

وجوب زکاۃ کا منکر اسلام کی نظر میں کافر ہے، توبہ کرتا ہے تو ٹھیک، ورنہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے۔ اور اگر زکاۃ کو فرض جانتا ہے لیکن بخل کے سبب ادا نہیں کرتا تو اسے نصیحت کی جائے۔ اگر قبول کرے تو بہت بہتر ورنہ مسلم حکمراں کا فرض ہے کہ اس سے بزور طاقت زکاۃ اصول کرے اور اگر پھر بھی نہیں دیتا تو اس سے جنگ کی جائے۔ یہاں تک کہ زکاۃ ادا کرنے لگ جائے۔

بزرگو اور دوستو! جن مالوں میں زکاۃ واجب ہوتی ہے، وہ چار طرح کے ہیں:

پہلی قسم: نقدی اموال، یعنی سونے چاندی اور ان کے قائم مقام رائج سکے اور کرنسیاں، جن سے لوگ آپس میں کاروبار اور لین دین کرتے ہیں۔ خواہ وہ کسی نام سے

موسوم ہوں۔ جیسے روپے، ریال، درہم، دینار، ڈالر اور پونڈ وغیرہ۔ اگر سونا، چاندی یا کرنسی مقررہ نصاب کو پہنچ جائے تو نصاب اور اس سے زائد کے اندر سال میں ایک مرتبہ ڈھائی فیصد زکاۃ ادا کرنا واجب ہے۔ چاہے نقد مال تجارت کے لیے رکھا گیا ہو یا خرچ کے لیے، شادی، مکان اور گاڑی کی خریداری کے لیے یا کسی دوسری ضرورت کے لیے ہو، خواہ یہ مال جس پر سال گزر گیا ہے اور نصاب کو بھی پہنچ گیا ہے، کسی بڑے شخص کی ملکیت ہو یا کم سن کی یا کسی دیوانہ یا پاگل کی یا کسی یتیم کی۔ زکاۃ چونکہ مال میں واجب ہے اس لیے بڑے چھوٹے، مرد، عورت، دیوانہ، فرزانہ اور یتیم میں کوئی فرق نہیں۔

تنخواہ پانے والا شخص ہر ماہ کچھ نہ کچھ مال بچاتا ہے اس کے لیے بہتر ہے کہ سال میں کوئی ایک مہینہ مثلاً رمضان، زکاۃ کی ادائیگی کے لیے متعین کر لے اور جو مال بھی اس وقت تک جمع ہو اس کی اکٹھی طور پر زکاۃ نکال دے بشرطیکہ باقی ماندہ اور محفوظ مال نصاب کو پہنچ گیا ہو۔ کیوں کہ ہر مہینہ کا حساب رکھنا ایک مشکل امر ہے۔ اگر مالداروں کے مال دوسروں کے ذمہ قرض ہوں اور قرض لینے والے بھی خوش حال لوگ ہوں اور جب قرض دہندہ چاہے ان سے مال لے سکتا ہو تو زکاۃ کی ادائیگی کے وقت قرض پر دی گئی رقم کو موجودہ مال کے ساتھ شامل کر کے زکاۃ ادا کرے، اور اگر نادہندہ یا ٹال مٹول کرنے والوں کے ذمہ قرض ہو تو ہر سال اس کی زکاۃ نہ دے۔ بلکہ جب رقم آجائے تو ایک سال کی زکاۃ ادا کر دے۔ اور اگر مال والوں پر دوسروں کا قرض ہو اور زکاۃ کی ادائیگی کا وقت آجائے اور اس نے قرضے ادا نہ کیے ہوں تو پورے موجودہ مال کی زکاۃ دینی ہوگی۔ قرض زکاۃ کو ساقط نہیں کرتا۔ قرض کی ادائیگی حولان حول سے قبل کر دے تو باقی ماندہ مال میں ہی زکاۃ واجب ہوگی۔ سونے کا نصاب 20 مثقال یعنی 85 یا 90 گرام سونا (اہل علم کا مقدار میں اختلاف ہے۔ 90 گرام کا قول مفتی بہ ہے) اور چاندی کا نصاب پانچ اوقیہ یعنی 200 درہم تقریباً چھ سو گرام چاندی۔ اور کرنسی میں سونے یا چاندی جہاں کی کرنسی کا جو ویلیو ہو اس کی

قیمت کے برابر کرنسی نوٹ، فقراء کی رعایت کرتے ہوئے چاندی کا نصاب اختیار کرنا بہتر معلوم ہوتا ہے۔ سونے اور چاندی کے زیورات جو استعمال کے لیے بنوا گئے ہوں ان میں جب وہ نصاب کو پہنچ جائیں اہل علم کے راجح قول کے مطابق صحیح دلیلوں کی روشنی میں زکاۃ واجب نہیں ہے، مگر یہ کہ وہ تجارت کے لیے ہوں۔

دوسری قسم: اموال تجارت کی ہے۔ یعنی جائز اموال تجارت، خواہ تجارت کپڑے کی ہو یا گاڑیوں کی یا اشیاء خوردنی اور دواؤں کی یا مختلف قسم کے میٹریلس کی، یا زمین کی خرید وفروخت ہو، سال میں ایک مرتبہ تجارتی اشیاء پر بھی زکاۃ واجب ہے اور بوقت ادائیگی زکاۃ سامان تجارت کی قیمت کا اعتبار ہوگا اور قیمت پر ڈھائی فیصدی زکاۃ ادا کرنی ہوگی۔ اجرت پر دینے کے لیے بنائے گئے مکانوں اور دکانوں یا گاڑیوں سے حاصل ہونے والی اجرتوں پر سال گزر جانے کے بعد زکاۃ واجب ہوگی۔ لیکن اگر زمین یا مکان خرید وفروخت کے لیے ہو تو اس کی قیمت پر زکاۃ واجب ہے۔ مکان، دکان، گاڑی، کارخانہ اور اس میں لگائی گئی مشینوں پر زکاۃ نہیں ہے۔

دوسرا خطبہ:

"إنَّ الحمد لله، نحمده، و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريک له، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله"

دینی بھائیو! مال کی تیسری قسم جس میں زکاۃ واجب ہے، مویشیوں کی ہے۔ اونٹ، گائے اور بکری کے نصاب اور زکاۃ کی مقدار کی تفصیلات کتب احادیث وفقہ میں درج ہیں۔ حاجت مند حضرات اہل علم سے دریافت کریں۔

چوتھی قسم: غلہ اور پھلوں کی ہے۔ اس کا نصاب یعنی وہ مقدار جس میں زکاۃ واجب ہوتی ہے پانچ وسق ہے۔ ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع کا وزن بعض علماء کے نزدیک ڈھائی کیلو اور بعض کے نزدیک تین کیلوگرام ہے۔ اس طرح تین سو صاع 750 کیلوگرام یا 900 کیلوگرام ہوا۔ رسدار پھلوں اور سبزیوں کی آمدنی پر سال گزرنے کے بعد زکاۃ ہوتی ہے۔ لیکن کھجور منقی اور مختلف غلہ مثلاً دھان (چاول)، گندم وغیرہ جب پانچ وسق کو پہنچ جائیں تو جب جب پیداوار ہوگی دسواں یا بیسواں حصہ زکاۃ دینا ہوگی۔ اگر سال میں دو یا تین فصل تیار ہوں تو ہر مرتبہ زکاۃ واجب ہوگی۔ اور اگر ایک ہی فصل پیدا ہو تو ایک ہی مرتبہ زکاۃ ہے۔ آسمان کی بارش سے پیداوار ہونے پر دسواں حصہ اور خود آبپاشی کرنے پر بیسواں حصہ زکاۃ ہے۔ اور اگر دونوں صورتیں پائی جائیں تو غالب صورت کا اعتبار ہوگا۔ بقیہ تفصیلات علماء سے دریافت کی جائیں۔ خطبۂ جمعہ تفاصیل کا متحمل نہیں۔

مسلمانو! مصارف زکاۃ یعنی وہ مقامات جہاں زکاۃ کا مال خرچ کیا جاتا ہے کل آٹھ ہیں جن کا ذکر سورۂ توبہ کی آیت ۶۰ میں ہے۔

ارشاد باری ہے:

”إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ“ (التوبہ:60)

”صدقے صرف فقیروں کے لیے ہیں اور مسکینوں کے لیے اور ان کے وصول کرنے والوں کے لیے اور ان کے لیے جن کے دل پر چائے جاتے ہوں اور گردن چھڑانے میں اور قرض داروں کے لیے اور اللہ کی راہ میں اور راہرو مسافروں کے لیے، فرض ہے اللہ کی طرف سے، اور اللہ علم حکمت والا ہے“۔

پہلا دوسرا مصرف: فقراء اور مساکین ہیں، یعنی جن کے پاس اپنی ضرورتوں کی تکمیل

کے لیے نصف یا اس سے زائد موجود ہو، تو باقی مہینوں کے اخراجات زکاۃ سے پورے کردیے جائیں گے۔

تیسرا مصرف: عاملین ہیں یعنی وہ نمائندے جنہیں سلطنت کا حاکم مالداروں سے زکاۃ وصول کرنے، اس کی حفاظت کرنے اور مستحقین میں خرچ کرنے کے لیے اپنے نمائندگان کی حیثیت سے مقرر کردے تو انہیں بھی ان کے عملوں کے لحاظ سے زکاۃ کا مال دیا جائے گا (بشرطیکہ وہ تنخواہ دار نہ ہوں) چاہے وہ بذات خود مالدار کیوں نہ ہوں۔

چوتھا مصرف: مؤلفۃ القلوب کا ہے یعنی وہ رؤساء قبائل جن کے ایمان میں قوت نہ ہو تو انہیں ایمان پر ثابت قدم رکھنے کے لیے اور اس لیے بھی کہ وہ دوسروں کو ایمان کی دعوت دیں اور بہتر مثال بنیں انہیں زکاۃ دی جائے۔ لیکن عام آدمی جو قبیلہ کا سردار نہ ہو مگر اس کے ایمان میں ضعف ہو تو اس کی ایمانی قوت کی خاطر زکاۃ دینے کے سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔

پانچواں مصرف: گردن آزاد کرانا ہے۔ غلام خرید کر آزاد کرنا یا مکاتب غلام جس نے اپنی آزادی کے لیے اپنے آقا سے ایک مقرر رقم کی ادائیگی پر اتفاق کر لیا ہو اس کو کتابت کی رقم دینا، یا آج کے دور میں مسلمان قیدیوں کو رہا کرانا زکاۃ کا ایک مصرف ہے۔

چھٹا مصرف: قرضداروں کے قرضوں کی ادائیگی ہے۔ قرض دار سے کوئی شخص قرض زکاۃ کی نیت سے ساقط کردے تو درست نہیں بلکہ مال دیتے وقت ادائیگی زکاۃ کی نیت ضروری ہے۔ کیونکہ زکاۃ عبادت ہے جو بغیر نیت کے صحیح نہیں ہوتی۔

ساتواں مصرف: فی سبیل اللہ ہے۔ یعنی مجاہدین کو اتنی رقم دینا جو ان کے لیے کافی ہو اور جہاد کے لیے آلات وغیرہ خریدنا۔ اس میں علم شرعی بھی داخل ہے طالب علم شریعت کو اگر وہ محتاج ہو، زکاۃ سے کتب وغیرہ کی خریداری کے لیے دینا جائز ہے۔

آٹھواں مصرف: مسافر جس کا دوران سفر زادراہ ختم ہو گیا ہو اور وہ اپنے گھر تک لوٹ نہ سکتا ہو تو اس کو حسب ضرورت زکاۃ دینا جائز ہے۔

یہی وہ مصارف زکاۃ یا مستحقین زکاۃ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں ذکر فرمایا ہے۔ زکاۃ اس کی جانب سے ایک اہم فریضہ ہے جو کمال علم و حکمت کے نتیجہ میں اس کی طرف سے صادر ہوا ہے۔ لہٰذا زکاۃ مساجد کی تعمیر اور راستوں کی اصلاح و درستگی وغیرہ جیسے امور میں خرچ کی جا سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے بطور حصر مصارف زکاۃ کا ذکر فرمایا ہے۔ لہٰذا جو مصرف آیت کریمہ میں موجود نہیں وہ غیر شرعی ہے اور اس کے لیے زکاۃ کا استعمال ناجائز ہے۔

زکاۃ نکالنے میں کراہت محسوس کرنا منافقین کی علامت ہے۔ جیسا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَلَا يَأْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كَارِهُوْنَ" (التوبہ:54)

"اور بڑی کاہلی سے ہی نماز کو آتے ہیں اور برے دل سے ہی خرچ کرتے ہیں"۔

بھائیو! تمام دینی امور میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور خاص کر زکاۃ کی ادائیگی کے سلسلہ میں اللہ کے احکام و فرامین پر عمل پیرا ہو۔ فرض زکاۃ کے علاوہ بکثرت نفلی صدقات بھی دیا کرو۔ صدقہ خیرات کرنے سے رب تعالیٰ کا غضب ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ تمام حضرات کو اپنی رضا، خوشنودی کے کاموں کی زیادہ سے زیادہ توفیق مرحمت فرمادے۔ آمین۔

آیئے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ وسلام بھیجیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا" (الأحزاب:56)

"اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم (بھی) ان پر درود بھیجو اور خوب سلام (بھی) بھیجتے رہا کرو"۔

صبر کی ترغیب

پہلا خطبہ:

"إنَّ الحمد اللّٰه ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهداللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادى له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريک له،وأشهد أن محمد عبده ورسوله"

وقد قال اللّٰه تبارک وتعالىٰ في محكم تنزيله، أعوذباللّٰه من الشيطان الرجيم:

"يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ امَنُوا اصْبِرُوْ وَصَابِرُوْا"(آل عمران:200)

"اے ایمان والو! تم ثابت قدم رہو اور ایک دوسرے کو تھامے رکھو"۔

وقال:" إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ"(الزمر:10)

"صبر کرنے والوں ہی کو ان کا پورا پورا بے شمار اجر دیا جاتا ہے"۔

وقال:"وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُوْرِ"(الشوریٰ:43)

"اور جو شخص صبر کرلے اور معاف کردے یقیناً یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے (ایک کام) ہے"۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو صبر کرنے کا حکم دیا ہے۔امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں 9 مقامات پر صبر کا ذکر کیا ہے۔اس سے اندازہ

کیا جا سکتا ہے کہ صبر کی اور صبر کرنے والوں کی اللہ کی نظر میں کیا وقعت و اہمیت ہے۔

آیئے، ہم آپ کو بتائیں کہ اللہ کی نظر میں صبر کیا ہے۔ اور اس کی اتنی زیادہ اہمیت کیوں ہے۔

صبر کے لغوی معنی روکنے کے ہیں، اور شریعت کی اصطلاح میں مصیبت کے وقت گھبراہٹ و ناگواری سے روکنے اور زبان پر حرف شکایت نہ لانے اور اعضائے جسم کو پرسکون رکھنے مثلاً: گالوں پر مارنے، سینہ کوبی کرنے اور گریبان پھاڑنے جیسے امور نفس کو روکے رکھنے کا نام صبر ہے۔ صبر کی تعریف میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ صبر نفس کے خصائل میں سے ایک ایسی خصلت کا نام ہے جس کی وجہ سے وہ ہر اس کام سے باز رہتا ہے جو غیر مستحسن اور قبیح ہو۔ گویا نفس کی قوتوں میں سے ایسی قوت ہے جو اسے صلاح و درستگی پر قائم رکھتی ہے۔

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے صبر کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا بغیر منہ بنائے اور ناگواری کا اظہار کیے کڑوے گھونٹ کو حلق سے نیچے اتار لینے کا نام صبر ہے۔

ذوالنون مصری کا قول ہے: مخالفت سے بچنے اور مصیبت کو خندہ پیشانی کے ساتھ جھیل لینے اور اپنے آپ کو ایسے موقعوں پر پُر سکون رکھنے اور فقر کی حالت میں بھی تونگری کے اظہار کا نام صبر ہے۔ اور بعض نے کہاں کہ حسن ادب کے ساتھ مصیبت کو برداشت کر لینے کا نام صبر ہے۔

ایک بزرگ نے کسی شخص کو اپنے کسی بھائی سے شکایت کرتے دیکھا تو اس سے کہا کہ اے فلاں تو ایک ایسی ذات کی جو تجھ پر انتہائی رحیم و مہربان ہے ایک ایسے شخص سے شکایت کر رہا ہے جو تجھے پر بھی رحم نہیں کرتا۔

میرے بھائیو! صبر ایک ایسا گھوڑا ہے جو ہمیشہ تازہ دم رہتا ہے وہ کبھی تھکتا نہیں۔ صبر ایک ایسی تلوار ہے جو کبھی کند نہیں ہوتی۔ وہ ایک ایسا لشکر ہے جو ہمیشہ فتح یاب رہتا ہے کبھی شکست نہیں کھاتا۔ وہ ایک ایسا مضبوط قلعہ ہے جسے دشمن کبھی ڈھا نہیں سکتا۔ صبر اور فتح

ونصرت دونوں حقیقی بھائی کے مانند ہیں جو شخص صبر کے ہتھیار سے لیس ہوتا ہے اسے دشمن کبھی شکست نہیں دے سکتا۔ اس کے برخلاف جو شخص صبر کی قوت سے عاری ہو وہ کبھی فتح ونصرت سے ہمکنار نہیں ہو سکتا۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ" (آل عمران:200)

"اے ایمان والو! تم ثابت قدم رہو اور ایک دوسرے کو تھامے رکھو اور جہاد کے لیے تیار رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ"۔

مومن کی رسی ہمیشہ صبر کے میخ میں بندھی رہتی ہے، وہ گھوم پھر کر رسی کی طرف واپس ہوتا ہے۔ صبر ایمان کے درخت کا تنا ہے اسی پر ایمان کھڑا اور قائم رہتا ہے۔ اسی وجہ سے جس کے پاس صبر نہیں ہوتا اس کے پاس ایمان بھی نہیں ہوتا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"وما أعطیٰ أحد عطاء خیرا وأوسع من الصبر"

"کوئی شخص ایسا عطیہ نہیں دیا گیا جو صبر سے زیادہ بہتر اور وسیع تر ہو"۔

جو لوگ صبر سے عاری ہوتے ہیں ان کے پاس اگر ایمان ہوتا بھی ہے تو وہ حد درجہ کمزور ہوتا ہے۔ ایسے لوگ اللہ کی عبادت کنارے پر کھڑے ہو کر کرتے ہیں۔ اگر انہیں اس سے کوئی نفع پہنچتا ہے تو اس میں دلچسپی لیتے ہیں اور اگر کوئی آفت آجاتی ہے تو وہ اسی وقت عبادت سے اپنا منہ پھیر لیتے ہیں۔ یہی لوگ دنیا اور آخرت دونوں میں ٹوٹے اور خسارے میں رہتے ہیں۔ خوشگوار زندگی صبر ہی کے صلے میں ملتی ہے۔ جو ان نیک بختوں کے حصے میں آتی ہے جو صبر کے ہتھیار سے مسلح ہوتے ہیں۔ یہی لوگ صبر اور شکر کے پردے سے اڑ کر جنت میں داخل ہوں گے۔

"ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ"(الحدید:21)

"یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں صبر کرنے والوں کی تعریف فرمائی ہے اور انہیں بے حساب اجر سے نوازے جانے کی بشارت دی ہے۔

ارشاد باری ہے:

وقال:"إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ"(الزمر:10)

"صبر کرنے والوں ہی کو ان کا پورا پورا بے شمار اجر دیا جاتا ہے"۔

ایسے لوگوں کو اللہ کی معیت حاصل ہوتی ہے یعنی اللہ کی ہدایت ونصرت ان کے ساتھ ہوتی ہے۔

ارشاد باری ہے:

"وَاصْبِرُوْا إِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ"(الأنفال:46)

"اور صبر کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔

صبر کرنے والوں کو یہ معیت دنیا اور آخر دونوں میں ملتی ہے اسی وجہ سے وہ ہر قسم کی ظاہری وباطنی نعمتوں سے مالا مال ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دین کی امامت کو صبر ویقین کے ساتھ مربوط کر دیا ہے۔

"وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيَاتِنَا يُوْقِنُوْنَ"

"اور ہم نے ان کے صبر کرنے کی وجہ سے ان میں ایسے ائمہ بنائے جو ہمارے حکم سے لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے"۔

امامت کا یہ منصب جلیل ان کے صبر ویقین کی وجہ سے ہے۔ اسی سے صبر کی فضیلت واضح ہوتی ہے۔ صبر کا مطلب ہے اللہ کے اوامر کے بجالانے اور نواہی سے رک جانے اور

اللہ کے رسولوں کی تصدیق کرنے میں جو تکلیفیں آئیں انہیں خندہ پیشانی سے جھیلنا۔ اللہ نے فرمایا: ان کے صبر کرنے اور آیات الٰہی پر یقین رکھنے کی وجہ سے ہم نے ان کو دینی امامت اور پیشوائی کے منصب پر فائز کیا۔

ایک آیت میں کہا گیا ہے کہ اگر تم بدلہ لینا چاہتے ہو تو بدلہ لے سکتے ہو بشرطیکہ بدلے میں تم تجاوز نہ کرو تاہم معاف کر دینا اور صبر کر لینا بہتر ہے۔

ارشاد باری ہے:

”وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُم بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِيْنَ،وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللّٰهِ“(النحل:127-126)

”اور اگر بدلہ لو بھی تو بالکل اتنا ہی جتنا صدمہ تمہیں پہنچایا گیا ہو اور اگر صبر کر لو تو بے شک صابروں کے لیے یہی بہتر ہے۔ آپ صبر کریں اور بغیر توفیق الٰہی کے آپ صبر کر بھی نہیں سکتے“۔

اس آیت میں صبر کرنے کی تاکید کے ساتھ اس بات کی بھی وضاحت ہے کہ اللہ کی توفیق و اعانت کے بغیر صبر کرنا ممکن نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ صبر نہایت مشکل اور کٹھن کام ہے۔

اسی وجہ سے اللہ نے فرمایا:

”وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُوْرِ“(الشوریٰ:43)

”اور جو شخص صبر کرلے اور معاف کردے یقیناً یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے“۔

ایک جگہ کہا گیا ہے کہ اگر آدمی صبر و تقویٰ پر قائم رہے تو اسے دشمنوں کی چال اور ان کی مکاریوں اور فریب کاریوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔

ارشاد باری ہے:

”وَإِن تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا إِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ

مُحِيْطٌ "(آل عمران:120)

"تم اگر صبر کرو اور پرہیز گاری کرو تو ان کا مکر تمہیں کچھ نقصان نہ دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کا احاطہ کر رکھا ہے"۔

فلاح و کامیابی کو اللہ تعالیٰ نے صبر و تقویٰ کے ساتھ معلق فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:

"يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ "(آل عمران:200)

"اے ایمان والو! تم ثابت قدم رہو اور ایک دوسرے کو تھامے رکھو اور جہاد کے لیے تیار رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ"۔

جو لوگ صبر کرتے ہیں اللہ ان سے محبت رکھتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

"وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ "(آل عمران:46)

"اور اللہ صبر کرنے والوں کو (ہی) چاہتا ہے"۔

اللہ صبر کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے، اس میں صبر کی زبردست ترغیب ہے۔ ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کو تین باتوں کی خوشخبری دی ہے۔

ارشاد باری ہے:

"وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ، الَّذِيْنَ إِذَآ أَصَابَتْهُم مُّصِيْبَةٌ قَالُوْا إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ، أُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ "(البقرۃ:157-155)

"''اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجیے۔ جنہیں جب کبھی کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم تو خود اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ ان پر ان کے رب کی نوازشیں اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں"۔

پہلی بات یہ ہے کہ ان پر اللہ کی نوازش ہوگی۔ دوسری یہ کہ وہ اللہ کی رحمتوں کے

سائے میں ہوں گے۔ اور تیسری یہ کہ وہ ہدایت یاب ہوں گے۔ یہ تینوں چیزیں ایسی ہیں جن میں ہر ایک میں خیر ہی خیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آفاق و انفس میں جو بے شمار نشانیاں رکھی ہیں ان سے وہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جو صبر کے زیور سے متصف ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں چار مقامات پر سورۂ ابراہیم، سورۂ لقمان، سورۂ سبا، اور سورۂ شوریٰ میں فرمایا:

''إِنَّ فِيْ ذٰلِکَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ''(لقمان:31)

''یقیناً اس میں ہر صبر و شکر کرنے والے کے لے بہت سی نشانیاں ہیں''۔

صبر کی تین قسمیں ہیں:

پہلی اللہ تعالیٰ کے اوامر و اطاعت پر صبر ہے یعنی اس کے احکام کی بجا آوری میں جن تکلیفوں اور ناگواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس پر صبر کرنا اور خندہ پیشانی کے ساتھ ان احکام کو بجالانا۔

دوسری قسم منہیات پر صبر ہے یعنی جن کاموں سے اللہ نے روکا ہے اس سے رک جانے میں بظاہر جس محرومی کا احساس ہوتا ہے اس پر صبر کرنا۔

اور تیسری قسم تقدیر اور فیصلۂ الٰہی پر صبر کرنا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے قسمت میں جو پریشانیاں اور آفات و مصائب لکھ دیئے ہیں ان پر ناگواری اور ناراضگی کا اظہار نہ کرنا اور ان پر جزع فزع نہ کرنا۔

یہ تینوں قسمیں وہی ہیں جن کے متعلق شیخ عبدالقادر جیلانی نے اپنی کتاب فتوح الغیب میں کہا ہے بندے کے لیے ضروری ہے کہ جو حکم اسے ملا ہوا سے بجالائے اور جس سے روکا گیا ہو اس سے رک جائے اور جو اس کے لیے مقدر کر دیا گیا ہو اس پر صبر کرے۔ اور انہی تینوں قسموں کی حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو وصیت کی تھی۔

''يَا بُنَيَّ أَقِمِ الصَّلَاةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ

أَصَابَکَ "(لقمان:17)

"اے میرے پیارے بیٹے! تو نماز قائم رکھنا، اچھے کاموں کی نصیحت کرتے رہنا، برے کاموں سے منع کیا کرنا اور جو مصیبت تم پر آئے اس پر صبر کرنا"۔

امر بالمعروف، خود کرنے اور دوسروں کو اس کا حکم دینے دونوں کو شامل ہے۔ اسی طرح نہی عن المنکر میں بھی خود اس سے رکنا اور دوسروں کو روکنا دونوں چیزیں داخل ہیں۔

میرے بھائیو! علقمند انسان وہی ہے جو کبھی بھی کسی آفت و مصیبت کی تمنا نہیں کرتا اور اگر کوئی مصیبت آ جاتی ہے تو اس پر جزع فزع نہیں کرتا بلکہ اس پر صبر کرتا ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"یـا أیها الناس !لاتتمنوا لقاء فئة فإذا لقیتموهم فاصبر وا وأعلموا أن الجنة تحت ظلال السیوف"

"اے لوگو! دشمن سے مڈ بھیڑ کی آرزو نہ کرو اور اللہ سے عافیت مانگو لیکن جب دشمن سے مڈ بھیڑ ہو جائے تو پامردی دکھاؤ اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے کے نیچے ہے"۔

ابن بطال فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں دشمن سے مڈ بھیڑ کی آرزو کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی بھی ناپسندیدہ امر کی آرزو نہیں کرنی چاہیے کیونکہ انسان کو یہ معلوم نہیں کہ اس کا انجام کیا ہوگا اور اسے کیسے اس سے نجات مل پائے گی۔ اسی وجہ سے سلف اللہ سے فتنوں اور آزمائشوں سے عافیت کا ہمیشہ سوال کرتے تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

"لإن أعافي فأشکر، أحب إلي من أن ابتلي فاصبر"

"مجھے عافیت میں رہ کر اللہ کا شکر ادا کرنا مصیبت میں مبتلا ہو کر صبر کرنے سے زیادہ محبوب ہے"

مومن کے حق میں ساری چیزیں جو اسے پہنچتی ہیں بہتر ہوتی ہے چاہے وہ خیر ہوں یا شر۔ صحیح مسلم میں صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے:

"عجباً لأمر المؤمن إن أمره كله خير، وليس ذلك لأحد إلا للمؤمن إن أصابته سراء شكر فكان خيرا له وإن أصابته ضراء صبر، فكان خيرا له".

مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ اس کے ہر کام میں اس کے لیے بھلائی ہے اور یہ چیز یں مومن کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ اگر اسے خوش حالی نصیب ہوتی ہے تو اس پر وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔ تو یہ شکر کرنا بھی اس کے لیے بہتر ہے یعنی اس میں اجر ہے اور اگر اسے تکلیفیں پہنچتی ہیں تو صبر کرتا ہے۔ تو یہ صبر کرنا بھی اس کے لیے بہتر ہے کہ صبر بھی بجائے خود نیک عمل اور باعث اجر ہے"۔

میرے بھائیو! یاد رکھیے، زندگی پوری امتحان وآزمائش کا نام ہے۔

ارشاد باری ہے:

" وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ "(الأنبياء:35)

"ہم بطریق امتحان تم میں سے ہر ایک کو برائی بھلائی میں مبتلا کرتے ہیں اور تم سب ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے"۔

اللہ تعالیٰ بندے کو آزماتا ہے تاکہ وہ جان لے کہ کون مومن صادق ہے اور کون مومن صادق نہیں ہے۔

ارشاد باری ہے:

"أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ "(آل عمران:142)

"کیا تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے، حالانکہ اب تک اللہ تعالیٰ نے یہ

ظاہر نہیں کیا کہ تم میں سے جہاد کرنے والے کون ہیں اور صبر کرنے والے کون ہیں؟"

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

"وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِيْنَ وَنَبْلُوَ أَخْبَارَكُمْ" (محمد:31)

"یقیناً ہم تمہارا امتحان کریں گے تا کہ تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو ظاہر کر دیں اور ہم تمہاری حالتوں کی بھی جانچ کر لیں"۔

ان کے علاوہ اور بھی اس مفہوم کی بہت سی آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن کی آزمائش ضروری ہے۔ اور یہ آزمائش شر و خیر دونوں طریقوں سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی آزمائش میں صبر کرنے اور ثابت قدم رہنے کی توفیق بخشے، آمین۔

دوسرا خطبہ:

"إنَّ الحمد اللّٰه نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادى له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله"

ان آزمائشوں کو دیکھنا ہو تو آپ کی زندگی پر ایک نظر ڈال لیجیے۔ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"شكونا إلى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وهو متوسط بردة له في ظل الكعبة، فقلنا : ألا تستنصر لنا، ألا تدعو لنا؟ فقال: قد كان من قبلكم يؤخذ الرجل ، فيحفر له في الأرض ، فيجعل فيها ، ثم يؤتي بالمنشار، فيوضع على رأسه ، فيجعل نصفين، ويمشط بأمشط الحديد، مادون لحمه وعظمه ، مايصده ذلک عن دينه. واللّٰه ليتمن اللّٰه هذا الأمر، حتى

یسیر الراکب من صنعاء إلی حضر موت، لایخاف إلا اللّٰہ والذئب علی غنمہ، ولکنکم تستعجلون" (البخاری)

"ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی جب کہ آپ خانہ کعبہ کے سائے میں ایک چادر کا تکیہ لگائے آرام فرما رہے تھے۔ ہم نے کہا: آپ ہمارے لیے اللہ سے مدد طلب کیوں نہیں فرماتے؟ ہمارے لیے دعا کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا: تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ تم سے پہلے لوگوں کا یہ حال ہوتا تھا کہ آدمی پکڑ کر لایا جاتا، اس کے لیے زمین میں گڑھا کھود کر اس میں اسے کھڑا کر دیا جاتا، پھر اس کے سر پر آرہ چلا کر اس کے دو ٹکڑے کر دیے جاتے اور لوہے کی کنگھیاں اس کے جسم پر پھیری جاتیں، جس سے اس کا گوشت اور ہڈیاں تک متاثر ہوتیں؛ لیکن یہ آزمائش اسے اس کے دین سے نہ پھیرتیں۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ اس معاملے کو ضرور مکمل فرمائے گا۔ دین اسلام کو غالب کرے گا، یہاں تک کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک اکیلا سفر کرے گا؛ لیکن اسے اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا، اور اسی طرح اپنی بکریوں پر بھیڑیوں کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا۔ لیکن تم جلد بازی سے کام لے رہے ہو۔

آزمائشیں دنیا میں مومن کے لیے نعمت ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"إذا أراد اللّٰہ بعبدہ خیرا عجل لہ العقوبۃ فی الدنیا وإذا أراد اللّٰہ بعبدہ الشر أمسک عنہ بذنبہ حتی یوافی بہ یوم القیامۃ، وقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم إن اعظم الجزاء مع عظم البلاء، وإن اللّٰہ تعالیٰ إذا أحب قوما ابتلاھم، فمن رضی اللّٰہ فلہ الرضا ومن سخط فلہ السخط" (ترمذی)

”جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کو اس کے گناہوں کی سزا دنیا ہی میں دے دیتا ہے۔ یعنی تکلیفوں اور آزمائشوں کے ذریعہ اس کے گناہوں کی معافی کا سامان پیدا فرما دیتا ہے۔ اور جب اپنے بندے کے ساتھ برائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے گناہوں کی سزا اس سے دنیا میں روک لیتا ہے۔ یہاں تک قیامت کے دن اس کو پوری سزا دے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا: آزمائش بڑی ہوگی اسی حساب سے اس کا بدلہ بھی بڑا ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو پسند فرماتا ہے تو اس کو آزمائش سے دوچار فرماتا ہے۔ پس جو اس میں صبر و رضا کا مظاہرہ کرتا ہے۔ تو اس کے لیے اللہ کی رضا ہے۔ اور جو اس کی وجہ سے اللہ سے ناراضگی اور برہمی کا اظہار کرتا ہے اس کے لیے اللہ کی ناراضگی ہے“۔

اس لیے میرے بھائیو! آزمائشوں اور تکلیفوں پر صبر و ثبات قدمی ضروری ہے۔ بے صبری کا مظاہرہ تو گناہ میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔

یاد رکھیے صبر دراصل وہی صبر ہے جو مصیبت کے شروع ہی میں کیا جائے۔ بعد میں چارو ناچار آدمی کو صبر آ ہی جاتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

”مر النبي صلى اللّٰه عليه بامرأة تبكي عند قبر، فقال اتقي اللّٰه واصبري، فقالت: إليک عني فإنک لم تصب بمصيبتي ولم تعرفه، فقيل لها: إنه النبي صلى اللّٰه عليه وسلم، فأتت باب النبي صلى اللّٰه عليه وسلم، فلم تجد عنده بوابين فقالت : لم أعرفک فقال: إنما الصبر عند الصدمة الأولىٰ“(بخاری مسلم)

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت کے پاس سے گزرے جو ایک قبر پر بیٹھی رو رہی تھی۔ آپ نے اس سے فرمایا: اللہ سے ڈر اور صبر اختیار کر۔ اس عورت نے کہا: پرے

ہٹ، تجھے وہ مصیبت نہیں پہنچی، جو مجھے پہنچی ہے۔ اس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا نہیں۔ اس لیے فرط غم میں اس نے نازیبا انداز اختیا کیا۔ بعد میں اس کو بتلایا گیا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ یہ سن کر وہ آپ کے دروازے پر آئی۔ وہاں دربانوں کو نہیں پایا۔ آ کر اس نے کہا میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا: صبر تو یہی ہے کہ مصیبت کے آنے پر شروع ہی میں صبر کیا جائے''۔

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ یہ قبر اس کے بچے کی تھی، جس پر وہ رو رہی تھی، مصیبت چاہے جتنی بڑی ہو اگر آدمی صبر کرنا چاہتا ہے، تو اللہ اسے صبر دے دیتا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''من یتصبر یصبرہ اللّٰہ''

''جو صبر کا دامن پکڑتا ہے اللہ اسے صبر کی توفیق دیتا ہے''۔

صبر پیغمبرانہ صفات میں سے ہے۔ اللہ کے تمام انبیاء ورسل صبر ورضا کے اعلیٰ معیار پر فائز ہوتے تھے۔ قوم کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں کو وہ نہ صرف خندہ پیشانی سے برداشت کرتے تھے بلکہ ان کی ہدایت کے لیے دعا فرماتے تھے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

''کان أنظر إلی رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم یحکی نبیاًمن الأنبیاء، صلوات اللّٰہ وسلامہ، ضربہ قومہ فأدموہ وھو یمسح الدم عن وجھہ، یقول: اللّٰھم أغفر لقومي فإنھم لایعلمون''

گویا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیاء کرام میں سے کسی نبی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں جس کو اس کی قوم نے مار مار کر لہولہان کر دیا اور وہ اپنے چہرے سے خون پونچھتا ہوا کہہ رہا ہے: اے اللہ میری قوم کو معاف فرما دے وہ بے علم ہے۔

مومن پر اللہ کا خاص فضل وکرم ہے کہ اسے دنیا میں جو آفات ومصائب پہنچتے ہیں

انہیں اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔ لیکن یہ اس صورت میں ہے جب وہ صبر کرے۔ اگر وہ صبر کرنے کے بجائے جزع فزع کرے اور تقدیر الٰہی کا شکوہ کرے تو اس دنیوی تکلیف کے ساتھ اسے آخرت میں گناہوں کا بوجھ بھی اٹھانا پڑ جائے گا۔

اس لیے میرے بھائیو! زندگی کے جملہ امور و معاملات میں ہمیں صبر سے کام لینا چاہیے۔ کسی بھی قسم کی تکلیف پر چاہے وہ اپنی بیوی سے پہنچے یا اپنے اعزہ واقارب سے پہنچے یا غیروں سے، ہر صورت میں ہمیں صبر وضبط سے کام لینا چاہیے، اور بے صبری کا مظاہرہ ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔

اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اور آپ سب کو زندگی کے تمام معاملات میں صبر اور ثبات قدمی کی توفیق بخشے اور ہر خیر و بھلائی کے کام میں ہماری مدد کرے۔ ''إنه علی کل شیء قدیر''

أقول قولي هذا واستغفر الله لي ولكم ولسائر المسلمين، فاستغروه إنه هو الغفور الرحيم.

عورت، اسلام کی نظر میں

پہلا خطبہ:

"إنَّ الحمد للّٰه، نحمده، و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريک له، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله"

"مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ" (النحل:97)

"جو شخص نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت، لیکن باایمان ہو تو ہم اسے یقیناً نہایت بہتر زندگی عطا فرمائیں گے۔ اوران کے نیک اعمال کا بہتر بدلہ بھی انہیں ضرور ضرور دیں گے"۔

وقال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم :إنما النساء شقآئق الرجال. (رواه احمد وابو داؤد والترمذی عن عائشة ، والحديث صحيح)

دینی بھائیو اور اسلامی بہنو! ہم سب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا تقویٰ اختیار کریں یعنی اس کے حکموں کو بجالائیں اور اس کی منع کردہ چیزوں سے باز رہیں۔ کیوں کہ یہی وہ وصیت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہم کو اور ہم سے پہلے والوں کو فرمائی ہے:

"وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ" (النساء:131)

''اور واقعی ہم نے ان لوگوں کو جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے تھے اور تم کو بھی یہی حکم کیا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو''۔

بزرگو! اور دوستو! عورت انسانی معاشرہ کا نصف یا اس سے بھی بڑا حصہ ہے۔ یہ ہماری ماں بھی ہے، بیٹی بھی، بیوی بھی ہے اور بہن بھی۔ یہ ہماری عزت کی وہ بلند چوٹی اور عظمت کی وہ مضبوط چٹان ہے کہ اس کی درستگی اور دین پر اس کی استقامت کے باعث اسلام کے خلاف مکر وفریب کرنے والوں کی ماکرانہ چالیں بھی ٹکرا کر چکنا چور ہو جائیں۔ اور اگر یہ فسادیوں اور دین بیزار لوگوں کی سازشوں کا شکار ہو جائے تو شر و فساد کا بہت بڑا دروازہ کھل جائے۔ والعیاذ باللہ۔

لہٰذا ضروری ہے کہ ہم عورتوں کے صحیح مقام و مرتبہ کو سمجھیں اور انہیں وہ عزت دیں جو اسلام نے انہیں دی ہے۔ اور خود عورتیں بھی اپنے آپ کو اسی دائرہ میں رکھیں جو شریعت نے ان کے لیے مقرر کیا ہے۔ کیوں کہ یہ شریعت، اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہے۔ جو ہماری دینی و دنیوی تمام تر حاجات کی ضامن ہے۔ یقیناً جو مقام عورتوں کو حاصل تھا یا ان کے ساتھ جس قسم کے ناروا ظالمانہ سلوک کیے جاتے تھے وہ اہل نظر پر مخفی نہیں ہیں۔ چنانچہ اہل عرب بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے، انہیں اپنے حقوق سے محروم رہ کر زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیتے تھے۔ رومن قانون کے مطابق عورت بچپن میں باپ کی اور شادی کے بعد شوہر کی مقبوضہ ہوتی تھی۔ یونان میں عورت ورثہ میں دی جاتی اور اس کی بیع وشراء جائز تھی۔ دوسری عورت سے اپنی بیوی کو بدلا جا سکتا تھا۔ چین و جاپان میں عورتوں کو معبدوں میں داخلے پر پابندی تھی۔ بلکہ وہ مذہبی رسوم میں حصہ بھی نہیں لے سکتی تھی۔ ہندوستان میں بھی بچیوں کو عربوں کی طرح زندہ درگور کر دینے کا رواج تھا۔ شوہر کی چتا پر بھینٹ چڑھا دی جاتی تھی۔ اگر کم سنی میں شادی کر دی گئی اور شوہر مر گیا تو دوبارہ شادی کے حق سے ہمیشہ کے لیے محروم کر دی جاتی تھی۔ عیسائی مذہب میں رومن کیتھولک فرقہ کے نزدیک عورت انجیل

مقدس کو نہیں چھو سکتی تھی۔ ازیں قبیل دنیا کی تمام اقوام وملل میں عورتوں کی حالت نہایت بری اور خستہ تھی۔ اور آج کی ترقی یافتہ دنیا اور اس کی مادی چمک نے عورتوں کو ترقی اور آزادی کے نام پر اس طرح رسوا اور سر عام اس قدر ننگا کر رکھا ہے بہیمیت اور شہوانیت کے بھیانک سیلاب میں انسانیت اور شرافت ہچکولے کھا رہی ہے۔ اسلام اور انسانیت کے دشمنوں نے عورتوں کو سافٹ ٹارگیٹ سمجھ کر ان کا خوب غلط استعمال کیا۔ پیسے کا لالچ دے کر ہر شعبۂ زندگی میں انہیں اتار دیا ہے۔ آج وہ دنیا کی سب سے سستی چیز ہے، جسے ننگا یا ادھ ننگا کر کے مردوں کے درمیان گھروں میں خادماؤں کی شکل میں، آفسوں میں کلرکوں کی شکل میں، اسپتالوں اور ہوائی جہازوں میں نرسوں اور میزبانوں کی صورت میں، اسی طرح بالغ لڑکوں کی معلمات اور فلموں اور ڈراموں میں اداکاراؤں کی شکل میں۔ اور قیمتی تجارتی اشیاء سے لے کر ماچس کی ڈبیا تک پر خوبصورت عورتوں کی عریاں ونیم عریاں تصویریں چھاپ کر عفت وعصمت اور اس کی نسوانیت کو آج کی ماڈرن اور مہذب دنیا نے جس طرح رسوا کیا ہے دور جاہلیت میں بھی ایسی سنگین اور قبیح حالت نہیں پائی جاتی تھی۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج دنیا شر وفساد اور اخلاقی انارکیوں کی آماجگاہ بن گئی۔ (العیاذ باللہ)

جب کہ مذہب اسلام نے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی مردوں کو تلقین فرمائی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰى أَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئاً وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْراً كَثِيْراً“ (النساء:19)

”ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بود وباش رکھو، گو تم انہیں ناپسند کرو لیکن بہت ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو برا جانو، اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت ہی بھلائی کر دے“۔

نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی:

”استوصوا بالنساء، خیرا“ (صحیح بخاری عن أبي هريرة :1586)

"عورتوں کے ساتھ خیر اور بھلائی سے پیش آنے کی وصیت قبول کرو"۔

قرآن کریم نے عورتوں کی شان بلند اور ان کے حقوق کو پختہ اور یقینی بناتے ہوئے اعلان کیا:

"فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ"(آل عمران:195)

"پس ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمالی کہ تم میں سے کسی کام کرنے والے کے کام کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت میں ہرگز ضائع نہیں کرتا، تم آپس میں ایک دوسرے کے ہم جنس ہو"۔

یعنی عورت مرد سے اور مرد عورت سے ہے اور کسی کا کوئی عمل صالح ضائع نہیں ہوتا۔ عمل کرنے والا خواہ مرد ہو یا عورت، پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ یہی نہیں اسلام میں عورت کے علو مرتبت کو یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک طویل سورت عورتوں کے نام سے قرآن کریم میں نازل ہوئی ہے جو ان کے مسائل کا حل پیش کرتی ہے۔ بایں ہمہ یہ بات بھی ظاہر و باہر ہے کہ عورتیں فتنہ کا بہت بڑا ذریعہ ہیں، اور بنی اسرائیل میں رونما ہونے والا پہلا فتنہ عورتوں کے باعث ہی تھا۔ جیسا کہ حدیث 2741 میں آیا ہے۔ اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے مردوں کے لیے عورتوں کے فتنہ کا خوف محسوس کرتے ہوئے فرمایا:

"ماتركت بعدی فتنة أضر على الرجال من النساء"(رواه البخاری ومسلم عن أسامة بن زيدرضی الله عنه)

"میں نے اپنے بعد کوئی ایسا فتنہ نہیں چھوڑا جو مردوں پر عورتوں کے فتنہ سے زیادہ نقصان دہ ہو"۔

اسی وجہ سے جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا، عورتوں کے شرعی حدود کی وضاحت اور ان کے مقام و مرتبہ کا بیان بہت ضروری ہے تاکہ وہ آزادیٔ نسواں اور مرد و زن کے مساویانہ

حقوق کے پُرفریب نعروں سے دھوکہ نہ کھائیں۔ اس طرح کے پروپیگنڈوں کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ مسلمان عورتیں جن کا بنیادی دائرہ عمل مکمل طور پر ان کا گھر ہے، وہ گھر سے باہر نکلیں، حجاب ترک کریں، حیا کی چادر اتار پھینکیں اور اپنی عفت وکرامت اور عزت وناموس کو دفن کر دیں اور کافرات وفاجرات کی صف میں کھڑی ہو جائیں۔

آزادیٔ نسواں کے نعروں سے عام طور پر دو طرح کی خواتین گمراہ ہوتی ہیں:

ایک وہ جو ہیں تو پاک دامن، لیکن اپنے اسلامی حقوق اور مقام ومرتبہ سے ناواقف ہیں، اور اعدائے اسلام ان کے ذریعہ اسلام اور مسلم معاشرہ کے تئیں جو فسادات برپا کرنا چاہتے ہیں، ان سے نابلد اور غافل ہیں۔ حق وباطل کی تمیز نہ ہونے اور پانی اور سراب کے درمیان فرق نہ کر پانے کے باعث دھوکہ کا شکار ہو جاتی ہیں۔

اور دوسری صنف ان خواتین کی ہے جن کے پاس دنیوی (عصری) علم ومعرفت ہے، لیکن وہ مغربیت زدہ ہیں۔ حیا باختہ ہیں، یا ان میں قبول حق وباطل دونوں کی استعداد موجود ہے۔ اب انہیں جو جتنی محنت کر کے اپنا ہمنوا بنا لے اور پیچھے چلا لے، وہ ان کے پیچھے چلنے لگتی ہیں اور ان کی ہمنوا ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ اس قسم کی اکثر عورتیں مادہ پرستی کا شکا رہیں۔ حجاب ترک کرنے اور آزادانہ اختلاط مرد وزن، شرم وعار محسوس نہیں کرتیں۔ دین اور آخرت سے متعلق امور ان کی زندگی میں چند مواقع پر برائے نام اور رسم ورواج دیکھنے کو آتے ہیں۔ موت کے وقت تعزیت اور اظہار غم کے موقع پر تھوڑے غم کا اظہار یا چند قطرے آنسو بہا دینا، یا اسلامی مناسبات مثلاً، رمضان اور حج وغیرہ کے موقعوں پر ان کا کسی قدر اسلامی امور سے دلچسپی ظاہر کرنا وغیرہ نظر آتا ہے۔ تاہم ہدایت کا دروازہ مفتوح ہے۔ توبہ اور اللہ کی طرف پلٹنے کا راستہ آسان ہے۔ اگر ان دونوں طرح کی خواتین کو صحیح علم ومعرفت حاصل ہو جائے تو (ان شاء اللہ) علم نافع خشیت الٰہی کا باعث ہوگا۔

”إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ“ (فاطر:28)

"اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں"۔

دینی بھائیو اور پردہ نشین بہنو! مذہب اسلام سے قبل دورِ جاہلیت میں عورتوں کی درگت اور مادی اعتبار سے موجودہ ترقی یافتہ دور میں عورتوں کی بے عزتی کے مقابلہ میں اسلام نے جو عزت عورتوں کو عطا کی ہے اس کی تھوڑی سے جھلک ملاحظہ کی جائے۔ شاید فتنوں کے شکار مرد وزن کو اپنے نفس کے مراجعہ ومحاسبہ کی توفیق حاصل ہو جائے اور وہ دین کی طرف پلٹیں۔

"واللّٰه الهادى إلى سواء السبيل"

پہلی بات ہم کو یہ سمجھ لینی چاہیے کہ اسلام کی نظر میں مرد وعورت پیدائشی لحاظ سے ایک ہی اصل اور بنیاد سے تعلق رکھتے ہیں۔ انسانیت میں عورت ہو بہو مرد کے مانند ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ النساء کی پہلی ہی آیت میں دونوں کے لیے اصل خلقت کو ایک بتاتے ہوئے فرمایا:

"يَآ أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيراً وَّنِسَآءً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْباً" (النساء:1)

"اے لوگوں! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کر کے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں، اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتے ناطے توڑنے سے بھی بچو، بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے"۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"إنما النسآء شقائق الرجال"

"بے شک عورتیں مردوں کے مانند ہیں"

شقائق، شقیقۃ کی جمع ہے، سگی بہن کو شقیقہ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ سگے بھائی بہن ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں۔ گویا جنس مرد اور جنس عورت ایک ہیں۔

دوسری بات جو مرد وزن کے درمیان مشترک ہے وہ یہ کہ ایمان اور عمل صالح جس طرح مردوں کے لیے دنیا میں پاکیزہ زندگی اور آخرت میں عذاب سے نجات کا ذریعہ ہیں، اسی طرح عورتوں کے لیے بھی باعث سعادت وکرامت اور فلاح ونجات ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيَاةً طَيِّبَةً وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ''(النحل: 97)

''جو شخص نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت، لیکن باایمان ہو تو ہم اسے یقیناً نہایت بہتر زندگی عطا فرمائیں گے۔ اور ان کے نیک اعمال کا بہتر بدلہ بھی انہیں ضرور ضرور دیں گے''۔

گویا ایمان وعمل کے ثمرات وفوائد دنیوی واخروی طور پر دونوں صنفوں کو برابر حاصل ہوں گے۔

تیسری بات یہ کہ جس طرح مرد حضرات عبادتوں کے پابند کیے گئے ہیں اور احکام کی بجا آوری پر اجر وثواب سے بہرہ ور ہونے کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے اور گناہوں کے ارتکاب پر سزاؤں کے مستحق ٹھہرائے گئے ہیں ٹھیک اسی طرح عورتیں بھی اسلامی عبادات کی مکلف اور ثواب کی مستحق ہیں، اور اگر ان سے بھی گناہ سرزد ہوتے ہیں تو سزا پانے کی اہل ہیں۔ اجر وثواب اور جرم وسزا کے معاملہ میں شریعت اسلامیہ نے مرد عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ملاحظہ کیجیے:

''إِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِيْنَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِيْنَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِيْنَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِيْنَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصَّآئِمَاتِ وَالْحَافِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْراً وَّالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ

اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّأَجْراً عَظِيماً "(الاحزاب:35)

"بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں، فرماں برداری کرنے والے مرد اور فرمانبردار عورتیں، راست باز مرد اور راست باز عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں، خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں، روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والیاں، بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والے اور ذکر کرنے والیاں، ان (سب کے) لیے اللہ تعالیٰ نے (وسیع) مغفرت اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے"۔

اور فرمایا:

"الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِئَةَ جَلْدَةٍ "

"زنا کار عورت و مرد میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ"۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ:

"يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰى أَنْ يَّكُونُوا خَيْراً مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰى أَنْ يَّكُنَّ خَيْراً مِّنْهُنَّ "(الحجرات:11)

"اے ایمان والو! کوئی مرد دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائے، ممکن ہے کہ یہ اس سے بہتر ہو اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑائیں ممکن ہے یہ ان سے بہتر ہوں"۔

عزت و عصمت کی حفاظت کے تعلق سے فرمان الٰہی ہے:

"قُلْ لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذٰلِكَ أَزْكٰى لَهُمْ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ۝ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا "(النور:30-31)

"مسلمان مردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت

رکھیں۔ یہی ان کے لیے پاکیزگی ہے، لوگ جو کچھ کریں اللہ تعالیٰ سب سے خبردار ہے۔ مسلمان عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت میں فرق نہ آنے دیں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں، سوائے اس کے جو ظاہر ہے"۔

مذکورہ تمام آیات میں چوری، زناکاری، تحریہ (مذاق اڑانے) نگاہوں کو پست رکھنے اور شرمگاہوں کی حفاظت کرنے یعنی زنا و لواطت سے بچنے کے معاملے میں اور ان کی مقررہ سزاؤں کے تعلق سے مرد و عورت کے درمیان کوئی امتیاز نہیں برتا گیا ہے۔

چوتھی چیز یہ ہے کہ اسلام نے عورتوں کو منحوس سمجھنے اور بچیوں کی ولادت پر رنجیدہ ہونے کو جیسا کہ قدیم جاہلیت میں تھا اور آج کے ماڈرن دور میں بھی دیکھا جاتا ہے، حرام قرار دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ، يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ" (النحل:59-58)

"ان میں سے جب کسی کو لڑکی ہونے کی خبر دی جائے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور دل ہی دل میں گھٹنے لگتا ہے۔ اس بری خبر کی وجہ سے لوگوں سے چھپا چھپا پھرتا ہے۔ سوچتا ہے کہ کیا اس کو ذلت کے ساتھ لیے ہوئے ہی رہے یا اسے مٹی میں دبا دے، آہ! کیا ہی برے فیصلے کرتے ہیں"۔

لڑکیوں کے زندہ درگور کرنے کو فعل شنیع اور نہایت قبیح حرکت قرار دیتے ہوئے فرمایا:

"وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ، بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ" (التکویر:9-8)

"اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے سوال کیا جائے گا کہ کس گناہ کی وجہ سے وہ قتل کی گئی؟"

اور دوسری آیت میں اللہ نے فرمایا کہ اس عار اور شرم سے بچنے کے لیے وہ انہیں

زندہ درگور کر دیتے ہیں۔ دورِ جاہلیت میں اگر لڑکی قتل ہونے سے بچ جاتی تو بڑی ہونے کے بعد بھی ذلت اور رسوائی اس کے ساتھ ہمیشہ لگی رہتی۔

پانچویں چیز جو عورتوں کے تعلق سے سمجھنے کی ہے وہ یہ کہ اسلام نے عورتوں کے حقوق کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ انہیں اپنے مورث کے مال متروکہ کا وارث بنایا ہے۔ جب کہ قبل از اسلام عورتیں حق ملکیت سے محروم تھیں۔ اور اگر آج کسی قوم اور دھرم میں حق ملکیت انہیں حاصل ہے، تو یہ اسلام ہی کی دین ہے۔ اس سلسلہ میں سورۃ النساء کی آیت نمبر 7 ملاحظہ فرمائیں:

"لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا" (النساء:7)

"ماں باپ اور خویش واقارب کے ترکہ میں مردوں کا حصہ بھی ہے اور عورتوں کا بھی۔ (جو مال ماں باپ اور خویش واقارب چھوڑ کر مریں) خواہ وہ مال کم ہو یا زیادہ (اس میں) حصہ مقرر کیا ہوا ہے"۔

اور اس کے بعد ترکہ کی تقسیم سے متعلق آیت: 11 اور 176 ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

اسلام سے قبل خود عورت اپنے شوہر کی وفات کے بعد اس کے متروکہ اموال کا ایک حصہ سمجھی جاتی تھی اور میت کے اولیاء کے رحم و کرم پر رہتی تھی۔ چنانچہ ان میں کا کوئی اگر چاہتا تو عورت کی رضامندی کے بغیر اس سے خود شادی کر لیتا، اور اگر چاہتا تو دوسری جگہ شادی کر دیتا، اور اگر چاہتا تو بلا شادی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیتا۔ غرض کہ عورت اور اس کے اولیاء کے مقابلہ میں میت شوہر کے اولیاء عورت کے اندر تصرف کے زیادہ حقدار ہوتے۔

جیسا کہ امام بخاری وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سورۃ النساء کی آیت:

"يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا" (النساء:19)

"ایمان والو! تمہیں حلال نہیں کہ زبردستی عورتوں کو ورثے میں لے بیٹھو"۔
کے شانِ نزول میں مروی ہے۔

اسی طرح مرد عہد جاہلیت میں جتنی شادیاں چاہتا بلا روک ٹوک کرتا اور عورتوں کے حقوق کی اسے مطلق پرواہ نہ ہوتی۔ قبل از اسلام طلاق کے معاملہ میں بھی بڑی بے اعتدالی تھی۔ چنانچہ شوہر بلا تعداد طلاقیں دیتا۔ جب عدت ختم ہونے کو ہوتی تو زوجیت میں پلٹا لیتا۔ نہ اچھی طرح سے بیوی بنا کر رکھتا اور نہ ہی اس کا راستہ چھوڑتا۔ اسلام نے ایک مرد کے لیے شادیوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد چار رکھی اور عدل انصاف کو شرط اولین قرار دیا۔ اور طلاق کے سلسلہ میں بھی نہایت عمدہ ضوابط مقرر کیے۔ چنانچہ دو مرتبہ طلاق دے کر عدت کے دوران رجعت کی جا سکتی ہے، تیسری طلاق دے دینے کے بعد زوجیت منقطع ہو جاتی ہے۔

اسلام میں عورت کو حقِ وراثت کے علاوہ، اپنے مالوں کی ملکیت اور اس میں تصرف کا پورا حق ہے، بشرطیکہ وہ عقل ورشد رکھتی ہو۔ چنانچہ وہ صدقہ وخیرات کرنے کا حق رکھتی ہے۔ شوہر کے انتخاب میں بھی اسے رائے دہی کا حق حاصل ہے۔ اس کی مرضی کے بغیر اس کا ولی شادی نہیں کر سکتا۔ تاہم شادی میں ولی کی اجازت ضروری ہے۔ کیونکہ ایک عورت، مردوں کے عادات واطوار کو بخوبی نہیں سمجھ پاتی۔ مردوں کو ان جیسے مرد ہی سمجھ سکتے ہیں۔ بسا اوقات عورت غیر کفو سے شادی کرنا چاہتی ہے، بد خلق اور بد دین آدمی کے اندر رغبت رکھتی ہے۔ لہٰذا اس کا ولی ہی اس کے لیے کفو اور ہمسر شخص کا انتخاب کر سکتا ہے۔ عورت کی رضامندی اور ولی کی اجازت دونوں بیک وقت صحت نکاح کے لیے ضروری ہیں۔ اختلاف رائے کی صورت میں معاملہ قاضی کے پاس پیش کیا جائے گا اور اس کے فیصلہ کے مطابق شادی انجام پائے گی۔ اسی طرح اگر کسی عورت کو اس کا شوہر ناپسند ہو اور نباہ کی صورت ممکن نہ ہو، تو وہ مرد سے علیحدگی بذریعہ خلع اور فسخ لے سکتی ہے۔ شوہر کے ساتھ ناپسندیدگی کے باوجود زندگی گزارنے پر اسے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

غرض کہ اسلام میں عورتوں کو بہت سے حقوق حاصل ہیں۔قرآن کا کھلا اعلان ہے:

”وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ“(البقرۃ:228)

”اور عورتوں کے بھی ویسے ہی حق ہیں جیسے ان پر مردوں کے ہیں اچھائی کے ساتھ۔ ہاں مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت ہے“۔

اور یہ فضیلت بھی جو ایک مرد کو ایک عورت پر بعض امور مثلاً: میراث، دیت، شہادت، قوامیت، جہاد میں شرکت اور جمعہ وجماعت قائم کرنے اور حکومتی ذمہ داریاں سنبھالنے وغیرہ کے اندر حاصل ہے، تو یہ مرد کی فطری قوتوں اور پیدائشی اور دماغی صلاحیتوں کی وجہ سے ہے۔ اسلام نے بنیادی طور پر عورت کو اندرونِ خانہ رہ کر باوقار طریقہ سے زندگی بسر کرنے کا سنہرا موقع عطا کیا ہے۔اور اس کو شوہر کے گھر کی رعایت ونگہداشت اور امورِ خانہ داری کا مکمل ذمہ دار بنایا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”والمرأة في بيت زوجها وهى مسؤلة عن رعيتها“(متفق علیہ ابن عمر)

واخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

دوسرا خطبہ:

”إنَّ الحمد لله ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهدالله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادى له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريك له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله“

محترم حضرات!تعلیم کے تعلق سے اسلام کا نظریہ بھی بالکل واضح ہے۔اسلام نے عورتوں کی

تعلیم پر خصوصی توجہ دی ہے۔ حصول تعلیم کے سلسلہ میں مرد وزن کے مابین فرق نہیں رکھا۔

"هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ" (الزمر:9)

"بتاؤ تو علم والے اور بے علم کیا برابر کے ہیں؟"

اس میں عورت اور مرد دونوں داخل ہیں جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی تعلیم وتربیت کے لیے ایک دن خاص فرمایا۔ چنانچہ وہ کسی ایک متعین مقام پر ہوتیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں تعلیم دیتے۔ جیسا کہ صحیحین میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے زریں دور میں خواتین اپنی عصمت وعفت اور وقار کے تحفظ کے ساتھ بہت سے مردوں کو معلومات بہم پہنچاتی تھیں۔ اس سلسلہ میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا، سعید بن المسیب کی صاحبزادی اور امام شافعی کی والدہ بہترین مثال ہیں۔ بعض حقیقت پسند غیر مسلموں نے بھی اسلامی تہذیب وثقافت اور علم کے مختلف میدانوں میں اہل اسلام کی کارگزاریوں اور عظیم خدمتوں کو سراہا ہے۔ کاش ہماری خواتین، اپنے روشن ماضی کی تاریخ دہرائیں اور اسلام کے لیے باعث عزت وافتخار بنیں۔

برادران اسلام! مذہب اسلام نے ہمیں عورتوں کی بحیثیت ماں، بیٹی، بیوی، بہن، خالہ اور پھوپھی ولادت سے لے کر وفات تک عزت وتکریم کی تلقین وتاکید فرمائی ہے۔

لڑکی کے والدین پر تعلیم وتربیت اور اس کی ضروریات کی تکمیل خوشی اور رغبت کے ساتھ کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

"من ولدت لـه أنثى فلم يئدها ولم يهنها ولم يؤثر ولده يعني -الذكر- عليها أدخله الله بها الجنة" (رواه الحاكم في المستدرك وصححه ووافقه الذهبي)

"جس کے گھر میں بچی پیدا ہوئی اور اس نے کو زندہ دفن نہیں کیا، نہ اس کی توہین کی اور نہ ہی اپنے لڑکے کو اس پر فوقیت دی، تو اللہ تعالیٰ اس لڑکی کے باعث والدین کو جنت میں

داخل فرمائے گا"۔

اس طرح دیگر احادیث میں بھی تین بیٹیوں اور دو بیٹیوں کی تعلیم وتربیت اور دیگر ضروریات کی تکمیل کے سلسلہ میں لاحق ہونے والی پریشانیوں پر صبر کرنے پر جنت کی بشارت آئی ہے۔ یہی لڑکی جب بالغ ہوتی ہے تو نہایت عزت کے ساتھ باپ کے گھر سے شوہر کے گھر رخصت ہوتی ہے۔ جب کہ خود کو مہذب سمجھنے والا معاشرہ بیٹیوں کو شاہراہ پر اپنا دوسرا ٹھکانہ تلاش کرنے اور ہر چہار جانب سے انسانی بھیڑیوں کی ہوس کا شکار ہونے کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔

اسلام میں نیک بیوی کو دنیا کا سب سے بہتر مال ومتاع قرار دیا گیا ہے:

"الدنیا کلها متاع وخیر متاع الدنیا المرأة الصالحة"(رواه مسلم عن عبداللّٰه بن عمرو)

اسلام نے ازدواجی زندگی کی بنیاد مودت اور رحمت کے مضبوط ستونوں پر رکھی ہے۔ ایسی مودت ورحمت کا حصول دوسری شریعتوں کے ذریعہ ناممکن ہے۔ سب سے کامل اور سب سے بااخلاق انسان وہی ہے جو اپنی بیوی کے حق میں بہتر ہے۔

اگر عورت، ماں ہے تو اس کے مقام ومرتبہ کا کیا پوچھنا۔ حسن صحبت، خدمت اور رعایت ونگہداشت کے لحاظ سے ماں ہی دنیا میں سب پر مقدم ہے۔ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں والدین کا حق تمام دیگر رشتہ داروں کے مقابلہ میں اعلیٰ وارفع ہے۔ بعض موقع پر جہاد فی سبیل اللہ کی شرکت سے بھی بڑی چیز خدمت والدین ہے۔ اس سلسلہ کی آیات واحادیث معروف ومشہور ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ جو مقام ومرتبہ اسلام نے عورتوں کو بخشا ہے، اس کا عشر عشیر بھی دیگر نظامہا عالم میں موجود نہیں ہے۔ رہی بات پردے کی یا تعداد ازدواجات کی تو اس کے اعلیٰ مقاصد اور خاص ظروف واحوال ہیں، جن کے پیش نظر شریعت نے پردہ کا لازمی حکم اور ایک سے زیادہ

بیوی رکھنے کی اجازت ورخصت دی ہے۔ بلکہ حقیقت میں یہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے جو مسلمان مردوں اور عورتوں کو اسلام کے ذریعہ حاصل ہے۔ اعدائے اسلام حتی انداز میں اسلام کے ان امور ومعاملات کو پیش کر کے ضعیف الایمان لوگوں کو کنفیوز کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ در پردہ یا کھلے طور پر نئی عورتوں سے بیک وقت ناجائز تعلقات رکھتے ہیں۔ بلکہ بعض تو بستر کی چادروں کی طرح روزانہ عورتیں بدلتے ہیں۔ جب کہ اسلام میں جائز طریقے پر ایک سے لے کر چار تک بیویاں رکھنے کی اجازت ہے۔ عدل ومساوات کی شرط کے ساتھ۔ مغربی تہذیب کی گندگیوں نے بہت سی یوروپین عورتوں کو اب یہ کہنے پر مجبور کر دیا ہے کہ وہ کسی مسلمان کی چوتھی بیوی بن کر رہنا پسند کرتی ہیں، لیکن مغرب کے بدبودار اور گھناؤنے سماج میں رہ کر زندگی بسر کرنا نہیں چاہتیں، جہاں وہ بستر کی چادروں کی طرح استعمال کی جاتی ہیں۔ تفصیل میں جانے کا موقع نہیں۔ اس موضوع پر مختلف زبانوں میں کتابیں اور رسالے دستیاب ہیں۔ بہر حال ہمیں بحیثیت مسلمان شریعت کے دائرہ میں اپنے کو رکھنا چاہیے۔ اسی میں ہمارے لیے دین ودنیا کی بھلائی اور سعادت وکامرانی مضمر ہے۔

وصلوا علی النبی المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم۔

فإن اللہ تعالیٰ یقول:

"إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَآئِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْماً" (الاحزاب:56)

عورتوں کے فتنے سے بچو

پہلا خطبہ:

"إنّ الحمد للّٰه نحمده ونستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادی له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لا شريک له وأشهد أن محمداً عبده ورسوله"

قال اللہ تعالیٰ:

"وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ وَإِنْ تَكْفُرُوْا فَإِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيّاً حَمِيْداً" (البقرۃ: 131)

"زمین اور آسمانوں کی ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت میں ہے اور واقعی ہم نے ان لوگوں کو جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے تھے اور تم کو بھی یہی حکم کیا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور اگر تم کفر کرو گے تو یاد رکھو کہ اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ بہت بے نیاز اور تعریف کیا گیا ہے"۔

محترم حاضرین! ابھی میں نے آپ کے سامنے جو آیت کریمہ پڑھی ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں تقویٰ کا حکم دیا ہے اور بتایا ہے کہ تم سے پہلے جو اہل کتاب گزرے ہیں انہیں بھی اسی کا حکم دیا گیا تھا۔ یہ حکم تمام اولین وآخرین کو اس وجہ سے دیا گیا کہ دنیا وآخرت

دونوں کی نجات وفلاح درحقیقت تقویٰ ہی میں مضمر ہے۔ تقویٰ ہر قسم کے فتنوں سے بچنے کے لیے محفوظ پناہ گاہ ہے۔ تقویٰ دراصل اللہ سے ڈر کر اس کے اوامر کو بجالانے اور اس کے نواہی سے اپنے آپ کو بچانے کا نام ہے۔ تقویٰ یعنی اللہ سے ڈرنے کا حکم اس نے اپنے تمام بندوں کو دیا ہے۔ چاہے وہ مرد ہوں یا عورت۔ لیکن مرد چونکہ عورتوں پر حاکم ہیں اس لیے مردوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی عورتوں کو تقویٰ کی ترغیب دیں اور اس کے لیے جو بھی جائز تربیتی وسائل ہیں انہیں اختیار کریں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں عورتوں پر فضیلت بخشی ہے۔ کیونکہ وہ ان پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور عقل وشعور اور معاملات کے انجام وعواقب پر نظر رکھنے میں بھی وہ عورتوں سے آگے ہیں۔

ارشاد باری ہے:

"الرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ "(النساء:34)

"مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں"۔

اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ مرد عورت سے قوی ہے۔

اس کے برخلاف انوثت (عورت ہونا) خلقی اور فطری کمزوری ہے۔ عورت کے ضعیف الخلقت ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ اسی لیے سارے لوگ عورتوں کے لیے زیورات اور زینت کی چیزیں مہیا کرتے ہیں۔ ایسا اس کی طبعی اور خلقی کمزوری کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ برخلاف مرد کے اس کی ذکورت اسے زیورات اور زینت کی چیزوں سے بے نیاز کردیتی ہے۔

آج کل کی خواتین نیکی وتقویٰ اور عفت وپاکدامنی میں عہد نبوی کی خواتین جیسی نہیں ہیں۔ ہماری عورتوں کی اکثریت دینی شعور سے عاری ہے۔ سرکاری آفسوں میں

عورتیں مردوں کے ساتھ بیٹھ کر کام کرتی ہیں۔ اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں نوجوان لڑکیاں نوجوان لڑکوں کے ساتھ بے پردہ تعلیم حاصل کرتی ہیں۔ بسوں اور ٹرینوں میں مرد اور عورت ایک ساتھ سفر کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے فحاشی اور بے حیائی عام ہوگئی ہے۔ اسی وجہ سے مرد وزن کے اس اختلاط کو اسلام میں حرام قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ وَوَجَدَ مِن دُوْنِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُوْدَانِ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ وَأَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْر،فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰى إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّيْ لِمَآ أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ،فَجَآءَتْهُ إِحْدَاهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ قَالَتْ إِنَّ أَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا فَلَمَّا جَآءَهُ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ،قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَآ أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِيْنُ" (القصص:26-23)

"مدین کے پانی پر جب آپ پہنچے تو دیکھا کہ لوگوں کی ایک جماعت وہاں پانی پلا رہی ہے اور دو عورتیں الگ کھڑی اپنے (جانوروں کو) روکتی ہوئی دکھائی دیں، پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے؟ وہ بولیں کہ جب تک یہ چرواہے واپس نہ لوٹ جائیں ہم پانی نہیں پلاتیں اور ہمارے والد بہت بڑی عمر کے بوڑھے ہیں۔ پس آپ نے خود ان جانوروں کو پانی پلا دیا پھر سائے کی طرف ہٹ آئے اور کہنے لگے: اے پروردگار! تو جو کچھ بھلائی میری طرف اتارے میں اس کا محتاج ہوں۔ اتنے میں ان دونوں عورتوں میں سے ایک ان کی طرف شرم وحیا سے چلتی ہوئی آئی، کہنے لگی کہ میرے باپ آپ کو بلا رہے ہیں تا کہ آپ نے ہمارے (جانوروں) کو جو پانی پلایا ہے اس کی اجرت دیں، جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) ان کے پاس پہنچے اور ان سے اپنا سارا حال بیان کیا تو وہ کہنے لگے اب نہ ڈر تو نے

ظالم قوم سے نجات پائی۔ان دونوں میں سے ایک نے کہا ابا جی! آپ انہیں مزدوری پر رکھ لیجئے ، کیونکہ جنہیں آپ اجرت پر رکھیں ان میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو مضبوط اور امانت دار ہو"۔

میرے بھائیو! موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ میں غور کیجئے، جب وہ مصر سے بھاگ کر مدین آئے اور وہاں ایک کنویں پر پہنچے تو لوگوں کو اپنے جانوروں اور مویشیوں کو وہاں پانی پلاتے ہوئے دیکھا۔وہاں انہیں دوعورتیں بھی ملیں، جو اپنے مویشیوں کو لے کر الگ کھڑی ہوئی تھیں۔حضرت موسیٰ نے ان دونوں عورتوں سے پوچھا:تم الگ کیوں کھڑی ہو؟ اپنے مویشیوں کو پانی کیوں نہیں پلاتی ہو؟ تو ان دونوں عورتوں نے جواب دیا کہ جب یہ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا کر واپس چلے جائیں گے،تو اس کے بعد ہم اپنے جانوروں کو پلائیں گی۔کیوں کہ ہم ان سے اختلاط کو پسند نہیں کرتیں۔

میرے بھائیو!ان دونوں عورتوں کے طرزِ عمل پر غور کرو اور ہماری عورتوں کی موجودہ صورت حال کا ان سے موازنہ کرو۔ہمارا دین ہمیں بچپن ہی سے تقویٰ اور پاکدامنی کی تربیت دیتا ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"مروا أولادكم بالصلاة وهم أبناء سبع سنين واضربوهم عليها وهم أبناء عشر سنين وفرقوا بينهم في المضاجع"

"اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو، جب وہ سات سال کے ہو جائیں اور نماز نہ پڑھنے پر انہیں مارو، جب وہ دس سال کے ہو جائیں۔اور ان کے بستر الگ کردو"۔

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کمسن بچوں تک کے ایک بستر پر سونے کو پسند نہیں کرتا اور حکم دیتا ہے کہ جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو ان کے بستر الگ کردو۔

عورتوں کا زیب وزینت کے ساتھ بے پردہ باہر نکلنا مردوں کے لیے زبردست فتنہ

ہے۔ آج کل سڑکوں، بازاروں اور میلوں میں جو حیا سوز مناظر ہمیں نظر آتے ہیں یہ ہماری نوجوان نسلوں کے بگاڑ کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ نے مرد اور عورت دونوں کو اپنی نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اور عورتوں کو بے پردہ باہر نکلنے سے منع فرمایا ہے۔

ارشاد باری ہے:

''قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ''(النور:30)

''مسلمان مردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہی ان کے لیے پاکیزگی ہے، لوگ جو کچھ کریں اللہ تعالیٰ سب سے خبردار ہے''۔

اور آگے عورتوں کے متعلق ارشاد ہے:

''وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ''(النور:31)

''مسلمان عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت میں فرق نہ آنے دیں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں، سوائے اس کے جو ظاہر ہے''۔

اہل علم کا کہنا ہے کہ دل کی طرف جانے والے جتنے بھی دروازے ہیں ان میں سے آنکھ سب سے بڑا دروازہ ہے۔ ان میں سب سے زیادہ چالو راستہ یہی ہے۔ اسی وجہ سے گناہ کے زیادہ کام اسی جہت سے ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

''وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا''(الاسرائیل:36)

''جس بات کی تجھے خبر ہی نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑ۔ کیونکہ کان اور آنکھ اور دل میں سے ہر ایک سے پوچھ گچھ کی جانے والی ہے''۔

یعنی کان، آنکھ اور دل سب کی بابت باز پرس ہوگی۔

شرمگاہوں کی حفاظت سے مراد زنا سے حفاظت بھی ہوسکتا ہے اور انہیں بے ستری سے محفوظ رکھنا بھی ہوسکتا ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ اس سے دونوں ہی مراد ہیں۔ کیونکہ لفظ عام ہے۔ زنا کو بھی شامل ہے اور بے ستری کو بھی۔ اور ''إلا ما ظهر منها'' سے مراد وہ حصۂ جسم ہے جس کا چھپانا اور پردہ کرنا ممکن نہ ہو، جیسے کسی کو کوئی چیز پکڑاتے ہو یا اس سے لیتے ہو ہتھیلیوں کا ظاہر ہو جانا، یا دیکھتے ہو آنکھوں کا ظاہر ہو جانا۔ اس ضمن میں ہاتھ میں جو انگوٹھی پہنی ہو، یا ہاتھ میں جو مہندی لگی ہو، یا آنکھوں میں سرمہ یا کاجل ہو، یا لباس اور زینت کو چھپانے کے لیے جو برقع یا چادر اوڑھی جاتی ہے۔ یہ بھی ایک طرح کی زینت ہی ہے۔ یہ ساری زینتیں ایسی ہیں جو ''إلا ما ظهر منها'' میں داخل ہیں۔ اور ایسی ہیں جن کا اظہار بوقت ضرورت یا بوجہ ضرورت جائز و مباح ہے۔

عورتوں کے جہنم میں جانے کا ایک سبب ان کا بناؤ سنگار کر کے بے پردہ نکلنا ہے۔
صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے:

''صنفان من أهل النار لم ارهما قوم معهم سياط كأذناب البقر يضربون بها الناس ونساء كاسيات عاريات مميلات مائلات رؤسهن كأسنمة البخت المائلة لايدخلن الجنة ولا يجدن ريحها وإن ريحها لتوجد من مسيرة كذا و كذا''

''جہنمیوں کی دو قسمیں ایسی ہیں جن کو میں نے نہیں دیکھا یعنی یہ بعد میں ہوں گی، ایک وہ لوگ ہیں جن کے پاس گائے کی دموں کے مانند کوڑے ہوں گے، جن سے وہ لوگوں کو ماریں گے۔ اور دوسری وہ عورتیں ہوں گی جو لباس پہنی ہوں گی؛ مگر برہنہ ہوں گی۔ لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے والی اور خود ان کی جانب مائل ہونے والی ہوں گی۔ ان کے سر بختی اونٹ کے جھکے ہوئے کوہانوں کی طرح ہوں گے۔ ایسی عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی۔ بلکہ اس کی خوشبو بھی نہیں پائیں گی۔ حالانکہ اس کی خوشبو اتنے اتنے

فاصلے سے آئے گی۔

علامہ ابن عبدالبر اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جو ایسے باریک کپڑے پہنتی ہیں جس سے ان کا جسم جھلکتا ہے اور ساری چیزیں نظر آتی ہیں۔ بظاہر اگر چہ وہ کپڑے پہنے ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں وہ ننگی ہوتی ہیں۔ اسی طرح اس میں وہ عورتیں بھی داخل ہیں، جو ایسے تنگ اور چست کپڑے پہنتی ہیں، جس سے ان کے جسم کے تمام نشیب وفراز ظاہر ہوتے ہیں۔ درحقیقت عورت کا لباس ایسا ہونا چاہیے جو مکمل ساتر ہو، موٹا اور ڈھیلا ڈھالا ہو۔ اس طرح عاریات کے مفہوم میں وہ عورتیں بھی داخل ہیں، جو اپنے جسم کے کچھ حصے کو کپڑوں سے ڈھانکے رکھتی ہیں اور کچھ حصے کھلا چھوڑ دیتی ہیں۔

اور مائلات کے معنی بعض کے نزدیک یہ ہیں کہ اللہ کی فرمانبرداری اور ان چیزوں سے جن کا التزام ان کے لیے ضروری ہے، اعراض کرنے والی ہوں گی۔ اور ممیلات سے مراد وہ عورتیں ہیں جو اپنے برے کام دوسروں کو بھی سکھائیں گی اور بعض نے کہا: مائلات سے مراد وہ عورتیں ہیں جو اٹھ کھیلیاں کرتی ہوئی چلتی ہیں۔ اور ممیلات سے مراد وہ عورتیں ہیں جو اپنے کندھوں کو لٹکاتے ہوئے چلتی ہیں۔

اس حدیث میں ان عورتوں کے لیے سخت وعید ہے جو بے پردگی اور اپنی زیب وزینت اور حسن وجمال کے اظہار کو اپناتی ہیں جو کہ بدکار عورتوں کا شیوہ ہے، اور مردوں کے لیے فتنے کا باعث ہوتی ہیں۔ مردوں کو عورتوں کے اس شر اور فتنے سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا ہے۔ غیر محرم عورت پر بغیر ارادے کے اگر اچانک نظر پڑ جائے تو فوراً نظر پھیر لینے کا حکم دیا گیا ہے اور ٹکٹکی باندھے کر دیکھنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ پھر اس میں قصد شامل ہو جائے گا، جو گناہ ہے۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں:

"سألت رسول صلى الله عليه وسلم عن نظر الفجاة فقال : أصرف

بصرک"(مسلم)

"میں نے رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے اچانک نظر پڑ جانے سے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: اپنی نظر فوراً پھیر لو"۔

اسی فتنے سے بچنے کے لیے آپ نے اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لا یخلوا أحدکم بإمرأة إلا مع ذی محرم"

"تم میں سے کوئی کسی اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی اختیار نہ کرے، مگر محرم کے ساتھ"۔

آنکھوں سے سرزد ہونے والے ان گناہوں سے بچنا چاہیے۔ اور اس آیت کو ہمیشہ اپنی نگاہوں کے سامنے رکھنا چاہیے۔

"یَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْأَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ "(غافر:19)

"وہ آنکھوں کی خیانت کو اور سینوں کی پوشیدہ باتوں (خوب) جانتا ہے"۔

دوسرا خطبہ:

"إنَّ الحمد للّٰہ نحمدہ و نستعینہ ونستغفرہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا، وسیئات أعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ، ومن یضلل فلا ھادی لہ، وأشھد أن لا إلہ إلا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ وأشھد أن محمداً عبدہ ورسولہ"، أما بعد!

میرے بھائیو! اسامہ بن زید بن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"ماترکت بعدي فتنة هي أضر علی الرجال من النساء"(متفق علیه)

"میں نے اپنے بعد مردوں کے حق میں عورتوں سے زیادہ خطرناک فتنہ کوئی اور نہیں چھوڑا"۔

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے حسن و جمال کو مردوں کے لیے تمام فتنوں میں سب سے بڑا اور سب سے خطرناک فتنہ قرار دیا ہے۔ عورتوں کی بدزبانی اور بداخلاقی بھی مردوں کے لیے کم فتنہ نہیں۔ اس کی وجہ سے اکثر طلاق کو نوبت آتی ہے اور گھر اجڑ جاتے ہیں۔ اسی طرح وہ عورت جو زیب و زینت اور بناؤ سنگار کی رسیا ہوتی ہے۔ اس کی ان ناجائز خواہشات کی تکمیل کے لیے بسا اوقات مرد رشوت خوری اور ناجائز ذرائع آمدنی اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح شادی بیاہ کے موقعوں پر عورتیں ہی تمام بے ہودہ رسم و رواج اختیا کر کے مردوں کو آمادہ کرتی ہے۔ اسی طرح وہ زندگی کے اور شعبوں میں بھی مردوں کے لیے فتنے کا سامان بنتی ہیں۔ اور انہیں حرام اور ناجائز امور پر مجبور کر دیتی ہیں۔

اور اگر عورت پاک طینت پاکدامن اور وفا شعار ہو تو وہ دنیا کی سب سے قیمتی متاع ہے۔ اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ وسلم کا ارشاد ہے:

"خير متاع الدنيا المرأة الصالحة"

''دنیا کی سب سے بہتر پونجی نیک عورت ہے''۔

ہمارے اسلاف کی عورتیں باحیا اور پاکدامن ہوتی تھیں۔ اللہ سے ڈرتی تھیں اور شریعت کے ہر حکم کو ماننے اور اس پر عمل کرنے کے لیے ہمیشہ تیار رہتی تھیں۔ آپ واقعہ افک میں غور کیجیے، کس طرح ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے اور صحابی جلیل صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ نے مدینہ تک کا سفر کیا اور دونوں نے کوئی بات نہیں کی، سوا اس کے کہ جب صفوان رضی اللہ عنہ نے ام المومنین کو دیکھا تو ''إنا لله وإنا إليه راجعون'' پڑھا۔ اس کے علاوہ کوئی اور کلمہ ان دونوں کی زبان سے نہیں نکلا۔ اسی طرح آیت حجاب نازل ہوئی تو فوری طور پر تمام عورتیں پردے کے ساتھ نکلنے لگیں۔ صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب آیت کریمہ:

''يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ''(الأحزاب:59)

''وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکالیا کریں''۔

نازل ہوئی تو انصاری عورتیں اس طرح نکلیں گویا ان کے سروں پر کوے بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ اپنے سروں پر سیاہ چادریں ڈالے ہوئی تھیں۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک عورت نے پوچھا کہ میں ایک ایسی عورت ہوں جو اپنا دامن لمبا رکھتی ہوں اور گندی جگہوں پر سے چلنا پڑتا ہے، تو میرا کپڑا کیسے پاک رہے گا؟ آپ نے فرمایا:''یطهره مابعده ''گندی جگہوں کے بعد صاف جگہوں پر سے جو دامن گھٹے گا، تو وہ اسے پاک کردے گا''۔

علامہ باجی رحمہ اللہ (إني إمرأة أطيل ذيلي)''میں ایک عورت ہوں جو اپنا دامن لمبا رکھتی ہوں'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ان کی مراد یہ ہے کہ وہ کپڑا لمبا رکھتی ہیں، تا کہ ان کے قدم چھپے رہیں اور چلنے میں کھلیں نہیں۔ صحابہ کرام کی عورتیں شریعت کے ہر حکم کو اسی طرح بے چوں و چرا تسلیم کرتیں اور اس پر عمل کرتیں تھیں۔ اسی وجہ سے وہ فتنوں سے محفوظ رہتی تھیں۔ اس کے برعکس آج ہماری عورتوں کا حال یہ ہے کہ انہیں اللہ و رسول کے احکام کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی ہے۔ وہ مغربی تہذیب کی دلدادہ ہیں، اور اپنی بے حجابی اور بے پردگی سے مردوں کے لیے حشر سامانی کا باعث بنی ہوئی ہیں۔

اللہ نے مردوں کو ان پر حاکم بنایا ہے۔ انہیں دین اور عقل دونوں اعتبار سے کمزور پیدا کیا۔ اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو ان کے سلسلہ میں خیر کی تاکید فرمائی۔ آپ نے حجۃ الوداع کے خطبے میں فرمایا:

''ألا واستوصوا بالنساء خيرا فإنهن عوان عند كم''

''سنو! تم عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، کیونکہ وہ تمہاری ماتحت ہیں''۔

اور بعض روایتوں میں یہ الفاظ وارد ہیں:

"استوصوا بالنساء خيرا فإن المرأة خلقت من ضلع وإن أعوج مافي الضلع أعلاه فإن ذهبت تقيمه كسرته وإن تركته لم يزل أعوج فاستوصوا بالنساء خيرا"

"تم عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اس لیے کہ ان کی تخلیق پسلی سے ہوئی ہے۔ اور پسلی میں سب سے زیادہ ٹیڑھا حصہ اس کے اوپر کا حصہ ہے۔ اگر تو اسے سیدھا کرنے لگے گا، تو اسے توڑ بیٹھے گا، اور اگر اسے چھوڑ دے گا تو وہ ٹیڑھی ہی رہے گی۔ پس تم عورتوں کا خیال رکھو"۔

اس حدیث میں عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید ہے۔ اس لیے کہ عورت فطری طور پر مرد سے کمزور واقع ہوتی ہے۔ اور کج فطرت اور کم عقل بھی ہے۔ اس لیے مردوں کو صبر وتحمل اور عفو ودرگزر سے کام لینا چاہیے۔ جو لوگ عورت کے ساتھ بے رحمی اور بے جا تشدد وا رکھتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ اسے سیدھا کرلیں گے، یہ ان کی خام خیالی ہے۔ ان کا یہ رویہ ان کے گھر کو جہنم کدہ بنادیتا ہے۔ یا پھر طلاق کی نوبت آجاتی ہے۔ اور ان کا بسا بسایا گھر اجڑ جاتا ہے۔ اور بچوں کی زندگیاں برباد ہوجاتی ہیں۔ اس لیے ہمیں عورتوں کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک رکنا چاہیے۔ اور ان کی نادانی اور کم عقلی پر صبر وضبط سے کام لینا چاہیے۔ اور اسے ان کی فطری کمزوری اور کجی پر محمول کرنا چاہیے اور انہیں سمجھا بجھا کر راہ راست پر قائم رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہماری عورتوں کو دین پر قائم رکھے اور ہمیں توفیق دے کہ ان کی صحیح ڈھنگ سے اسلامی تربیت کرسکیں اور اللہ اور رسول کے احکام پر خود عمل پیرا رہیں اور انہیں بھی اس کا عادی بنائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ سب کو ہر طرح کے شر وفتنے سے محفوظ رکھے۔

أقول قولي هذا واستغفر الله لي ولكم ولسائر المسلمين، فاستغروه إنه هو الغفور الرحيم.

چاند گہن اور سورج گہن

پہلا خطبہ:

"إنّ الحمد لله ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادى له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله"

محترم بزرگو،نوجوان بھائیو اور عزیزو! اللہ سے ڈرو، اس کی نشانیوں اور پیدا کی ہوئی چیزوں، آسمان وزمین، سورج چاند، پہاڑوں اور دریاؤں میں غور وفکر کرو۔ اللہ نے ان چیزوں میں عبرت وموعظت کے بہت سے سامان رکھے ہیں۔ ان آسمانوں کو دیکھو، اللہ تعالیٰ انہیں اپنی قدرت سے کس طرح روکے ہوئے ہے، انہیں گرنے نہیں دیتا ہے اور انہیں کس قدر مضبوط اور مستحکم بنایا ہے۔ نہ ان میں کہیں شگاف ہے، نہ پھٹن۔ اور انہیں کس طرح سورج، چاند اور چمکدار اور خوبصورت ستاروں سے مزین ہے اور یہ سورج چاند اور ستارے کس طرح سے اپنی محور میں جو اللہ نے ان کے لے مقرر کیا ہے، گردش کر رہے ہیں؟ اللہ نے ان کے لیے ایک نظام مقرر فرما دیا ہے جس سے وہ سرموانحراف نہیں کرتے۔ ان کی چال میں نہ کوئی کمی ہوتی ہے نہ زیادتی، اپنے محور سے وہ بال کے برابر بھی نہیں ہٹتے۔ کتنی پاک اور قادر ہے وہ ذات جو انہیں چلا رہی ہے! بلاشبہ وہ بڑی عظیم طاقتور اور ہر چیز پر قدرت رکھنے والی ذات ہے۔

اللہ کے بندو! سورج چانداور ستارے بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی بڑی عظیم نشانیاں ہیں، جو اس کی کمال قدرت اور کمال حکمت ورحمت پر دال ہیں۔ جب ہم ان عظیم نشانیوں کی عظمت اوران کی چال اور گردش کے محکم نظام میں غور کریں گے،تو اللہ کی قدرتِ کاملہ کے اعتراف پر مجبور ہو جائیں گے۔اسی طرح جب ہم ان کی چالوں کے اختلاف اوران میں پوشیدہ مصالح ومنافع اورفوائد میں غور کریں گے تو اس کی کمال حکمت ورحمت ہمارے لیے واضح ہو جائے گی۔

محترم بھائیو! اللہ کی حکمتوں میں سے ایک حکمت سورج اور چاند میں گہن لگنا بھی ہے۔ یہ گہن ہے کیا؟ کچھ دیر کے لیے اللہ تعالیٰ ان دونوں سے ان کی روشنی جزئی اور کلی طور پر چھین لیتا ہے یہی گہن ہے۔ یہ گہن اللہ کے حکم سے لگتا ہے۔اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کوڈراتا اوران کے دلوں میں خوف پیدا کرتا ہے۔تاکہ وہ اس سے ڈرکر قیامت کی ہولناکیوں کو یاد کریں اور اللہ کے حضور توبہ واستغفار کریں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آفاق وانفس کی بے شمار نشانیاں دکھلاتا رہتا ہے تاکہ وہ اس سے ڈریں اوراس کی قدرت کاملہ پرایمان لائیں۔

ارشادباری ہے:

''سَنُرِيهِمْ اٰيَاتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيٓ أَنفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ،أَلَا إِنَّهُمْ فِي مِرْيَةٍ مِّن لِّقَآءِ رَبِّهِمْ أَلَا إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ''(فصلت:53-54)

''عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق عالم میں بھی دکھائیں گےاورخودان کی اپنی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کہ حق یہی ہے، کیا آپ کے رب کا ہر چیز سے واقف وآگاہ ہونا کافی نہیں۔ یقین جانو! کہ یہ لوگ اپنے رب کے روبرو ہو جانے سے شک میں ہیں، یادرکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہیں''۔

میرے بھائیو! اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین میں جو اپنی بے شمار نشانیاں بکھیر رکھی ہیں اگر ہم تھوڑی دیر کے لیے ان میں غور کریں اور ان کے ذریعہ قیامت کے قریب ہونے کو یاد کریں تو ہم سارا ٹال مٹول چھوڑ کر اس ہولناک دن کی تیاری میں لگ جائیں۔ دنیا کی بے وقعتی و بے ثباتی قیامت کی ہولناک اور آخرت کی پائیداری ہماری نگاہوں کے سامنے ہو جائے۔ انسان جب مر جاتا ہے تو گویا اس کی قیامت قائم ہو جاتی ہے۔ اب اس کے لیے کسی عمل کا اور تلافی مافات کا موقع باقی نہیں رہ جاتا۔ اب اس کے سامنے صرف برزخ اور آخرت کا حساب ہوتا ہے۔

ارشاد باری ہے:

''أَوَلَمْ يَنظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ وَأَنْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ قَدِ اقْتَرَبَ أَجَلُهُمْ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ'' (الأعراف:185)

''اور کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا آسمانوں اور زمین کے عالم میں اور دوسری چیزوں میں جو اللہ نے پیدا کی ہیں اور اس بات میں کہ ممکن ہے کہ ان کی اجل قریب ہی آ پہنچی ہو۔ پھر قرآن کے بعد کون سی بات پر یہ لوگ ایمان لائیں گے''۔

جو لوگ آفاق میں بکھری ہوئی ان نشانیوں میں غور وفکر نہیں کرتے، اور ان سے نصیحت حاصل نہیں کرتے، گمراہی ان کا مقدر ہو جاتی ہے۔ وہ کبھی ہدایت نہیں پاتے۔

''مَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ'' (الأعراف:186)

''جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اس کو کوئی راہ پر نہیں لا سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو ان کی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے چھوڑ دیتا ہے''۔

ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے:

''قُلِ انظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ''(یونس:101)

''آپ کہہ دیجیے کہ تم غور کرو کہ کیا کیا چیزیں آسمانوں میں اور زمین میں ہیں''۔

اس کے بعد ارشاد ہے:

''وَمَا تُغْنِي الْآيَاتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ''(یونس:101)

''اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کو نشانیاں اور دھمکیاں کچھ فائدہ نہیں پہنچاتیں''۔

پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ انہیں اپنی دردناک پکڑ سے یوں ڈراتا ہے: ''فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ إِلَّا مِثْلَ أَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ قُلْ فَانْتَظِرُوْآ إِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ''(یونس:102)

''سو وہ لوگ صرف ان لوگوں کے سے واقعات کا انتظار کر رہے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ آپ فرما دیجیے کہ اچھا تو تم انتظار میں رہو میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں''۔

اللہ کے بندو! آسمان اور زمین کی تخلیق میں بے شمار مصلحتیں اور حکمتیں پوشیدہ ہیں اور عبرت و موعظت کے بہت سارے سامان ہیں۔ لیکن غافلوں کو یہ چیزیں کچھ بھی فائدہ نہیں دیتیں۔

ارشاد باری ہے:

''حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ''(القمر:5)

''اور کامل عقل کی بات ہے لیکن ان ڈراؤنی باتوں نے بھی کچھ فائدہ نہیں دیا''۔

صحیح حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد فرمایا ہے:

''إن الشمس والقمر اٰيتان من اٰيات الله لا ينكسفان لموت أحد ولا لحياته ولكن الله يخوف بهما عباده، فإذا رأيتم شيئا من ذلك فافزعوا إلى ذكر الله وإلى الصلاة وعجلوا للاستغفار''

''بلاشبہ سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ ان دونوں میں گہن کسی کے مرنے یا پیدا ہونے سے نہیں لگتا؛ بلکہ ان کے ذریعہ اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ تو جب تم ان میں سے کوئی چیز دیکھو تو اللہ کے ذکر، نماز، دعا اور استغفار کی طرف دوڑ پڑو''۔

میرے بھائیو! آؤ ہم غور کریں اور اپنے دلوں کا جائزہ لیں کیا اللہ تعالیٰ کی اس تخویف اور ڈرانے سے ہمارے دلوں میں کوئی خوف پیدا ہوا؟ اور اس سے ڈر کر جہنم سے بچنے کی فکر لاحق ہوئی اور جنت کو پانے کی ہمارے اندر کوئی تڑپ پیدا ہوئی؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''من خاف أدلج ومن أدلج بلغ المنزل، ألا وإن سلعة اللّٰه غالية ألا وإن سلعة اللّٰه الجنة'' (ترمذی)

''جو (دشمن کے حملے) سے ڈراوہ رات کے ابتدائی حصے ہی میں نکل گیا اور جو رات کے ابتدائی حصے میں نکل گیا، وہ منزل کو پہنچ گیا۔ اچھی طرح سن لو، اللہ کے سودا گراں قیمت ہے، خبردار اللہ کا سودا جنت ہے''۔

''رات کے ابتدائی حصے میں نکل گیا'' کے معنی ہیں شروع ہی سے اللہ کی اطاعت میں سرگرم رہا۔ یعنی جو اللہ سے ڈر کر شروع ہی سے اخلاص کے ساتھ اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری میں لگا رہا، وہ یقیناً اپنی منزل مراد یعنی جنت کو پالے گا۔

میرے بھائیو! ہم ایک لمحے کے لیے غور کریں کہ اس سورج گہن کے ذریعہ ہمیں کون ڈراتا ہے۔ بلاشبہ یہ وہ ذات ہے جو سارے جہان کا پروردگار اور اولین وآخرین سب کا معبود ہے جو ہر چیز پر قدرت رکھتی ہے وہ جس چیز کو بھی وجود میں لانا چاہتی ہے صرف کہہ دیتی ہے ہوجا اور وہ چیز وجود میں آجاتی ہے۔ اسی کے ہاتھ میں آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہت ہے۔ کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔ ہمارے ہر کھلے اور چھپے کو وہ جانتی ہے۔

''وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَأْنٍ وَّمَا تَتْلُوْ مِنْهُ مِن قُرْاٰنٍ وَّلاَ تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْداً إِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلاَ فِي السَّمَآءِ وَلاَ أَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلا أَكْبَرَ إِلَّا فِيْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ ''(یونس:61)

''اور آپ کسی حال میں ہوں اور منجملہ ان احوال کے آپ کہیں سے قرآن پڑھتے ہوں اور جو کام بھی کرتے ہوں ہم کو سب کی خبر رہتی ہے، جب تم اس کام میں مشغول ہوتے ہو۔ اور آپ کے رب سے کوئی چیز ذرہ برابر بھی غائب نہیں، نہ زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی اور نہ بڑی مگر یہ سب کتاب مبین میں ہے''۔

وہ قیامت کے دن ساتوں آسمانوں کو ایک انگلی میں رکھے گا، اور زمین کو ایک انگلی پر، اور پہاڑوں کو ایک انگلی پر، درختوں کو ایک انگلی پر، پانی کو ایک انگلی پر اور مٹی کو ایک انگلی پر، اور تمام مخلوق کو ایک انگلی پر۔ پھر ان کو جھنجھوڑ کر فرمائے گا۔

''أنا الملک أین الجبارون وأین المتکبرین وأین ملوک الأرض؟''(بخاری ومسلم)

''میں بادشاہ ہوں، کہاں ہیں ظلم وسرکشی کرنے والے؟ کہاں ہیں تکبر کرنے والے؟ اور کہاں ہیں زمین کے بادشاہ؟''

غیب کی کنجیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ ارشاد ہے:

''وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لاَ يَعْلَمُهَآ إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلاَ حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلاَ رَطْبٍ وَّلاَ يَابِسٍ إِلَّا فِيْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ ''(الأنعام:59)

''اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں (خزانے)، ان کو کوئی نہیں جانتا بجز اللہ کے۔ اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہیں اور جو کچھ دریاؤں میں ہیں اور

کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کے تاریک حصوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز گرتی ہے مگر یہ سب کتاب مبین میں ہیں"۔

نیز ارشاد ہے:

"يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ"(غافر:19)

"وہ آنکھوں کی خیانت کو اور سینوں کی پوشیدہ باتوں کو (خوب) جانتا ہے"۔

قیامت کے دن اس کے سامنے ہم سب کی پیشی ہوگی۔ ارشاد باری ہے:

"يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ"(الحاقۃ:18)

"اس دن تم سب سامنے پیش کیے جاؤ گے، تمہارا کوئی بھید پوشیدہ نہیں رہے گا"۔

اس لیے میرے بھائیو! ہم اپنے رب کی ان عظیم نشانیوں کو دیکھ کر اس سے ڈریں اور نیک عمل کریں اور برے کاموں سے بچیں اور اپنے سابقہ گناہوں اور معصیت کے کاموں سے توبہ واستغفار کریں۔ اور اللہ سے گڑگڑا کر اپنی بخشش کے لیے دعائیں کریں۔ سرکشی کی روش چھوڑیں اور جہنم کی آگ سے ڈریں تاکہ اللہ ہمیں دنیا وآخرت میں قول ثابت پر جمار کھے۔

جیسا کہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:

"يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظَّالِمِيْنَ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ"(ابراہیم:27)

"ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ پکی بات کے ساتھ مضبوط رکھتا ہے، دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی، ہاں ناانصاف لوگوں کو اللہ بہکا دیتا ہے اور اللہ جو چاہے کر گزرے"۔

دنیا کی زندگی میں یعنی قبر میں جس وقت روح جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور میت دفنا کر واپس جانے والے اپنے لوگوں کی جوتیوں کی آہٹ کو سنتا ہے، اس وقت دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں اور اسے سختی سے جھڑک کر بٹھاتے ہیں، پھر اس سے پوچھتے ہیں: تیرا

رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ اور تو اس شخص کے بارے میں کیا کہتا ہے جو تیرے اندر مبعوث کیا گیا تھا؟ مومن اس کے جواب میں کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے۔ میرا دین اسلام ہے۔ اور میرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی تھی۔ تو میں اس پر ایمان لایا تھا اور اس کی تصدیق کی تھی۔

میرے بھائیو! قبر کا فتنہ یہی آخری فتنہ ہے جس سے مومن کو دوچار ہونا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظَّالِمِيْنَ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ''(ابراہیم:27)

''ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ پکی بات کے ساتھ مضبوط رکھتا ہے، دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی، ہاں ناانصاف لوگوں کو اللہ بہکا دیتا ہے اور اللہ جو چاہے کر گزرے''۔

اس کے برخلاف کافر و فاجر فرشتوں کے ان سوالوں کے جواب میں کہے گا:

''هاها لاأدري سمعت الناس يقولون ذلك قال لادريت و لاتليت''

''ہائے افسوس! مجھے کچھ معلوم نہیں۔ میں نے لوگوں کو جو کہتے سنا وہی میں بھی کہہ دیا کرتا تھا، نہ میں نے جاننے کی کوشش کی اور نہ ہی میں نے قرآن پڑھا''۔

اس لیے میرے بھائیو! معاملہ کی اہمیت کو محسوس کرو اور قبر کے سوالوں کے جواب کے لیے تیار رہو، اور اس کے فتنے سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔ اللہ کے رسول نے سورج گہن کے موقع پر ہمیں اس کا حکم دیا ہے۔

آپ کا ارشاد ہے:

''تعوّذوا باللّٰه من عذاب القبر''(مسلم)

''لوگو! اس موقع پر عذاب قبر سے اللہ کی پناہ چاہو''۔

اسی طرح آپ نے ہر نماز کے بعد قبر کے عذاب سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی ہے، اور

یہ دعا سکھائی ہے:

"اللّٰهم إني أعوذ بک من عذاب القبر وعذاب النار ومن فتنة المحيا والممات ومن شر فتنة المسيح الدجال" (بخاری و مسلم)

"اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں، قبر کے عذاب سے اور جہنم کے عذاب سے اور زندگی اور موت کے فتنے سے اور مسیح دجال کے فتنے کی برائی سے"۔

سورج گہن کے موقع پر جن ہلاک کرنے والی چیزوں سے آپ نے ہمیں ڈرایا ہے ان میں ایک زنا بھی ہے۔ آپ نے اس موقع پر ارشاد فرمایا تھا:

"یا أمة محمد! واللّٰه مامن أحد أغير من اللّٰه أن يزني عبده أو تزني أمته، يا أمة محمد! واللّٰه لو تعلمون ما أعلم لضحكتم قليلا ولبكيتم كثيرا"

"اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لوگو! اس بات پر اللہ سے زیادہ غیرت کسی کو نہیں آتی کہ اس کا کوئی بندہ یا بندی زنا کرے۔ اے امت محمد! واللہ جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تمہیں بھی معلوم ہو جائے تو ہنسو کم اور روؤ زیادہ"۔

اس لیے اے اللہ کے بندو! زنا اور اس کے جملہ محرکات سے بچو اور ہر اس چیز سے اپنے آپ کو بچاؤ جو تمہیں زنا سے قریب کرنے والی ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِيْلًا" (بنی اسرائیل:32)

"خبردار زنا کے قریب بھی نہ پھٹکنا کیوں کہ وہ بڑی بے حیائی ہے اور بہت بری راہ ہے"۔

اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم راستوں میں چلتے وقت اپنی نگاہوں کو پست رکھیں اور ایسی چیزوں کو نہ دیکھیں جو اللہ نے ہمارے لیے حرام کی ہیں۔ ہمارے رب نے ہمیں اس کی تعلیم دی ہے:

"قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ أَزْكٰى لَهُمْ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ" (النور:30)

"مسلمان مردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہی ان کے لیے پاکیزگی ہے، لوگ جو کچھ کریں اللہ تعالیٰ سب سے خبردار ہے"۔

اگر ہم اللہ تعالیٰ کی اس تخویف اور ڈراوے سے نصیحت حاصل نہیں کریں گے تو پھر نصیحت حاصل کرنے کا اور کون موقع آئے گا؟ اور کب ہم اپنی گمراہیوں اور غلط کاریوں اور غفلتوں سے باز آئیں گے؟ کیا ہمیں قیامت کے دن کا انتظار ہے"۔

"حَتّٰى إِذَا جَآءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ، لَعَلِّيْ أَعْمَلُ صَالِحاً فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ إِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ" (المؤمنون:100-99)

"یہاں تک کہ جب ان میں کسی کو موت آنے لگتی ہے تو کہتا ہے اے میرے پروردگار! مجھے واپس لوٹا دے کہ اپنی چھوڑی ہوئی دنیا میں جا کر نیک اعمال کرلوں، ہرگز ایسا نہیں ہوگا، یہ تو صرف ایک قول ہے جس کا یہ قائل ہے، ان کے پس پشت تو ایک حجاب ہے، ان کے دوبارہ جی اٹھنے کے دن تک"۔

صحیح حدیث میں وارد ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے گہن کے موقع پر فرمایا:

"لقد أوحي إلي أنكم تفتنون في القبور مثل أو قريبا من فتنة الدجال"

"مجھے یہ وحی کی گئی ہے کہ تم قبروں میں فتنے میں ڈالے جاؤ گے۔ دجال کے فتنے کے مثل یا اس کے قریب قریب"۔

اس لیے بارالہا! ہم تیری پناہ چاہتے ہیں قبر کے فتنے سے، زندگی اور موت کے فتنے سے اور مسیح دجال کے فتنے سے۔ اللہ سے زیادہ حلیم و بردبار کوئی نہیں۔ اس کے باوجود وہ فرماتا ہے:

''وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ''(ابراہیم:7)

''اور جب تمہارے پروردگار نے تمہیں آگاہ کر دیا کہ اگر تم شکر گزاری کرو گے تو بے شک میں تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو یقیناً میرا عذاب بہت سخت ہے''۔

اس سے زیادہ صبر کرنے والا کوئی نہیں۔وہ فرماتا ہے:

''وَمَنْ يَحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ هَوٰى''(طٰہٰ:81)

''اور جس پر میرا غضب نازل ہو جائے وہ یقیناً تباہ ہوا''۔

حدیث قدسی میں ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''یاعبادي لو أن أولكم وآخركم وإنسكم وجنكم كانوا على اتقى قلب رجل واحد مازاد ذلک في ملكي شيئا . يا عبادي ! لو أن أولكم وآخركم وإنسكم وجنكم كانوا على أفجر قلب رجل واحد منكم ما نقص ذلک من ملكي شيئا . ياعبدي لو أن أولكم وآخركم وإنسكم وجنكم قاموا في صعيد واحد فيسالوني فأعطيت كل إنسان مسألته مانقص من ذلک مما عندي إلا كما ينقص المتخيط إذا أدخل البحر . ياعبادي إنما هي أعمالكم أحصيها لكم ثم أوفيكم إياها . فمن وجد خيرا فليحمد الله . ومن وجد غير ذلک فلايلومن إلا نفسه''(مسلم:2577)

''اے میرے بندو! اگر تمہارے اول و آخر اور تمہارے انس و جن سبھی تم میں سے سب سے زیادہ پرہیز گار کی طرح ہو جائیں تو اس سے میری بادشاہت میں کچھ بھی اضافہ نہ ہوگا۔اے میرے بندو! اگر تمہارے اول و آخر اور تمہارے انس و جن سب سے زیادہ فاجر شخص کی طرح ہو جائیں تو اس سے میری بادشاہت میں کچھ بھی کمی نہ ہوگی۔اے میرے بندو! اگر تمہارے اول و آخر اور تمہارے انس و جن سبھی ایک میدان میں کھڑے ہو کر ایک

ساتھ مجھ سے مانگیں اور میں ہر شخص کی مانگ پوری کردوں تو میرے خزانے میں کمی نہیں ہوگی، مگر اتنی ہی جتنی سوئی کو سمندر میں ڈالنے کے بعد ہوتی ہے۔ اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہیں جنہیں میں تمہارے لیے شمار کر رہا ہوں۔ پھر میں تمہیں انہیں پورا پورا دوں گا۔ تو جو خیر کو پالے وہ اللہ کا شکر ادا کرے اور جو اس کے علاوہ پائے وہ اپنے علاوہ کسی اور کو ملامت نہ کرے"۔

"نفعني الله وإياكم بهدي كتابه. أقول قولي هذا واستغفر الله لي ولكم ولكافة المسلمين من كل ذنب، فاستغفروه إنه هو الغفور الرحيم.

دوسرا خطبہ:

"إنَّ الحمد لله ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادى له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله" أما بعد!

میرے بھائیو! سورج گہن کی اس مناسبت سے اس سلسلے کی چند اہم باتیں ہم بیان کردینا مناسبت سمجھتے ہیں جن کی جانکاری ہم سب کو ہونی چاہیے۔

ا۔ پہلی بات یہ ہے کہ سورج یا چاند گہن ان غیبی امور میں سے نہیں ہے جن کا علم ہمیں ان کے وقوع سے پہلے نہیں ہوسکتا، بلکہ علم ہیئت اور امور فلکیات کے ماہرین، گھنٹے، منٹ اور سیکنڈ کی تعیین کے ساتھ اس کے لگنے کے پہلے ہی سے خبر دے دیتے ہیں اور جس وقت کی وہ خبر دیتے ہیں اس سے ایک منٹ بھی ادھر ادھر نہیں ہوتا۔ علوم فلکیات کے ماہرین کا خیال ہے کہ زمین اور سورج کے بیچ چاند حائل ہوجاتی ہے تو چاند گہن لگتا ہے۔ بہر حال چاند اور سورج گہن کے ظاہری اسباب کچھ بھی ہوں، یہ دونوں اللہ کی نشانیاں ہیں۔ غافل

لوگوں کے لیے یہ ایک عبرت ہے۔ اور اللہ کی طرف سے انہیں یہ تنبیہ ہے کہ وہ اللہ کے عذاب سے نڈر اور بے خوف نہ ہوں، جس طرح چاند اور سورج جیسے اجرام فلکی کو وہ سیاہ اور بے نور کرسکتا ہے اور ان سے اپنی روشنی چھین سکتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ہم سے بھی اپنی نعمتوں کو چھین سکتا ہے۔ جن میں ہم رات دن پل رہے ہیں۔ اور وہ ہماری آنکھوں اور ہمارے دلوں کی روشنی بھی چھیننے پر قدرت رکھتا ہے اور اس بات پر بھی تنبیہ ہے کہ چاند اور سورج اپنی ذات میں خود مختار نہیں بلکہ یہ بھی اللہ کی مخلوق ہیں اور یہ بھی اپنے خالق کے تابع ہیں۔ پھر بھلا عبادت کے لائق یہ کیسے ہوسکتے ہیں؟

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ سورج گہن جب لگتا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو جمع کر کے دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ اس نماز میں قرأت لمبی ہوتی تھی اور رکوع وسجدہ بھی بہت لمبا ہوتا تھا۔ یہ آپ کی سنت ہے۔ اس نماز کے مشروع ہونے پر تمام علمائے اسلام کا اتفاق ہے۔ جمہور علماء اس کے مسنون ہونے کے قائل ہیں۔ یہ نماز عام نمازوں سے قدرے مختلف ہے۔ صحیح روایتوں میں اس نماز میں ہر رکعت میں دو رکوع کا ذکر آیا ہے اور بعض روایتوں میں تین اور بعض میں پانچ رکوع کا تذکرہ ہے۔ ہر رکوع کے بعد آپ دیر تک قرأت کرتے تھے۔ بعض لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ چونکہ آپ نے طویل رکوع کیا تھا اس لیے صحابہ کرام سر اٹھا اٹھا کر یہ دیکھتے تھے کہ آپ کھڑے ہوگئے یا نہیں جس کی وجہ سے بعض صحابہ جو پیچھے تھے یہ سمجھ لیا کہ آپ نے کئی رکوع کیے ہیں۔ لیکن یہ بات ہرگز درست نہیں۔ یہ صحابہ کرام کے متعلق ایک طرح کی بدگمانی ہے اور ان کی توہین وتخفیف ہے۔ بھلا ان پاک نفوس کے متعلق اس طرح کی بات سوچی جاسکتی ہے؟ یہ لوگ آپ کے پیچھے بڑے خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھتے تھے ان کے متعلق یہ سوچنا کہ وہ اس طرح کرتے تھے۔ ہرگز درست نہیں۔

۳۔ تیسری بات یہ ہے کہ اس نماز کا کوئی وقت متعین نہیں۔ اس کا وقت وہی ہے

جب سورج یا چاند گہن لگے۔ خواہ وہ کوئی بھی وقت ہو۔

۴۔ چوتھی بات یہ ہے کہ اس نماز کے لیے نہ اذان دی جاتی ہے اور نہ اقامت کہی جاتی ہے۔ البتہ اس نماز کے لیے لوگوں میں یہ اعلان کیا جا سکتا ہے کہ سورج گہن کی نماز ہونے والی ہے۔ اس کے لیے لوگ مسجد میں جمع ہو جائیں۔

۵۔ یہ نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کی جائے گی۔ اگر کوئی تنہا اسے پڑھ لے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ اس میں عورتیں بھی شریک ہو سکتی ہیں۔ صحابیات اس نماز میں آ کر شریک ہوتی تھیں۔

۶۔ چھٹی بات یہ ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیتے تھے۔ جس میں آپ لوگوں کو صدقہ وخیرات اور توبہ واستغفار پر ابھارتے تھے۔ اس موقع پر آپ لوگوں کو غلام آزاد کرنے کا بھی حکم دیتے تھے۔ اسی طرح ان موقعوں پر آپ لوگوں کو قبر کے عذاب سے پناہ مانگنے کی بھی تلقین فرماتے تھے۔ اور زنا ومعصیت کے کاموں سے بچنے اور ان سے دور رہنے کی تلقین فرماتے تھے۔ یہ چند باتیں ہیں جنہیں اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنی نشانیوں میں غور وفکر کرنے اور ان سے عبرت وموعظت حاصل کرنے کی توفیق مرحمت فرما، اور ہمارے دلوں میں اللہ کی ان عظیم نشانیوں کو دیکھ کر اس کا خوف پیدا ہو، اور اس کی قدرت کاملہ پر ہمارا یقین مستحکم ہو، اور ہم اس کی ناراضگی اور غضب سے ڈریں اور ایسے نیک اعمال کریں جو اس کی رضا اور خوشنودی کا باعث بنیں۔

أقول قولي هذا واستغفر اللّٰه لي ولكم ولسائر المسلمين، فاستغروه إنه هو الغفور الرحيم.

مرنے کے بعد کیا ہوگا؟

پہلا خطبہ:

"إنَّ الحمد للّٰه ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله" أما بعد!

محترم بزرگو اور عزیزو! ہم میں سے بہت لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انسان جب مرجاتا ہے اور قبر میں دفن کردیا جاتا ہے تو وہ گل سڑ کر مٹی میں مل جاتا ہے اور ہمیشہ کے لیے ختم ہوجاتا ہے اور اس کی کوئی چیز باقی نہیں رہتی اور مرنے کے بعد اسے کسی اور چیز کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔

میرے بھائیو! یہ بڑی خطرناک غلطی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان مرنے کے بعد ایک نئی زندگی میں داخل ہوتا ہے۔ یہ زندگی برزخ کی زندگی کہلاتی ہے اور برزخ کے بعد آخرت کی زندگی ہوگی جو ہمیشہ رہے گی کبھی ختم نہ ہوگی۔

مرنے کے بعد جو کچھ پیش آئے گا اسے قرآن حکیم اور احادیث نبویہ میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ آج کے خطبے میں مرنے کے بعد جو جو چیزیں پیش آئیں گی انہیں میں سرسری طور پر بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔ انسان جب مرجاتا ہے اور اسے لے جاکر قبر میں دفن کردیا جاتا ہے تو سب سے پہلے اسے قبر کے فتنے کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

قبر کے تصور سے ہی سے اہل ایمان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے غلام ہانی کا بیان ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ جب کسی قبر کے پاس کھڑے ہوتے تو اتنا روتے کہ آنسوؤں سے آپ کی داڑھی تر ہو جاتی۔ ان سے پوچھا گیا کہ جب جنت اور دوزخ کا ذکر کیا جاتا ہے تو آپ اتنا نہیں روتے جتنا قبر پر کھڑے ہو کر روتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

"إن القبر أول منازل الأخرة، فإن نجامنه أحد فما بعده أيسر منه وإن لم ينج منه فما بعده أشد منه"

"قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔ اگر انسان اس میں نجات پا گیا تو بعد میں آنے والی منزلیں اس سے زیادہ آسان ہوں گی۔ اور اگر وہ اس میں نجات نہ پاسکا تو بعد میں آنے والی منزلیں اس سے زیادہ سخت ہوں گی۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم برابر ہر نماز کے بعد عذاب قبر سے پناہ مانگتے تھے۔ اور یہ دعا پڑھتے تھے:

"اللّٰهم إني أعوذبک من عذاب القبر"

"اے اللہ! میں عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں"۔

اور لوگوں کو بھی آپ اس کی تلقین فرماتے۔ آپ نے فرمایا:

"أيها الناس استعيذ وا باللّٰه من عذاب القبر فإن عذاب القبر حق"

"لوگو! قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ چاہو کیونکہ عذاب قبر برحق ہے"۔

صحیحین میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"إن العبد إذا وضع في قبره وتولى عنه أصحابه وإنه يسمع قرع

نعالهم أتاه ملكان فيقعدانه فيقولان ما كنت تقول في هذا الرجل لمحمد صلى اللّٰه عليه وسلم فأما المؤمن فيقول أشهد أنه عبداللّٰه فيقال له انظر إلى مقعدك من النار قد أبدلك اللّٰه به مقعدا من الجنة فيراهما جميعا. وأما المنافق والكافر فيقال له ما كنت تقول في هذا الرجل فيقول لا أدري كنت أقول مايقول الناس فيقال لا دريت ولا تليت ويضرب بمطارق من حديد ضربة فيصيح صيحة يسمعها من يليه غير الثقلين

”بے شک بندہ جب اپنی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اسے دفنانے والے اس سے پیٹھ پھیر لیتے ہیں، اس وقت وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سن رہا ہوتا ہے، تو دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں، اور اسے بٹھاتے ہیں، پھر اس سے پوچھتے ہیں۔ اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟ مومن کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ تو اس سے کہا جاتا ہے کہ تم جہنم میں اپنے ٹھکانے کو دیکھو۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے تمہیں جنت میں ٹھکانا دیا ہے۔ تو وہ ان دونوں ٹھکانوں کو دیکھتا ہے۔ رہا منافق اور کافر تو اس سے کہا جاتا ہے: تم اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق کیا کہتے ہو؟ وہ کہتا ہے مجھے کچھ پتہ نہیں، میں تو وہی کہتا تھا جو لوگ کہتے تھے۔ تو اس سے کہا جاتا ہے: نہ تو نے جاننے کی کوشش کی اور نہ ہی تو نے قرآن پڑھا۔ پھر اس کو لوہے کے ہتھیار سے اس زور سے مارا جاتا ہے کہ اس کی چیخیں نکل آتی ہیں، جنہیں وہ ساری چیزیں سنتی ہیں جو اس کے قریب ہوتی ہے سوائے انسان اور جنات کے“۔

”صحیح مسلم کی ایک روایت میں حضرت قتادہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سے یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ مومن کی قبر کو ستر ہاتھ تک کشادہ کر دیا جاتا ہے اور قیامت تک کے لیے اس میں نعمتیں اور شادابیاں بھر دی جاتی ہیں“۔

صحیح احادیث میں ہے کہ مومن جوان دونوں فرشتوں کے سوالوں کا صحیح جواب دے

دیتا ہے تو آسمان سے ندا آتی ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا اس کے لیے جنت سے بستر لا کر بچھا دو، اور اسے جنت کا لباس پہنا دو، اور اس کے لیے جنت کا ایک دروازہ کھول دو۔ چنانچہ اس کے پاس جنت کی خوشبو اور نعمتیں آتی رہتی ہیں اور اس کی قبر کو حد نگاہ تک وسیع کر دیا جاتا ہے۔ اس کے برخلاف کافر و منافق جوان دونوں فرشتوں کے سوالوں کا جواب نہیں دے پاتا ہے، تو آسمان سے ایک ندا آتی ہے: اس کے لیے جہنم کا بستر بچھا دو، اور اس کے لیے جہنم کا ایک دروازہ کھول دو۔ چنانچہ اس سے جہنم کی بد بو اور گرم ہوا اس کے پاس آتی رہتی ہے، اور اس کی قبر کو اتنا تنگ کر دیا جاتا ہے کہ اس کی دونوں پسلیاں باہم مل جاتی ہیں۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بنونجار کے ایک باغ میں تھے۔ آپ اپنے خچر پر سوار تھے کہ اچانک خچر بدکنے لگا قریب تھا کہ وہ آپ کو نیچے گرا دے۔ ہمیں وہاں کچھ قبریں نظر آئیں۔ آپ نے پوچھا ان قبر والوں کو تم میں سے کوئی جانتا ہے؟ تو ہم میں سے ایک شخص نے عرض کیا: اللہ کے رسول میں جانتا ہوں۔ آپ نے پوچھا بتاؤ یہ کب فوت ہوتے تھے؟ اس نے کہا کہ شرک کی حالت ہی میں مر گئے تھے۔ تو آپ نے فرمایا:

"إن هـذه ألامة تبتـلـي في قبورها فلو لا أن لا تدافنوا لدعوت الله أن يسمعكم من عذاب القبر الذي أسمع منه". (مسلم: 2867)

"بے شک یہ لوگ اپنی قبروں میں آزمائے رجا رہے ہیں۔ مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ تم مردوں کو دفنانا چھوڑ دو گے، تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ وہ تمہیں قبر کے عذاب کو سنا دے جو میں سنتا ہوں"۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إن الموتي ليعذبون في قبورهم حتى إن البهائم لتسمع أصواتهم"

"بے شک مردوں کو قبروں میں عذاب دیا جاتا ہے۔ یہاں تک چوپائے

آوازیں سنتے ہیں''۔

یادرکھیے، عذاب قبر سے مراد عذاب برزخ ہے جو بھی اس کا مستحق ہوگا اسے یہ عذاب چکھنا پڑے گا۔ خواہ اسے قبر میں دفن کیا جائے، یا آگ میں جلادیا جائے، یادریا میں ڈال دیا جائے، یا کسی درندے نے اسے کھالیا ہو۔ کوئی بھی صورت ہو اسے یہ عذاب پہنچ کر رہے گا۔ اللہ تعالٰی ہر چیز پر قادر ہے۔ اسے کوئی چیز عاجز نہیں کرسکتی ہے۔

لہٰذا میرے بھائیو! ہمیں قبر کے عذاب سے بچنے کی فکر کرنی چاہیے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازے میں تھے، آپ قبر کے کنارے بیٹھے رو رہے تھے، یہاں تک کہ آپ کے آنسوؤں سے سامنے کی مٹی تر ہوگئی۔ پھر آپ نے فرمایا:

"یاإخواني لمثل هذا فاعدوا"

''اے میرے بھائیو! اس طرح کی دن کے لیے تم بھی تیاری کرلو''۔

لہٰذا میرے بھائیو! قبر کی زندگی کے لیے تیاری کرنی چاہیے، اور اس دن کی تیاری ایمان اور عمل صالح کے ذریعہ ہی ہوسکتی ہے۔ قبر میں انسان کے ساتھ اس کا عمل جائے گا۔ اور جیسا اس کا عمل ہوگا اسی کے مطابق اس کے ساتھ سلوک کیا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"يتبع الميت ثلاثة أهله وعمله وماله فيرجع إثنان ويبقي واحد يرجع أهله وماله ويبقي عمله "(متفق عليه)

''میت کے ساتھ اس کے پیچھے تین چیزیں جاتی ہیں: اس کے گھر والے، اس کا عمل اور اس کا مال۔ پھر دو چیزیں واپس لوٹ آتی ہیں اور ایک ہی چیز اس کے ساتھ باقی رہتی ہے، اس کے گھر والے اور اس کا مال واپس آجاتا ہے۔ اور اس کا عمل اس کے ساتھ باقی رہتا ہے''۔

اس لیے اللہ کے بندو! ہم میں سے ہر ایک پر یہ گھڑی آنے والی ہے۔ لہٰذا ہم میں سے کسی کو بھی اس سے غافل نہیں رہنا چاہیے۔ ایمان کے ساتھ ہمیں کثرت سے نیک اعمال کرتے رہنا چاہیے۔ کب ہم پر یہ گھڑی آ جائے، ہم میں سے کسی کو معلوم نہیں۔

میرے بھائیو! قبر میں دفنائے جانے کے بعد اس سے اٹھائے جانے کا مرحلہ پیش آئے گا۔ ہم میں سے بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم مر کر مٹی میں مل جائیں گے، کون ہمیں دوبارہ زندہ کر سکے گا؟

میرے بھائیو! یاد رکھو، وہ ذات ہمیں دوبارہ زندہ کرنے پر پوری طرح قادر ہے جس نے ہمیں پہلی بار بے جان نطفے سے پیدا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ، وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ قَالَ مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ، قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ'' (یاسین: 79-77)

''کیا انسان کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا ہے؟ پھر یکا یک وہ صریح جھگڑالو بن بیٹھا۔ اور وہ ہمارے لیے مثال بیان کرنے لگا اور اپنی (اصل) پیدائش کو بھول گیا، کہنے لگا ان گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے؟ آپ کہہ دیجیے کہ انہیں وہ زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے، جو سب طرح کی پیدائش کا بخوبی جاننے والا ہے''۔

قبروں سے اٹھائے جانے کے بعد سارے لوگ میدان حشر میں جمع کیے جائیں گے۔ اور اللہ کے سامنے حساب و کتاب کے لیے پیش کیے جائیں گے۔

ارشاد باری ہے:

''وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُم مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ

يَنْسِلُوْنَ "(یاسین:51)

"تو صور کے پھونکے جاتے ہی سب کے سب اپنی قبروں سے اپنے پروردگار کی طرف (تیز تیز) چلنے لگیں گے"۔

میدان محشر میں لوگ ننگے بدن، ننگے پاؤں اور غیر مختون جمع کیے جائیں گے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

"يحشر الناس يوم القيامة حفاة عراة غرلا قلت يا رسول الله النساء والرجل جميعا ينظر بعضهم إلى بعض؟قال : ياعائشة الأمر أشد أن ينظر بعضهم إلى بعض"(مسلم)

"قیامت کے دن لوگ ننگے پاؤں، ننگے بدن اور غیر مختون حالت میں جمع کیے جائیں گے۔ میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول! مرد اور عورت سب ایک دوسرے کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! اس روز کا معاملہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے سے کہیں زیادہ سخت ہوگا"۔

مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ میدانِ محشر کی طرف جاتے وقت لوگوں کے تین گروہ ہوں گے ایک گروہ سواروں کا ہوگا، دوسرا گروہ پیدل چلنے والوں کا ہوگا، اور تیسرا گروہ ان لوگوں کا ہوگا جو اوندھے منہ گھسیٹے جائیں گے۔

اس روایت میں ہے:

"تأتون يوم القيامة وعلى وجوهكم الفدام أول ما يعرب عن أحدكم فخذه"

"تم قیامت کے دن اس حال میں آؤ گے کہ تمہارے منہ بند کر دیے گئے ہوں گے اور سب سے پہلے تمہاری ران تمہارے بارے میں بیان دے گی"۔ (اس روایت کی سند

حسن ہے)

قرآن کریم نے اس وقت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

''وَلَا يَسْأَلُ حَمِيمٌ حَمِيماً، يُبَصَّرُونَهُمْ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيهِ،وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ،وَفَصِيلَتِهِ الَّتِيْ تُؤْوِيهِ،وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعاً ثُمَّ يُنجِيهِ، كَلَّا إِنَّهَا لَظَى،نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى''(المعارج:16-10)

''اور کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا (حالانکہ) ایک دوسرے کو دیکھائے جائیں گے۔ گناہ گار اس دن کے عذاب کے بدلے فدیے میں اپنے بیٹوں کو، اپنی بیوی کو، اپنے بھائی کو، اپنے کنبے کو جو اسے پناہ دیتا تھا۔ اور روئے زمین کے سب لوگوں کو دینا چاہے گا تاکہ یہ اسے نجات دلا دے ۔ (مگر) ہر گز یہ نہ ہوگا، یقیناً وہ شعلہ والی (آگ) ہے''۔

لوگو! ہم میں سے ہر ایک اپنے اپنے عمل کے مطابق پسینے میں ڈوبا ہوگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''یکون الناس علی قدر أعمالهم في العرق، فمنهم من یکون إلی کعبیه، ومنهم من یکون إلی رکبتیه ومنهم من یکون إلی حقویه، ومنهم من یلجمه العرق إلجاما، قال وأشار رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بیده إلی فیه''

''لوگ اپنے اعمال کے مطابق پسینے میں ڈوبے ہوں گے۔ ان میں سے کسی کا پسینہ اس کے ٹخنوں تک ہوگا، کسی کا اس کے گھٹنوں تک، کسی کا اس کی کوکھ تک اور کسی کا پسینہ اسے لگام پہنا رہا ہوگا۔ راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منہ کی طرف اشارہ کیا، یعنی اس کے منہ تک پسینہ ہوگا''۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے:

"إن العرق يوم القيامة ليذهب في الأرض سبعين باعا وإنه ليبلغ إلى أفواه الناس أو آذانهم" (مسلم:2863)

قیامت کے دن پسینہ زمین میں ستر ہاتھ تک جائے گا اور وہ لوگوں کے منہ اور ان کے کانوں تک پہنچ رہا ہوگا۔

اس دن ہر ایک کی اللہ کے سامنے الگ الگ پیشی ہوگی۔

ارشاد باری ہے:

"وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ" (الأنعام:94)

"اور تم ہمارے پاس تنہا تنہا آگئے جس طرح ہم نے اول بار تم کو پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تم کو دیا تھا اس کو اپنے پیچھے ہی چھوڑ آئے اور ہم تو تمہارے ہمراہ تمہارے ان شفاعت کرنے والوں کو نہیں دیکھتے جن کی نسبت تم دعویٰ رکھتے تھے کہ وہ تمہارے معاملے میں شریک ہیں۔ واقعی تمہارے آپس میں تو قطع تعلق ہو گیا اور وہ تمہارا دعویٰ سب تم سے گیا گزرا ہوا"۔

"لَا يَتَكَلَّمُوْنَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا" (النبأ:38)

"کوئی کلام نہ کر سکے گا مگر جسے رحمٰن اجازت دے دے اور وہ ٹھیک بات زبان سے نکالے"۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

"يقبض الله الأرض يوم القيامة ويطوي السمآء بيمينه ثم يقول أنا الملك أين ملوك الأرض؟" (مسلم)

"قیامت کے روز اللہ تعالیٰ زمین کو اپنی مٹھی میں لے لے گا، اور آسمان کو اپنے دائیں

ہاتھ میں لپیٹ لے گا، پھر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں، کہاں ہیں زمین کے بادشاہ؟"

عبداللہ بن عمر کی روایت میں ہے:

"یطوي السمآء یوم القیامة ثم یأخذ هن بیده الیمنی ثم یقول أنا الملک أین الجبارون أین المتکبرون؟"

"اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آسمان کو لپیٹ کر اپنے دائیں ہاتھ میں لے لے گا، اور فرمائے گا: میں ہوں بادشاہ، کہاں ہیں ظلم وسرکشی کرنے والے، اور کہاں ہیں تکبر کرنے والے؟"

اس دن آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گے۔

ارشاد باری ہے:

"إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ (42) مُهْطِعِينَ مُقْنِعِي رُءُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ" (ابراہیم:43-42)

"ناانصافوں کے اعمال سے اللہ کو غافل نہ سمجھ وہ تو انہیں اس دن تک مہلت دیے ہوئے ہے جس دن آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ وہ اپنے سر اوپر اٹھائے دوڑ بھاگ کر رہے ہوں گے، خود اپنی طرف بھی ان کی نگاہیں نہ لوٹیں گی اور ان کے دل خالی اور اڑے ہوئے ہوں گے"۔

اس دن دل حلق تک پہنچ جائیں گے۔ ارشاد باری ہے:

"وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْآزِفَةِ إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كَاظِمِينَ مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ" (غافر:18)

"اور انہیں بہت ہی قریب آنے والی (قیامت سے) آگاہ کر دیجیے، جب کہ دل حلق تک پہنچ جائیں گے اور سب خاموش ہوں گے، ظالموں کا نہ کوئی دلی دوست ہوگا نہ سفارشی، کہ جس کی بات مانی جائے"۔

سارے لوگ اللہ کے سامنے پیش ہوں گے۔ان کی کوئی بھی چیز اس سے پوشیدہ نہ ہوگی۔

''لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ''(غافر:16)

''ان کی کوئی چیز اللہ سے پوشیدہ نہ رہے گی''۔

اللہ تعالیٰ حساب لینا شروع کرے گا۔عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''لاتزول قدما ابن آدم يوم القيامة من عندربه حتى يسأل عن خمس، عن عمره فيما أفناه، وعن شبابه فيما أبلاه، وعن ماله من أين اكتسبه وفيما أنفقه، وماذا عمل فيما علم.''

''قیامت کے دن پانچ چیزوں کے بارے میں سوال سے پہلے کسی بندے کے قدم اپنے رب کے پاس سے ٹل نہیں سکیں گے۔اس کی عمر کے بارے میں کہ اس نے اسے کہاں کھپایا،اس کی جوانی کے بارے میں کہ اس نے اسے کہاں گزارا،اس کے مال کے بارے میں کہ اس نے اسے کہاں کمایا اور کہاں خرچ کیا اور اس کے علم کے بارے میں کہ اس نے اس پر کہاں تک عمل کیا؟''

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ایک کافر قیامت کے دن بلایا جائے گا، اس سے پوچھا جائے گا کہ اگر تجھے زمین بھر کے سونا مل جائے تو کیا فدیہ میں دے کر اپنی جان چھڑا لینا چاہے گا؟ وہ جواب دے گا۔ہاں،تو اس سے کہا جائے گا: تجھ سے تو اس سے زیادہ آسان چیز کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ایک روایت میں ہے کہ اللہ اس سے کہے گا کہ میں نے تو تجھ سے اس سے زیادہ آسان چیز کا مطالبہ کیا تھا جب تو آدم کی پشت میں تھا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک مت کرنا۔لیکن تو نہیں مانا شرک کرتا رہا''۔(متفق علیہ)

ایک روایت میں ہے:

''ما منكم أحدإلا سيكلمه ربه ليس بينه وبينه ترجمان فينظر أيمن

منه فلايرىٰ إلا ماقدم من عمله وينظر أشأم منه فلا يرىٰ إلا ماقدم وينظر بين يديه فلا يرىٰ إلاالنار تلقاء وجهه فاتقوا النار ولو بشق تمرة ولو بكلمة طيبة" (بخاری)

''عنقریب تمہارا رب تم میں سے ہر ایک سے ہم کلام ہوگا۔ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہوگا۔ وہ اپنے دائیں جانب دیکھے گا، تو اسے اس کا وہ عمل ہی نظر آئے گا جسے اس نے اپنے آگے بھیجا ہے اور اپنے بائیں جانب دیکھے گا تو ادھر بھی اس کا وہی عمل ہی نظر آئے گا جسے اس نے آگے بھیجا ہے اور اپنے سامنے دیکھے گا، تو اسے جہنم کی آگ نظر آئے گی۔ لہٰذا تم جہنم کی آگ سے بچو۔ اگر چہ کھجور کے آدھے خوشے کا صدقہ کر کے ہی سہی۔ اور ایک روایت میں ہے اگر چہ ایک اچھی بات ہی کہہ کر سہی''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''إن أول مايحاسب به العبد يوم القيامة من عمله الصلاة فإن صلحت فقد أفلح وأنجح، وأن فسدت فقد خاب وخسر ولو انتقص لمن فريضة قال الرب: أنظروا هل لعبدي من تطوع فيكمل بها ما أنتقص من الفريضة ثم يكون سائر عمله على ذلك"

''قیامت کے دن بندے کے اعمال میں سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا۔ اگر نماز ٹھیک نکلی تو وہ کامیاب وکامران ہوگا۔ اگر خراب نکلی تو وہ خائب وخاسر ہوگا۔ اگر فرض نماز میں کوئی کمی پائی گئی، تو اللہ تعالیٰ کہے گا: دیکھو کیا میرے بندے نے کچھ نفل پڑھی ہے؟ تو نفلی کے ذریعہ فرض نمازوں کی کمی پوری کی جائے گی۔ اسی طرح سارے اعمال کا حساب لیا جائے گا''۔

اللہ تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ بندوں کے حقوق کا بھی حساب ہوگا۔ اللہ کے رسول

صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''من مات وعليه دينار أو درهم قضى من حسناته ليس ثم دينار ولا درهم''

''جو شخص اس حالت میں مرا ہوگا کہ اس کے ذمہ کسی کے دینار یا درہم ہوں گے تو قیامت کے دن اس کی نیکیوں سے اسے ادا کیا جائے گا۔ کیونکہ وہاں دینار اور درہم نہیں ہوں گے''۔

مسلم کی روایت میں ہے کہ ایک بار اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''أتدرون ما المفلس؟''

''کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے''؟

صحابہ نے جواب دیا:

''المفلس من لا درهم ولا متاع''

''ہم میں مفلس وہ ہے جس کے پاس نہ درہم ہو اور نہ کوئی ساز وسامان ہو''۔

آپ نے فرمایا:

''إن المفلس من أمتي من يأتي يوم القيامة بصلاة وصيام وزكاة ويأتي قد شتم هذا، وقذف هذا، وأكل مال هذا، وسفك دم هذا، وضرب هذا، فيعطي هذا من حسناته، وهذا من حسناته، فإن فنيت حسناته قبل أن يقضي ما عليه أخذ من خطاياهم، فطرحت عليه ثم طرح في النار''(مسلم:2581)

''میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز اور روزے اور زکاۃ لے کر آئے گا۔ اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر بہتان باندھا ہوگا، کسی کا مال ہڑپ لیا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا، اور کسی کو مارا ہوگا، پس ان میں سے ہر ایک کو اس کے حق کے بقدر

اس کی نیکیاں دے دی جائیں گی۔ اور اگر ان کے حقوق پورے ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں تو ان کے گناہ اس کی گردن پر ڈال دیا جائے گا۔ پھر اسے جہنم میں گھسیٹ کر ڈال دیا جائے گا''۔

میرے بھائیو! آپ تصور کر سکتے ہیں کہ یہ مرحلہ کتنا سخت ہوگا۔ اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''حاسبوا قبل أن تحاسبوا''

''لوگو! اپنا حساب خود ہی کر لو اس سے پہلے کہ تمہارا حساب کیا جائے''۔

یہ محاسبہ یہ ہے کہ ہم اپنے گناہوں سے دنیا ہی میں توبہ کر لیں اور اللہ کے حقوق کے ساتھ بندوں کے حقوق کی بھی ادائیگی کا خیال رکھیں۔

میرے بھائیو! اپنا محاسبہ خود کرو اور دیکھتے رہو کہ قبر کے فتنہ اور عذاب سے بچنے کے لیے اور میدانِ محشر میں اللہ کے سامنے پیش ہونے اور اپنے اعمال کا حساب دینے کے لیے کیا تیاری کر رہے ہو؟ یاد رکھو، موت ہماری گھات میں ہے۔ اس کے آ جانے کے بعد عمل کا کوئی موقع باقی نہیں رہے گا۔ اللہ ہم سب کو اس دن کے لیے تیاری کی اور زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کی توفیق دے۔ اور ہمیں ایسے اعمال سے محفوظ رکھے جو قیامت کے دن اللہ کی ناراضگی کا باعث بنیں گے۔

''اللّٰھم إني أعوذ بک من عذاب القبر وفتنة المحیا والممات، وآخر دعوانا أن الحمد للّٰه رب العالمین''

دوسرا خطبہ:

''إنَّ الحمد للّٰه ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا

هادی لہ، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشریک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله" أما بعد!

حساب وکتاب کے بعد لوگوں کے نامۂ اعمال کو ان کے ہاتھوں میں دیے جانے کا مرحلہ آئے گا۔ یہ مرحلہ مجرموں کے لیے کتنا سخت ہوگا، قرآن نے اس کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

"وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يَا وَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً إِلَّآ أَحْصَاهَا وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِراً وَّلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَداً" (الکھف:49)

"اور نامۂ اعمال سامنے رکھ دیئے جائیں گے۔ پس تو دیکھے گا کہ گنہگار اس کی تحریر سے خوفزدہ ہو رہے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے ہائے ہماری خرابی یہ کیسی کتاب ہے جس نے کوئی چھوٹا بڑا بغیر گھیرے کے باقی ہی نہیں چھوڑا، اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا سب موجود پائیں گے اور تیرا رب کسی پر ظلم وستم نہ کرے گا"۔

یہ وہ وقت ہوگا جب لوگ دو حصوں میں بٹ جائیں گے۔ کچھ لوگ وہ ہوں گے جن کا نامۂ اعمال ان کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ یہ خوشی کے مارے لوگوں سے کہتے پھریں گے:

"هَاؤُمُ اقْرَؤُوْا كِتَابِيَهْ، إِنِّيْ ظَنَنْتُ أَنِّيْ مُلَاقٍ حِسَابِيَهْ" (الحاقۃ:19-20)

"لو میرا نامۂ اعمال پڑھو۔ مجھے تو کامل یقین تھا کہ مجھے اپنا حساب ملنا ہے"۔

اور کچھ لوگ وہ ہوں گے جن کا نامۂ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ وہ مارے افسوس کے کہیں گے:

"يَا لَيْتَنِيْ لَمْ أُوْتَ كِتَابِيَهْ، وَلَمْ أَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ، يَا لَيْتَهَا كَانَتِ

الْقَاضِيَةَ،مَآ أَغْنٰى عَنِّىْ مَالِيَهْ،هَلَكَ عَنِّىْ سُلْطَانِيَهْ''(الحاقہ:29-25)

''کاش کہ مجھے میری کتاب دی ہی نہ جاتی۔ اور میں جانتا ہی نہ کہ حساب کیا ہے؟ کاش! کہ موت (میرا) کام ہی تمام کر دیتی۔ میرے مال نے بھی مجھے کچھ نفع نہ دیا۔ میرا غلبہ بھی مجھ سے جاتا رہا''۔

نامۂ اعمال پا لینے کے بعد سارے لوگوں کو پل صراط سے گزرنا ہوگا۔

ارشاد باری ہے:

''وَإِنْ مِّنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا''(مریم:71)

''تم میں سے ہر ایک وہاں ضرور وارد ہونے والا ہے، یہ تیرے پروردگار کے ذمے قطعی، فیصل شدہ امر ہے''۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''ثم يؤتى بالجسر فيجعل بين ظهري جهنم، قلنا يارسول الله! وما الجسر قال مدحضة مزلة عليه خطاطيف وكلاليب وحسكة مفلطحة لهاشوكة عقيفة تكون بنجد يقال لها السعدان يمر المؤمن عليها كالطرف وكالبرق وكالريح وكأجاويد الخيل والركاب فناج مسلم وناج مخدوش ومكدوس في نار جهنم حتى يمر آخرهم يسحب سحبا''(بخاری)

''پھر پل کو لایا جائے گا۔ ہم نے پوچھا اللہ کے رسول! پل کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ گرنے اور پھسلنے کی جگہ ہوگی، جس میں آنکس اور آنکڑے ہوں گے۔ چوڑے چوڑے کانٹے ہوں گے ان کے سر سعدان کے خم دار کانٹوں کی طرح ہوں گے، جو نجد میں ہوتے ہیں۔ مومن اس پر سے پلک جھپکنے کے مانند بجلی کی طرح، ہوا کی طرح تیز رفتار گھوڑے کی طرح گزر جائیں گے۔ ان میں سے بعض تو صحیح سلامت نجات پانے والے

ہوں گے اور بعض جہنم کی آگ سے جھلس کر بچ نکلنے والے ہوں گے۔ یہاں تک کہ آخری شخص اس پر سے گھسٹتا ہوا گزرے گا''۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے، وہ بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہوگا۔ اس پل پر سے سب کو گزرنا ہوگا۔ کافر و مشرک اس پل کو پار نہیں کر سکیں گے۔ وہ جہنم میں گر جائیں گے۔ جو لوگ اس پل کو پار کر جائیں گے، وہ مومن ہوں گے۔ اس پل سے گزرنے کے بعد مومنوں کے لیے حقوق العباد کے قصاص کا ایک مرحلہ پیش آئے گا۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''يخلص المؤمنون من النار فيحسبون على قنطرة بين الجنة والنار فيقتص بعضهم من بعض مظالم كانت بينهم في الدنيا حتى إذا هذبوا نقوا أذن لهم في دخول الجنة''

''مومن جو پل صراط پار کر لیں گے، اور جہنم سے بچا لیے جائیں گے، انہیں جنت اور جہنم کے درمیان ایک پل کے پاس روک لیا جائے گا اور ان کے حقوق کا فیصلہ لیا جائے گا، جو دنیا میں ان کے درمیان تھے۔ یہاں تک کہ انہیں گناہوں اور بندوں کے حقوق سے بالکل صاف اور بری کر دیا جائے گا۔ اور جب وہ قصاص دے کر ایک دوسرے کے حقوق سے بری ہو جائیں گے، تب انہیں جنت میں داخلے کی اجازت ملے گی۔

میرے بھائیو! مرنے کے بعد جو مراحل پیش آنے والے ہیں، ان کی چند جھلکیاں اختصار کے ساتھ ہم نے آپ کے سامنے رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اب آپ بتائیں کیا جنہیں ان باتوں کا یقین ہو وہ ایک لمحے کے لیے ان سے غافل رہ سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں!

لہٰذا اے میرے بھائیو! گناہوں سے باز آ جاؤ اور اللہ کے حضور خالص توبہ کرو اور ان کاموں کی طرف تیزی سے دوڑو جو فتنوں اور میدان محشر کی ہولناکیوں سے اور جہنم کے دردناک عذاب سے تمہیں بچا سکیں۔

نئے سال ہجری کی آمد

پہلا خطبہ:

"إنَّ الحمد للّٰه ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادى له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله"

أما بعد فإن خير الحديث كتاب اللّٰه، وخير الهدي هدي محمد صلى اللّٰه عليه وسلم، وشرالأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة و كل ضلالة في النار.

وقد قال اللّٰه عزوجل: أعوذ باللّٰه من الشيطان الرجيم:

''يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ إِنَّ فِىْ ذٰلِکَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْأَبْصَارِ ''(النور:44)

''اللہ تعالیٰ ہی دن اور رات کو ردوبدل کرتا رہتا ہے، آنکھوں والوں کے لیے تو اس میں یقیناً بڑی بڑی عبرتیں ہیں''۔

حاضرین گرامی! رات ودن اور ماہ وسال کی آمد ہمیں ہماری مدت حیات کے ختم ہونے اور دار فانی سے دار بقا کی طرف رحلت کر جانے کا پتہ دیتی ہے۔ دنیا کی اس زندگی میں کسی شے کو ثبات وقرار نہیں۔ حالات بدلتے رہتے ہیں۔ اشیاء میں تغیر رونما ہوتا ہے۔

ہماری یہ زندگی چند روزہ ہے۔ رات و دن کی آمد کے ساتھ زندگی دیکھتے دیکھتے گزر جاتی ہے اور موت کے وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں چند سانسیں ہی لے سکے اور چل چلاؤ کا وقت آ گیا۔ عمر طبعی بھی ساٹھ ستر سال کے درمیان ہے۔ اسی اور نوے سال کی عمر تو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے اور پھر یہ مدت بھی بہت قلیل ہے۔ نوح علیہ السلام سے جو ساڑھے نوسو سال تک اپنی قوم میں دعوت و تبلیغ کرتے رہے، کہا گیا کہ آپ نے اس دنیا کی زندگی کو کیسا پایا؟ فرمایا: اس شخص کی طرح جو ایک دروازہ سے داخل ہوا اور دوسرے دروازہ سے نکل گیا ہو۔

بہر حال ہماری زندگی کے جو صبح و شام گزرتے ہیں وہ ہمیں دنیا سے دور اور آخرت سے قریب کرتے ہیں۔ پھر قابل مبارک باد ہے وہ انسان جو اپنی مختصر سی مدت حیات کو غنیمت جان کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی بجالائے اور عبرت و موعظت کے رونما ہونے والے واقعات سے نصیحت حاصل کرے۔ اور بدنصیب ہے وہ شخص جو فرصت کے اوقات کو لہو و لعب اور غفلت کی نذر کر دے۔ یہاں تک کہ موت اس کے سینے پر دستک دینے لگے اور وہ کف افسوس ملتے ہوئے دار فانی کو الوداع کہے اور اپنی نافرمانیوں پر اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ سزاؤں کا مستحق ٹھہرے۔ (والعیاذ باللہ) یقیناً بہتر انسان وہ ہے جس کی عمر طویل ہو اور اسے نیکیوں کی توفیق بھی حاصل ہو لیکن جس کی عمر لمبی ہو اور وہ بدعملیوں میں بڑھتا چلا جائے تو وہ بڑا بدنصیب اور نہایت برا شخص ہے۔

بزرگو اور دوستو! ہم سے ایک سال ہجری ابھی رخصت ہو گیا، اس کے شب و روز گزر گئے، اس کے صحیفے ہمارے اعمال خیر و شر کے ساتھ لپیٹ دیے گئے۔ گزرے ہوئے ایام نہ پلٹ سکتے ہیں اور نہ ہی ہم اپنی کوتاہیوں کی اب تلافی کر سکتے ہیں۔ اگر نیا سال اور اس کے ایام ہمیں نصیب ہوں اور ہم اس کا استقبال توبہ و استغفار اور انابت الی اللہ کے ذریعہ کریں تو فوت شدہ اعمال اور اوقات کا تدارک ممکن ہے۔ معلوم نہیں جو سال گزر گیا

اس کے متعلق اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہے۔ اور نہ یہ معلوم ہے کہ اس نئے سال میں وہ ہمارے سلسلہ میں کیا فیصلہ کرنے والا ہے، ہم میں کوئی نہیں جانتا کہ وہ اس نئے سال کو مکمل بھی کر پائے گا یا اس کے اختتام سے قبل موت اس کا خاتمہ کر دے گی۔ موت تو اچانک آتی ہے تو جو کوئی موت آنے سے قبل موت کی تیار کر لیتا ہے وہی خوش بخت اور توفیق الٰہی سے بہرہ ور ہے۔ ورنہ عام لوگ تو غفلت و بے حسی کی دبیز چادر اوڑھے ہوئے ہیں۔ نہ انہیں موت کا ڈر ہے نہ آخرت کے عذاب کا خوف ہے۔ سفر زندگی کے مراحل طے ہوتے جا رہے ہیں، صحائف اعمال لپیٹے جا رہے ہیں اور ہر قدم قبر کی طرف بڑھتا جا رہا ہے مگر غفلت و بے حسی ہے کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتی۔ ہمیں اپنا محاسبہ کرنا چاہیے کہ ہم نے سال گزشتہ کیا اچھا کیا اور کیا برا کیا۔

اگر اچھائیاں نظر آئیں تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کریں اور خیر کی راہ پر گامزن رہیں، نیکیاں کرتے رہیں یہاں تک کہ ایمان وعمل کی راہ پر ہوتے ہوئے ہم موت کو گلے لگائیں۔ اور اگر ہمارا سال شر و فساد کے کاموں میں گزر گیا تو سچی توبہ کریں اور زندگی کے باقی ماندہ ایام فوت ہو جانے سے قبل تلافی مافات ضرور کر لیں۔

میمون بن مہران رحمہ اللہ کا قول ہے:

"لاخير في الحياة إلا لتائب أو رجل يعمل في الدرجات"

"زندگی میں کوئی بھلائی نہیں ہے، مگر توبہ کرنے والے کے لیے یا اس شخص کے لیے جو بلند درجات کے حصول کی خاطر عمل کرتا ہے"۔

یعنی توبہ کرنے والا سچی توبہ کے ذریعہ سابقہ گناہوں کو مٹا لیتا ہے اور عامل بلندی درجات کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ ان دو قسم کے علاوہ جو لوگ ہیں وہ گھاٹے میں ہیں۔ بہر حال جو چیز انسان کے توبہ کرنے اور اعمال صالحہ بجالانے میں معاون بنتی ہے وہ ہمیشہ موت کی یاد ہے۔ جیسا کہ رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری رہنمائی فرمائی ہے:

"أكثروا ذكر هاذم اللذات يعني الموت" (رواه الترمذی باسناد صحیح عن ابن عمر)

"لذتوں کو ختم کر دینے والی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو"۔

جو کوئی اپنی موت کو یاد کرتا ہے وہ تنگی میں بھی کشادگی اور کشادگی میں بھی تنگی محسوس کرتا ہے۔ موت اسے محاسبۂ نفس اور اصلاح وتقویٰ کے کاموں پر آمادہ کرتی ہے، شہوت اور خواہشات نفس کے پیچھے لگنے سے روکتی ہے۔ بعض سلف کا قول ہے: "من أكثر ذكر الموت أكرم ثلاث...... الخ"

"جو کثرت سے موت کو یاد کرتا ہے تین چیزوں سے بہرہ ور ہوتا ہے:

۱۔ جلد توبہ کر لیتا ہے۔

۲۔ قلب کو قناعت حاصل ہوتی ہے۔

۳۔ عبادتوں کی ادئیگی میں چاق وچو بند ہو جاتا ہے۔ اور جو اپنی موت کو بھلا بیٹھا ہے اسے تین طرح کے مصائب سے دو چار ہونا پڑتا ہے:

۱۔ توبہ میں ٹال مٹول۔

۲۔ بقدر ضرورت ملنے والی روزی پر بے اطمینانی۔

۳۔ عبادت میں سستی وکاہلی۔

اللہ کے بندو! اہل بصیرت اور اللہ کی تائید وتوفیق سے بہرہ ور بندے دنیا کی حقیقت اور اس کی بے ثباتی کو خوب اچھی طرح سمجھتے ہیں اس لیے اس کی طرف زیادہ دھیان نہیں دیتے، دنیا کو پس پشت ڈال دیتے ہیں، موت انہیں نجات کی راہ چلنے، اطاعت وبندگی کو لازم پکڑنے اور معصیت وضلالت سے بچنے پر ابھارتی ہے۔ بقول حسن بصری رحمہ اللہ:

"إن الموت قد فضح الدنيا فلم يدع لذي لب بها فرحا"

"موت نے دنیا کو اس قدر رسوا اور بے وقعت کر دیا ہے کہ عقل مند آدمی کو اس سے

کوئی خوشی نہیں ہوتی"۔

لہٰذا ہم کیوں نہ دنیوی نعمتوں کے مقابلہ میں ایسی نعمت تلاش کریں جس پر موت اور زوال کا سایہ بھی نہیں پڑسکتا۔ یقیناً اہل جنت موت سے مامون ومحفوظ دائمی لذتوں میں ہوں گے۔ لہٰذا ہم اپنی موت سے قبل موت کی تیاری کریں اور موت کے بعد کے شدائد اور خوفناک حالات کے لیے توشہ اختیار کریں۔ یقین جانئے ہر مرنے والا شخص نادم وپشیمان ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

"ما من أحد يموت إلا ندم، قالو: وما ندامته يارسول اللّٰه؟ قال إن كان محسنا ندم أن لايكون ازداد، وإن كان مسيئا ندم أن لايكون نزع"(رواه الترمذی وغيره عن أبی هريرة)

"ہر مرنے والا لازماً ندامت وشرمندگی کا اظہار کرتا ہے، صحابہ نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول! اس کو ندامت کیوں ہوتی ہے؟ فرمایا اگر وہ نیک ہوتا ہے تو ندامت اس بات کے لیے ہوتی ہے کہ اس نے مزید نیکیاں کیوں نہ کیں، اور اگر بدعمل ہوتا ہے تو نادم ہوتا ہے کہ کیوں نہ بدعملیوں سے باز رہا، کیوں نہ اچھے عملوں کے لیے تگ ودو کی۔

قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ:

کوتاہیاں کرنے والا اپنے اہل وعیال کی طرف لوٹنے یا دنیا سمیٹنے اور شہوات کی تکمیل کے لیے تمنا اور آرزو نہیں کرتا۔ وہ اس بات کی تمنا کرتا ہے کہ دنیا میں دوبارہ لوٹ کر آ تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت وبندگی بجالا۔ مگر موت کے آثار ظاہر ہونے یا مرنے کے بعد اس قسم کی آرزوئیں محض بےکار ہیں۔

اس دنیا کی زندگی میں لوگوں کا عجیب حال ہے، کتنے ہی غافل ہیں جنہیں موت تلاش کررہی ہے، کتنے ہی لاپرواہی ہیں جنہیں ابھی صحت وعافیت نصیب ہے جو جوانی کی طاقت، مالداری اور قوت پر شاداں وفرحاں نظر آرہے ہیں۔ شاید انہیں قوت کے بعد

حاصل ہونے والے ضعف اور عزت کے بعد ملنے والی ذلت کا احساس وشعور بھی نہیں ہے۔ آئے دن ہنستا کھیلتا جیون، عیش وعشرت میں ڈوبی ہوئی زندگی اچانک موت اور ہلاکت سے دوچار ہوتی ہے۔ صحت مند آدمی اچانک لاعلاج مرض سے دوچار ہو جاتا ہے۔ ایک طرف اموال اور اونچے محلات چھوڑنے کا غم لاحق ہے، دوسری طرف اولاد کے ضیاع کا خوف ستا رہا ہے، بیماری ہے کہ ختم ہونے کا نام نہیں لیتی، ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہے، اب حسرت وندامت کے آنسو بہانے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ ایسے حالات کا روز انسان اپنے گرد وپیش میں مشاہدہ کرتا ہے مگر ہوش کے ناخن نہیں لیتا، دوسروں سے عبرت ونصیحت حاصل نہیں کرتا۔ کیا پتہ ہمیں بھی ایسے ہی حالات سے دوچار ہونا پڑے۔ بغیر کسی سابق مرض اور تکلیف کے موت یکبارگی ٹوٹ پڑے اور بغیر کسی مہلت اور انتظار کے ہمیں اپنی آغوش میں لے لے اور ہم اپنی لمبی چوڑی آرزوئیں اور بے تحاشہ مال ومتاع چھوڑ جائیں۔

”وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ“(قٓ:19)

”اور موت کی بے ہوشی حق لے کر آ پہنچی یہی ہے جس سے تو بدکتا پھرتا تھا“۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ“(ق:22)

”یقیناً تو اس سے غفلت میں تھا لیکن ہم نے تیرے سامنے پردہ ہٹا دیا پس آج تیری نگاہ بہت تیز ہے“۔

کاش ایسی ہی تیز نظر دنیا میں ہوتی تو اپنی آخرت اور اس کے انجام سے بے خبر نہ رہتا۔

’اللّٰھم سلم ، اللھم سدد“

بھائیو اور دوستو! آج عمل ہے حساب نہیں، کل حساب ہوگا عمل نہیں۔ جو وقت کوتاہیوں کی نذر ہو گیا اس کی تلافی کی جائے، بقیہ زندگی کو جس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے کہ کس کی کتنی زندگی باقی ہے اسے نیکی کے کاموں میں لگایا جاتا کہ خاتمہ بالخیر نصیب ہو۔ لہٰذا یوم الحساب اور بڑی پیشی کے لیے خود تیاری کی جائے۔

"یَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰی مِنْكُمْ خَافِيَةٌ "(الحاقۃ:18)

"اس دن تم سب سامنے پیش کیے جاؤ گے، تمہارا کوئی بھید پوشیدہ نہ رہے گا"۔

پھر اعمال کے لحاظ سے نامۂ اعمال دائیں یا بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

آیئے، ارشاد نبوی کے مطابق موت سے قبل زندگی کو، بڑھاپے سے قبل جوانی کو، مشغولیت سے قبل فرصت کے میسر لمحات کو، بیماری سے قبل صحت کو اور فقیری سے پہلے مالداری کو غنیمت سمجھیں۔ نئے سال ہجری کا نیک نیتوں اور سچے ارادوں سے استقبال کریں۔ زندگی کا ایک نیا صفحہ اور ایک نیا باب یہاں سے شروع کریں جو (ان شاء اللہ) گناہوں کے سیاہ دھبوں سے صاف ستھرا رہے گا اور اس میں توبہ، اللہ تعالیٰ کی طرف رجعت اور واپسی، صلاح و تقویٰ کے کاموں سے محبت، اللہ کے دین کی نصرت وحمایت جیسے اچھے اور صالح اعمال کے لیے ہی جگہ رہی گی۔

"اللّٰهم اجعل الحياة زيادة لنافي كل خير واجعل الموت راحة من كل شر"

"بھائیو! خالص اور سچی توبہ سے تمام گناہ مٹ جاتے ہیں۔ بندوں کے گناہ چاہے جتنے ہوں، آسمان کی بلندی کو کیوں نہ چھو لیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مغفرت اس سے بہت زیادہ وسیع ہے۔

ارشاد باری ہے:

"وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكَاةَ

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيَاتِنَا يُؤْمِنُوْنَ" (الأعراف:156)

"اور میری رحمت تمام اشیاء پر محیط ہے۔ تو وہ رحمت ان لوگوں کے نام ضرور لکھوں گا جو اللہ سے ڈرتے ہیں"۔

جو شرک و معصیت سے اجتناب کرتے ہیں، نیکی کی راہ پر گامزان رہتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت کے حقدار ہوتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کو بندہ کی سچی توبہ سے اس مسافر سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے جس کی سواری تمام تر سامان سفر اور زادراہ کے ساتھ چٹیل میدان میں گم ہو جائے اور آدمی تھک ہار کر ایک درخت کے سایہ میں سو جائے کہ اسے موت ہی کا انتظار ہے۔ اتنے میں جب اس کی آنکھ کھلے تو اپنی سواری کو سامانوں سے لدی پھدی اپنے سامنے موجود پائے اور فرط مسرت میں یہ پکار اٹھے: اے اللہ! تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں۔ (صحیح بخاری و مسلم عن انس) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ أَسْرَفُوْا عَلٰى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعاً إِنَّهُ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ" (الزمر:53)

"میری جانب سے کہہ دو اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ، بالیقین اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے، واقعی وہ بڑی بخشش بڑی رحمت والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توبۃ النصوح اور اعمال صالحہ سے نوازے، آمین۔

"وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ، وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ، وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَشَهِيْدٌ، لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ" (ق:19-22)

"اور موت کی بے ہوشی حق لے کر آ پہنچی، یہی ہے جس سے تو بدکتا پھرتا تھا۔ اور صور

پھونک دیا جائے گا۔ وعدۂ عذاب کا دن یہی ہے۔ اور ہر شخص اس طرح آئے گا کہ اس کے ساتھ ایک لانے والا ہوگا اور ایک گواہی دینے والا۔ یقیناً تو اس سے غفلت میں تھا لیکن ہم نے تیرے سامنے سے پردہ ہٹا دیا پس آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے''۔

بارك الله ولكم في القرآن العظيم ونفعني وإياكم بالذكر الحكيم.

دوسرا خطبہ:

''الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على عبدالله ورسوله خاتم النبيين على آله وأصحابه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.''

بھائیو اور بہنو! ہجری سال کی آمد کی مناسبت سے عام طور پر خطبات، دروس اور لیکچرز کے ذریعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر ہجرت کی تفصیلات، تاریخی واقعہ اور قصہ کے طور پر بیان کی جاتی ہیں۔ پھر بھی ہمارے دلوں میں ہجرت کے عظیم واقعہ کا کوئی خاص مثبت اثر نہیں پڑتا ہے اور نہ ہی ہمارے اعمال واخلاق کی اصلاح ہو پاتی ہے۔ گویا ہجرت کی یاد ہماری سالانہ عادت بن چکی ہے۔ ضرورت ہے ہجرت کے معنی اور مدلول کو سمجھنے کی۔

ہجرت کے لغوی معنی ہیں انسان کا دوسرے سے اپنے جسم یا قلب یا زبان کے ذریعہ مفارقت اور جدائی اختیار کرنا۔ اور شریعت میں ہجرت نام ہے بلاد کفر کو چھوڑ کر ایسی جگہ چلے جانے کا جہاں ایک مسلمان اپنے دین پر آزادی سے عمل کر سکے۔ اس طرح برے لوگوں کی صحبت وہم نشینی اور برے اعمال ومذموم عادات سے مفارقت کا نام بھی ہجرت ہے۔ اعلائے کلمۃ اللہ اور متاع دین کی حفاظت کی خاطر ترک وطن کے ساتھ برے اعمال واخلاق اور خلاف شرع حرکات وسکنات سے جدائی اور علاحدگی اختیار کرنا ہی اصل ہجرت ہے۔ ورنہ بلاد کفر سے نکل جانے کے بعد بھی اگر آدمی برے اعمال سے علاحدہ نہیں ہوتا تو صرف جسمانی علاحدگی کا کیا فائدہ۔ اس لیے حدیث صحیح میں اصل ہجرت، اللہ کی منع کردہ

چیزوں کو چھوڑنا قرار دیا گیا ہے:

"المهاجر من هجر مانهى الله عنه" (صحیحین عن عبداللہ بن عمرو)

ہجرت ابو الانبیاء ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام اور خلیل اللہ محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت وشریعت کا اہم جزء ہے۔ قیام مکہ کے دوران مشرکین کے ظلم سے تنگ آ کر مسلمانوں نے دو مرتبہ ہجرت کی اور جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت فرمائی اور اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو بھی اجازت دے دی۔ چنانچہ صحابہ کرام اپنے گھر بار اور مال ومتاع چھوڑ کر اپنے دین کی حفاظت اور اسلام کی نشر واشاعت کے لیے مدینہ ہجرت کر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس عظیم کارنامہ پر آپ کی خوب تعریف فرمائی۔ قرآن کریم میں ہجرت کو جہاد کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور مہاجرین افضل صحابہ گردانے گئے۔ دار الکفر سے دار الاسلام اور دار الخوف سے دار الامن کی طرف ہجرت شریعت اسلامیہ کا غیر منسوخ حصہ ہے۔ جب بھی مسلمان کسی خطۂ ارض میں اپنے دین پر عمل کرنے میں تنگی محسوس کریں گے اور دین پر قائم رہنا ان کے لیے مشکل امر بن جائے گا ان پر ہجرت واجب ہوگی۔

حدیث میں آیا ہے:

"لاتنقطع الهجرة حتى تنقطع التوبة ولا تنقطع التوبة حتى تطلع الشمس من مغربها" (سنن أبي داؤد)

"ہجرت منقطع نہ ہوگی جب تک کہ توبہ کا دروازہ بند نہ ہو جا اور توبہ ختم نہ ہوگی، یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع ہو جائے"۔

فتح مکہ کے بعد مکہ سے یا دار الاسلام سے دار الاسلام کی طرف ہجرت ختم کر دی گئی تھی۔ دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف ہجرت ختم نہیں ہے۔

افسوس کہ ہم ہجرت کی باتیں تو کرتے ہیں مگر دینی میں سب سے سنگین گناہ، شرک،

عبادۃ القبور اور بدعات وسیئات سے ہجرت اور مفارقت اختیار نہیں کرتے ہیں۔ کفار ومشرکین اور یہود ونصاریٰ کے طریقوں سے علیحدگی اختیار نہیں کرتے۔ یقیناً اسلامی تاریخ کے اندر ہجرت مدینہ کے واقعہ کی بڑی اہمیت ہے۔ یہاں سے اسلام کی ترقی کا زریں عہد شروع ہوتا ہے۔ اس لیے خلیفہ راشد عمر فاروق نے صحابہ کرام سے مشورہ کے بعد اسلامی تاریخ کا ہجرت کے سال سے آغاز فرمایا۔ جب کہ دنیا میں رائج دوسری تاریخیں کسی بڑی ہستی کی پیدائش ووفات سے تعلق رکھتی ہیں۔ تمام مسلمانوں کی اسلامی ہجری تاریخ سے بے توجہی اور میلاد/عیسوی تاریخوں کا دھڑلے سے استعمال قابل افسوس ہے۔ بہت سے پڑھے لکھے لوگوں کو بھی ہجری تاریخیں اکثر یاد نہیں رہتیں۔

شادی بیاہ اور دیگر تقریبات کے موقع پر کلنڈر سے ہجری تاریخیں نقل کر لی جاتی ہیں اور بس معاملہ یہیں ختم۔

بزرگو اور دوستو! ماہ محرم سے نئے سال ہجری کا آغاز ہوتا ہے اور ذی الحجہ پر ختم ہوتا ہے۔ سال ہجری کا آخری مہینہ بھی حرمت والا ہے اور پہلا مہینہ جو محرم کے نام سے ہی موسوم ہے نہایت پاکیزہ اور حرمت واحترام کا مہینہ ہے جس میں بطور خاص گناہوں سے اجتناب کی تلقین فرمائی گئی ہے۔

اس ماہ محرم کی دسویں تاریخ جو عاشوراء کہلاتی ہے، بڑی باعظمت ہے۔ صحیحین میں ابن عباس سے مروی حدیث کے اندر اس کو "یوم عظیم" بہت عظمت والا دن کہا گیا ہے۔ کیونکہ اس دن اللہ تعالیٰ نے ایمان واہل ایمان کو عزت وغلبہ عطا فرمایا تھا۔ حضرت موسیٰ اور ان کے ایماندار ساتھیوں کو فرعون کے ظلم سے نجات ملی اور فرعون اپنے لاؤ لشکر سمیت ڈبو دیا گیا۔ چنانچہ شکرانہ میں موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے اس دن کا روزہ رکھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"نحن أحق بموسیٰ منکم"

"یہودیوں کے مقابلہ میں ہم موسیٰ علیہ السلام سے قربت اور ان کی خوشی میں شریک

ہونے کے زیادہ مستحق ہیں"۔

چنانچہ آپ نے خود بھی روزہ رکھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی روزہ رکھنے کی تاکید فرمائی۔ صحیح مسلم میں ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشوراء کے روزہ سے متعلق سوال کرنے پر فرمایا:

"إني احتسب على اللّٰه أن يكفر السنة التي قبله"

"مجھے اللہ سے امید ہے کہ اس روزہ کے بدلے ایک سال گزشتہ کے گناہوں کو مٹا دے گا"۔

حیات طیبہ کے آخری محرم الحرام میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ ظاہر کیا کہ اگر آپ آئندہ سال باحیات رہے تو یہودیوں کی مخالفت کرتے ہوئے نویں کا روزے رکھیں گے۔ (اخرجہ مسلم عن ابن عباس)

یعنی دسویں محرم کے ساتھ نویں کا بھی روزہ رکھیں تاکہ عاشوراء (دسویں محرم) کے روزہ کا ثواب بھی مل جائے اور نویں کا ایک روزہ مزید رکھنے سے یہودیوں کی مخالفت بھی ہو جائے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ ماہ محرم کا احترام کریں اور سنت نبوی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے نویں اور دسویں محرم کے روزہ رکھیں اور خرافات و منکرات سے پرہیز کریں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور منہج صحابہ کو اختیار کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

وصلوا على البشير النذير فإن اللّٰه تعالىٰ يقول:

"إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَآئِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْماً" (الأحزاب:56)

"اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس نبی پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم (بھی) ان پر درود بھیجو اور خوب سلام (بھی) بھیجتے رہا کرو"۔

خطبۂ عید الفطر

پہلا خطبہ:

"إنَّ الحمد لله ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهدالله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله"

أما بعد فإن خير الحديث كتاب الله، وخير الهدي هدي محمد صلى الله عليه وسلم، وشر الأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار.

خطبۂ مسنونہ کے بعد؛ برادران اسلام! اللہ جل شانہ وعم نوالہ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے ہمیں یہ توفیق عطا فرمائی ہے کہ رمضان المبارک کے پورے روزے رکھیں۔ چنانچہ اسی کے فضل وکرم سے ہم نے ایک ماہ کے مکمل روزے رکھے، تراویح کی نماز ادا کی، قرآن پاک کی تلاوت کی اور صدقہ وخیرات کر کے اپنی جھولیوں کو نیکیوں سے بھرلیا۔ درحقیقت رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت اوران کی ادائیگی جہاں ایک بہت بڑی عبادت اور ثواب کا باعث ہے وہیں یہ ہمارے لیے ایک امتحان اور آزمائش کی حیثیت بھی رکھتی ہے۔ ہم لوگوں نے جب بفضل الٰہی ماہ رمضان کے پورے روزے رکھ لیے تو ایک اہم فریضہ کی ادائیگی سے سبکدوش ہوگئے اور ایک بہت بڑے امتحان میں کامیاب ہوگئے۔

آپ حضرات کو معلوم ہے کہ کسی بھی امتحان میں کامیاب ہونے کے بعد انسان کو بڑی خوشی اور مسرت حاصل ہوتی ہے اور عموماً امتحان ختم ہونے کے بعد ایک اجتماع اور پروگرام ہوتا ہے، جس میں کامیاب ہونے والوں کو انعامات اور مبارکبادیوں سے نوازا جاتا ہے۔ آج کی عید کا یہ اجتماع بھی تقریباً اسی نوعیت کا ہے۔ ایک ماہ کے روزے رکھ کر اور دیگر عبادتیں کر کے ہم ایک بڑے امتحان میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اس بناء پر ہم سب کو بے حد مسرت اور بے پناہ خوشی ہے اور ہم اپنے پروردگار سے بخشش وانعام حاصل کرنے اور عید منانے کے لیے اس میدان میں اکٹھا ہوئے ہیں۔

برادران اسلام! اس ناحیہ سے آپ غور فرمائیں تو عید درحقیقت ان لوگوں کی ہے جنہوں نے رمضان المبارک کے روزے رکھے ہیں اور اس ماہ مبارک کی تمام عبادتیں ادا کر کے اپنے دامن مراد کو نیکیوں سے بھر لیا ہے اور امتحان میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ یہ عید ان لوگوں کی نہیں ہے جنہوں نے اس ماہ کو غفلت اور لاپرواہی میں ضائع کر دیا اور امتحان میں ناکام ہو گئے۔ کسی نے سچ کہا ہے ؎

لیس العید لمن لبس الجدید

إنما العید لمن خاف الوعید

"عید اس کی نہیں جس نے نئے اور زرق برق لباس پہن لیے، عید اس کی ہے جو اللہ کی وعید سے ڈر گیا"۔

یعنی رمضان المبارک کے روزے رکھ کر متقی اور پرہیزگار بن گیا اور ایفائے عہد وذمہ داری کے امتحان میں کامیاب ہو گیا۔

معزز حاضرین! آج ہم روزہ داروں کے انعام کا دن ہے، جب روزہ دار عید گاہ میں پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ ان مزدوروں کا کیا بدلہ ہونا چاہیے جنہوں اپنے کام پورے کر لیے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں اے ہمارے معبود! اے ہمارے آقا! ان

کا بدلہ یہی ہونا چاہیے کہ انہیں ان کی پوری پوری مزدوری دے دی جائے۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے: اے میرے فرشتو! تم گواہ رہو کہ ان کے رمضان کے روزے اور تراویح کی وجہ سے میں ان سے خوش ہو گیا اور ان کو بخش دیا۔ پھر بندوں سے خطاب کر کے فرماتا ہے: اے میرے بندو! تم مجھ سے مانگو میں اپنی عزت وجلال کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس اجتماع میں دنیا و آخرت کی جو کچھ بھی بھلائی تم مجھ سے مانگو گے میں دوں گا اور تمہارا خصوصی خیال رکھوں گا اور جب تک تم مجھ سے خوف کھاتے رہو گے میں تمہاری خطاؤں اور لغزشوں سے درگزر کرتا رہوں گا۔ مجھے اپنی عزت و بزرگی کی قسم ہے کہ نہ تمہیں ذلیل اور رسوا کروں گا، نہ مجرمین کے درمیان تمہیں فضیحت کروں گا۔ تم سب کو میں نے معاف کر دیا۔ تم نے مجھے راضی کرنا چاہا تو میں تم سے راضی ہو گیا۔ اس امت کے لیے انعام و بخشش کا یہ اعلان سن کر فرشتے بھی جھوم اٹھتے ہیں اور خوشیاں منانے لگتے ہیں۔ (منذری)

برادران اسلام! ہمارا دین، دین فطرت ہے، اس کے تمام احکام واعمال فطرت کے موافق ہیں۔ ہر قوم وملت کے لوگوں کا یہ طریقہ ہے کہ سال کے بعض دنوں میں وہ خوشیاں مناتے ہیں، ان دنوں میں وہ اپنے تمام کاروبار اور روزمرہ کے اشغال واعمال چھوڑ کر اچھے اچھے لباس پہن کر خوشیوں کے گیت گاتے ہیں۔ جس سے دلوں میں تازگی پیدا ہوتی ہے اور سال بھر کام کرنے سے جو طبیعت میں افسردگی، سستی اور اکتاہٹ پیدا ہو جاتی ہے وہ دور ہوتی ہے۔ مسرت وحرکت سے خون میں گرمی اور طبیعت میں جوش اور چستی پیدا ہوتی ہے۔ ایسا رواج تمام قوموں میں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

”إن لكل قوم عيدا وهذا عيدنا“ (رواہ البخاری)

”بے شک ہر قوم کے لیے عید اور تہوار ہے اور یہ ہماری عید ہے“۔

تو جیسے دوسری قوموں کی عیدیں اور تہوار ہیں ہمارے دین میں بھی دو عیدیں ہیں۔

البتہ ہماری عیدوں اور دوسری قوموں کی عیدوں میں فرق یہ ہے کہ ہماری عیدیں محض کھیل تماشا اور لہو ولعب کا نام نہیں ہیں بلکہ ان میں مباح لہو ولعب، سیر وتفریح اور خوشی ومسرت کے ساتھ مختلف قسم کی عبادتیں بھی ہیں۔ غریبوں کے ساتھ تعاون وہمدردی ہے۔ مسلمانوں کی سیرت سازی اور روحانی تربیت ہے۔ جب کہ غیر مسلموں کے تہواروں میں شراب وکباب ہے، ناچ گانے ہیں، مرد وزن کا بیہودہ اور ناشائستہ اختلاط ہے، بے حیائیاں اور فحش کاریاں ہیں، گندگی، گالیاں اور شور وہنگامے ہیں۔ ہماری عیدوں میں تکبیرات اور دعائیں ہیں، دوگانہ نماز ہے، وعظ ونصیحت ہے، صدقہ وخیرات ہے، ایک دوسرے سے ملاقاتیں اور مبارک بادیاں ہیں اور دعوتیں اور خوش گپیاں ہیں۔ غرض کہ ہماری یہ عیدیں خوشیوں، مسرتوں اور روحانی تربیت اور عبادت کا بڑا حسین مرقع ہیں۔ اس واسطے آپ حضرات آج عید کے دن کو صرف لہو ولعب میں نہ صرف کردیں۔ بلکہ اپنے اہل خانہ، دوست واحباب اور اعزاء واقارب کے ساتھ مل کر خوب خوشیاں بھی منائیں اور غریبوں، مسکینوں، یتیموں اور بیواؤں کا بھی خیال رکھیں۔ آپ جائز سیر وتفریح اور کھیل کود سے لطف اندوز ہوں اور فرحت ومسرت سے اپنے دلوں میں گرمی اور خوشی پیدا کریں۔ مگر سینما بازی اور بلو فلمیں دیکھنے، دکھانے اور اس قسم کے مخرب اخلاق اور ناجائز اعمال کا ارتکاب کرنے سے اجتناب کریں۔

برادرانِ اسلام! غالباً آپ حضرات کو معلوم ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں کے مسلمان ان دنوں کھیل کود کرتے اور خوشیاں مناتے تھے۔ اس پر آپ نے ان سے پوچھا "ما هذان اليومان؟" "یہ دونوں دن کیسے ہیں؟" یعنی تم ان میں کیوں خوشیاں مناتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: "کنا نلعب فيهما في الجاهلية" "ہم زمانہ جاہلیت میں یعنی اسلام قبول کرنے سے قبل ان دونوں دنوں میں کھیل کود کرتے تھے۔ (بس اسی طریقہ پر اب بھی ہم لوگ ان میں خوشیاں

مناتے اور کھیل کود کرتے ہیں۔)

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قد أبدلكم الله بهما خيرا منهما، يوم الأضحى ويوم الفطر ''(رواه أبو داؤد)

''اللہ تعالیٰ نے تم کو ان کے بدلے ان سے بہتر دو دن عطا کیے ہیں:''یوم الأضحى اور يوم الفطر''

برادرانِ اسلام! اس حدیث پر غور کرنے سے ایک تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہماری عیدیں دوسروں کی عیدوں اور تہواروں سے بہت بہتر ہیں۔ ان کے تہواروں میں صرف لہو ولعب اور کھیل کود ہوتا ہے جب کہ ہماری عیدوں میں خوش و مسرت کے باوقار اور پاکیزہ پروگراموں کے ساتھ عبادت اور تعاون بھی ہے۔ اس میں جسم وروح دونوں کی خوشیوں اور سکون کا سامان ہے۔ ان کے تہوار عموماً کسی بڑے شخص کی ولادت یا جنگ میں فتح یا موسمی تبدیلی کی مناسبتوں سے ہیں۔ جب کہ ہماری ایک عید رمضان المبارک کے روزے بخیر وعافیت گزر جانے اور اس میں مختلف عبادات کے ذریعہ اپنے دامنِ مراد کو نیکیوں سے بھر لینے اور اللہ کی رضا مندی ومغفرت کے حاصل کرنے کی خوشی میں ہے۔ اور دوسری عید حج کے اکثر بیشتر ارکان کے مکمل ہونے اور ابونا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے اکلوتے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم دے کر اللہ تعالیٰ نے جو امتحان لیا تھا اس میں ان کے کامیاب ہونے اور پھر ''وفديناه بذبح عظيم '' کا جو انعام انہیں ملا تھا اس کی یادگار اور خوشی ہے۔

دوسری بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہمارے لیے دوسری قوموں کے تہواروں میں شریک ہونا اور ان کے تہواروں کو اپنا تہوار بنانا جائز نہیں ہے۔

تیسری بات اس سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہماری شرعی عیدیں صرف دو ہی ہیں: عید

الفطر اور عید الاضحیٰ۔ اور دوسری قوموں کی نقالی میں عید میلا دالنبی وغیرہ کا تہوار منانا درست نہیں ہے۔

معزز سامعین! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مردوں کے ساتھ عورتیں اور بچے بھی عیدگاہ جایا کرتے تھے۔ عورتوں کے عیدگاہ جانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی طور سے حکم دیا تھا اور تاکید کی تھی۔ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"أمرنا أن نخرج الحيض يو م العيدين وذوات الخدور فيشهدن جماعة المسلمين ودعوتهم،وتعتزل الحيض عن مصلاهن"(رواه البخاری)

"ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم عورتوں اور نوجوان پردہ نشین لڑکیوں حتی کہ حائضہ عورتوں کو بھی عیدین میں عیدگاہ لے جائیں۔ یہ مسلمانوں کی جماعت اور ان کی دعاؤں میں شریک ہوں گی۔ اور جو خواتین حیض وماہواری کی حالت میں ہوں گی وہ نماز کی جگہ سے الگ رہیں گی"۔ (یعنی نماز نہیں ادا کریں گی، صرف خطبہ سنیں گی اور دعاؤں میں شریک رہیں گی۔)

ایک عورت نے کہا:

"یا رسول الله إحدانا ليس لها جلباب"

"اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کسی کے پاس جلباب اور نقاب نہ ہو تو کیا کرے"

آپ نے فرمایا:

"لتلبسها صاحبتها من جلبابها"

اس کی سہیلی اور ساتھی اسے اپنا زائد جلباب اور نقاب دے دے یا اپنی چادر میں شریک کر لے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

ساتھ عید میں شریک تھے؟ انہوں نے کہا: ہاں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید گاہ گئے، آپ نے پہلے نماز پڑھائی، پھر خطبہ دیا، پھر عورتوں کے پاس آئے، ان میں وعظ کہا اور انہیں نصیحت کی اور صدقہ وخیرات کا حکم دیا۔ میں نے دیکھا وہ اپنے کانوں اور گلے سے زیورات نکال نکال کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی جھولی میں ڈال رہی تھیں۔ اس کے بعد آپ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ گھر واپس آ گئے"۔ (متفق علیہ)

بعض روایتوں میں ہے کہ میں اس وقت نابالغ بچہ تھا اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خواتین کے پاس نصیحت کرنے اور خطبہ دینے کے لیے تشریف لے گئے تو میں بھی وہاں گیا اور ساری باتیں دیکھیں اور سنیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں عورتیں اور بچے بھی عید گاہ جاتے تھے۔

اس پر غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے عورتوں کو ان کے حقوق عطا کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہے۔ انہیں عیدین میں شرکت کی اجازت دی ہے، اس سلسلہ میں اگر کسی کی کوتاہی ہے، تو تنگ نظر اور جامد علماء کی ہے۔ انہوں نے اپنی تنگ نظری اور جمود سے نہ صرف خواتین کی حق تلفی کی ہے، بلکہ اسلام کو بھی بدنام کیا ہے۔

معزز خواتین! آپ کو شریعت اسلامیہ نے عیدین اور نماز جمعہ وغیرہ میں شرکت کی اجازت دی ہے۔ آپ کے حقوق اور جائز جذبات وخواہشات کا بھر پور لحاظ کیا ہے۔ مگر اسلامی اخلاق وتہذیب کے دائرہ میں رہنے کا حکم دیا ہے۔ یہیں پر دیکھیے کہ عورتوں کو عید گاہ جانے کی تاکید کی ہے مگر پردہ کرنے اور برقع اور جلباب میں آنے کا حکم دیا ہے۔ مسجدوں میں نماز کے لیے آنے کی اجازت دی ہے مگر دیا ہے کہ وہ خوشبو لگا کر، زیب وزینت کر کے اور ایسے زیورات پہن کر کے نہ جائیں جن سے آواز پیدا ہوتی ہے اور اجنبی مردوں کی نگاہیں ان کی جانب اٹھتی ہیں۔

معزز خواتین! ابھی آپ سن چکی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید میں

عورتوں کو نصیحت کی۔ انہیں آخرت کی یاد دلائی، صدقہ و خیرات پر ابھارا اور خواتین نے دل کھول کر صدقہ و خیرات کیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنے گلے اور کانوں کے زیورات بھی نکال کر کے دے دیئے۔ آج بھی آپ کو اپنی آخرت کے سنوارنے، عذاب الٰہی سے بچنے اور غریبوں اور مسکینوں کے تعاون اور دینی و رفاہی اداروں کے قیام و بقاء کے لیے صدقہ و خیرات کی ضرورت ہے۔ اور یہ موقع صدقہ و خیرات کرنے کا ہے۔ آپ اپنے اسلاف خواتین کے نقش قدم پر چلیے اور صدقہ و خیرات کیجیے، یہ صدقات آخرت میں آپ کے کام آئیں گے اور آپ کو جہنم کی آگ سے بچائیں گے۔

معزز سامعین! آج خواتین کے سامنے اسلام کے مسائل الجھائے جا رہے ہیں۔ اسلام مخالف میڈیا ان کو خوب اچھال رہا ہے۔ حالانکہ میں پورے وثوق اور دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ دنیا کا کوئی دین، دھرم، قانون اور دستور ایسا نہیں ہے جس نے عورتوں کو وہ حقوق اور مقام دیا ہو جو اسلام نے انہیں عطا کیا ہے۔ مگر کچھ ہماری کوتاہیاں ہیں۔ کچھ خواتین میں علم کی کمی اور نادانیاں ہیں اور زیادہ اعدائے اسلام کے غلط پروپیگنڈے اور سازشیں ہیں جو اسلام کو بدنام کر رہے ہیں۔

برادران اسلام و خواتین ملت! ہم سب کو مل کر ان سازشوں کا مقابلہ کرنا ہے۔ مردوں کو چاہیے کہ ان کی جانب سے خواتین کے حقوق کی ادائیگی میں جو کوتاہیاں ہوں ان کو دور کریں۔ اور تعلیم و تربیت، نماز، روزہ، زکاۃ، حج، شادی بیاہ، میراث اور ازدواجی زندگی اور خانگی و معاشرتی امور میں ان کے جو حقوق ہیں ان کو صحیح طریقے سے انہیں دیں۔ بچیوں اور خواتین کی تعلیم میں آج کمی ہے۔ شادی، طلاق اور میراث کے مسائل میں بھی کوتاہیاں ہیں۔ آیئے، ہم سب مل کر عہد کریں کہ ہم ان کوتاہیوں کو دور کریں گے۔ خواتین کے اندر بھی کچھ خامیاں ہیں۔ وہ پردہ کا خاطر خواہ اہتمام نہیں کرتیں اور دشمنوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر برقع کو کالی مصیبت اور گھر میں عزت کے ساتھ بیٹھنے کو جیل خانہ میں رہنا

سمجھتی ہیں۔ حالانکہ ان میں ان کی عزت وآبرو کی حفاظت ہے۔ ان کے لیے امن وسکون ہے۔ آفسوں، کارخانوں اور کھیتوں وغیرہ میں کام کرنے والی خواتین سے پوچھیے کہ انہیں کس طرح مردوں کی نظر بد، ناشائستہ باتوں اور چھیڑ خانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟ کس طرح وہ صبح سے لے کر شام تک بستر پر جانے تک گھر اور باہر کے کاموں میں مشغول رہ کر پریشان اور تھکن سے چور چور ہوتی ہیں؟

دوسرا خطبہ:

"إنَّ الحمد لله ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله"

برادرانِ اسلام! آج ہمارا عقیدہ ، ہمارا دین، ہماری تہذیب ، ہمارے مساجد ومدارس، ہماری جان ومال اور عزت وآبرو سب خطرے میں ہیں۔ اسلام دشمن طاقتیں ہر سطح پر مسلمانوں کو ختم کرنے کے در پے ہیں۔ چیچنیا میں کس طرح اقوام متحدہ، ناٹو، امریکہ، برطانیہ اور پوری دنیا کے سامنے بربریت اور ظلم وستم کا ننگا ناچ ناچایا جارہا ہے، اور "الکفر ملة واحدة" کے تحت یہ سارے ادارے، ساری قومیں اور سارے ممالک آنکھیں بند کیے بیٹھے ہیں۔ بلکہ مسلمانوں کو نیست ونابود کرنے کی سازش میں برابر کے شریک ہیں۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ افغانستان کے مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جارہا ہے؟ فلسطین میں کیا ہورہا ہے؟ کوسوو اور البانیہ میں کیا ہوا اور سوڈان میں کیا ہورہا ہے؟ اگر انڈونیشیا کے ایک جزیرہ میں مٹھی بھر عیسائی بغاوت کریں اور الگ ریاست بنانے کے لیے مظاہرہ اور مطالبہ کریں تو اسے حق آزادی اور حق خوداری کا نام دیا جائے اور اقوام متحدہ سمیت ساری عیسائی

ویہودی دنیا ان کی مدد کے لیے پہنچ جائے۔ اس کے لیے ظلم وستم کی کہانیاں وضع کی جائیں۔ ملک میں مظاہرے اور ہنگامے کرا کے حکام بدلے جائیں اور خائن اور قوم فروش لیڈروں کو آگے لایا جائے اور حقوق انسانی کے نام پر اس جزیرہ کو زبردستی آزادی دلائی جائے۔ مگر کوسوغو، فلسطین، چیچنیا وغیرہ میں پوری دنیا کی آنکھوں کے سامنے مسلمانوں کا قتل عام کیا جائے، ان کے حق خود ارادی وآزادی کو سلب کیا جائے، تین تین، چار چار ماہ شب وروز بمباری کی جائے، شہروں کو کھنڈر بنا دیا جائے، بچوں کو ذبح کیا جائے، عورتوں کی بے عزتی کی جائے، ان کے پیٹ چاک کر کے حمل کو ضائع کیا جائے اور ان کی بے حرمتی کر کے تڑپنے کے لیے چھوڑ دیا جائے، لاشوں پر جشن منایا جائے اور ٹی وی، ریڈیو اور اخبارات وجرائد وغیرہ کے ذریعہ ساری چیزیں دنیا کے سامنے آئیں۔ لیکن کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگے اور اُلٹے یہ مسلمان غدار اور باغی قرار پائیں اور ظالموں وقاتلوں کی تائید کی جائے۔

برادران اسلام! آیئے، غور کریں کہ آخر ایسا کیوں ہے؟ ایسا اس واسطے ہے کہ مسلمانوں میں اتفاق واتحاد نہیں ہے۔ خلافت عثمانیہ کے ختم ہو جانے کے بعد مسلمانوں کا کوئی متحدہ پلیٹ فارم نہیں۔ آج ان کی کوئی اجتماعی فوج اور طاقت نہیں۔ ان میں کوئی رابطہ اور تعاون نہیں۔ سب ایک دوسرے سے الگ تھلگ ہیں اور ریوڑ سے الگ ہو جانے والی بکری کی طرح باری باری انسان نما بھیڑیوں کا شکار ہو رہے ہیں۔

دوستو! آج ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام عالم اسلام، بلکہ تمام مسلمانوں کا ایک متحدہ پلیٹ فارم ہو، ان کی ایک متحدہ فوج اور ایک متحد قوت بنائی جائے تا کہ اس کے ذریعہ ان پر ہونے والے عالمی ظلم وستم کے سیل رواں کو روکا جا سکے۔

ہندی مسلمانو! تمہارے آباء واجداد نے اس سے پہلے خلافتِ عثمانیہ کے لیے تحریک چلائی تھی۔ انہوں نے تمام دنیا کے مسلمانوں کو متحد کر کے اور انصاف پسند غیر مسلموں کو بھی ساتھ لے کر خلافتِ عثمانیہ کی حفاظت واحیاء کے لیے بڑی کوشش کی تھی۔ آج یہ تحریک نسیا

منسیا ہو چکی ہے۔ حالانکہ آج اس کی سخت ضرورت ہے۔ کیا ہے تم میں کوئی جو اس تحریک کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کرے؟ اور عالم اسلام کو اس کا بھولا ہوا سبق یاد دلائے؟ ان کو متحد و متفق کر کے ایک پلیٹ فارم پر لے آئے اور ایک عالمی قوت بنا دے؟

برادرانِ اسلام! آج چیچنیا میں ، روس اور فلسطین میں، اسرائیل اور عراق وافغانستان میں امریکہ جس طرح مسلمانوں پر ظلم وستم کر رہا ہے اور پوری مسلم قوم کو نیچا دکھانے اور رسوا و ذلیل وخوار کرنے کی کوشش کر رہا ہے، اس کے لیے ہم کو کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ تمام مسلمانوں کی جانب سے یہ معاملہ پوری قوت کے ساتھ اقوام متحدہ میں پیش کرنا چاہیے۔ دنیا کے امن پسند ملکوں اور قوموں سے رابطہ قائم کر کے انہیں ساتھ لینا چاہیے اور پوری دنیا کے سامنے ان کے مظالم کو اجاگر کرنا اور اس کے خلاف آواز اٹھانا چاہیے۔ سب کو قنوت پڑھنا چاہیے اور اپنے مسلمان بھائیوں کی فتح اور کامیابی اور دشمنوں کے مظالم سے نجات کے لیے خلوص دل سے دعا کرنی چاہیے۔

آج ہم نے قنوتِ نازلہ کی اہمیت کو فراموش کر دیا ہے۔ حالانکہ مظلوم اور کمزور مسلمانوں کے لیے یہ ایک زبردست ہتھیار ہے۔ اس سے اللہ کی نصرت ومدد کا نزول ہوتا ہے اور دشمنوں کو شکست و ناکامی ہوتی ہے۔

برادرانِ اسلام! آپ اپنے ملک کے حالات سے ہم سے زیادہ واقف ہیں۔ آپ کے دین وعقیدہ، تہذیب وتمدن، زبان وادب، دینی مدارس وجامعات، دینی جماعتوں اور تحریکوں اور مساجد ومقدس مقامات کو جو خطرات لاحق ہیں ان کے بارے میں کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔ ان کی حفاظت کے لیے آپ کو ہر وقت بیدار رہنے اور فرقہ پرستوں کی سازشوں کو ملی کرنا کام بنانے کی ضرورت ہے۔

آج آپ کی وفاداری پر شک کیا جا رہا ہے۔ فرقہ پرست طاقتیں آپ کو بدنام اور متہم کرنے کے لیے شب وروز کوششیں کر رہی ہیں۔ میڈیا ان کے ساتھ ہے۔ ضرورت اس

بات کی ہے کہ ہندی، انگریزی، مراٹھی، اردو وغیرہ زبانوں میں مسلمانوں کے ایسے اخبارات وجرائد اور ٹی وی ہوں، جو ان الزام تراشیوں کا بروقت جواب دیں۔ مسلمانوں کا دفاع کریں اور انہیں جوش وہمت عطا کریں۔

برادرانِ اسلام! علم ایک بہت بڑی دولت، عظیم قوت اور زبردست ہتھیار ہے۔ اس کے بغیر کوئی بھی قوم پستی وذلت سے نکل کر بام عروج وعزت تک نہیں پہنچ سکتی۔ ہم کو اس جانب بھی بھرپور توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ ہمیں بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ تعلیمی میدان میں ہم بہت پیچھے ہیں۔ دینی تعلیم میں بھی، اور عصری تعلیم میں بھی۔ قوم کے خیر خواہوں اور باشعور لوگوں کو خصوصاً اور سارے ہی مسلمانوں کو عموماً اس پر بھرپور توجہ دینا چاہیے۔ آپ حضرات قوم میں تعلیمی بیداری پیدا کریں۔ غریب طلبہ وطالبات کی رہنمائی ومدد کریں تا کہ وہ اچھے سے اچھے نمبروں سے کامیاب ہوسکیں اور اعلیٰ تعلیم کے مختلف شعبوں تک پہنچ سکیں۔ ہر شخص اپنے بچوں کو پڑھانے کی کوشش کرے۔ اس کے لیے محنت اور پیسے خرچ کرے۔ خاص طور سے خواتین بچوں کی تعلیم وتربیت کے سلسلے میں اپنی ذمہ داریوں کو اچھی طرح سمجھیں اور صحیح طریقے سے ادا کریں۔

برادرانِ اسلام! عید کا یہ اجتماع، اجتماعی نمازیں، اجتماعی زکاۃ، اجتماعی روزہ اور اجتماعی حج آپ کو اجتماعیت اور اتفاق واتحاد کی دعوت دیتے ہیں۔ یہ ایک ساتھ تمام مردوں اور بچوں کا: ''الله أكبر، الله أكبر، لا إله إلا الله، والله أكبر، الله أكبر ولله الحمد'' کی صدائے دلنواز بلند کرتے ہوئے عیدگاہ آنا، سب کا ایک امام کے پیچھے جماعت سے نماز پڑھنا اور پھر بیٹھ کر ایک ساتھ خطبہ سننا، اسی لیے تو ہے کہ ہم میں اجتماعیت اور اتحاد پیدا ہو۔ ہماری قوت وشوکت میں اضافہ اور اس کا مظاہرہ ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عید کے خطبہ میں جہاں مسلمانوں کو مختلف قسم کی نصیحتیں کرتے تھے، وہیں دعا بھی مانگتے تھے جیسا کہ حضرت ام عطیہ کی حدیث میں

وارد: ''فیشهدن جماعة المسلمین و دعوتهم' سے معلوم ہوتا ہے۔اس واسطے آیئے پروردگار کے سامنے ہاتھ پھیلائیں، روئیں اور اپنی امت اسلامیہ کی کامیابی و بھلائی کے لیے دعائیں مانگیں:

'' رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ''(البقرۃ:201)

''رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ ''(الأعراف:23)

'' رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْراً كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْكَافِرِیْنَ ''(البقرۃ:286)

''اللّٰهم انصر الإسلام والمسلمین وألف بین قلوبهم وأصلح ذات بینهم وانصرهم علی عدوک وعدوهم، اللّٰهم اخذل الکفرة والمشرکین، وشتت شملهم وفرق جمعهم، ودمر دیارهم وزلزل أقدامهم، وأنزل بهم بأسک الذي لاترده عن القوم المجرمین، اللّٰهم إنا نجعلک في نحورهم، ونعوذ بک من شرورهم، اللّٰهم انصر من نصر دین محمد صلی اللّٰه علیه وسلم، واجعلنا منهم، واخذل من خذل دین محمد صلی اللّٰه علیه وسلم ولا تجعلنا منهم''

اے اللہ! اے ہمارے خالق و مالک! ہمارے روزوں، ہماری نماز، تراویح، قرآن کی تلاوت، آخری عشرہ کی شب بیداری، صدقہ و خیرات اور دیگر تمام عبادتوں کو قبول فرما۔ الٰہ العالمین! ہمارے گناہوں کو بخش دے، ہمیں اپنی رحمت کے سایہ میں ڈھانپ

لے، ہمیں ہر قسم کی برائیوں سے بچا اور زیادہ سے زیادہ نیکیوں کی توفیق عطا فرما۔

الٰہ العالمین! ہمارے آباء و اجداد، ماؤں، بہنوں، اعزاء و اقارب اور علمائے کرام میں سے جو انتقال فرما گئے ہیں ان کی مغفرت فرما، ان کی قبروں کو نور سے بھر دے، ان کی قبروں میں جنت کی کھڑکیاں کھول دے، انہیں عذاب قبر سے محفوظ رکھ، ان کے درجات کو بلند فرما، ان کی نیکیوں کو قبول کر اور گناہوں سے درگزر فرما۔

الٰہ العالمین! تمام مسلمانوں کی جان و مال کی حفاظت فرما، ان پر ہونے والے ظلم و ستم کا ازالہ فرما، دشمنان اسلام کو شکست فاش دے، ان کی سازشوں کو ناکام بنا۔

رب العالمین! تمام مظلوم مسلمانوں پر اپنی نصرت و رحمت کی بارش نازل فرما۔

الٰہ العالمین! تمام اعدائے اسلام کو تباہ و برباد کر، ان کی فوجوں کے قدم اکھاڑ دے، ان کے اسلحوں کو ناکارہ بنا دے، ان پر ایسی ہیبت اور خوف طاری فرما کہ میدان کارزار سے ان کے قدم اکھڑ جائیں۔

الٰہ العالمین! تمام امریکہ اور برطانیہ اور وہ ممالک جو مسلمانوں کی دشمنی میں پیش پیش ہیں، انہیں ذلیل و خوار کر، ان کی طاقت کو تباہ و برباد کر، ان کی فوجی اور ان کے اسلحوں کو انہیں کے لیے وبال جان بنا۔

الٰہ العالمین! تمام دنیا کے مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق پیدا کر، انہیں ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دے، ان کے امراء و حکام کو راہ حق کی ہدایت عطا فرما، ان کو ہمت، شجاعت اور غیرت عطا کر، انہیں اسلام اور ایمان کی راہ پر چلا۔

الٰہ العالمین! روئے زمین پر خلافت اسلامیہ کو قائم کر اور مسلمانوں کی ذلت و ادبار کے دور کو ختم فرما۔

الٰہی! ہمارے مدارس و مساجد کی حفاظت فرما، ہمارے دین، عقیدہ، تہذیب و ثقافت اور زبان کی حفاظت فرما، ہمارے دینی و دنیوی دونوں قسم کے قائدوں کو متفق و متحد کر دے،

ان کو اخلاص، ہمت وجرأت اور اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کا جذبہ عطا فرما۔

الٰہ العالمین! ہماری قوم کو علمی وسائنسی ترقی، فوجی واقتصادی قوت عطا فرما۔

الٰہ العالمین! ہم میں جو بیمار ہیں انہیں شفائے کامل وشفائے عاجل عطا فرما، جو پریشان حال ہیں ان کی پریشانیوں کو دور فرما، جو مقروض ہیں ان کے قرضوں کی ادائیگی آسان کر، ہمارے جو نوجوان دشمنوں کی جیلوں اور قید خانوں میں ہیں انہیں اپنے فضل خاص سے رہائی وچھٹکارہ عطا فرما۔

الٰہ العالمین! ہمیں عمل صالح کی توفیق فرما، ہم میں جو بے نمازی ہیں ان کو نمازی بنادے، جو شرک وبدعت میں مبتلا ہیں انہیں ان سے نجات دے اور موحد بنادے۔

الٰہ العالمین! تو ہمارے نوجوانوں کو نیک صالح بنا، انہیں حضرت خالد وطارق کی طرح غیرت وحمیت اور جوش وہمت عطا فرما، انہیں عفت وپاکدامنی اور تقویٰ وطہارت کی زندگی گزارنے کی توفیق دے۔

الٰہی! ہماری ماؤں اور بہنوں کو نیک بنا، انہیں حضرت خدیجہ، عائشہ اور فاطمہ کا نمونہ بنا۔

الٰہ العالمین! ہمارے بزرگوں کو اپنے گھر، خاندان اور قوم وملت کی صحیح رہنمائی اور خدمت کی توفیق عطا فرما۔

رب العالمین! جب تک ہم سب کو زندہ رکھ ایمان وعمل صالح کے ساتھ زندہ رکھ اور جب اس دنیا سے لے جا تو ایمان کے ساتھ لے جا۔

"ربنا تقبل منا إنک أنت السميع العليم وتب علينا إنک أنت التواب الرحيم، وصل اللّٰهم وسلم عبدک ورسولک محمد وعلىٰ اٰله وأصحابه أجمعين، برحمتک يا أرحم الراحمين . واٰخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين"

تقدیر یا قسمت پر ایمان

پہلا خطبہ:

"إنَّ الحمد لله ،نحمده،و نستعينه،ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله"

محترم حضرات وخواتین! آج کے خطبۂ جمعہ میں ہم جس عنوان کے تحت لب کشائی کرنے کی جرأت وہمت کررہے ہیں۔ وہ انتہائی عظیم اور اہم موضوع ہے۔ ایسا موضوع ہے جو اسلام کے چھ ارکان میں سے ایک ہے۔ اگر کوئی اس کا انکار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے غیض وغضب کا شکار ہوتا ہے وہ ایسے شخص کا کوئی نیک عمل بھی قبول نہیں فرماتا۔ اور وہ موضوع ہے:

"تقدیر یا قسمت پر ایمان لانا"

یقیناً یہ ایسا موضوع ہے جس پر اظہار خیال کرنے والا ہمہ وقت تلوار کی دھار پر ہوتا ہے، ذرا سی لغزش اسے عرش سے فرش پر گرا سکتی ہے۔ ذرا سی جنبش اسے ثریا سے زمین پر پٹخ سکتی ہے۔ ذرا سی خطا اسے خدا دشمن افراد کے زمرے میں لا کھڑا کر سکتی ہے۔ لہٰذا دعا کیجیے کہ رب کائنات مجھے صحیح بولنے کی توفیق دے کہ اس کی توفیق کے بغیر نہ کوئی پتہ ہل سکتا ہے اور نہ کوئی کچھ کہہ، بول اور سمجھا سکتا ہے۔

دوستو اور عزیزو! تقدیر یا قسمت پر ایمان لانے کا معاملہ ازل سے اب تک انسانوں کے مابین نزاع کا باعث رہا ہے، بعضوں نے تقدیر کا سرے سے انکار کیا تو ہلاک و برباد ہوئے اور بعضوں نے تقدیر یا قسمت ہی کو سب کچھ مان لیا اور تدابیر و علل سے ہاتھ چھڑا کر بیٹھ گئے تو وہ بھی ہلاک و برباد ہوئے۔ البتہ بیچ کا جو راستہ ہے، اسی راستہ کو جس نے اپنایا وہی کامیاب و بامراد ہوا۔ لیکن افراط و تفریط کی خوگر انسانیت کی تاریخ میں ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے جنہوں نے راہ اعتدال سے ہو کر اپنی زندگی کی گاڑی گزاری ہو۔ تاہم ہمیں امید ہے کہ آپ تمام حضرات و خواتین ان خوش نصیبوں میں ہیں جو تقدیر پر کما حقہ ایمان لاتے ہیں، اس کے تعلق سے نہ افراط کے شکار ہوتے ہیں اور نہ تفریط کے، بلکہ راہ اعتدال سے ہو کر گزرتے ہیں جس سے ان کا دین و ایمان تو محفوظ رہتا ہی ہے، وہ اللہ کی خوشنودی و رضا بھی حاصل کرنے میں کامیاب و بامراد ہوا کرتے ہیں۔

دوستانِ باصفا! تقدیر پر ایمان لانے کا معاملہ نہایت آسان ہے۔ لیکن اسے فلسفیوں نے بے حد مشکل اور پیچیدہ بنا دیا ہے، حالانکہ ؎

برسوں فلاسفر کی چناں اور چنیں رہی
لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

کے مصداق انہیں بحرِ بے کراں میں ایسا کچھ نہیں ہاتھ لگ سکا جس سے یہ ثابت ہو جائے کہ تقدیر پر یا قسمت پر ایمان لانا ایک لایعنی چیز ہے لیکن اس خدا بیزاری کو کیا کہیے کہ اس نے اس معاملہ میں بھی اپنا رنگ دکھا کے چھوڑا اور آج کی اس سائنٹفک دنیا میں ایسے احمقوں کی کمی نہیں جو تقدیر پر ایمان لانا کارِ عبث اور کارِ زیاں سمجھتے ہیں۔

مگر ایک مومن جو غیبیات پر ایمان رکھتا ہے، جو مانتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شریعت ہمیں دی ہے اس کے ایک ایک رکن پر ایمان لانا اور ایک ایک نکتے پر یقین کرنا سب سے قیمتی متاعِ زیست ہے۔ لہٰذا مومن یہ بھی مانتا ہے کہ تقدیر پر ایما

ن لانا ایک واجب اور ضروری امر ہے کیوں کہ وہ دیکھتا ہے کہ قرآنی آیات اور صحیح احادیث نے تقدیر پر ایمان لانے کو، اس کے خیر وشر پر یقین کرنے کو ارکان اسلام میں سے ایک رکن قرار دیا ہے۔ رب کائنات ارشاد فرماتا ہے:

''إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ'' (القمر:49)

''بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک (مقررہ) اندازے پر پیدا کیا ہے''۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى، الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّى، وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَى'' (الأعلیٰ:3-1)

''اپنے بہت ہی بلند اللہ کے نام کی پاکیزگی بیان کر۔ جس نے پیدا کیا اور صحیح سالم بنایا۔ اور جس نے (ٹھیک ٹھاک) اندازہ کیا اور پھر راہ دکھائی''۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

''تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيراً، الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَداً وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيراً'' (الفرقان:2-1)

''بہت بابرکت ہے وہ اللہ تعالیٰ جس نے اپنے بندے پر فرقان اتارا تاکہ وہ تمام لوگوں کے لیے آگاہ کرنے والا بن جائے۔ اسی اللہ کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین اور وہ کوئی اولاد نہیں رکھتا، اور نہ اس کی سلطنت میں اس کا کوئی ساجھی ہے اور ہر چیز کو اس نے پیدا فرما کر ایک اندازہ ٹھہرا دیا ہے''۔

واقعہ یہ ہے کہ ایسی آیتوں کی قرآن مجید میں بھرمار ہے جن میں تقدیر پر ایمان لانے کو واجب قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی متعدد احادیث پاک میں تقدیر پر ایمان لانے کو ہر مومن مرد وعورت پر فرض قرار دیا ہے۔ اس کی سب سے بڑی مثال

وہ حدیث ہے جو حدیث جبریل علیہ السلام کے نام سے مشہور ہے۔

تقدیر اور اس کے خیر و شر پر ایمان لانا واجب اور اس کا انکار کرنا ایک اسلامی رکن کا انکار کرنا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ مسلمان ہے، لیکن وہ ارکان اسلام میں سے کسی رکن کا انکار بھی کرتا ہے، چاہے دل ہی دل میں ہو یا علانیہ، تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، اس کا کوئی بھی عمل عنداللہ مقبول و منظور نہیں گردانا جاتا، اس کے سارے کیے کرائے پر پانی پھر جاتا ہے اور وہ آخرت میں خائب و خاسر ہوگا، ذلت و رسوائی اس کا مقدر بنے گی، وہ رحمت ربانیہ سے محروم ہوگا اور جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔

دوستانِ باصفا! تقدیر پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ آپ اس بات کو دل سے مانیں کہ دنیا میں جو کچھ ہو چکا ہے اور جو ہو رہا ہے اور جو مستقبل میں ہوگا، ان سب کا علم اللہ کو ان سب کے منظر عام پر آنے سے پہلے سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے بارے میں مفصل طور پر لکھ رکھا ہے کہ اس چیز کا آغاز و انجام کیا ہوگا۔ یعنی اس کی تمام جزئیات کو بھی اللہ نے لکھ دیا ہے اور لکھنے کا یہ عمل آسمان و زمین اور ان کے مابین جو کچھ ہے، سب کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے ہی مکمل کر لیا گیا تھا اور جو کچھ ہو رہا ہے وہ اسی کے مطابق ہو رہا ہے اور آئندہ جو کچھ ہوگا وہ بھی اللہ کے لکھے ہوئے کے مطابق ہی ہوگا۔

یہی ہے وہ تقدیر پر ایمان لانا جو صحابۂ کرام اور ہر دور کے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ رہا اور قیامت تک رہے گا۔

مختصراً تقدیر پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ بات دل سے مانی جائے کہ اللہ نے جو چاہا ہوا اور جو نہیں چاہا نہیں ہوا۔ اگر کسی امر کو نافذ کرنے پر تمام انسان، جنات مجتمع ہو جائیں اور اللہ نہ چاہے تو اس کا نفاذ یا یوں کہیے کہ اس کو وجود میں لانا ممکن نہیں اور وہ جس چیز کو وجود میں لانا چاہے اگر اسے پورے انسان و جنات مل کر، متحد ہو کر روکنا چاہیں تو بھی وہ چیز ہو کر رہے گی اور یہ کہ بندے کی مشیت اللہ کی مشیت کے تابع و ماتحت ہے۔ اللہ

تعالیٰ نے اسی بات کو تمام تفصیلات کے ساتھ قرآن پاک کی اس آیت میں بیان کر دیا ہے۔ وہ ارشاد فرماتا ہے:

''وَمَا تَشَآؤُوْنَ إِلَّآ أَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْماً حَكِيْماً، يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ وَالظّٰلِمِيْنَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَاباً أَلِيْماً''(الدھر:31-30)

''اور تم نہ چاہو گے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی چاہے، بے شک اللہ تعالیٰ علم والا باحکمت ہے۔ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کر لے، اور ظالموں کے لیے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے''۔

بندگان الٰہی! سنو اور یاد رکھو کہ یہی ہے وہ تفصیلی ایمان جس کا تقاضا اللہ اور اس کے نبی ورسول دنیا کے تمام مومنوں اور مسلمانوں سے تقدیر کی بابت کرتے رہے ہیں۔ دیکھو تو سہی! تقدیر پر ایمان لانے کا مسئلہ اسلام میں کتنا آسان وسہل ہے لیکن اللہ رحم کرے ان عقل کے ماروں پر جنہوں نے اسے عقدۂ لاینحل سمجھ لیا ہے حالانکہ اگر وہی شریعت کے احکام وفرامین کو سمجھنے کی سچی کوشش کرتے، ان میں موشگافیاں نہیں کرتے تو عقیدۂ جبر وجود پذیر نہیں ہوتا۔ یعنی یہ نہ سمجھا جاتا کہ انسان مجبور محض ہے، وہ افعال کے صدور پر قادر نہیں بلکہ وہ جو بھی کرتا ہے چاہے وہ گناہ کا کام ہو یا نیکی کا، اللہ ہی کی مشیت کے مطابق کرتا ہے، اس میں بندے کے ارادے اور عمل کا کوئی دخل ہوتا ہی نہیں۔

دوستو! وہ عقیدۂ باطل ہے جس نے نہ جانے کتنے مسلمانوں کی آخرت تباہ کر دی، جس نے کتنوں کے صحیفۂ اعمال کو سیاہی سے بھر دیا، جس نے نہ جانے کتنوں کی آخرت کی بسی بسائی دنیا اجاڑ دی۔ یاد رکھو کہ شریعت اسلامیہ میں اس عقیدے کی کوئی وقعت نہیں، بلکہ اس نے اسے کج فکری قرار دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بندہ مجبور نہیں، وہ اپنے ارادے کے مطابق اعمال انجام دے سکتا ہے، اب یہ اس کی مرضی ہے کہ وہ خیر کے اعمال انجام دیتا ہے یا شر کے اعمال میں اپنی زندگی کے قیمتی اوقات ولمحات کو بسر کرتا ہے۔

ارشاد فرمایا ربِ کائنات نے:

''وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ''(البلد:10)

''اور ہم نے دکھا دیئے اس کو دونوں راستے''۔

لیکن آج بھی امت اسلامیہ کے اندر ایسے لوگ بکثرت پائے جاتے ہیں جو گناہوں کے ارتکاب کا ٹھیکرا تقدیر پر پھوڑتے ہیں اور نہایت بے شرمی کے ساتھ کہہ دیتے ہیں کہ جو گناہ ہم سے ہوئے، وہ تو ہونے ہی تھے کہ وہ ہماری تقدیر میں لکھ دیے گئے تھے۔ اس لیے کہ ہم مجبور و لاچار تھے، اب اگر ان گناہوں کی پاداش میں ہمیں سزا دی جاتی ہے تو یہ انصاف کی بات نہیں ہوگی۔

''أعاذنا الله منهم'' بری بات ہے جو یہ لوگ کہتے ہیں اور جرأت رندانہ تو دیکھیے کہ گناہوں کا ٹھیکرا کس بے شرمی سے اللہ کی مشیت پر پھوڑ کر اپنا پلو جھاڑ لیتے ہیں۔

اے وہ نادانو! جو اس جرأت رندانہ کا اظہار کرتے ہو، سنو! تمہاری یہ منطق نہایت بودی ہے، ہاں مگر یہ سچ ہے کہ تم جو کچھ بھی کرتے ہو، وہ اللہ کی لکھی ہوئی تقدیر ہی ہے، لیکن گناہ کے کاموں پر تقدیر سے حجت اور دلیل پکڑنا کئی وجہوں سے صحیح نہیں ہے۔ سنو اور یاد رکھو ان وجوہات کو اور سچے دل سے توبہ کرو رب کریم کے حضور ایسی لایعنی اور لغو بات کہنے سے، میں بتاتا ہوں کہ وہ کون سی وجوہات ہیں جن کی بناء پر تمہاری یہ حجت بازی کٹ حجتی سے زیادہ کچھ نہیں:

ا۔ یا تو تم تقدیر کو بندے کے برے اعمال پر حجت مانو گے یا پھر نہیں مانو گے۔ اگر تم مانو کہ تقدیر برے افعال واعمال پر حجت ہے تو تمہیں یہ بھی ماننا ہوگا کہ یہ دنیا کے تمام بندوں کے لیے ان کے برے اعمال پر حجت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی تم پر ظلم کرے تو تم اسے کچھ نہ کہو کیوں کہ تقدیر جس طرح تمہارے لیے حجت ہے، اسی طرح تم پر ظلم کرنے والے، تمہارا مال و دولت لوٹنے والے اور تمہاری عزت و آبرو پر

حملہ کرنے والے کے لیے بھی حجت ہے۔ بتاؤ دل سے کیا یہ ممکن ہے؟ ہر گز نہیں اور کسی بھی صورت میں نہیں کیوں کہ اگر ایسا ہوا تو دنیا کا نظام چند منٹوں میں درہم برہم ہو کر ختم ہو جائے گا۔ اس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ عقلی اعتبار سے تمہاری یہ بات نہایت بودی اور شرعی اعتبار سے کفر ہے۔

۲۔ اس سے لازم آئے گا کہ یہ مان لیا جائے کہ ابلیس، قوم عاد، قوم ثمود اور قوم نوح نیز وہ تمام قومیں جن کو ان کے کالے کرتوتوں کے سبب ہلاک کر دیا گیا، وہ معذور تھیں اور اللہ نے (نعوذ باللہ) انہیں ظلماً ہلاک کیا ہے۔ یہ بات بھی یقیناً لائق اعتناء نہیں بلکہ کفر ہے۔

۳۔ اگر تمہاری بات مان لی جائے تو پھر یہ بھی ماننا ہوگا کہ اللہ کے دوست اور اللہ کے دشمنوں میں کوئی فرق و امتیاز نہیں اور نہ مومنوں اور کافروں میں کوئی فرق ہے۔ بتاؤ کیا روشنی اور اندھیرے میں کوئی فرق نہیں اور کیا گل و خار میں کوئی فرق نہیں؟ ثابت ہوا کہ گناہوں پر تقدیر کو حجت ماننا کجی اور ٹیڑھ پن کے علاوہ کچھ نہیں۔

۴۔ تقدیر پر ہم کو ایمان لانا ہے، استدلال نہیں کرنا ہے کیوں کہ اگر استدلال کریں گے تو ابلیس اور اس کے پیروکاروں کو بھی صحیح ماننا ہوگا، عذاب و ثواب بے معنی ہو کر رہ جائیں گے، مفسدین اور مصلحین ترازو کے ایک ہی پلڑے میں وزن کیے جائیں گے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بے معنی ہو کر رہ جائے گا، کسی کو برائی پر ٹوکنا اور نیکی کرنے پر ابھارنا لغو ٹھہرے گا۔ چور کو اس کی چوری کی سزا نہیں دی جائے گی۔ بتاؤ کیا اب بھی تمہاری عقل ٹھکانے نہیں آئی؟ کیا اب بھی تم اپنے گناہوں کا سبب تقدیر کو مانو گے؟

۵۔ اگر تم اپنی بیوی سے نہ ملو پھر بھی اولاد کی تمنا رکھو تو کیا یہ تمہارا احمقانہ فعل نہیں ہوگا؟ یقیناً لوگ اسے احمق ہی کہیں گے۔

معلوم یہ ہوا کہ ہر کسی کو عمل کرنا ہے کیوں کہ ہر آدمی جس کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے، اسے اس کی توفیق دی جاتی ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ نیک کام کا ارادہ کرے۔ (مجموع الفتاوی:8/263-264)

دوستوں! اللہ کے لیے ان وجوہات پر غور کرو اور عقل سلیم کے ساتھ ان پر تدبر کرو تا کہ تمہارے سامنے حق بالکل واضح ہو جائے اور یہ باطل و فاسق عقیدہ تمہارا پیچھا چھوڑ دے۔ اللہ سے یہی دعاء ہے کہ وہ ہمیں اور آپ کو جبر یہ عقیدے سے محفوظ رکھے اور صحیح اور سچے راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

دوسرا خطبہ:

"الحمد لله الذي هدانا للإسلام والصلاة والسلام على خير الأنام ومن تعبه فإحسان إلى يوم القيام" وبعد!

محترم بزرگو اور دوستو! خطبۂ جمعہ کے پہلے حصے میں ہم نے تقدیر یا قسمت پر ایمان لانے کے بارے میں وارد آیات واحادیث اور عقلی دلائل پیش کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ اگر کوئی انسان تقدیر اور اس کے خیر وشر پر ایمان نہیں لاتا تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ بلکہ اللہ کی نظر میں اس کے اسلام کی کوئی حیثیت ووقعت نہیں رہ جاتی۔ اب دوسرے حصے میں ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تقدیر اور اس کے خیر وشر پر ایمان لانے سے انسان کو کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں؟

۱۔ فدائیان اسلام! جو مسلمان تقدیر اور اس کے خیر وشر پر ایمان لاتا ہے اسے جو سب سے پہلا فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر اس کا اعتماد وتوکل مضبوط ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ پر اعتماد وتوکل کامل ہی ایک مومن کی زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ واثاثہ ہے۔ جب انسان "لا إله إلا الله محمد رسول

اللّٰہ ' کا اقرار کر لیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ دنیا جہان کی تمام چیزوں سے اعلان جنگ کر کے ایک رب وحدہ لاشریک کی پناہ میں آ جاتا ہے اور محمد رسول اللہ کا اقرار کر کے گویا وہ دنیا والوں کو بتا دیتا ہے کہ اے دنیا والو! گواہ رہو کہ میں نے طاعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا چولہ زیب تن کر لیا ہے، اب میں دنیا کے تمام معبودان باطلہ اور ان کے پیروکاروں اور عبادت گزاروں کی تمام کج رویوں کو خیر باد کہتا ہوں، اب میرا اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، کھانا پینا سب کچھ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع فرمان ہے، اب میری رائے اور میرے خیال کی محمد عربی ہاشمی کی رائے اور خیال کے آگے ذرہ برابر حیثیت نہیں، ذرہ برابر اہمیت نہیں۔

اور پھر جب وہ تقدیر اور اس کے خیر و شر پر صدقِ دل سے ایمان لاتا ہے تو اس کا یہ وعدۂ طاعت مضبوط ہوتا چلا جاتا ہے۔ گویا تقدیر پر ایمان لانا، کرشمات کا ظہور کرتا ہے۔

تقدیر پر ایمان، دنیا کی کج رویوں سے ٹکرانے کا حوصلہ دیتا ہے۔ تقدیر پر ایمان، راہِ الٰہی میں آنے والی مصیبتوں کو مسکرا کر سہنے کی طاقت وقوت عطا کرتا ہے۔ تقدیر پر ایمان اللہ پر اعتماد کامل کی دولت سے مالا مال کر دیتا ہے۔ تقدیر پر ایمان اس بات کی ہمت عطا کرتا ہے کہ وہ اپنے ایمان وعقیدے کی حفاظت میں جان کی بازی لگا دے، اور اگر جان کی بازی ہار بھی جائے تو عقیدہ وایمان کی بازی نہیں ہارتا اور دنیا انگشت بدنداں رہ جاتی ہے۔

''مَآ أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهُ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ''(التغابن:11)

''کوئی مصیبت اللہ کی اجازت کے بغیر نہیں پہنچ سکتی، جو اللہ پر ایمان لائے اللہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے''۔

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''مَآ أَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِيْ أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِيْ كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ نَّبْرَأَهَا إِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ'' (الحدید:22)

''نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے نہ (خاص) تمہاری جانوں میں، مگر اس سے پہلے کہ ہم اس کو پیدا کریں وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے، یہ (کام) اللہ تعالیٰ پر آسان ہے''۔

۲۔ سامعین کرام! تقدیر پر ایمان لانے کا دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کو اس کی زندگی کے تمام مسائل میں انشراحِ صدر اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

ربِ کریم اپنے قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

''الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ'' (الرعد:28)

''جو لوگ ایمان لائے ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ یاد رکھو اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو تسلی حاصل ہوتی ہے''۔

اسے اس بات کا احساس ہو جاتا ہے کہ بقول رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم: اب جب کہ میں رب کائنات پر ایمان لا چکا ہوں، اگر پوری دنیا مجھے نقصان پہنچانا چاہے تو صرف اتنا ہی نقصان پہنچا سکتی ہے، جتنا اس نے میرے مقدر میں لکھ دیا ہے اور اگر مجھے نفع پہنچانا چاہے تو بھی صرف اتنا ہی نفع پہنچا سکتی ہے جتنا خود اللہ تعالیٰ نے میری قسمت میں لکھ دیا ہے۔

۳۔ تقدیر پر ایمان لانے کا تیسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے اعمال نیک پر غرور اور تکبر نہیں کرتا کیوں کہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ میں جو بھی نیک کام انجام دے رہا ہوں وہ محض توفیق الٰہی سے لوحِ محفوظ میں لکھے ہوئے دستاویز کے مطابق انجام پذیر ہو رہے ہیں، یہی بڑی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان نیک کاموں کی انجام دہی کی توفیق سے محض اپنے

فضل وکرم سے نوازرہا ہے۔ جب یہ خیال بندہ کے دل میں جاگزیں ہوجاتا ہے تو وہ اخلاص عمل اور اخلاص نیت کی دولت سے مالا مال ہوجاتا ہے اور بتاؤ تو سہی! اس سے بڑی دولت اور کیا ہوسکتی ہے۔

۴۔ چوتھا فائدہ: تقدیر اور اس کے خیر وشر پر ایمان لانے سے یہ ہوتا ہے کہ بڑے سے بڑے حادثے سے دوچار ہونے کے باوجود انسان اپنے اعصاب نہیں کھوتا، وہ زندگی کے ہر طوفان کو مسکرا کر ٹال دیتا ہے، بجلیاں چمکتی ہیں تو مسکرا کر جواب دیتا ہے۔

مصائب وآلام کے کھن گھرج کو تنکے سے زیادہ حیثیت نہیں دیتا۔ ناکامیوں کو کامیابی میں بدلنے کا جذبہ وحوصلہ اس کے اندر موجزن رہتا ہے۔ وہ قدرت کو نہیں کوستا بلکہ اپنی غلطی کا احساس کرکے اسے سدھارنے کی کوشش میں لگ جاتا ہے۔

سامعین کرام! یہ ہیں وہ فوائد وبرکات جو تقدیر اور اس کے خیر وشر پر ایمان لانے میں حاصل ہوتے ہیں۔ اب بتایئے کہ اگر ایک چھوٹی اور آسان سی بات مان لینے سے اتنے فوائد وبرکات حاصل ہوتے ہیں تو آپ اس آدمی کو کیا کہیں گے جو صرف اپنی انا بلکہ کہیے احمقانہ حرکت کی وجہ سے تقدیر پر ایمان نہیں لاتا اور اس قدر فوائد سے خود کو محروم کرلیتا ہے؟

برادران اسلام! ہم آپ کو چلتے چلتے یہ بھی بتادینا ضروری سمجھتے ہیں کہ تقدیر پر ایمان لانے نہ لانے کے باب میں تمام لوگ دو گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں: ایک گروہ کہتا ہے کہ تقدیر پر ایمان لانا کار باعث ہے۔ یہ گروہ قدریہ کہلاتا ہے۔ جب کہ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ تقدیر کے سامنے انسان کی وہی حیثیت ہے جو درخت سے ٹوٹ کر گر جانے والے پتے کی ہوتی ہے کہ ہوا اسے جدھر چاہتی ہے اڑائے لیے پھرتی ہے، اس گروہ کا نام ہے جبریہ۔ ان دونوں گروہوں کا تقدیر کے بارے میں خیال بالکل غلط اور باطل ہے۔ آپ اپنے آپ کو ان باطل عقائد وخیالات سے

بچائے رہیں اور تقدیر کے بارے میں ہم نے وسطیت اور اعتدال کی جس راہ کی رہنمائی آپ کے سامنے پیش کی ہے یعنی راہ اہل سنت والجماعت اسے مضبوطی سے تھامے رہیے۔ اللہ تعالیٰ پر آپ کا اعتماد اور توکل کبھی بھی کسی حالت میں ٹوٹنے نہ پائے۔ اگر یہ دولت آپ کے پاس ہے تو یقیناً آپ کامیاب و بامراد ہوں گے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

اللہ ہم سبھوں کو راہ مستقیم پر چلائے، آمین۔

أقول قولي هذا واستغفر الله لي ولكم ولسائر المسلمين، فاستغروه إنه هو الغفور الرحيم.

خیرخواہی وامانت داری

پہلا خطبہ:

"إنَّ الحمد للّٰه ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله"

أما بعد! فإن خير الحديث كتاب اللّٰه، وخير الهدي هدي محمد صلى اللّٰه عليه وسلم، وشرالأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار.

وقد قال اللّٰه تبارک وتعالیٰ فی کتابه المجيد:

"إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعاً بَصِيْراً"(النساء:58)

"اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انہیں پہنچاؤ!اور جب لوگوں کا فیصلہ کروتو عدل وانصاف سے فیصلہ کرو!یقیناً وہ بہتر چیز ہے جس کی نصیحت اللہ تعالیٰ تمہیں کررہاہے۔بے شک اللہ تعالیٰ سنتاہےاوردیکھتاہے"۔

وقال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم :

"الدين النصيحة ،الدين النصيحة، الدين النصيحة قلنا لمن يا رسول اللّٰه! قال للّٰه ولكتابه ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم ""رواه الإمام مسلم في صحيحه عن أبي رقية تميم بن أوس الداري رضى اللّٰه عنه، كتاب الإيمان حديث:95)"

برادران اسلام وخواتین ملت! مذہب اسلام نے خیر خواہی اور امانت داری پر بہت زیادہ ابھارا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بطور خاص نماز، زکوۃ اور ہر مسلمان کے لیے خیر خواہ بننے کی بیعت لیا کرتے تھے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"بايعنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إقامة الصلاة وإيتاء الزكاة والنصح لكل مسلم"(رواه البخاری)

اس کے علاوہ بھی بہت سی احادیث میں عامۃ المسلمین کے لیے عمومی طور پر اور حکمراں طبقہ کے لیے خصوصی طور پر اور حکمرانوں کی جانب سے اپنی رعایا کے لیے خیر خواہی کی زبردست تلقین ونصیحت وارد ہے۔ قرآن کریم نے کئی انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی صفتوں میں ایک خاص صفت ان کی اپنی امت کے لیے خیر خواہی کو بتایا ہے۔

نصح یا نصیحت کے معنی عام طور سے ہماری اردو زبان میں خیر خواہی کیا جاتا ہے۔ ویسے یہ لفظ "نصح العسل" سے ماخوذ ہے۔ شہد کو چھاننا اور اسے خالص بنانا کہ اس میں موم یا کسی دوسری شئی کی بالکل آمیزش اور ملاوٹ نہ ہو۔ یہ بڑا ہی جامع کلمہ ہے۔ خود عربی زبان میں یا دنیا کی دیگر زبانوں میں اس ایک لفظ کا ایک لفظ سے معنی ادا نہیں کیا جاسکتا۔ گویا ایک جامع ترین لفظ ہے جو زبان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ادا ہوا ہے۔ بہر حال جیسا کہ عرض کیا گیا، نصیحت، نصح سے ہے جس کے معنی خالص، پیور، ہر قسم کی ملاوٹ سے پاک چیز کے ہیں۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ ہمارے اور آپ کے دل میں ہر اس

شخص کے لیے جس کے ہم خیر خواہ ہیں، کسی طرح کی کوئی کدورت اور دھوکہ وفریب نہ ہو اور ہم اس کے لیے ہر بھلائی کے خواہاں ہوں۔ اور جس طرح ہم خود ہر شر وفساد سے بچنا چاہتے ہیں، اسی طرح اسے بھی ہر فتنہ وشر سے بچانے کے آرزومند ہوں۔ یہی ایک مخلص مومن کی پہچان ہے۔

جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:

"لايؤمن أحدكم حتى يحب لأخيه مايحب لنفسه"(رواه الشيخان عن أنس)

"تم میں کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہ نہ پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے"۔

انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام جو انسانوں میں سب سے برگزیدہ اور افضل ہیں، اپنی قوموں کے لیے بڑے ہی ناصح اور امین ہوا کرتے تھے، کیوں کہ ان کی نبوت ورسالت کا مقصد ہی انسانوں کو اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حقوق سے آگاہ کرنا اور خیر کی دعوت دینا اور ہر شر سے ڈرانا اور اس سے باز رہنے کی تلقین کرنا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی بابت فرمایا کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا:

"أُبَلِّغُكُمْ رِسَالاَتِ رَبِّي وَأَنصَحُ لَكُمْ وَأَعْلَمُ مِنَ اللّهِ مَا لاَ تَعْلَمُونَ"(الأعراف:62)

"تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے ان امور کی خبر رکھتا ہوں جن کی تم کو خبر نہیں"۔

ہود علیہ السلام نے اپنی قوم عاد سے کہا:

"أُبَلِّغُكُمْ رِسَالاتِ رَبِّي وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ"(الأعراف:68)

"تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا امانتدار خیر خواہ ہوں"۔

اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ انہوں نے بھی اپنی قوم سے کہا تھا:

''فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ یَا قَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النَّاصِحِیْنَ'' (الأعراف:79)

''اس وقت (صالح علیہ السلام) ان سے منہ موڑ کر چلے، اور فرمانے لگے کہ اے میری قوم! میں نے تو تم کو اپنے پروردگار کا حکم پہنچا دیا تھا اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی لیکن تم لوگ خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے''۔

حاضرین گرامی! صحیح مسلم کے حوالہ سے تمیم داری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک حدیث ''الدین النصیحة '' آپ کے سامنے پڑھی گئی ہے۔ یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے، اس کے اندر مختصر الفاظ کے ذریعہ دین کی پوری حقیقت اور اس کا کمال بیان کر دیا گیا ہے۔ دین اسلام ایمان اور احسان وغیرہ امور کے مجموعہ کا نام ہے۔ گویا دین کے اصول وفروع سب کے سب دین کا حصہ ہیں، انسانیت کی فلاح و بہود کے اسباب ہیں جن کو بروئے کار لا کر ہم ایک اچھے اور سچے مسلمان ہو سکتے ہیں اور دنیا کو امن وشانتی کا گہوارہ بنا سکتے ہیں۔ نیز آخرت کے دائمی فوز وفلاح سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں۔ گویا کل دین خیر خواہی کا نام ہے۔

تمیم داری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ خیر خواہی کس کے لیے؟ یعنی خیر خواہی کے مواضع اور مقامات کیا ہیں؟ تو آپ نے فرمایا سب سے پہلی خیر خواہی اپنے رب تعالیٰ کے لیے جس نے ہمیں پیدا کیا اور ہر قسم کی نعمتوں سے نوازا اور ہماری دینی تربیت کے لیے آسمان سے سب سے جامع اور کامل کتاب قرآن مجید سب سے برگزیدہ اور افضل رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی۔ اس رب تعالیٰ کا حق ہم بندوں پر سب سے مقدم ہے اور اس کے حق کو خالص طور پر اسی کے لیے ادا کرنا رب تعالیٰ کی خیر خواہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حق اعظم کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم اسی ایک اللہ وحدہ

لاشریک لہ کو اپنا معبود و مسجود اور حاجت روا اور مشکل کشا سمجھیں۔ اس کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کریں، اسی سے اپنی حاجتوں کا سوال کریں، اس کے وہ تمام اسماء وصفات جو کتاب اللہ اور صحیح احادیث سے ثابت ہیں انہیں بلاتحریف وتاویل اور بلاتشبیہ وتمثیل مانیں اور ان ناموں اور صفتوں سے اللہ تعالیٰ کی عظمت شان کو سمجھیں اور خود کو بھی عمدہ صفات سے آراستہ کریں۔ رب تعالیٰ کے کسی نام یا صفت کا انکار، یا اس کے حقیقی اور ظاہری معنی سے تحریف وتاویل یا اس کی کسی صفت کو مخلوق سے مشابہت دینے یا اللہ تعالیٰ کی کسی مخلوق کے ذریعہ مثال دینے کی ہرگز جسارت نہ کریں کیونکہ یہ تمام حرکتیں ناجائز، بلکہ شرک کے مترادف ہیں۔ اسی طرح جو عبادتیں اللہ پاک نے ہم پر واجب کی ہیں ان کو خالصۃً للہ ادا کریں۔ ریاکاری اور نام ونمود کی خواہش سے گریز کریں کہ یہ ضیاعِ عمل کا سبب ہے۔ واجبات کے علاوہ نوافل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے قربت حاصل کریں، اور جن چیزوں سے اللہ نے منع فرمایا ہے، خاص کر جو چیزیں شریعت میں حرام ہیں ان سے لازماً اور کلی طور پر اجتناب کریں۔ ساتھ ہی مکروہات سے بھی بچنے کی کوشش کریں۔ کیوں کہ تمام حرام اور مکروہ اشیاء یا تو ہمارے دین کے لیے یا ہماری اپنی ذات کے لیے، ہمارے گھر اور خاندان کے لیے اور انسانی معاشرہ کے لیے نقصان دہ ہیں۔ ان سے بچنے میں ہمارا ہی فائدہ ہے۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ کے حقوق کو اور خاص کر حق توحید کو یعنی اللہ تعالیٰ کی خالص بندگی کے حق کو جو سب سے اول اور مقدم ہے، بجالاتے ہیں تو ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت یافتہ اور دنیا وآخرت ہر دو جگہ میں امن وعافیت سے رہیں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید کے لیے خیر خواہ بنو۔ قرآن کریم جو الفاظ ومعانی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس کے کلام الٰہی ہونے پر ایمان رکھو۔ ''الحمدللہ'' وہ ہر تحریف اور تبدیلی سے پاک ہے۔ یہ کتاب تمام سابقہ آسمانی کتابوں کے لیے ناسخ اور ان

کی تعلیمات کو اپنے اندر سمیٹے ہوئی ہے۔ جو قرآن کریم پر ایمان نہیں رکھتا وہ مسلمان نہیں ہے۔ اسی طرح بعض فرقوں کا یہ گمان ہے کہ قرآن مجید کے بعض اجزاء یا بعض سورتیں اور آیتیں حذف کردی گئی ہیں یا حذف کی جاسکتی ہیں، کفر کو مستلزم ہے۔ اس کتاب کو دنیا وآخرت کی فلاح ونجات کا ذریعہ سمجھ کر پڑھنا، اس کو صحیح احادیث اور اقوال صحابہ اور ان کی تفسیر کی روشنی میں سمجھنا، اس پر عمل کرنا، اعمال حسنہ اور اخلاق کریمانہ کو اختیار کرنا اور برے اعمال واخلاق سیۂ جن کی قرآن نے نشاندہی کی ہے ان سے دامن بچانا، قرآن وسنت کی روشنی میں اپنے معاملات حل کرنا اور کرانا اور قرآن کو اپنے قلبی امراض شرک وبدعات اور معاصی وسیئات جیسے امراض خبیثہ اور اسی طرح مختلف جسمانی امراض کا علاج اور ذریعۂ شفا سمجھنا قرآن کریم کے ساتھ خیر خواہی ہے۔ مسلمانوں کا اس سے بڑا ہی گہرا اور مضبوط رشتہ ہونا چاہیے۔ اس کتاب پر عمل پیرا ہوکر اسلاف کرام نے دنیا پر حکومت کی اور اسلام کی عظمت وشوکت کے جھنڈے گاڑے اور ہم اس قرآن سے بے اعتنائی کے سبب ذلیل وخوار ہوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصح وخیر خواہی کے مقامات میں یہ بھی فرمایا کہ نصیحت وخیر خواہی اللہ کے رسول کے لیے ہے۔ یعنی ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت پر ایمان لائیں اور آپ کو آخری نبی ورسول جانیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی ورسول قیامت تک نہیں آئے گا۔ اور جو اس قسم کا دعویٰ کرے گا وہ جھوٹا ہوگا۔ آپ کی شریعت جو قرآن مجید اور آپ کی صحیح حدیثوں سے مکمل ہے، اس پر عمل پیرا ہوں۔ آپ کی دی ہوئی خبروں کی تصدیق کریں۔ آپ کے حکموں کو بجالائیں۔ آپ کی منع کردہ چیزوں سے باز رہیں۔ آپ کے فرمودات پر کسی کے قول وفعل کو ترجیح نہ دیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی بندگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق کریں۔ آپ کے فضل کا اعتراف کریں۔ آپ پر بکثرت مسنون صلاۃ (درود) پڑھا کریں اور خاص کر جمعہ کے دن درود

شریف بکثرت پڑھنے کی حدیثوں میں ترغیب آئی ہے۔آپ کا،آپ کی ازواج مطہرات اورآپ کے اہل بیت مومنین رضی اللہ عنہم اجمعین کا احترام اورتوقیر واکرام ضروری سمجھیں۔ آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے محبت کو جزو ایمان سمجھیں۔ یہ تمام باتیں حقوق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر داخل ہیں۔ان حقوق کی ادائیگی اور مناسب توقیر کے منافی امور جو بے ادبی اور بدتمیزی سے عبارت ہیں،ان سے ہر حال میں بچیں اور گستاخی کرنے والوں سے سختی سے نمٹیں۔

نصح وخیر خواہی،مسلمانوں کے حکمرانوں کے لیے بھی ضروری ہے اوراس کا تقاضہ ہے کہ ان کے لیے صلاح واستقامت اور تمام معاملات میں درستگی اختیار کرنے کی دعا کی جائے۔خیر کے کاموں میں ان کی اطاعت کو واجب سمجھیں اور جن کے ذمہ جو کام اور ڈیوٹی لگائی گئی ہے یا جو عہدہ ومنصب دیا گیا ہے اس کا پاس ولحاظ رکھیں اور مفوضہ ذمہ داریوں کو عمدہ طریقہ پر انجام دے کر اپنے حکمرانوں کے ساتھ تعاون کریں۔عہدوں اور ذمہ داریوں کو امانت سمجھیں۔ ملک کی سالمیت اور امن وامان کو برقرار رکھنے میں حکمرانوں کا بھر پور تعاون کریں۔

خیر خواہی عام مسلمانوں کے لیے بھی ہم سے مطلوب ہے اوراس کا مطلب جیسا کہ ذکر کیا گیا؛ یہ ہے کہ ہم ان کے لیے وہ پسند کریں جو اپنے لیے پسند کرتے ہیں،اور جن چیزوں کو اپنے لیے ناپسند کرتے ہیں ان کے لیے بھی ناپسند کریں۔ بڑوں کا احترام اور چھوٹوں سے شفقت کریں۔گمراہوں کو راہ راست دکھائیں،جاہلوں اور غافلوں کی تعلیم وتذکیر کا فریضہ انجام دیں،بھلائی کا حکم کریں اور برائیوں سے روکیں،مشورہ دینے میں خیانت اور دھوکہ دہی سے ہرگز کام نہ لیں،بیع وشراء اور دیگر معاملات میں شرعی ہدایات کا ضرور خیال رکھیں۔بدعہدی،وعدہ خلافی،غیبت وچغل خوری اور دوسروں کی حق تلفی اور عدل وانصاف میں منہ دیکھی وغیرہ سے پرہیز کریں۔مگر افسوس کہ اس طرح کی واجب خیر خواہی

آج مسلمانوں سے مفقود اور عنقا ہے۔ ہر طرف انانیت، خود غرضی، مکر و فریب، تجارتی معاملات میں دھوکہ اور جھوٹ اسی طرح مقدمات میں جھوٹ بولنے اور جھوٹی گواہیاں پیش کر کے اپنے حق میں ناحق فیصلہ کرا لینے کا چلن عام ہے۔ ہمارے بیشتر کاروبار اس پر قائم ہیں۔ اعلیٰ عہدیداروں سے لے کر چپراسی تک کو رشوت کا چسکا لگ گیا ہے۔ مسلم معاشرہ میں بغض وحسد، کینہ کپٹ اور کبر و غرور کا مظاہرہ عام ہے۔ العیاذ باللہ۔ حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے: انہوں نے قسم کھا کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا سب سے محبوب اور چہیتا بندہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو اس کے بندوں کے پاس اور بندوں کو اللہ تعالیٰ کے پاس محبوب بنا دے اور ہر طرف نصح و خیر خواہی کا معاملہ کرتا پھرے۔

وباللّٰه التوفيق واخر دعوانا ان الحمد للّٰه رب العالمين.

دوسرا خطبہ:

الحمد اللّٰه وحده والصلاة والسلام على من لانبي بعده، وبعد!فقد

قال اللّٰه تعالىٰ:

"يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لاَ تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْآ اَمَانَاتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ" (الأنفال:27)

"اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول (کے حقوق) میں جانتے ہوئے خیانت مت کرو اور اپنی قابل حفاظت چیزوں میں خیانت مت کرو"۔

دینی بھائیو اور بزرگو! اسلام میں امانت داری کی بھی بڑی تلقین موجود ہے۔ جو امانت دار نہیں وہ مومن نہیں۔ شریعت نے ہر باب اور معاملہ میں خیانت سے منع فرمایا ہے۔ وہ تمام حقوق جن کی رعایت و نگہداشت کا انسان پابند بنایا گیا ہے خواہ اللہ تعالیٰ کے حقوق ہوں یا بندے کے۔ تمام شرعی احکام، اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں جن کا بوجھ انسانوں نے اٹھایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان:

''إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا''(الأحزاب:72)

''ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا لیکن سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گیا (مگر) انسان نے اسے اٹھالیا، وہ بڑا ہی ظالم جاہل ہے''۔

میں امانت سے احکام شریعت مراد ہیں۔لہٰذا جس نے شرعی پابندی کا پورا پورا لحاظ کیا فائز المرام اور عظیم اجر وثواب سے بہرہ ور ہوا۔اور جس نے ظاہراً تسلیم کیا مگر دل سے نہ مانا اور جس نے ظاہری اور باطنی دونوں طریقوں سے شرعی احکام کا انکار کیا، غفلت برتی وہ منافق وکافر قرار دیا گیا۔سورۂ احزاب کی آخری آیت میں امانت الٰہی یعنی شرعی احکام کی پابندی کرنے والے مومنین ومومنات کے لیے بشارت اور منافقین ومنافقات اور مشرکین ومشرکات کے لیے عذاب کی وعید بیان کی گئی ہے۔

اللہ کے بندو! جس طرح عبادات الٰہی، اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں اور ہم ان کی ادائیگی کے شرعاً مکلّف اور پابند ہیں۔اسی طرح لوگوں کی ودیعتیں (یعنی وہ سامان جو ایک دوسرے کے پاس کچھ وقتوں کے لیے چھوڑ دیتے ہیں اور ان کے عیوب اور رازدارانہ امور) بھی امانت ہیں۔بادشاہ، وزراء اور افسران سے لے کر کلرک اور چپراسی تک ہر کوئی امانت دار ہے اور اس پر عائد ذمہ داریاں، امانت ہیں۔قاضی اپنے حکم قضا میں، مدرس اپنی تدریس میں امین ہے۔اسی طرح بیوی اور بچوں کی دینی واخلاقی تربیت بھی ایک اہم امانت ہے اور اس میں کوتاہی کرنے والا عنداللہ مسئول ہے۔اسلام میں صلاح ومشورہ بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔جس سے مشورہ طلب کیا جائے اس پر لازم ہے کہ مشورہ طلب کرنے والوں

کو صحیح مشورہ دے کیونکہ یہ بھی ایک امانت ہے۔ اور مشورہ طلب کرنے والے پر بھی لازم ہے کہ وہ ایسے ہی شخص سے مشورہ طلب کرے جو اس کا مخلص اور ہمدرد ہو، اس کے جذبات کو سمجھتا ہو، اسی کی خوشی میں اپنی خوشی اور اس کی تکلیف میں اپنے لیے تکلیف پاتا ہو۔ ورنہ غیر مخلص جس کی حیثیت ایک چھپے ہوئے دشمن کی ہو تو وہ کبھی بھی صحیح مشورہ نہیں دے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ ایسے ہی شخص سے مشورہ طلب کرے جو معاملہ فہم ہو۔ کسی ناواقف شخص سے جو مطلوبہ امور کی بابت صحیح علم نہ رکھتا ہو، مشورہ طلب کرنا بجائے خود جہالت وحماقت ہے۔ نیز مشورہ ایسے ہی شخص سے طلب کیا جائے جو مومن متقی ہو کیونکہ ایمان اور تقویٰ دھوکہ وخیانت سے انسان کو روکتے ہیں۔

مال کی طرح بات اور کسی کا راز بھی امانت ہے، اگر اس پر کوئی شخص امین بنایا جائے تو اس کے لیے بات یا راز کا افشاء خیانت ہے۔ اور آج عام طور پر اس معاملے میں لوگ بڑی خیانتیں کرتے ہیں۔ کسی بات پر اختلاف ہوا اور تمام پوشیدہ رازوں کو اگلنا شروع کر دیا۔

ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے خوف کھانا چاہیے۔ اسی طرح گھر کا ذمہ دار اپنے گھر میں امانت دار ہے اور ہر کوئی اپنی اپنی ذمہ داریوں کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

''إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا'' (النساء:58)

''اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انہیں پہنچاؤ!''۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

''أد الأمانة إلى من أتمنك ولا تخن من خانك'' (التاريخ للبخاری، ابو داؤد عن أبی هريرة)

''تمہارے پاس جس نے امانت رکھی ہے اس کی امانت ادا کر دو، اور جس نے تم سے خیانت کی ہے، اس کے ساتھ تم مت خیانت کرو''۔

اس کی خیانت کا گناہ اس کے سر ہے، تمہاری امانت داری کا تمہیں ثواب ملے گا۔

امانت دار کے لیے ضروری ہے کہ جو کچھ اس نے لیا ہے اسے ادا کر دے۔ لہٰذا ہر شخص اپنے واجبات و فرائض اور بطور امانت رکھی گئی چیزوں کی ادائیگی کا از حد لحاظ کرے اور خیانتوں سے پرہیز کرے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ تمام حضرات و خواتین کو خیر خواہ اور امین بنائے۔ آمین۔

اسلامی بھائیو! امانت کی ضد خیانت ہے اور جس طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے برگزیدہ رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے امانت کا تاکیدی حکم فرمایا ہے اسی طرح اللہ اور رسول نے خیانتوں سے بھی باز رہنے کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ'' (الأنفال:27)

''اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول (کے حقوق) میں جانتے ہوئے خیانت مت کرو اور اپنی قابل حفاظت چیزوں میں خیانت مت کرو''۔

یعنی ان کے حقوق کی ادائیگی اور اللہ کی الوہیت اور رسول کی رسالت کے تقاضوں کی تکمیل میں کسی قسم کی خیانت و بدعہدی کو راہ نہ دو۔ اور اسی طرح تم اپنے درمیان ایک دوسرے کے حقوق اور اموال وغیرہ امانتوں کے اندر بھی خیانت نہ کرو۔ خیانت یہود و منافقین کی صفت ہے۔

''وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا'' (آل عمران:75)

''اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر تو انہیں ایک دینار بھی امانت دے تو تجھے ادا نہ کریں، ہاں یہ اور بات ہے کہ تو اس کے سر پر ہی کھڑا رہے''۔

میں یہود اور ان کی خیانت بیان کی گئی ہے۔ حدیث میں آیا ہے:

"آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب وإذا وعد أخلف وإذا أؤتمن خان"(رواه الشيخان عن أبي هريره)

"منافق کی علامت ہے کہ جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے اور جب کسی چیز پر امانت دار بنایا جائے تو خیانت کر جائے"۔

حقیقت یہ ہے کہ امانت میں خیانت ظلم ہے اور ظالم کسی حال میں اللہ تعالیٰ کے انتقام سے بچ نہیں سکتا۔ إلا یہ کہ توبہ کرے اور حق والے کا حق ادا کرے۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے اندر آخری زمانہ کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ بھی بتائی گئی ہے کہ لوگوں کے سینوں سے امانتیں ختم کردی جائیں گی۔ گویا ایمان اور فطرت سلیمہ کے نتیجہ میں لوگوں میں جو امانت داری موجود ہے وہ برے اعمال اور بدنصیبی کے سبب رفتہ رفتہ زائل ہو جائے گی۔ جب نور امانت زائل ہوگا تو اس کی جگہ سیاہی آئے گی، پھر سیاہی کے بعد سیاہی مزید گہری ہوتی چلی جائے گی، پھر تو امانت دار تلاش کرنے سے بھی نہ ملے گا، یہاں تک کہ خیر اور ایمان سے محروم لوگ ہی لائق ستائش اور قابل تعریف ٹھہریں گے۔

صحیحین میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"خير القرون قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم، قال عمران: فما أدري قال النبي صلى الله عليه وسلم بعد قوله مرتين أؤ ثلاثا، ثم يكون بعد هم قوم يشهدون ولا يشتهدون، ويخونون ولا يؤتمنون وينذرون ولا يوفون ويظهر فيهم السمن"

"سب سے بہتر زمانہ میرا ہے، پھر میرے بعد والوں کا، پھر ان کے بعد والوں کا۔ عمران بن حصین کہتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ آپ نے یہ دوبار فرمایا یا تین بار۔ پھر ان کے

بعد ایسے لوگ ہوں گے جو بلا طلب کے گواہ بنا کریں گے، خیانت کریں گے اور امانت دار نہیں رہیں گے۔ نذریں اور منتیں مانیں گے، لیکن انہیں پورا نہ کریں گے اور ان میں موٹا پا ظاہر ہو جائے گا''۔

''العیاذ باللّٰہ، أعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم''

''إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَآئِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْماً''(الأحزاب:56)

دعوتِ انبیاء کا منہج

پہلا خطبہ:

"إنَّ الحمد للّٰه ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادی له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله" أما بعد!

سامعین کرام! آج ہماری گفتگو ایک ایسے منہج سے متعلق ہوگی، جو سب سے صحیح منہج اور سب سے واضح اور مضبوط دلیلوں والا منہج ہے۔ جو اس پر چلا، وہ کامیاب وبامراد ہوا، اور منزل مقصود کو پہنچا۔ اور جس نے اس سے روگردانی کی وہ گم گشتہ راہ ہوا اور سیدھی راہ سے بھٹکا۔ وہ ایک واضح منہج اور ایک واضح طریق ہے۔ وہ ہے دعوت اِلی اللہ کے سلسلے میں انبیاء کا منہج ۔ یہ وہ پاک منہج ہے، جسے دعوت اِلی اللہ کے سلسلے میں اپنانا ہر مسلمان مرد وزن کے لیے ضروری ہے۔ کیوں کہ یہ وہ بہترین منہج ہے، جسے انسانی برادری نے سمجھا۔

اللہ آپ کا نگہبان ہو، جیسا کہ آپ جانتے ہیں دعوت انبیاء کی حقیقت، اللہ تعالیٰ کی توحید اور قول وفعل میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ سے عبارت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُوْلاً أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ" (النحل:36)

''ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (لوگو!) صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمام باطل معبودوں سے بچو''۔

اللہ عزوجل نے قرآن مجید کے اندر دعوت انبیاء کے اصول تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ افراد، جماعتیں، حاکم ومحکوم، کمزور وطاقتور اور مالدار محتاج وغیرہم سبھی طرح کے لوگوں کے پاس اسلام پیش کرنے کی کیفیت بیان کی ہے۔ چنانچہ انبیاء کے واقعات وقصص ان کی قوموں کے ساتھ بیان کیے اور واضح فرمایا کہ اپنے پیغمبروں اور ان کے پیروکاروں کی اللہ نے کس طرح مدد کی۔ مگر ان کے مخالفین اور ایذارسانی کرنے والوں کو کیسے رسوا وبرباد کیا۔ خواہ کوئی حاکم رہا ہو جیسے فرعون اور نمرود، یا کوئی فرد جیسے قارون، یا کوئی گروہ، قبیلہ یا کوئی امت یا پھر کوئی قوم جیسے قوم عاد وثمود وغیرہم۔

قرآن کریم، جیسے ایک کتاب توحید وایمان ہے، اسی طرح کتاب شریعت بھی ہے، جیسے وہ ایک کتاب علم وحکمت ہے، اسی طرح کتاب دعا، وعبودیت ہے، کتاب اصلاح ودعوت ہے اور اس طرح کتاب ذکر وفکر بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحاً إِلَى قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرُهُ إِنِّيَ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ'' (الأعراف:59)

''ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے کہا اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود ہونے کے قابل نہیں، مجھ کو تمہارے لیے ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے''۔

''وَإِلَى عَادٍ أَخَاهُمْ هُوداً قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرُهُ أَفَلاَ تَتَّقُونَ'' (الأعراف:65)

''اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود (علیہ السلام) کو بھیجا۔ انہوں نے

کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں، سو کیا تم نہیں ڈرتے"۔

نیز ارشاد ہوا:

"وَإِلٰى ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحاً قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرُهُ "(ہود:61)

"اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا، انہوں نے کہا کہ اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔

اور فرمایا:

"وَإِلٰى مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْباً قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرُهُ "(الأعراف:85)

اور ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب (علیہ السلام) کو بھیجا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں"۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن بھیجتے وقت فرمایا: تم ایک ایسی قوم کے پاس جا رہے ہو، جو اہل کتاب ہے، جب تم ان کے پاس پہنچو تو ان کو سب سے پہلے اس بات کی دعوت دو کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اگر وہ تمہاری یہ بات مان لیں تو ان کو بتلاؤ کہ اللہ نے ان پر شب و روز میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، اگر وہ تمہاری یہ بھی بات مان لیں تو ان کو بتلاؤ کہ اللہ نے ان پر زکاۃ فرض قرار دی ہے، جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور فقیروں کو دے دی جائے گی۔ اگر وہ تمہاری یہ بھی مان لیں تو پھر اس کے بعد ان کے عمدہ عمدہ مال لینے سے بچو، اور مظلوم کی بددعا سے بچو کیوں کہ اس کے اور اللہ کے بیچ میں کوئی پردہ حائل نہیں

ہوتا۔(بخاری)

اور نرمی سے متعلق اللہ نے فرمایا:

"فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى"(طٰہٰ:44)

"اسے نرمی سے سمجھاؤ کہ شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے"۔

اسی طرح حکمت بھی ہے جو اللہ نے انبیاء کو عطا کی تھی۔ دیکھیے، حضرت یوسف علیہ السلام کو، انہوں نے دو ساتھی قیدیوں سے کیا کہا تھا:

"يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ، مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ"(یوسف:40-39)

"اے میرے قید خانے کے ساتھیو! کیا متفرق کئی ایک پروردگار بہتر ہیں؟ یا ایک اللہ زبردست طاقتور؟ اس کے سوا تم جن کی پوجا پاٹ کر رہے ہو وہ سب نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے خود ہی گھڑ لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی، فرمانروائی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، اس کا فرمان ہے کہ تم سب سوائے اس کے کسی اور کی عبادت نہ کرو، یہی دین درست ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے"۔

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کی حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ قَالَ يَا قَوْمِ هٰۤؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ"(ہود:78)

"اور اس کی قوم دوڑتی ہوئی اس کے پاس آ پہنچی، وہ تو پہلے ہی سے بدکاریوں میں مبتلا تھی، لوط علیہ السلام نے کہا اے قوم کے لوگو! یہ ہیں میری بیٹیاں جو تمہارے لیے بہت

ہی پاکیزہ ہیں، اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں کے بارے میں رسوا نہ کرو، کیا تم میں ایک بھی بھلا آدمی نہیں''۔

اور ترغیب و ترہیب کے طور پر حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

''فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ مَّآ أُرْسِلْتُ بِهٖٓ إِلَيْكُمْ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْماً غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْئاً إِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ''(ہود:57)

''پس اگر تم روگردانی کرو تو میں تو تمہیں وہ پیغام پہنچا چکا جو دے کر مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا تھا۔ میرا رب تمہارے قائم مقام اور لوگوں کو کر دے گا اور تم اس کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکو گے، یقیناً میرا پروردگار ہر چیز پر نگہبان ہے''۔

اور حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا:

''فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ إِنَّهٗ كَانَ غَفَّاراً، يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَاراً، وَّيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ أَنْهَاراً، مَّا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَاراً''(نوح:13-10)

''اور میں نے کہا کہ اپنے رب سے اپنے گناہ بخشواؤ (اور معافی مانگو) وہ یقیناً بڑا بخشنے والا ہے۔ وہ تم پر موسلا دھار بارش کرے گا۔ تمہیں مال واولاد سے نوازے گا، تمہارے لیے باغ اور نہریں بنائے گا۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی برتری کا خیال نہیں کرتے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے کہا:

''قَالَ رَبِّ إِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلاً وَّنَهَاراً''(نوح:5)

''ثُمَّ إِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَاراً''(نوح:8)

''ثُمَّ إِنِّيْٓ أَعْلَنْتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَاراً''(نوح:9)

''(نوح علیہ السلام نے) کہا اے میرے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو رات دن تیری طرف بلایا ہے۔ پھر میں نے انہیں بآواز بلایا اور بے شک میں نے ان سے اعلانیہ بھی

کہا اور چپکے چپکے بھی"۔

اسی طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ بھیجا تو آپ موقع بہ موقع لوگوں کے پاس جانے لگے اور ان کو اللہ وحدہ لاشریک لہ کی دعوت دینے لگے۔

دوسرا خطبہ:

"إنَّ الحمد لله ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله" أما بعد!

حضرات سامعین! انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا دعوتی منہج، ان فطری دلائل کے سبب ممتاز وجدا ہے جن کو فطرت تسلیم کرتی ہے۔ اور جو لوگ اس کا انکار کرتے ہیں وہ صرف عناد ومخالفت اور تکبر وغرور میں۔

سنیے، حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی اپنی قوم کے ساتھ گفتگو۔ آپ لوگوں سے عقلی دلائل کی روشنی میں بحث ومجادلہ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

" وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَاماً آلِهَةً إِنِّي أَرَاكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ،وَكَذَٰلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ "(الأنعام:75-74)

"اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے باپ آزر سے فرمایا کہ کیا تو بتوں کو معبود قرار دیتا ہے؟ بے شک میں تجھ کو اور تیری ساری قوم کو صریح گمراہی میں دیکھتا ہوں۔ اور ہم نے ایسے ہی طور پر ابراہیم (علیہ السلام) کو آسمانوں

اور زمین کی مخلوقات دکھلائیں اور تا کہ کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں''۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرعون کے ساتھ ہوئی گفتگو بھی ملاحظہ فرمائیے!

''فَأْتِيَاهُ فَقُولَآ إِنَّا رَسُولَا رَبِّكَ فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيٓ إِسْرَآئِيلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ قَدْ جِئْنَاكَ بِآيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى، إِنَّا قَدْ أُوحِيَ إِلَيْنَآ أَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى، قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يَا مُوسٰى، قَالَ رَبُّنَا الَّذِيٓ أَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدٰى، قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولٰى، قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتَابٍ لَّا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى، الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّأَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهٖ أَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى، كُلُوا وَارْعَوْا أَنْعَامَكُمْ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النُّهٰى، مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرٰى، وَلَقَدْ أَرَيْنَاهُ آيَاتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَأَبٰى''(طٰہٰ:56-47)

''تم اس کے پاس جا کر کہو کہ ہم تیرے پروردگار کے پیغمبر ہیں تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے، ان کی سزائیں موقوف کر۔ ہم تو تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں اور سلامتی اسی کے لیے ہے جو ہدایت کا پابند ہو جائے۔ ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ جو جھٹلائے اور روگردانی کرے اس کے لیے عذاب ہے۔ فرعون نے پوچھا کہ اے موسیٰ تم دونوں کا رب کون ہے؟ جواب دیا کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر ایک کو اس کی خاص صورت، شکل عنایت فرمائی پھر راہ سجھا دی۔ اس نے کہا اچھا یہ تو بتاؤ اگلے زمانہ والوں کا حال کیا ہونا ہے۔ جواب دیا کہ ان کا علم میرے رب کے ہاں کتاب میں موجود ہے، نہ تو میرا رب غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے۔ اسی نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا ہے اور اس میں تمہارے چلنے کے لیے راستے بنائے ہیں اور آسمان سے پانی بھی وہی برساتا ہے، پھر اس برسات کی وجہ سے مختلف قسم کی پیداوار بھی ہم ہی پیدا کرتے ہیں۔ تم خود کھاؤ اور

اپنے چوپایوں کو بھی چراؤ۔ کچھ شک نہیں کہ اس میں عقلمندوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔ اسی زمین میں سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں پھر واپس لوٹائیں گے اور اسی سے پھر دوبارہ تم سب کو نکال کھڑا کریں گے۔ ہم نے اسے اپنی سب نشانیاں دکھا دیں لیکن پھر بھی اس نے جھٹلایا اور انکار کر دیا"۔

ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔

برادران اسلام! دعوت الی اللہ کے سلسلے میں منہج انبیاء کی مخالفت سے بچیں اور خوارج اور روافض جیسے گمراہوں کے منہج نہ اپنائیں۔ اسی طرح حضرات دعاۃ وطلبۂ علم! آپ کے لیے دعوت الی اللہ کے سلسلے میں جدید وسائل وذرائع سے فائدہ اٹھانا ضروری ہے کیوں کہ بعض وسائل میں کچھ ایسی سہولیات ہیں، جو داعی الی اللہ کے لیے مفید ہیں، جیسے انٹرنیٹ، موبائل اور کمپیوٹر وغیرہ۔ دشمنان اسلام کو دیکھیے، انہوں نے اپنی فضولیات اور شرکیات کو پھیلانے کے لیے کس طرح ان کا استعمال کیا ہے۔

اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ سب سے بہترین ہدایت، محمدی ہدایت ہے۔ سب سے خراب معاملہ، دین میں نئی بات ہے۔ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔

سچ کی ترغیب اور جھوٹ کی مذمت

پہلا خطبہ:

"إنَّ الحمد لله، نحمده، و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريک له، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله" أما بعد!

فقد قال الله تبارک وتعالىٰ في كلامه المجيد، أعوذ بالله من الشيطان الرجيم.

"يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ" (التوبہ:128)

حضرات! اللہ تعالیٰ کا بے حد احسان و کرم ہے کہ اس نے دنیا میں صدق یعنی سچائی جیسی عظیم صفت بھی پیدا کی ہے اور انسانوں کو یہ حکم دیا کہ سچائی کو اپنائیں، اس کو اپنی زندگی میں داخل کریں، اس کو اپنا شیوہ اور وطیرہ بنائیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جھوٹ کو بھی پیدا کیا مگر اس سے بے حد ڈرایا، اس سے دور دور رہنے کی تلقین کی، اس کی مذمت کی اور اس کے برے نتائج سے آگاہ کیا۔

حضرات! اگر اللہ تعالیٰ کی جانب سے سچائی کو اپنانے اور جھوٹ سے دور دور رہنے کا حکم نہ ہوتا تو آج دنیا کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔ ہر انسان ایک دوسرے سے جھوٹ بولتا، اس لیے کہ جھوٹ بولنا بے حد آسان ہوتا ہے۔ دل تھوڑا سا جھوٹ کی طرف مائل ہوا اور ہونٹوں

میں حرکت ہوئی جھوٹ نکل گیا، دیکھا آپ نے کتنا آسان ہے۔ جب کہ سچ بولنا بے حد مشکل ہے۔ بہت زیادہ جان گسل اور کٹھن ہے، سچ کی طرف دل کو مائل ہونے میں بھی دیر لگتی ہے اور سچ کے لیے ہونٹ بھی لرزتے ہوئے کھلتے ہیں۔

ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ سچ یا جھوٹ کی نوبت ہی اس وقت آتی ہے جب معاملہ پھنستا ہوا نظر آتا ہے، اور عموماً اس کے پیچھے کوئی ڈر اور کوئی خوف پوشیدہ ہوتا ہے۔ کہیں مال کے ضائع ہونے کا ڈر، کہیں جان جانے کا ڈر، کہیں لوگوں کی نظروں سے گر جانے کا ڈر تو کہیں نوکری چلی جانے کا ڈر، اور ڈر کا یہ سلسلہ زلف جاناں کی طرح دراز ہے۔ یہاں تک کہ کہیں والدین کا ڈر، کہیں بچوں کا ڈر، کہیں استاذ کا ڈر تو کہیں طلبہ کا ڈر، کہیں بیوی کا ڈر تو کہیں شوہر کا ڈر، کہیں ذمہ داری کا ڈر تو کہیں کسی اور کا ڈر۔ اور یہ ڈر اس لیے پیدا ہوتا ہے کہ انسان سے جانے یا انجانے میں کوئی ایسا عمل سرزد ہو جاتا ہے جس کا اظہار معیوب ہو، یا اس کی وجہ سے کسی پریشانی کا اندیشہ لاحق ہو۔ اور اس پریشانی سے بچنے کے لیے کوئی بہانہ تراشتا ہو۔

کوئی خوبصورت سا بہانہ بنا کر دامن بچا لینا چاہتا ہو۔ ایسا کرنے پر وقتی طور پر تو وہ خود کو کامیاب تصور کرتا ہے مگر جھوٹ تو جھوٹ ہے اس کا پردہ کبھی نہ کبھی اور کہیں نہ کہیں ضرور فاش ہوتا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ جھوٹ کا انجام برا ہوتا ہے۔

جھوٹ ایک فریب ہے، جھوٹ ایک دھوکہ ہے، جھوٹ ایک بیماری ہے، جھوٹ ایک نہایت ہی بری خصلت ہے، جھوٹ سے اعتماد کا خاتمہ ہو جاتا ہے، جھوٹ سے آپسی تعلقات کمزور پڑ جاتے ہیں، جھوٹ سے انسان اخلاقی معیار سے نیچے گر جاتا ہے۔ جب کہ سچ ایک طاقت ہے، ایک اعلیٰ ترین خصلت ہے، سچ سے انسان کو بلندی ملتی ہے، سچ انسان کو مضبوط بنا دیتا ہے، سچ سے آپسی اعتماد بحال ہوتا ہے۔ اس لیے جب انسان سچ کو اپناتا ہے تو فطری طور پر اس کے دل سے اللہ کے سوا تمام لوگوں کا ڈر نکل جاتا ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کوئی دیکھے یا نہ دیکھے اللہ تو مجھے دیکھ رہا ہے، مجھے اس کے سامنے بھی جواب دینا

ہے۔ ممکن ہے اس دنیا میں جھوٹ بول کر نکل جاؤں مگر کل قیامت کے میدان میں جب اللہ کے سامنے میری پیشی ہوگی تو کیا جواب دوں گا؟ نتیجتاً ایسا انسان برائیوں سے بچ جاتا ہے یا کوئی ایسی حرکت کرنے سے گریز کرتا ہے جس کے کرنے سے بعد میں ندامت ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ''(التوبہ:119)

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو''۔

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

''فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ ''(محمد:21)

''تو اگر وہ اللہ کے ساتھ سچے رہیں تو ان کے لیے بہتری ہے''۔

حضرات! اگر دیکھا جائے تو بنیادی طور پر صدق اور کذب یعنی سچ اور جھوٹ دونوں الگ الگ مستقل صفات ہیں، دونوں علیحدہ علیحدہ خصلتیں ہیں، اور کسی بھی انسان کے اندر دونوں صفات کے پائے جانے کا امکان بدرجۂ اتم رہتا ہے۔ یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ سچ یا جھوٹ دونوں کے بولنے پر قادر ہے۔ اللہ نے اس دنیا میں چھوٹ دے رکھی ہے، تاکہ وہ اپنے بندوں کو آزمائے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ سچ کی اور سچ بولنے والوں کی کیا قدر و قیمت ہے۔ اور جھوٹ بولنے والے کا کیا انجام ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مختلف انداز میں سچائی کی اہمیت کو واضح کیا ہے اور لوگوں کو اس پر چلنے کی ترغیب دلائی ہے۔ قرآن کریم کی بے شمار آیتیں اس جانب اشارہ کرتی ہیں۔ اگر آپ قرآن کریم کی آیتوں میں غور کریں گے تو اندازہ ہوگا کہ سچ کا کتنا بڑا مقام و مرتبہ ہے کہ سچائی کی نسبت کہیں خود اللہ کی ذات کی جانب ہے تو کہیں انبیاء کی جانب ہے۔ کہیں صالحین کی جانب ہے تو کہیں صالحات کی جانب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

'' وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا''(النساء:87)

''اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچ بات والا اور کون ہوگا''۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

''وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا وَّمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا'' (النساء:122)

''یہ ہے اللہ کا وعدہ جو سراسر سچا ہے اور کون ہے جو اپنی بات میں اللہ سے زیادہ سچا ہو؟''

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو یہ صدق اس قدر محبوب و پسندیدہ ہے کہ اس نے صیغہ تفضیل کے ساتھ اپنے لیے استعمال فرمایا ہے۔

ایک دوسری جگہ یہود کے تمرد وطغیان اور اس کی من مانی شریعت پر زجر و توبیخ کرتے ہوئے فرمایا:

''وإِنَّا لَصَادِقُونَ'' (الأنعام:146)

''اور ہم یقیناً سچے ہیں''۔

اس صدق کی نسبت نبیوں اور رسولوں کی طرف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وَالَّذِىْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ'' (الزمر:33)

''اور جو سچے دین کو لائے اور جس نے اس کی تصدیق کی یہی لوگ پارسا ہیں''۔

مزید وضاحت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر اپنے پیارے خلیل سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

''وَاذْكُرْ فِى الْكِتَابِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا'' (مریم:41)

اس کتاب میں ابراہیم (علیہ السلام) کا قصہ بیان کر، بے شک وہ بڑی سچائی والے پیغمبر تھے۔

حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''وَاذْكُرْ فِى الْكِتَابِ إِدْرِيْسَ إِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا'' (مریم:56)

''اور اس کتاب میں ادریس (علیہ السلام) کا بھی ذکر کر، وہ بھی نیک کردار پیغمبر تھا''۔

اسی طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولاً نَّبِيّاً'' (مریم:54)

''اس کتاب میں اسماعیل (علیہ السلام) کا واقعہ بھی بیان کر، وہ بڑا ہی وعدے کا سچا تھا اور تھا بھی رسول اور نبی''۔

غرض یہ کہ صدق اور سچائی انبیاء کی صفت رہی ہے۔ نبیوں کی یہ خصلت اتنی مبارک خصلت ہے کہ اللہ نے قرآن کریم میں اس کا ذکر جمیل فرمایا تا کہ انسان اس خصلت کو اپنانے کی کوشش کرے، نبیوں کی سچائی کا ذکر سن سن کر نبیوں کو اپنا آئیڈیل بناتے ہوئے سچائی کی راہ پر گامزن رہے۔ اس کے برعکس کذب یعنی جھوٹ کی ہمیشہ مذمت کی گئی ہے، اس خصلت کو نہایت ہی معیوب قرار دیا گیا ہے۔ اور اس سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اور مختلف پیرائے میں یہ بتایا گیا ہے کہ جھوٹ کی راہ پر چلنے والے لوگ بہت برے ہوتے ہیں۔ جھوٹ کافروں کا شیوہ ہے، جھوٹ مشرکین کی خصلت ہے، جھوٹ منافقین کی علامت ہے، جھوٹ فرعون کی پہچان، جھوٹ شداد کا شیوہ، جھوٹ ہامان کا وطیرہ ہے، جھوٹ ابوجہل کی جہالت ہے۔ جھوٹ ابولہب کی شرارت ہے۔ اور جھوٹ یہود و نصاری کا تمرد و طغیان اور سرکشی ہے۔ اس سلسلہ میں کچھ مختصر دلیلیں ملاحظہ ہوں۔

ارشاد ربانی ہے:

''فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضاً وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ'' (البقرۃ:10)

''ان کے دلوں میں بیماری تھی اللہ تعالیٰ نے انہیں بیماری میں مزید بڑھا دیا اور ان کے جھوٹ کی وجہ سے ان کے لیے دردناک عذاب ہے''۔

اس آیت میں بیماری سے مراد وہی کفر ونفاق کی بیماری ہے جس کی اصلاح نہ کی

جائے تو بڑھتی چلی جاتی ہے اور اسی طرح جھوٹ بولنا منافقین کی علامت میں سے ہے، جس سے اجتناب ضروری ہے۔

ایک ارشاد فرمایا:

''وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيَاتِنَا أُولٰٓئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ'' (البقرۃ:39)

''اور جو انکار کر کے ہماری آیتوں کو جھٹلائیں، وہ جہنمی ہیں اور ہمیشہ اسی میں رہیں گے''۔

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

''فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقاً فِيْ قُلُوْبِهِمْ إِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهُ بِمَآ أَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ'' (التوبہ:77)

''پس اس کی سزا میں اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا اللہ سے ملنے کے دن تک، کیونکہ انہوں نے اللہ سے کیے ہوئے وعدے کے خلاف جھوٹ بولتے رہے''۔

اس آیت کریمہ میں دو اور دو چار کی طرح یہ واضح کر دیا گیا کہ نفاق و کذب میں چولی دامن کا رشتہ ہے، بلکہ یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ جس کے دل میں نفاق ہو وہ جھوٹ سے بچ نہیں سکتا اور جو جھوٹ بولے گا وہ ضرور نفاق کے مرض میں مبتلا کر دیا جائے گا۔

''وَأَخِيْ هَارُوْنُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَاناً فَأَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْءاً يُّصَدِّقُنِيْ إِنِّيْ أَخَافُ أَنْ يُّكَذِّبُوْنِ'' (القصص:34)

''اور میرا بھائی ہارون (علیہ السلام) مجھ سے بہت زیادہ فصیح زبان والا ہے تو اسے بھی میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ بھیج کہ وہ مجھے سچا مانے، مجھے تو خوف ہے کہ وہ سب مجھے جھٹلا دیں گے''۔

یقیناً آپ سب جانتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے مدمقابل جو قوم تھی وہ قبطی قوم تھی اور اس کا سربراہ اعلیٰ اپنے وقت کا خدائی دعویٰ کرنے والا اللہ کا نافرمان فرعون تھا۔ اسی

فرعون اور اس کی قوم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ اندیشہ تھا کہ وہ لوگ تکذیب پر اتر آئیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جھوٹ بولنا اور جھٹلانا فرعون اور اس کی قوم کی صفات میں سے ہے۔

حضرات گرامی! آپ نے اچھی طرح محسوس کرلیا ہوگا کہ سچ کے حاملین کون ہیں اور جھوٹ کی راہ پر چلنے والے کون لوگ ہیں؟ اور کس کا کیا انجام ہوتا ہے۔

ارشاد نبوی ہے:

"عن ابن مسعود رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن الصدق يهدي إلى البر وإن البر يهدي إلى الجنة، وإن الرجل ليصدق حتى يكتب عند الله صديقا، وإن الكذب يهدي إلى الفجور وإن الفجور يهدي إلى النار وإن الرجل ليكذب حتى يكتب عند الله كذابا "(متفق عليه)

"حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یقیناً سچائی نیکی کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ آدمی سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک اسے اللہ کے یہاں بہت سچا لکھ دیا جاتا ہے۔ اور جھوٹ نافرمانی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور نافرمانی جہنم کی طرف لے جاتی ہے اور آدمی یقیناً جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے یہاں وہ بہت جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے"۔

حقیقت تو یہ کہ سچائی اس دنیا میں بھی انسان کو عزت وتوقیر عطا کرتی ہے اور لوگوں کی نظروں میں اس کو ثقہ بنا دیتی ہے۔ سچ بولنے میں کچھ دشواریوں کا آنا یقینی ہے کیوں کہ ہر اچھی چیز کے حصول میں ایک قیمت چکانی پڑتی ہے۔ اور ہر گلاب کو کانٹوں سے گھیر دیا گیا ہے۔ تو ظاہر ہے سچ بولنے سے ملنے والا مقام ومرتبہ یوں ہی آسانی سے نہیں مل جاتا ہے، مگر سچ بولنے کی وجہ سے آنے والی ہر پریشانی عارضی ہے، وقتی ہے۔ جلد یا بدیر اس کا

خاتمہ لازمی ہے۔ ہر دور، ہر زمانے میں نور و ظلمت کا تصادم رہا ہے، ابتدائے فرینش سے ہی صدق و کذب کی جنگ چلی آرہی ہے، جھوٹ اور سچ کا مقابلہ کوئی انوکھی بات نہیں یہ سرشت ابن آدم میں داخل ہے۔ دنیا کی تاریخ اس سے بھری پڑی ہے۔ مگر تاریخ شاہد ہے کہ جیت ہمیشہ سچ کی ہوئی ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ صادقین کو جب صدق کے پاداش میں تختہ دار پر بھی چڑھایا گیا تو دنیا نے ان کے صدق کی عظمت وقوت کو جھک کر سلام کیا، سچ جب بھی میدان میں ثابت قدم رہا باطل سرنگوں ہو گیا۔ سچ انسان کو قوت عطا کرتا ہے، مردانگی عطا کرتا ہے، ثابت قدمی کا ہنر بخشتا ہے، اور زندگی کی حقیقی لذت سے بہرہ ور کرتا ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ سچ کے ساتھ زندگی گزارنے کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ جس شخص کو اللہ کے علاوہ نہ کسی کا ڈر نہ کسی کا خوف ہو اطمینان قلب اور سکون جان اس کی زندگی کا خاصہ بن جاتا ہے۔

ارشاد نبوی ہے:

"دع ما يريبك إلى مالا يريبك فإن الصدق طمانية والكذب ريبة" (رواه الترمذی)

"وہ چیز چھوڑ دے جو تجھے شک میں ڈالے، اور اسے اختیار کر جس کی بابت تجھے شک وشبہ نہ ہو۔ اس لیے سچ اطمینان کا باعث ہے اور جھوٹ شک اور بے چینی ہے۔ (اس کو ترمذی نے روایت کیا، اور کہا کہ حدیث صحیح ہے، حدیث:2518)

دوستو! سچ اور سچائی اختیار کرنے سے نہ صرف اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے بلکہ سچ بولنے والے کی زندگی میں سچ بولنے کی وجہ سے برکتوں کی آمد بھی شروع ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ اس حدیث شریف سے مترشح ہوتا ہے:

"عن حكيم بن حزام رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: البيعان بالخيار مالم يتفرقا، فإن صدقا وبينابورك لهما في

بیعهما، وإن كتما وكذبا محقت بركة بیعهما "(متفق علیہ)

''حضرت ابو خالد حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دونوں سودا کرنے والوں کو اس وقت تک اختیار ہے جب تک وہ جدا نہ ہوں، پس اگر وہ دونوں سچ بولیں اور چیز کی حقیقت صحیح صحیح بیان کردیں کوئی عیب وغیرہ ہو تو بتلا دیں۔ تو ان کے اس سودے میں برکت ڈال دی جاتی ہے اور اگر وہ چھپائیں اور جھوٹ بولیں تو ان کے سودے سے برکت مٹا دی جاتی ہے''۔ (بخاری:2079، ومسلم:1523)

''أقول قولي هذا واستغفر الله لي ولكم ولسائر السلمين وأتوب إلى الله من كل ذنب إنه هو التواب الرحيم''

دوسرا خطبہ:

نحمده ونصلی علی رسوله الكريم ، أما بعد!

سامعین کرام! صدق کی اہمیت وفضیلت اور کذب کی مذمت وقباحت کو آپ کے سامنے کھول کھول کر رکھ دیا گیا ہے۔ اور اس دنیا میں ہر آدمی کو اختیار بھی دے دیا گیا ہے ''وهديناه النجدين '' دونوں راستے اس کے سامنے موجود ہیں۔ اگر وہ چاہے کہ سچائی کا راستہ اپنا کر انبیاء، شہداء، صحابہ، اولیاء اور حاملین اوصاف حمیدہ کی صف میں کھڑا ہو جائے۔ تو یہ راستہ بھی کھلا ہوا ہے۔ اگر کوئی دنیا کی معمولی چمک دمک، اور رنگینیوں سے متاثر ہو کر جھوٹ کی راہ پر چل پڑے اور برے لوگوں کی صحبت میں جا پہنچے تو یہ بھی اس کے لیے ممکن ہے اور یہ راستہ بھی مکمل کھلا ہوا ہے۔ اور تمام حقائق کو سامنے رکھ کر وہ خود فیصلہ کرے کہ وہ کس راستہ پر چلنا چاہتا ہے، کس سے اس کا دل مطمئن ہے۔ اگر جھوٹ کے برے نتائج کو سمجھنے کے باوجود بھی کوئی جھوٹ سے باز نہ رہ سکے اور آگ جاننے کے باوجود خود کو اس کے اندر ڈال دے تو یقیناً اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا اور آگ اس کو جلا ڈالے گی۔

حضرات! بنیادی طور پر صدق اور کذب یعنی سچ اور جھوٹ کی کئی اقسام اور مختلف نوعیتیں ہیں۔

انسان کی زندگی کا سب سے بڑا سچ، اس کا ایمان ہے، اللہ کی توحید اور اس کی ربوبیت کا اقرار، اس کی الوہیت کو ماننا ہے، نبی پر ایمان لانا ہے جب کہ سب سے بڑا جھوٹ توحید کا انکار یعنی کفر اور شرک ہے۔ کائنات کا ہر ذرہ اللہ کی وحدانیت پر دلیل ہے مگر انسان ان سارے حقائق و دلائل و براہین کو جھٹلا دیتا ہے، اسی لیے کہا گیا ہے کہ۔ ''ولیس بعد الکفر ذنب'' کفر سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں''۔

کفر ہی کا ہم پلڑہ دوسرا بڑا جھوٹ شرک ہے۔ وجود باری تعالیٰ کا انکار جتنا بڑا جرم ہے اتنا ہی بڑا جرم شرک بھی ہے، جب کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ کی وحدانیت پر دلالت کرتا ہے اس کے باوجود مشرک ان لاکھوں کروڑوں دلیلوں کو جھٹلا دیتا ہے۔ اور دنیا کے سب سے عظیم جرم کا مرتکب ہو جاتا ہے۔

ارشاد باری ہے:

''إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰى إِثْماً عَظِيْماً''(النساء:48)

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ شریک کیے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک مقرر کرے اس نے بڑا گناہ اور بہتان باندھا''۔

جس طرح کفر اور شرک ایک عظیم گناہ ہے اسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولنا بھی بہت بڑا گناہ ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''من کذب علی متعمدا فلیتبوء مقعدہ من النار ''(متفق علیہ)

''جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولے تو وہ یقین کر لے کہ اس کا ٹھکانہ جہنم ہے''۔

نبی پر جھوٹ بولنے کا تصور عجیب وغریب معلوم ہوتا ہے کہ نبی پر جھوٹ کیسے بولا جائے گا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی بات کو اپنی طرف سے بنا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کردینا جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے حلال شدہ چیزوں کوحرام اور حرام شدہ چیزوں کوحلال بنانا بھی اسی زمرہ میں شامل ہے۔

جھوٹی گواہی دینا، عام گفتگو میں بھی جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ میں سے ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہ کبیرہ کا شمار کراتے ہوئے فرمایا:

"إلا شراک باللہ، وعقوق الوالدین وشهادة الزور ألاوقول الزور، وشهادة الزور، ألا وقول الزور، وشهادة الزور "(بخاری ومسلم)

حتی کہ ایک انسان اور خصوصاً مومن ومسلمان کو مذاق میں بھی جھوٹ نہیں بولنا چاہیے۔

ارشاد نبوی ہے:

"ویل للذي یحدث فیکذب لیضحک به القوم، ویل له "(ابوداؤد :4990، وحسنہ الألبانی)

"اس شخص کے لیے ہلاکت ہے جو لوگوں سے کوئی بات بیان کرتا ہے پس جھوٹ بولتا ہے تاکہ وہ انہیں ہنسائے اس کے لیے ہلاکت ہے اس کے لیے ہلاکت ہے"۔

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

"أنا زعیم بیت في ربض الجنة لمن ترک المراء وا ن کان محقا وبیبیت في وسط الجنة لمن ترک الکذب وإن کان مازحا"(ابوداؤد:4800، وحسنہ الألبانی)

"میں اس شخص کو جنت کے ادنیٰ درجہ میں ایک گھر کی ضمانت دیتا ہوں جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑنے سے اجتناب کرے اور اس شخص کو جنت کے درمیانے درجہ میں

ایک گھر کی ضمانت دیتا ہوں جو جھوٹ چھوڑ دیتا ہے اگر چہ وہ مذاق کیوں نہ کر رہا ہو"۔

حضرات! جس طرح جھوٹ کے مختلف درجات اور اس کی مختلف قسمیں ہیں اسی طرح جھوٹ کی مختلف نوعیتیں بھی ہیں۔ اہل علم نے اس کو تین نوعیتوں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ "الكذب في القول"

"بات چیت اور گفتگو میں جھوٹ بولنا"۔

۲۔ "الكذب في العمل"

"اپنے افعال واعمال اور کردار میں جھوٹ استعمال کرنا"۔

۳۔ "الكذب في الأحوال"

"اعمال قلب وجوارح میں جھوٹ شامل کرنا۔ یعنی فقدان خلوص"۔

جس طرح جھوٹ کی تین نوعیتیں ہیں اسی طرح سچ کی بھی تین نوعیتیں ہیں۔ زبان میں سچائی، عمل میں سچائی، اور نیت کی سچائی۔ ایک انسان اگر ان تینوں نوعیتوں پر کنٹرول کرلے۔ اور سچائی تینوں خانوں میں داخل کرلے تو یقیناً وہ انسان دونوں جہاں میں سرخرو اور کامیاب ہو کر رہے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ کا ارشاد گرامی ہے:

"إضمنوا لي ستا من أنفسكم أضمن لكم الجنة، أصدقوا إذا حدثتم، وأوفوإذا وعدتم ، وأدوا إذا أوتمنتم وأحفظوا فروجكم، وغضوا أبصاركم وكفوا أيدكم" (5/232)

"تم مجھے اپنی طرف سے چھ باتوں کی ضمانت دے دو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ بات کرو تو سچ بولو، وعدہ کرو تو پورا کرو، تمہیں امانت سونپی جائے تو اسے ادا کرو، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو، نگاہیں نیچی رکھو، اور اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو"۔

اب اخیر میں صحابی رسول حضرت کعب بن مالک کے اس جملہ کے ساتھ اپنی بات ختم

کرتا ہوں کہ:

''إنما أنجاني بالصدق وأن توبتي إن لا أحدث إلا صدقا مابقيت'' (2769)

''اے اللہ کے رسول! مجھے اللہ تعالیٰ نے سچ بولنے کی وجہ سے ہی نجات دی ہے۔ اس لیے میں اپنی توبہ کی قبولیت کے شکرانے کے طور پر جب تک زندہ رہوں گا جھوٹ نہیں بولوں گا''۔

اللہ تعالیٰ ہم سبھوں کو جھوٹ سے بچائے اور سچائی کی راہ پر چلائے آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين. ؂

قرآن کی فضیلت اور آداب تلاوت

پہلا خطبہ:

الحمد للّٰہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی رسولہ الأمین، وعلی اٰلہ وصحبہ اجمعین، ومن تبعھم بإحسان إلی یوم الدین، أما بعد:

برادران اسلام! رب العالمین کی لاتعداد انمول نعمتوں میں ایک عظیم ترین نعمت قرآن مجید کا نزول ہے۔ جس میں پوری انسانیت کی فلاح و بہبودی کا سامان ہے، جو سراپا رحمت اور مینار رشد و ہدایت ہے، جو رب العالمین کی رسی ہے جسے مظبوطی سے پکڑنے والا دنیا و آخرت میں کامیابی و کامرانی سے ہم کنار ہوگا، جو سیدھی اور سچی راہ دکھاتا ہے۔ مکمل فطری دستور حیات مہیا کرتا ہے۔ اس کی ہدایات پر عمل کرنے والا سعادت دارین سے ہمکنار ہوتا ہے۔ اس کی مبارک آیات کی تلاوت کرنے والا عظیم اجر وثواب کے ساتھ اطمینان وسکون، فرحت وانبساط اور زیادتی ایمان کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے، جو کثرت تلاوت سے پرانا نہیں ہوتا، نہ ہی پڑھنے والا اکتاہٹ کا شکار ہوتا ہے، بلکہ مزید اشتیاق وچاہت کے جذبات سے شادکام ہوتا ہے کیونکہ یہ رب العالمین کا کلام ہے۔ اس کی آیات فرامین الٰہیہ ہیں۔ اس کی دی گئی رہنمائیاں ارشادات ربانیہ ہیں۔ یہ قرآن مجید ہے جو مکمل شفاء ہے، دلوں کو استقامت بخشتا ہے، شکوک وشبہات کے روگیوں کو نسخہ کیمیا عطاء کرتا ہے، خواہشات نفسانی اور طاعت شیطانی کے اسیر مریضوں کے لیے ربانی علاج تجویز کرتا ہے۔ یہ فرقان حمید ہے جو حق و باطل کے درمیان واضح تفریق کرتا ہے۔ شرک وکفر اور نفاق کے

اوصاف وعلامات سے آگاہ کرتا اور مذموم صفات واخلاق اور عقائد فاسدہ کے حاملین کے مکروخداع اور دجل وفریب سے متنبہ کرتا ہے۔

نیز دشمنان اسلام کی ناپاک سازشی چالوں اور مذموم منصوبوں کو بے نقاب کرتا اور ہمیشہ چوکس رہنے اور تحفظات سے لیس رہنے کی بھرپور تاکید کرتا ہے۔

قارئین کرام! قرآن کریم رب العالمین جو حکیم وحمید ہے کے مجموعۂ فرامین کا نام ہے۔ جس کا حرف حرف حکم وموعظت سے بھرپور ہے۔ جس کی تعلیمات کی بناء عدل وانصاف پر ہے۔ جو مظلومین اور مفلوک الحال افراد پر سایۂ رحمت دراز کرتا ہے۔ عورتوں کے حقوق کی پاسداری کے ساتھ انہیں وہ اونچا مقام عطا کرتا ہے جس سے دیگر ادیان ومذاہب کی تعلیمات خاموش ہیں۔ وہ کمزوروں، بےکسوں، یتیموں، بیواؤں کا سہارا بننا اور ان کی خدمت اور مدد کو ان کا حق قرار دیتا ہے اور ان کی طرف دست تعاون دراز کرنے والے کو جنت کی خوش خبری سناتا ہے۔

قرآن کریم ارفع وادنیٰ، کالے اور گورے کے درمیان تفریق کے تصور کو نیست ونابود کرتا ہے اور اسے معاشرہ کا کینسر بتلاتا ہے۔ وہ اونچے اخلاق، عمدہ اوصاف اور پاکیزہ صفات کا داعی ہے۔ ناروا سختی ودرشتگی، فحاشی وبیہودہ گوئی، کبرونخوت، فخر وغرور، خاندانی وقبیلہ جاتی تعلّی، غیبت وچغل خوری، زناکاری وبدکاری، چوری وڈاکہ زنی، تعصب وہٹ دھرمی، آپس کے اختلافات جیسے مذموم صفات پر نکیر کرتا اور حتی الامکان ان سے منع کرتا ہے۔ کیونکہ اس سے معاشرہ میں بگاڑ پیدا ہوگا اور قوم روبہ تنزل ہوگی۔

الغرض قرآن مجید میں معاشرہ کے تمام طبقات کے لیے واضح رہنمائیاں ہیں جو بالکل سیدھی اور صاف ستھری ہیں۔ اس سے قرب درحقیقت ٹھوس سچائی سے قرب ونزدیکی اختیار کرنا، اصلاح کے جذبات کو پروان چڑھانا، اخوت کے اوصاف کو جلا بخشنا، سدھار اور درستگی کی صفات اپنانا، الفت ومحبت کے پیغام کو عام کرنا، اتفاق واتحاد کا پلیٹ فارم تیار کرنا

اور رسہ کشی کے ماحول کو ختم کر کے اپنائیت کا درس دینا ہے۔

تو آیئے، مذکورہ حقائق سے متعلق قرآن مجید کے واضح ارشادات کا مطالعہ فرمائیں۔ اس دعا کے ساتھ کہ رب العالمین ہمیں قرآن والا بنائے۔ اس کی تعلیمات کو سمجھنے، اس پر عمل کرنے اور اس کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق ارزانی کی سعادت سے ہمکنار کرے۔ آمین۔

قرآن کے معنی ومفہوم:

لفظ قرآن علم ہے یا مشتق؟ دونوں باتیں کہی گئی ہیں۔ البتہ مشتق ماننے کی شکل میں اہل علم کا خیال ہے کہ وہ ''قرنت الشيء بالشيء'' یعنی ایک کو دوسرے سے ملانا سے مشتق ہے۔ چونکہ قرآن مجید کی آیات مبارکہ ایک دوسرے سے متصل ہیں۔ اس لیے ان کے مجموعہ کو قرآن مجید کہا گیا ہے۔

بعض اہل علم کی رائے ہے کہ وہ مادہ (قـــــرأ) سے مشتق ہے جس کا مطلب ہے پڑھنا۔ چونکہ قرآن مجید کی آیات بار بار پڑھی جاتی ہیں اس لیے ان کے مجموعہ کو قرآن کہا گیا۔ دیکھیے، (الکلیات لأبي البقاء:1330)

اصطلاحی معنی:

یہ وہ مجموعہ کلام ربانی ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، مصاحف میں لکھا گیا اور بلا کسی شک وشبہ کے بتواتر نقل ہوا۔ دیکھیے، (التعریفات للجرجانی:223، وتاج العروس:363)

تلاوت کی فضیلت اور اس کی تاثیر:

کلام ربانی کی تلاوت کا شغف رب العالمین سے محبت کی ایک عظیم علامت ہے۔ اسی لیے محبوب اپنے محبّ پر اپنے بے پایاں افضال ونعمتوں کی برکھا برساتا ہے۔ اس کے کلام کو حرز جان نے والے لائق صدرشک ہیں کہ مولائے کریم انہیں اپنے خاص مقرب

بندوں میں شامل کرتے ہوئے ان کے دلوں کو سکون واطمینان کا گہوارہ بنا دیتا ہے۔ اور ایمان ویقین کو اس قدر پروان پڑھاتا ہے کہ انہیں اسی دھرتی پر اپنے اوپر آسمان سے سکینت کے نزول کا احساس وشعور ہونے لگتا ہے اور قلق و بے چینی، کرب والم اور رنج وغم کے کافور ہونے کا پورا پورا یقین حاصل ہوتا ہے۔ اس طرح وہ گویا محسوس کرتے ہیں کہ اس دنیا ہی میں گل وگلزار کے بیچ اپنی زندگی کے سعید لمحات گزار رہے ہیں اور وہ دنیا میں بیٹھے ہوئے جنت کا مزہ چکھ رہے ہیں۔

انہیں ٹھوس حقائق کو بے نقاب کرتے ہوئے باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيَاتُهٗ زَادَتْهُمْ إِيْمَاناً وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ" (الأنفال:2)

"بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں"۔

دوسری جگہ فرمایا:

"قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ أَوْ لَا تُؤْمِنُوْا إِنَّ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ إِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْأَذْقَانِ سُجَّداً، وَيَقُوْلُوْنَ سُبْحَانَ رَبِّنَآ إِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلاً، وَيَخِرُّوْنَ لِلْأَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعاً" (بنی اسرائیل:107-109)

"کہہ دیجیے! تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ جنہیں اس سے پہلے علم دیا گیا ہے، ان کے پاس تو جب بھی اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے، ہمارے رب کا وعدہ بلا شک وشبہ پورا ہو کر رہنے والا ہی ہے، وہ اپنی ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور یہ قرآن ان کی

عاجزی وخشوع اور خضوع بڑھا دیتا ہے۔
یعنی قرآن مجید سن کران پر اس قدر خشیت الٰہی اور رقت نفس طاری ہوتی ہے کہ جس سے ان کی آنکھیں اشکبار، دل موم اور پیشانیاں رب کے حضور سجدہ ریز ہو جاتی ہیں۔
اثر پذیری کا تذکرہ ایک جگہ رب العالمین ان الفاظ میں کرتا ہے:
"وَإِذَا سَمِعُوا مَآ أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرٰى أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ" (المائدہ:83)
"اور جب وہ رسول کی طرف نازل کردہ (کلام) کو سنتے ہیں تو آپ ان کی آنکھیں آنسو سے بہتی ہوئی دیکھتے ہیں اس سبب سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا، وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے پس تو ہم کو بھی ان لوگوں کے ساتھ لکھ لے جو تصدیق کرتے ہیں"۔
اس مبارک کلام کی تاثیر کا تذکرہ ایک اور مقام پر بایں الفاظ فرمایا:
"اَللّٰهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِي بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ" (الزمر:23)
اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ آپس میں ملتی جلتی اور بار بار دہرائی ہوئی آیتوں کی ہے، جس سے ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب کا خوف رکھتے ہیں آخر میں ان کے جسم اور دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف نرم ہو جاتے ہیں، یہ ہے اللہ تعالیٰ کی ہدایت جس کے ذریعہ جسے چاہے راہ راست پر لگا دیتا ہے۔ اور جسے اللہ تعالیٰ ہی راہ بھلا دے اس کا ہادی کوئی نہیں"۔
تلاوت قرآن کی اثر انگیزی کا آنکھوں دیکھا حال حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یوں نقل فرماتے ہیں: مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے قرآن پڑھ کر

سناؤں۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ کو قرآن پڑھ کر سناؤں جب کہ قرآن کا نزول آپ ہی پر ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، چنانچہ میں نے سورۃ النساء کی تلاوت شروع کی۔ اور اس آیت کریمہ:

''فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَآءِ شَهِيْداً'' (النساء:41)

''پس کیا حال ہوگا جس وقت کہ ہر امت میں سے ایک گواہ ہم لائیں گے اور آپ کو ان لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے''۔

اس پر آپ کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ آپ فرما رہے تھے: بس کرو۔ میں نے مڑ کر دیکھا، تو آپ کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ دیکھیے: (صحیح بخاری:5050)

یہی حال آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا کہ وہ نہایت ہی سوز سے تلاوت قرآن پاک کرتے خود اس سے متاثر ہوتے اور دیگر سامعین کو بھی مسحور کر دیتے۔ چنانچہ مکی دور میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایک نہایت ہی بے مثال واقعہ امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل فرمایا ہے، جس میں تلاوت قرآن سے متعلق ان کے یہ الفاظ ہمیں محو حیرت واستعجاب میں ڈالنے کے لیے کافی ہیں۔ فرماتے ہیں:

''ثم بدأ لأبي بكر فابتني مسجدا بفناء داره، وكان يصلي فيه، ويقرأ القرآن فينقذف عليه نساء المشركين وأبناؤهم، وهم يعجبون منه وينظرون إليه، وكان أبوبكر رجلا بكاء، لا يملك عينيه إذا قرأ القرآن''

''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے مکان کا ایک حصہ نماز کے لیے خاص کر دیا۔ جس میں نماز ادا کرتے اور قرآن کی تلاوت کرتے۔ جسے سن کر مشرکین مکہ کی عورتیں اور بچے ان پر ٹوٹ پڑتے۔ ان کی رقت آمیز تلاوت سے محظوظ ہوتے اور اسے غایت درجہ

پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے۔ بات دراصل یہ تھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نہایت ہی نرم دل انسان تھے۔ تلاوت قرآن کے وقت اپنی آنکھوں پر قابو نہیں رکھ پاتے اور وہ بے اختیار بہہ پڑتیں۔ دیکھیے: (صحیح بخاری:3905)

انسان ہی پر بس نہیں بلکہ اگر یہ مبارک آیت جمادات پر نازل ہوتیں تو وہ بھی اس کے عظیم اثرات کو قبول کیے بغیر نہ رہتے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

"لَوْ أَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهٗ خَاشِعاً مُّتَصَدِّعاً مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ" (الحشر:21)

"اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ کے اوپر اتارتے تو تو دیکھتا کہ خوف الٰہی سے وہ پست ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہم ان مثالوں کو لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں تا کہ وہ غور وفکر کریں"۔

تلاوت قرآن سے سکینت اور فرشتوں کا نزول:

تلاوت قرآن وہ مبارک پسندیدہ عمل ہے جس کے سننے کے لیے نہ صرف سلیم الطبع انس وجن مضطرب اور بے چین رہتے ہیں بلکہ آسمان سے فرشتے بھی اتر آتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ ایک صحابی کا واقعہ نقل کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"قرأ رجل "الكهف" وفي الدار الدابة، فجعلت تنفر، فسلم فإذا ضبابة أو سحابة غشيته، فذكره للنبي صلى الله عليه وسلم فقال: إقرأ فلان! فإنها السكينة نزلت للقرآن، أو تنزلت للقرآن "(صحیح بخاری:3614، وصحیح مسلم:241)

"ایک صحابی (تہجد کی نماز میں) سورۃ الکھف کی تلاوت کر رہے تھے کہ اچانک گھر ہی میں بندھا ہوا ایک جانور (گھوڑا) بدکنے لگا، سلام پھیرنے کے بعد نظر دوڑایا تو اوپر بادل جیسا ایک ٹکڑا نظر آیا۔ جس نے انہیں ڈھانپ رکھا تھا۔ (صبح ہونے کے بعد) اس واقعہ کا تذکرہ

انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ جس پر آپ نے فرمایا: اے فلاں! تم اپنی تلاوت جاری رکھو۔ یہ سکینت تھی جو قرآن کی تلاوت کی وجہ سے آسمان سے اتری تھی"۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ سکینہ سے مراد فرشتے ہیں جو آسمان سے قرآن سننے کے لیے اترتے ہیں۔ دیکھیے: (بخاری: 133/1، وشرح نووی مسلم: 82/6)

اس واقعہ سے ملتا جلتا حضرت اسید بن حضیر کا واقعہ بھی ہے: وہ رات میں سورۃ البقرۃ کی تلاوت فرما رہے تھے کہ ان کا گھوڑا جوان کے فرزند یحیٰ کے قریب ہی بندھا ہوا تھا بدکنے لگا۔ خاموش ہونے پر وہ بھی پرسکون ہو گیا۔ یہ عمل بار بار ہوا۔ اس لیے حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے تلاوت موقوف فرما دی اور باہر نکل کر آسمان کی طرف نظر اٹھائی تو بادل کی ایک ٹکڑی نظر آئی جس میں قندیلیں روشن تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا: وہ فرشتے جو تمہاری تلاوت سننے کے لیے تمہارے قریب آئے تھے۔ اور اگر تم تلاوت جاری رکھتے تو وہ فرشتے بھی اس طرح صبح تک ٹھہرے رہتے اور لوگ انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھتے۔ (صحیح بخاری معلقا: 5018، وصحیح مسلم مرفوعا: 242)

تلاوت قرآن کا اجر و ثواب:

رب العالمین نے اپنے عظیم ترین کلام کی تلاوت پر اجر جزیل سے نوازا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص کلام اللہ کا ایک حرف پڑھے گا رب العالمین اس کے ہر ہر حرف پر ایک نیکی عنایت کرے گا۔ جو دس گنا بڑھ کر دس نیکیاں بن جائیں گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نہیں کہتا ہوں کہ (الم) ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔ (ترمذی: 2835)

تلاوت قرآن کا اہتمام کرنے والے کا مقام:

جن لوگوں کو قرآن مجید سے دلی لگاؤ ہے وہ اس کی تلاوت کے بغیر سکون پا ہی نہیں

سکتے۔ اسی لیے باری تعالیٰ ایسے لوگوں کے اجر کو بھی بڑھا دیتا ہے۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قرآن میں ماہر ہے وہ معزز فرشتوں کے ساتھ ہوگا، اور جو شخص قرآن اٹک اٹک کر بامشقت پڑھتا ہے اس کے لیے دوہرا اجر ہے۔ (صحیح بخاری: 4937، صحیح مسلم: 798)

ایسے لوگوں کا مقام دنیا و آخرت دونوں جگہ اعلیٰ وارفع ہوگا۔ جیسا کہ حضرت نافع بن عبدالحارث کے اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے جو ان کے اور امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب کے درمیان پیش آیا۔ واقعہ یہ تھا کہ حضرت نافع نے جو کہ مکہ کے والی تھے مکہ سے باہر جاتے ہوئے اپنا نائب انہوں نے ایک غلام کو بنایا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے فرمایا:

"إنه قارئ لكتاب الله عزوجل، وإنه عالم بالفرائض، قال عمر: أما أن نبيكم صلى الله عليه وسلم قد قال: إن الله يرفع بهذا الكتاب أقواما ويضع به آخرين" (صحیح مسلم: 816-269)

"وہ قرآن اور فرائض کے عالم ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: بے شک اللہ تعالیٰ اس قرآن کی وجہ سے کچھ لوگوں کو بلندی عطاء کرے گا اور کچھ کو پستی"۔

آخرت میں ان کی عظمت ورفعت کا تذکرہ:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یوں کہا گیا ہے کہ صاحب قرآن سے قیامت کے روز کہا جائے گا: قرآن مجید کی تلاوت اس طرح کرو جیسے دنیا میں ترتیل سے کرتے تھے اور بلند منازل طے کرتے جاؤ۔ جنت میں تمہارے لیے وہ جگہ متعین ہوگی جس جگہ آخری آیت کی تلاوت پر تمہاری سانس رکے گی۔" (ترمذی: 2914، ابوداؤد: 1464 وغیرہ بسند حسن)

تلاوت قرآن گھر کو شیطان سے پاک کرنے کا واحد علاج:

درحقیقت ہمارے سامنے دو آواز ہیں، ہمیں اختیار ہے کہ ان میں سے جس آواز کو ہم چاہیں اپنے گھر کی زینت بنائیں۔ مگر دونوں کے ظاہری اثرات اس گھر پر ڈائرکٹ بغیر کسی واسطے کے پڑیں گے۔ جس میں ایک آواز گانا باجا وغیرہ ہے۔ جو قرآن کی ضد ہے۔ اور دوسری آواز تلاوت قرآن کی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"لا تجعلوا بيوتكم مقابر، إن الشيطان ينفر من البيت الذي يقرأ فيه سورة القبرة" (صحیح مسلم: 212-780)

"اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، بے شک شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے جس میں سورۃ البقرۃ کی تلاوت کی جاتی ہے"۔

بلکہ اگر کوئی شخص اس عظیم سورت کی آخری دو آیتوں کو رات میں پڑھ لے تو یہ اس کے لیے کفایت کر جائیں گی۔ جیسا کہ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

"من قرأ بالآيتين من اٰخر سورة البقرة في ليلة كفتاه" (صحیح بخاری: 50009)

"جو شخص سورۃ البقرہ کی آخری دو آیتوں کو رات میں پڑھ لے تو وہ اس کو کفایت کریں گی"۔

کفایت کرنے کا مطلب ایک تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ دونوں آیتیں قیام اللیل سے کفایت کریں گی۔ جب کہ ایک معنی یہ بھی لیا گیا ہے کہ شیطان کے شر سے۔ بلکہ ہر طرح کے شرور سے کفایت کریں گے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ تمام معانی مراد لیے جاسکتے ہیں۔ دیکھیے: (فتح الباری: 956/9)

یہاں تک کہ اگر کوئی اس مبارک سورت کی صرف ایک آیت کریمہ:
آیت الکرسی سوتے وقت پڑھ لے تو رب العالمین کی طرف سے اس کی حفاظت کے لیے ایک نگراں متعین ہو جائے گا جو اس شخص کی صبح تک حفاظت فرمائے گا اور شیطان اس کے قریب بھی نہیں پھٹک سکے گا۔ دیکھیے: (صحیح بخاری: 2311 معلقا: والنسائي في الکبری: 10795، موصولا بسند صحیح)

تلاوت قرآن موجب شفاعت ہے:

حضرت ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرما رہے تھے:

"إقرؤوا القرآن فإنه يأتي يوم القيامة شفيعا لأصحابه" (صحیح مسلم: 804-252)

"قرآن مجید پڑھو کیونکہ وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والے کے لیے سفارش کرے گا"۔

الغرض تلاوت قرآن کے متعدد بے شمار فضائل ہیں۔ بلکہ ایسے لوگ جو قرآن پڑھتے پڑھاتے ہوں وہ لوگوں میں سب سے افضل اور بہتر ہیں۔ جیسا کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کی صراحت آئی ہے۔ دیکھیے: (صحیح بخاری: 5027)

اس لیے کثرت سے قرآن کی تلاوت کرنا اور اس پر مداومت اختیار کرنا سعادت بخش زندگی کا موجب ہے۔ جس پر قائم رہنا صاحب عزیمت شخص کے لیے چنداں مشکل نہیں۔ اللہ رب العالمین ہم سب کو اس کا اہل بنائے۔ آمین۔

دوسرا خطبہ:

"إنَّ الحمد لله، نحمده، و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا

هادی له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشریک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله" أما بعد!

سامعین کرام! جیسا کہ آپ نے پچھلے خطبہ میں سنا کہ قرآن مجید کا پڑھنا، سیکھنا، سکھانا، نہایت ہی محبوب ترین عمل ہے۔ اور یہ کام انجام دینے والے سب سے افضل اور بہتر لوگ ہیں۔ تو آیئے، ہم یہ بھی جاننے کی کوشش کریں کہ ان مبارک آیات کی تلاوت کے آداب کیا ہیں؟

آداب تلاوت:

قرآن مجید کی تلاوت کے بہت سے آداب ہیں جن کا اپنانا درحقیقت کلام عظیم میں پنہاں خزانوں سے موتیاں چننا ہے۔ ان آداب میں سے چند یہ ہیں۔

اخلاص وللّٰہیت:

یہ شرط اساسی تمام اعمال صالحہ کے لیے ہے۔ فرمان باری ہے:

"وَمَآ اُمِرُوٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ "(البینۃ:5)

"انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں"۔

تلاوت کے آغاز سے پہلے "اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم" پڑھنا:

رب العالمین کا فرمان ہے:

"فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ "(النحل:98)

"قرآن پڑھنے کے وقت راندے ہوئے شیطان سے اللہ کی پناہ طلب کرو"۔

ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرنا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلاً "(المزمل:4)

"قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر (صاف) پڑھا کر"۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کا وصف نقل کرتے ہوئے فرمایا:

''کان یقطع قرأته آیه آیة(بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم ، الحمد للّٰہ رب العالمین ، الرحمن الرحیم ، ملک یوم الدین ''(ترمذی:2927،سنن دارقطنی 312/1واللفظ لہ)

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک آیت کو الگ الگ کر کے قرأت کرتے۔بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم کہہ کر ٹھہر جاتے۔پھر کہتے الحمد للّٰہ رب العالمین پھر ٹھہر جاتے۔پھر الرحمن الرحیم پھر ٹھہر جاتے۔پھر کہتے:ملک یوم الدین''

مگر یہ روایت کافی شہرت کے باوجود ضعیف ہے جیسا کہ امام ترمذی نے مذکورہ بالا مقام پر اس کی وضاحت فرمائی ہے۔کچھ دیگر اہل علم اس کی تصحیح کے قائل ہیں۔مگر راجح قول وہی ہے جو امام ترمذی نے ذکر کیا ہے۔(واللہ اعلم)

ایک صحیح حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کا وصف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم آیات کو کھینچ کر پڑھتے تھے۔پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے مثال دے کر بتایا کہ آپ اس طرح پڑھتے تھے:(بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم، یمد بسم اللّٰہ، ویمدبالرحمٰن، ویمد بالرحیم)

''بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم ،پڑھتے ہوئے ،بسم اللہ،الرحمٰن اور الرحیم کو کھینچتے''۔(صحیح بخاری:5046)

اسی ترتیل کی تعلیم صحابۂ کرام اپنے شاگردوں کو بھی دیتے۔چنانچہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا: میں پورا مفصل (یعنی سورۃ ق سے سورالناس تک)ایک ہی رکعت میں پڑھتا ہوں۔ابن مسعود رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہوئے فرمایا:ایسے ہی جیسے تیز تیز شعر سنایا جاتا ہے۔اس کے بعد انہوں نے فرمایا: بے شک کچھ لوگ قرآن اس طرح پڑھیں گے کہ ان کے حلق کے نیچے نہیں اترے گا۔قرأت وہ نفع بخش ہے جو حلق

سے تجاوز کر کے دل کے دروازے پر دستک دے اور اس میں گھر کر جائے۔ دیکھیے: (صحیح مسلم:822-275)

آواز میں سوز اور حسن پیدا کرنا:

خوش الحانی سے تلاوت نہایت ہی مرغوب عمل ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود اس کا اہتمام کرتے۔ جیسا کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

''سمعت النبي صلى الله عليه وسلم قرأ في العشاء، والتين والزيتون، فما سمعت أحدا أحسن صوتا منه'' (صحیح بخاری:729، صحیح مسلم:464)

''میں نے نبی صلی اللہ علی وسلم کو عشاء کی نماز میں سورۃ التین پڑھتے ہوئے سنا۔ میں نے آپ جیسی خوبصورت آواز سے پڑھنے والا کسی کو نہیں سنا''۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اتنی توجہ سے نہیں سنتا جتنی توجہ سے نبی کا خوش الحانی سے قرآن مجید پڑھنا سنتا ہے۔ (صحیح بخاری:5023-5024، صحیح مسلم:792-233)

دوران تلاوت آنکھوں کا اشکبار ہونا:

کلام اللہ کے سننے سے دل میں مل چل مچ جانا اور آنکھوں سے آنسو کے قطرات کا ٹپکنا فطری امر ہے۔ رب العالمین نے اپنے نیک بندوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

'' إِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّداً وَّبُكِيّاً'' (مریم:58)

''ان کے سامنے جب اللہ رحمان کی آیتوں کی تلاوت کی جاتی تھی یہ سجدہ کرتے اور روتے گڑگڑاتے گر پڑتے تھے''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال یہ تھا کہ آپ دوران نماز جب قرآن پڑھتے تو رونے کی وجہ سے آپ کے پیٹ سے اس طرح آواز آتی جیسے کھولتی ہوئی ہانڈی سے پکنے کی آواز آتی ہے۔ (مسند: 25/4)

تلاوت کرتے ہوئے تدبر کرنا:

قرآن مجید کی آیات مبارکہ میں غور وخوض، تدبر وفکر ہی دراصل ہمارے لیے راہ ہدایت استوار کرتا ہے۔عبرت وموعظت کے مواقع فراہم کرتا ہے۔فرمان باری تعالیٰ ہے:

”كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُوا الْأَلْبَابِ“(ص:29)

”یہ بابرکت کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف اس لیے نازل فرمایا ہے کہ لوگ اس کی آیتوں پر غور وفکر کریں اور عقلمند اس سے نصیحت حاصل کریں“۔

اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت اس پہلو پر توجہ دیتے، یہاں تک کہ ایک بار آپ قیام اللیل میں کھڑے ہوئے اور ایک ہی آیت پڑھتے پڑھتے صبح کر دی۔ وہ آیت کریمہ یہ تھی:

”إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ“(المائدہ:118)

”اگر تو ان کو سزا دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف فرما دے تو تو زبردست ہے حکمت والا ہے“(نسائی:2/177 اور مسند احمد:1/156،170)

اس لیے ہمیں قرآن مجید سیکھنے، سکھانے اور اس کے معانی ومطالب سمجھنے پر پوری توجہ صرف کرنی چاہیے۔تا کہ اس کو دستور حیات بناتے ہوئے اپنی عملی زندگی میں اتار سکیں۔ اور دنیا وآخرت کی سعادت سے بہرہ ور ہوسکیں۔ ورنہ خود ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے خلاف رب کے حضور شکایت کرتے ہوئے فرمائیں گے:

”وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا“(الفرقان:30)

”اور رسول کہے گا کہ اے میرے پروردگار! بے شک میری امت نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا“۔

قیامت کی نشانیاں

پہلا خطبہ:

"إنَّ الحمد للّٰه، نحمده، ونستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادی له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله" أما بعد!

برادران اسلام! آج ہماری گفتگو ایک اہم موضوع پر ہوگی جس کا تعلق غیب سے ہے۔اور وہ ہے آثار قیامت پر گفتگو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"فَهَلْ يَنظُرُوْنَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً فَقَدْ جَآءَ أَشْرَاطُهَا فَأَنّٰى لَهُمْ إِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرَاهُمْ" (محمد:18)

تو کیا یہ قیامت کا انتظار کررہے ہیں کہ وہ ان کے پاس اچانک آجائے یقیناً اس کی علامتیں تو آچکی ہیں، پھر جب کہ ان کے پاس قیامت آجائے انہیں نصیحت کرنا کہاں ہوگا؟"۔

اور مشہور حدیث جبریل میں ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"الإيمان أن تؤمن باللّٰه وملائكته وكتبه ورسله واليوم الأخر وتؤمن

بالقدر خیرہ وشرہ"

"ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر، اس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں اور یوم آخرت نیز تقدیر کے خیر وشر پر ایمان لاؤ"۔

اور حذیفہ بن اسید الغفاری سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ ہم لوگ ایک کوٹھری کے سایہ تلے بیٹھ کر باتیں کر رہے تھے۔ چنانچہ ہم لوگ قیامت کا ذکر کرنے لگے۔ تو ہماری آواز بلند ہونے لگی۔ تب ہی اللہ کے فرشتے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا: قیامت تب تک واقع نہیں ہوگی جب تک اس سے پہلے چند آیتیں (نشانیاں) سامنے نہ آجائیں۔ (ابوداؤد)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ" (الأعراف:187)

"یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا؟ آپ فرما دیجیے کہ اس کا علم صرف میرے رب ہی کے پاس ہے، اس کے وقت پر اس کو سوا اللہ کے کوئی اور ظاہر نہ کرے گا۔ وہ آسمانوں اور زمین میں بڑا بھاری (حادثہ) ہوگا وہ تم پر محض اچانک آپڑے گی۔ وہ آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں جیسے گویا آپ اس کی تحقیقات کر چکے ہیں۔ آپ فرما دیجیے کہ اس کا علم خاص اللہ کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے"۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"يَسْأَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَمَا يُدْرِيكَ

لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْباً'' (الأحزاب:63)

''لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے! کہ اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے، آپ کو کیا خبر بہت ممکن ہے قیامت بالکل ہی قریب ہو''۔

اور فرمایا:

''يَسْأَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا، فِيْمَ أَنْتَ مِنْ ذِكْرَاهَا، إِلٰى رَبِّکَ مُنْتَهَاهَا'' (النازعات:44-42)

''لوگ آپ سے قیامت کے واقع ہونے کا وقت دریافت کرتے ہیں، آپ کو اس کے بیان کرنے سے کیا تعلق؟ اس کے علم کی انتہائی تو اللہ کی جانب ہے''۔

اور جب آپ سے وقوع قیامت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: اس کے بارے میں پوچھا جانے والا شخص، پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا''۔ (مسلم)

ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے فرمایا: وقوع قیامت کے وقت سے متعلق ساری مخلوق کا علم یکساں ہے۔ اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے علم کو اپنے لیے خاص کر لیا ہے۔

امام احمد، ابن ماجہ اور حاکم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ایک حدیث بیان کی ہے۔ شب اسراء میں میں نے حضرت ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ علیہم الصلاۃ والسلام سے ملاقات کی۔ فرمایا: کہ سبھوں نے قیامت کا ذکر کیا۔ پھر انہوں نے اس معاملہ کو حضرت ابراہیم کی طرف پھیر دیا۔ مگر انہوں نے کہا کہ مجھے اس کا علم نہیں ہے۔ تب پھر حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف لوٹا دیا۔ تو انہوں نے بھی یہی کہا کہ مجھے اس کا علم نہیں ہے۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف پلٹ دیا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ قیامت کی حقیقت وقوع کا پتہ صرف اللہ کو ہے۔ اور میرے رب کی مجھ سے صرف یہ بات ہے کہ دجال کا خروج ہوگا۔ فرمایا: کہ میرے پاس دو مسواک ہوں گی۔ چنانچہ دجال جب

مجھے دیکھے گا تو وہ شیشہ کی طرح پگھلنے لگے گا اور اللہ اسے ہلاک و برباد کردے گا۔

آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ قیامت کی قربت ونزدیکی پر دال ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

'' اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ''(الأنبیا:1)

''لوگوں کے حساب کا وقت قریب آگیا پھر بھی وہ بے خبری میں منہ پھیرے ہوئے ہیں''۔

اور فرمایا آپ کو کیا پتہ کہ کہیں قیامت قریب ہو:

'' وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْباً ''(الأحزاب:63)

اور فرمایا: ''بعثت أنا والساعة كهاتين ''(بخاری)

''میری بعثت اور قیامت دونوں (آپ نے اپنی انگلیوں کو پھیلا کر اشارہ فرمایا کہ) اس طرح ہیں''۔

قیامت کی نشانیاں صغریٰ اور کبریٰ میں منقسم ہیں۔ چنانچہ صغریٰ وہ نشانیاں ہیں جو لمبے زمانوں سے قیامت کا پیش خیمہ ہیں۔ وہ معتاد رواں قسم کی ہوتی ہیں۔ ان میں بعض نشانیاں قیامت کی بڑی نشانیوں اور اہم امور میں سے ہیں جو قرب قیامت میں رونما ہوں گی اور وہ غیر معتاد قسم کی ہوں گی۔ جیسے دجال کا خروج وغیرہ۔

علامات قیامت کی اپنے ظاہر ہونے کی حیثیت سے تین قسمیں ہیں:

۱۔ وہ جو ظاہر ہو کر ختم ہو گئیں

۲۔ وہ جو ظاہر ہوتی جاری ہیں۔

۳۔ اور وہ جو اب تک ظاہر نہیں ہوئی ہیں۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بعثت أنا والساعة كهاتين ''

اور عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''أعدد ستابين يدي الساعة'' (بخاری:3176)

''قیامت سے پہلے چھ چیزوں کو یکے بعد دیگرے، شمار کرتے جاؤ، جیسے میری موت''۔

حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما جب حضرت ام ایمن سے ملنے گئے تو ان سے سوال کے جواب میں کہا گیا: آپ کی موت کے بعد آسمان سے وحی کا نزول رک گیا۔

اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قیامت سے پہلے تاریک رات کے حصوں کی طرح فتنے نمودار ہوں گے۔ آدمی صبح کو مومن ومسلمان ہوگا اور شام ہوتے ہی کافر۔ اسی طرح شام کو مومن ہوگا اور صبح ہوتے ہی کافر ہو جائے گا۔ ایسی حالت میں کہیں پر بیٹھا شخص کھڑے ہوئے آدمی سے بہتر ہوگا۔ کھڑا ہوا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔ اس لیے اپنے تیر وکمان کو توڑ ڈالوں اور تلواریں پتھروں پہ مار دو۔ کوئی اگر میرے پاس تم میں سے آئے تو وہ اچھے آدمی جیسا ہو۔ (احمد، ابوداؤد، وابن ماجۃ وحاکم)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس وقت تک برپا نہیں ہوگی جب تک کہ ایک آگ سرزمین حجاز سے روشن نہ ہو جائے، جو بصریٰ میں موجود اونٹ کی گردنوں تک کو روشن اور ظاہر کردے گی۔ یہ آگ ساتویں صدی ہجری کے درمیان 654ھ میں ظاہر ہو چکی ہے۔ جو بڑی آگ تھی۔ علماء نے اس آگ کے بارے میں ظہور آتش والے زمانہ اور مابعد کے لوگوں کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إذا ضيعت الأمانة فانتظر الساعة" (بخاری)

"جب امانت کو برباد کر دیا جانے لگے، تو پھر قیامت کا انتظار کرو"۔

دوسرا خطبہ:

"إنَّ الحمد لِلّٰه، نحمده، و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريک له، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله" أما بعد!

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا یہ امت اس وقت تک فنا نہیں ہوگی جب تک آدمی اپنی بیوی کو اٹھا کر نہ لے جائے اور راستے میں نہ لٹا دے۔ اس وقت لوگوں میں سب سے اچھا وہ ہوگا جو کہے گا کہ اس دیوار کے پیچھے اگر اسے چھپا لیتا تو بہتر ہوتا۔ (ابویعلی)

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: قیامت سے پہلے کی یہ نشانی ہے کہ سود عام ہو جائے گا۔ (طبرانی)

اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخر زمانہ میں زمین کا دھنسنا، آسمان سے پتھروں کی بارش کا ہونا اور صورتوں کا مسخ ہونا ہوگا۔ پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! یہ کب ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا کہ جب گانے بجانے کے آلات اور گانے بجانے والیاں عام ہونے لگیں"۔ (ابن ماجہ)

اور حضرت جبرئیل کی مشہور حدیث میں ہے کہ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ مجھے قیامت کی نشانیوں کے بارے میں ہی بتا دیجیے۔ تو آپ نے فرمایا: یہ ہے کہ باندی اپنی مالکن کو جنے گی اور یہ کہ ننگے پاؤں، ننگے جسم محتاج بکری کے چرواہوں کو

عمارت کے سلسلے میں باہم فخر کرتے ہوئے دیکھو گے۔ (مسلم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لاتقوم الساعة حتی تظهر الفتن ويكثر الكذب وتتقارب الأسواق''

''قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک فتنے نہ ظاہر ہونے لگیں، جھوٹ نہ پھیلنے لگے اور بازار قریب قریب نہ ہونے لگیں''۔ (احمد)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''حَتّٰى إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ'' (محمد:96)

''یہاں تک کہ یاجوج ماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے''۔

اور فرمایا:

''وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيَاتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ'' (النمل:82)

''جب ان کے اوپر عذاب کا وعدہ ثابت ہو جائے گا، ہم زمین سے ان کے لیے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرتا ہوگا کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں کرتے تھے''۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اس وقت ہم لوگ قیامت کا ذکر کر رہے تھے۔ تو آپ نے فرمایا: جب تک دس نشانیاں نہ ظاہر ہو جائیں، قیامت قائم نہیں ہوگی۔

پچھم سے طلوع آفتاب، دجال کا خروج، دھواں ہونا، زمین سے جانور کا نکلنا، یاجوج ماجوج کا کھول دیا جانا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خروج اور تین مقامات پر زمین کا دھنسایا

جانا، ایک مشرق میں، ایک مغرب میں، ایک جزیرۂ عرب میں اور ایک آگ جو عدن کی کھائی سے نمودار ہوگی جو لوگوں کو میدان محشر کی طرف لے جائے گی، لوگ جب سوئیں گے تو آگ بھی سوئے گی اور جب قیلولہ کریں گے تو وہ بھی قیلولہ کرے گی"۔(ابن ماجہ)

اللہ کے بندو! یہ ہیں کچھ قیامت کی نشانیاں، تو کیا ہم نے قیامت کے لیے کوئی تیاری کی ہے؟ ہم نے کیا عمل کیا ہے؟: کیا ہم نے اللہ سے توبہ واستغفار کیا؟ اے اللہ کے بندو! جان لیں کہ قیامت کی چھوٹی نشانیاں، اس کی بڑی نشانیوں کے نزدیک ہونے کی دلیل ہیں۔ وہ جب واقع ہوں گی تو قیامت بپا ہوگی۔ اس لیے اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو۔ اپنے عمل کی اصلاح کرو اور قیامت کے لیے تیاری بھی۔ نیز جان لو کہ بلاشبہ قیامت آکر رہے گی۔

تقویٰ اور بندے کی زندگی پر اس کا اثر

پہلا خطبہ:

"إنَّ الحمد للّٰہ ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادی له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله" أما بعد!

تقویٰ انسانی زندگی کا سب سے قیمتی زیور اور سب سے زیادہ گراں قدر متاع ہے۔ اگر انسان بڑا ہی دولت مند اور حیثیت ووقار کا مالک ہے لیکن وہ "لا إلٰہ إلا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ" کا اقرار نہیں کرتا تو جس طرح اس کی دولت مندی اس کی حیثیت، اس کا وقار، اس کا جاہ وجلال اور اس کی شان وشوکت کسی کام کی نہیں بالکل اسی طرح اگر کوئی "لا إلٰہ إلا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ" کا اقرار کرتا ہے لیکن اس کے دل میں تقویٰ کی جوت اور خوشبو نہیں، اس کے اندر تقویٰ کی روشنی نہیں جگمگاتی اور اس کے من میں خدا ترسی کا جذبہ نہیں تو وہ بھی اللہ کی نظر میں قابل احترام نہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جس مسلمان کے اندر تقویٰ اور پرہیز گاری کی خوبی نہیں پائی جاتی، وہ صرف نام کا مسلمان ہے، کام کا نہیں۔

برادران اسلام! ایسا کیوں؟ ایسا اس لیے کہ اگر مسلمان ایک جسم ہے تو تقویٰ اس کی روح ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جس جسم کے اندر روح نہیں وہ جسم کسی کام کا نہیں۔ اس طرح اگر کہا جائے کہ مسلمان تقویٰ کے بغیر لاشئہ بے جان ہے تو اس میں ذرا بھی مبالغہ آرائی نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے بھی انبیاء ورسل آئے، جتنے بھی مجددین و مصلحین آئے، سب نے تمام انسانوں کو تقویٰ کی جوت سے اپنی زندگی کا گوشہ گوشہ منور کرنے کا حکم دیا۔ قرآن پاک میں رب کائنات نے بے شمار جگہوں پر اس کی تاکید کی ہے اور احادیث نبویہ میں بھی تقویٰ اختیار کرنے کی ہدایت جابجا دی گئی ہے۔

دوستو اور بزرگو! جس طرح سمندر پانی کے بغیر سمندر نہیں رہ سکتا، بیابان میں تبدیل ہوجاتا ہے، اسی طرح جس دل میں تقویٰ کا گلشن نہ سجا ہو، وہ دل ویران ہوجاتا ہے، اور وہ شیطان کی آماجگاہ اور برائیوں کا مسکن بن جاتا ہے۔

لہٰذا آیئے، ہم قرآن و حدیث اور آثار صحابہ کی روشنی میں دیکھیں کہ یہ تقویٰ ہے کیا چیز اور اس کے فضائل کیا ہیں؟

سامعین کرام! تقویٰ کے لغوی معنی بچنے اور حفاظت کرنے کے ہیں اور دینی اصطلاح کی رو سے طاعت کے کاموں میں اخلاص اور معصیت کے تمام کاموں سے احتراز و پرہیز کرنے کا نام ہے تقویٰ۔ (التعریفات:65)

ویسے کلام پاک کے اندر تقویٰ پانچ معانی میں استعمال ہوا ہے:

۱۔ خوف و خشیت الٰہی:

ارشاد ربانی ہے:

”یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ“ (الحج:1)

”لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو! بلاشبہ قیامت کا زلزلہ بہت ہی بڑی چیز ہے“۔

۲۔ عبادت:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِکَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا

أَنَّهُ لاَ إِلٰـهَ إِلَّا أَنَا فَاتَّقُوْنِ "(النحل:2)

"وہی فرشتوں کو اپنی وحی دے کر اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اتارتا ہے کہ تم لوگوں کو آگاہ کر دو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم مجھ سے سے ڈرو"۔

۴۔ معاصی اور گناہ سے اجتناب:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"يَسْـأَلُوْنَکَ عَنِ الأهِـلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِـأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰـكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى وَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ "(البقرۃ:189)

"لوگ آپ سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ یہ لوگوں (کی عبادت) کے وقتوں اور حج کے موسم کے لیے ہے، (احرام کی حالت میں) اور گھروں کے پیچھے سے تمہارا آنا کچھ نیکی نہیں، بلکہ نیکی والا وہ ہے جو متقی ہو۔ اور گھروں میں تو دروازوں سے آیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ"۔

۱۔ تو حید:

ارشاد خداوندی ہے:

"إِنَّ الَّـذِيْنَ يَـغُضُّوْنَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُولٰٓئِکَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّأَجْرٌ عَظِيْمٌ "(الحجرات:3)

"بے شک جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پرہیز گاری کے لیے جانچ لیا ہے۔ ان کے لیے مغفرت اور بڑا ثواب ہے"۔

۵۔ اخلاص عمل اور اخلاص نیت:

رب کریم کا ارشاد ہے:

"ذٰلِکَ وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّھَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ"(الحج:32)

"یہ سن لیا اب اور سنو! اللہ کی نشانیوں کی جو عزت و حرمت کرے تو یہ اس کے دل کی پرہیز گاری کی وجہ سے ہے"۔

بزرگان دین وملت! تقویٰ کے ان پانچوں معانی پر اور ان معانی پر پیش کی گئی آیات قرآنیہ پر ذرا غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ دراصل انسان اس لیے مسلمان بنتا ہے کہ وہ تقویٰ اختیار کرے کیوں کہ جو توحید اختیار نہیں کرتا بلکہ مسلمان ہونے کے باوجود قبروں اور مزاروں پر جا جا کر ماتھا ٹیکتا رہتا ہے، وہ مشرکین کے زمرے سے نکل نہیں پاتا۔ جو اللہ کی عبادت بجا نہیں لاتا، وہ اللہ کی نظر میں سب کچھ ہوسکتا ہے لیکن صحیح مسلمان نہیں ہوسکتا، جو معاصی سے، گناہوں سے اور گناہ کے کاموں سے اجتناب نہیں کرتا وہ اللہ کے وعدۂ جنت کا مستحق نہیں بن پاتا، جو اپنے اعمال میں اخلاص نیت کو بروئے کار نہیں لاتا اور جس کا دل خوف خداوندی اور خشیت الٰہی سے لرزاں اور ترساں نہیں رہتا، وہ ہمیشہ شیطان کے نرغے میں رہتا ہے۔ گویا تقویٰ ہی سے انسان مسلمان رہ جاتا ہے ورنہ دائرۂ دین وشریعت سے اس کے خارج ہوجانے کا خدشہ ہمہ وقت لگا ہی رہتا ہے۔

دوستان گرامی! ایک آدمی صحابی رسول حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھتا ہے: اے صحابی رسول! ذرا مجھے بتادیجیے کہ یہ تقویٰ کیا ہے؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس سے پوچھتے ہیں: کیا تم کبھی ایسی راہ سے گزرے ہو جس کے دونوں طرف کانٹے دار جھاڑیاں ہوں۔

وہ آدمی کہتا ہے: ہاں اے صحابی رسول! ایسا اتفاق بارہا ہوا ہے۔ پھر تم کیسے اس راہ سے گزرے؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سوال کرتے ہیں۔ وہ آدمی کہتا ہے: اپنا دامن سمیٹتے ہوئے، اپنے آپ کو کانٹوں کی چبھن سے بچتے بچاتے بے حد ہشیاری سے قدم بڑھاتے ہوئے، ڈرتے ڈرتے گزر جاتا ہوں۔

صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: یہی تو تقویٰ ہے۔ (الدر المنثور: 61/1)

عزیزانِ ملت بیضاء! معلوم یہ ہوا کہ یہ دنیا برائیوں سے بھری پڑی ہے، ہر جگہ حرام اور شیطانی کاموں کے اڈے کھلے ہوئے ہیں، ہر موڑ پر شیطان اپنی چال کے پتے لیے بیٹھا ہے، ہر قدم پر شیطان کے کارندے اور دین وایمان کے راہزن گھات لگائے بیٹھے ہیں۔ ایسے میں اگر آپ نے ان شیطانی ہتھکنڈوں سے خود کو محفوظ رکھ لیا، معاصی سے اجتناب کیا اور جہاں تک بن پڑا اطاعت خدا اور اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے آپ کو مشغول رکھتے ہوئے اپنی حیات مستعار گزار لی تو یقیناً یہی حیات تقویٰ شعاری کہلائے گی۔

فضائل تقویٰ:

بتاؤں تقویٰ کیا ہے؟ تقویٰ حق و باطل کے درمیان فرق و تمیز کرنے والی شے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان باری ہے:

"إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ" (المائدہ: 27)

"اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کا ہی عمل قبول کرتا ہے"۔

ارشاد ہے:

"إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ" (الحجرات: 13)

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم سب میں باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے"۔

رب کائنات کا وعدہ ہے:

"وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ" (الزمر: 61)

"اور جن لوگوں نے پرہیز گاری کی انہیں اللہ تعالیٰ ان کی کامیابی کے ساتھ بچا لے گا، انہیں کوئی دکھ چھو بھی نہ سکے گا اور نہ وہ کسی طرح غمگین ہوں گے"۔

تقویٰ جنت کا ٹکٹ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''تِلْکَ الْجَنَّةُ الَّتِیْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ کَانَ تَقِیًّا'' (مریم:63)

''یہ ہے وہ جنت جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے انہیں بناتے ہیں جو متقی ہوں''۔

دوستو! آج ہر طرف انارکی پھیلی ہوئی ہے، ہر طرف دہشت کا ماحول ہے، غبن اور کرپشن عالمی منظر نامہ بن چکا ہے۔ برائیاں فروغ پا رہی ہیں اور ان کی سرپرستی حکومتیں کر رہی ہے۔ پوری دنیا ابلیسی نظام حیات کے تارعنکبوت میں پھنستی جا رہی ہے۔ بحر و بر اور آسمان و زمین فساد و بگاڑ کے شکنجے میں ہیں۔ لاکھ لاکھ تدبیریں ہو رہی ہیں ان سب برائیوں کو دور کرنے کی۔ ہزاروں علاج سوچے جا رہے ہیں اس بیماری کے لیے۔ لیکن دنیا والو! سن لو اور یاد رکھو کہ جب تک تمام لوگوں کے اندر تقویٰ کی جوت نہیں جگائی جائے گی یہ کرپشن ختم نہیں ہوگی۔ جب تک خدا ترسی کا فروغ و اشاعت نہیں ہوگا، تب تک تمہاری کوئی تدبیر کام نہیں آئے گی۔ گھوٹالے ہوتے رہے ہیں گے۔ حقوق تلف ہوتے رہیں گے۔ غبن کا سامراج پھیلتا چلا جائے گا اور ایک دن ایسا آجائے گا جب تمہاری دنیا تباہ و برباد ہو جائے گی اور تمہیں حسرت و یاس اور قنوطیت کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ لہٰذا آؤ، اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اپنے ہر کام میں خدا ترسی کا جلوہ دکھاؤ، تمہاری ہر بات بنے گی اور یہ دنیا تمہاری غلام ہوگی۔ اللہ کرے کہ ہمارے دلوں میں تقویٰ کی روشنی جگمگا اٹھے کہ یہی سب سے قیمتی اور بیش بہا متاع حیات ہے!!

دوسرا خطبہ:

''إنَّ الحمد لله ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً

عبدہ ورسولہ" أما بعد!

سرفروشانِ ملت! پہلے خطبہ کے دوران ہم نے آپ کو بتایا کہ تقویٰ کیا ہے، تقویٰ کے معانی ومفاہیم کیا ہیں؟ تقویٰ قرآن میں کتنے معانی میں استعمال کیا گیا ہے اور بتایا کہ تقویٰ کے فضائل کیا ہیں اور تقویٰ وخداترسی کی راہ سے ہٹ جانے سے سے انسانیت کن برائیوں اور ہلاکتوں میں مبتلا ہوسکتی اور مبتلا ہے۔ خطبۂ جمعہ کے اس دوسرے حصے میں ہم یہ بتانے کی کوشش کریں گے کہ اہل تقویٰ کی خصوصیات، ان کے امتیازات اوران کی خوبیاں کیا کیا ہیں؟ یہ بالفاظ دیگر تقویٰ کا معیار اور کسوٹی کیا ہے؟

دوستو! پہلی بات یہ ہے کہ تقویٰ اور پرہیزگاری یا خداترسی کا پہلا زینہ ہے۔ چھ باتوں پرصدق دل سے ایمان لے آنا۔ رب کائنات نے قرآن کریم کی دوسری سورہ یعنی سورۃ البقرۃ کی دوسری آیت سے لے کر پانچویں آیت تک کے اندر اس بات کی واضح نشاندہی فرمادی ہے۔

وہ فرماتا ہے:

"الٓمّٓ (1) ذٰلِکَ الْکِتَابُ لاَ رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ (2) الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلاۃَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ یُنفِقُوْنَ (3) وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ أُنْزِلَ إِلَیْکَ وَمَآ أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَبِالاٰخِرَۃِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ (4) أُولٰٓـئِکَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ وَأُولٰٓـئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" (البقرۃ:5-1)

"الم۔ اس کتاب (کے اللہ کے کتاب ہونے) میں کوئی شک نہیں پرہیزگاروں کو راہ دکھانے والی ہے۔ جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز کو قائم رکھتے ہیں اور ہمارے دیے ہوئے (مال) میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اس پر جو آپ کی طرف اتارا گیا اور جو آپ سے پہلے اتارا گیا، اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاں اور نجات پانے

والے ہیں"۔

ثابت ہوا کہ غیب پر ایمان لانے، اور نماز قائم کرنے، قرآن کریم پر اور قرآن کریم سے پہلے نازل ہونے والی تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لانے اور وقوع قیامت یعنی حیات آخرت پر ایمان لانے اور اس پر یقین کرنے سے تقویٰ کا پہلا زینہ طے ہوتا ہے۔ یہ وہ چیز ہیں یا وہ صفات ہیں جو ایک انسان کو گمراہی کی دلدل سے نکال کر ایمان و یقین کی شاہراہ پر ڈالتی ہیں۔ گویا تقویٰ کا سفر انہی چھ زادہائے سفر کے ساتھ شروع ہو جاتا ہے۔

تقویٰ کا دوسرا نام ہے ایفائے عہد۔ رب کریم اپنے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

"وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا" (البقرۃ:177)

"حقیقتاً اچھا وہ شخص ہے کہ جب وہ وعدہ کرے تو اسے پورا کرے"۔

رب کریم فرماتا ہے کہ میرے تقویٰ شعار بندے وہ ہیں جو وعدے کرتے ہیں تو انہیں پورا بھی کرتے ہیں۔ وہ جھوٹے وعدے نہیں کرتے اور جب وعدے کرتے ہیں تو ان کو پورا کرنے کی راہ میں اپنی جان تک لٹا دینے میں دریغ نہیں کرتے۔

تقویٰ شعاری کی تیسری علامت ہے مصائب و آلام پر صبر کرنا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ" (البقرۃ:177)

"حقیقتاً تقویٰ شعار وہ ہے جو تنگدستی، دکھ، درد اور لڑائی کے وقت صبر کرے"۔

مطلب یہ کہ تقویٰ شعار بندے وہ ہیں کہ جب ان پر مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹتے ہیں تو وہ واویلا نہیں مچاتے، جزع فزع نہیں کرتے، اپنے رب اور اپنے دین و ایمان کے بارے میں شک و شبہ میں نہیں پڑتے بلکہ چپ چاپ صبر کرتے ہیں، تمام آلام و مصائب کا سامنا خندہ پیشانی سے کرتے ہیں اور اپنے رب کے حضور رات کی تنہائی میں دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم پر رحم فرما، تو ہی ہمارا آقا ہے لہٰذا کافروں کے مقابلے میں ہماری

مدد فرما۔(البقرۃ:286)

تقویٰ شعاری کی چوتھی علامت ونشانی یہ ہے کہ جولوگ تقویٰ اور خداترسی کے خوگر ہوتے ہیں وہ گناہ ہو یا نہ ہو، اپنے رب سے برابر استغفار کرتے رہتے ہیں۔ رب کریم ایسے ہی لوگوں کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''وَالَّذِيْنَ إِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوْآ أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ'' آل عمران:135)

''اور جب ان سے کوئی ناشائستہ کام ہو جائے یا کوئی گناہ کر بیٹھیں تو فوراً اللہ کا ذکر اور اپنے گناہوں کے لیے استغفار کرتے ہیں، فی الواقع اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخش سکتا ہے؟ اور وہ لوگ باوجود علم کے کسی برے کام پر اڑ نہیں جاتے''۔

برادران ملت اسلامیہ! تقویٰ اور خداترسی کی یہ صفات اور خوبیاں اللہ کے جن بندوں کے اندر ہوں گی، ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بہت سی بشارتیں نازل فرمائی ہیں۔ قرآن کریم کی تقویٰ اور خداترسی پر مشتمل تمام آیات کریمہ کا دراسہ ومطالعہ بتاتا ہے کہ جولوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ اپنی نصرت وتائید، عزت وجلال اور علم وحکمت سے نوازتا ہے۔ گناہوں کو مٹاتا اور اجر عظیم کا مستحق قرار دیتا ہے۔ مغفرت جو انسان کی آخری منزل ہے، حاصل ہوتی ہے۔ دین اور دنیا کے تمام معاملات آسان ہوجاتے ہیں، غم وآلام سے چھٹکارا نصیب ہوتا ہے۔ دنیا میں کشادہ زندگی اور آخرت میں عقوبت الٰہیہ سے نجات ملتی ہے۔ کمال عبودیت حاصل ہوتا ہے اور تقرب الٰہی کا حصول ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری زندگی کو تقویٰ اور خداترسی کی نذر کردیا، صحابہ کرام نے اسے اپنایا اور اسلاف کرام نے اسی کی پتوار اپنی زندگی کی ناؤ میں لگائی اور بحر زیست کو پار کیا۔ آیئے چند احادیث کریمہ ملاحظہ فرمایئے جس سے یہ اندازہ

ہو کہ ایک مومن کی زندگی میں تقویٰ اور پرہیزگاری کی کیا اہمیت ہے:

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سب لوگ اپنے رب کا تقوی اختیار کرو۔ (بخاری مع الفتح: 1417/3، ومسلم حدیث نمبر: 1016)

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"أوصيك بتقوى اللّٰه فإنه رأس كل شيء" (مسند احمد: 82/3، مجمع الزوائد: 215/4)

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل سب سے زیادہ لوگوں کو جنت میں داخل کرائے گا؟ اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تقویٰ اور حسن اخلاق۔ (ترمذی: 616)

۴۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إن اللّٰه لاينظر إلى صوركم وأموالكم ولكن ينظر إلى قلوبكم وأعمالكم"

"بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مال و دولت کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تو تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے"۔

معلوم یہ ہوا کہ رب کائنات چاہتا ہے کہ ہم تقویٰ اختیار کریں ورنہ ہمارے اعمال اور مال و دولت کچھ کام نہیں آئیں گے۔ حسرت و یاس کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا، رب کی رضاء و خوشنودی ہم سے دور چلی جائے گی اور ہم ہلاک و برباد ہو جائیں گے۔

دوستو! لیکن جب ہم آج کے مسلمانوں کے احوال دین کا جائزہ لیتے ہیں تو تقویٰ اور خدا ترسی کی نشانی ہمیں دور دور تک نظر نہیں آتی۔ ہر طرف گناہوں کی ظلمت چھائی ہوئی ہے، کوئی مسلمان اگر اعمال صالحہ انجام بھی دیتا ہے تو ان سے اس کا مقصد ریاء و نمود کے

علاوہ کچھ نہیں ہوتا، ہر انسان شہرت و ناموری کا بھوکا نظر آتا ہے۔ حالانکہ جیسا کہ ابھی ابھی آپ کے سامنے قرآنی آیات واحادیث سے ثابت کیا گیا کہ اللہ کو نہ کسی کے اعمال کی ضرورت ہے اور نہ اسے اس بات کی ضرورت ہے کہ کوئی اس کی عبادت کرتا ہے یا نہیں کرتا۔ حقیقت میں اس نے عبادتوں اور فرائض کا جو سلسلہ دنیا کے لوگوں کے لیے باندھا ہے، وہ صرف اس لیے ہے کہ وہ دیکھے کہ کون اس کا تقویٰ اختیار کرتا ہے اور کون خدا ترسی سے دور اور شیطانی نظام حیات سے قریب ہوتا ہے۔

آیئے اللہ سے دعاء کریں کہ وہ ہمیں تقویٰ اختیار کرنے اور پاکبازی کی زندگی گزارنے کی توفیق دے اور شیطان کا آلۂ کار بننے سے ہمیں بچائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰه رب العالمين.

زکاۃ اور صدقۃ الفطر کا حکم

پہلا خطبہ:

"إنَّ الحمد لله ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادی له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله" أما بعد!

أما بعد فإن خير الحديث كتاب الله، وخير الهدي هدي محمد صلى الله عليه وسلم، وشرالأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار.

وقال الله سبحانه وتعالىٰ :

"وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ "(النور:56)

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے سامنے ابھی سورۃ النور کی ایک آیت پیش کی گئی جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ:

"تم لوگ نماز قائم کرو اور زکاۃ ادا کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ تا کہ تم پر رحم کیا جائے"۔

آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر تین چیزیں فرض کی ہیں: (۱) نماز (۲) زکاۃ (۳) اطاعت رسول یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فرماں برداری۔ ان تین فرائض میں سے ایک فرض ''زکاۃ'' ہے جس کے بارے میں ''إن شاء اللّٰہ'' آج کے خطبہ میں ضروری باتیں پیش کی جائیں گی۔

محترم بھائیو! رب کائنات کی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس نے اپنے بندوں کے اخلاق وارزاق میں فرق رکھا ہے اور اس میں بھی اس کی حکمت ہے۔ کیونکہ وہ حکمت والا ہے اور اچھی طرح جانتا ہے کہ کس کو زیادہ رزق یا زیادہ مال دینے میں کیا مصلحت ہے اور کو کس کم دینے میں کیا مصلحت ہے۔ یہ مصلحتیں اکثر لوگ نہیں جانتے۔

ارشاد ربانی ہے:

''قُلْ إِنَّ رَبِّـىْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ'' (سبا:36)

''کہہ دیجیے! کہ میرا رب جس کے لیے چاہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور تنگ بھی کر دیتا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ بعض بندوں کو مال کے ذریعہ آزماتا ہے۔ چنانچہ اس کے لیے مال کی فراوانی کر دیتا ہے اور اسے مختلف قسم کے اموال عطا کرتا ہے۔ جب کہ بعض کو قلت مال کے ذریعہ آزماتا ہے اور اللہ اس کی حکمت کو اچھی طرح جانتا ہے۔ کسی کو زیادہ مال دینا اس کے ساتھ محبت کی علامت نہیں ہے اور نہ کم مال دینا ان کے ساتھ بغض کی علامت ہے۔ بلکہ اللہ کا حب وبغض تقویٰ وعدم تقویٰ سے مرتبط ہے۔ جب کہ وہ کسی کے رزق کی توسیع وتنگی اپنی حکمت کے مطابق کرتا ہے۔

وہ مالداروں کو فقراء کے ذریعہ آزماتا ہے اور فقراء کو مالداروں کے ذریعہ۔ مالدار کو مال کے ذریعہ اس طرح آزمایا جاتا ہے کہ آیا یہ مال اس مالدار کے لیے اللہ کی نعمت کے شکر

ادا کرنے اور اللہ کے حق کی بجا آوری کا سبب بنتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح فقر و تنگی کے ذریعہ آزمایا جاتا ہے تاکہ دیکھے کہ آیا یہ فقیر صبر و رضا پر قائم رہتا ہے یا غصہ و ناراض ہوتا ہے؟

جب اللہ متقی شخص کو مال دیتا ہے تو وہ اس کو اللہ کی نعمت مان کر اللہ کا شکر بجالاتا ہے اور مال کا پورا حق ادا کرتا ہے پھر وہ مال اس کے مزید نیک بننے کا سبب بن جاتا ہے اور وہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے میں سبقت کرتا ہے۔ لیکن جب غیر متقی اور برے شخص کو مال مل جاتا ہے تو یہ مال اس کے مغرور و سرکش بننے کا سبب بن جاتا ہے، نہ وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور نہ مال کا حق ادا کرتا ہے، بلکہ وہ گھمنڈ سے کہتا ہے کہ اس مال کے حصول میں اللہ کا کیا دخل ہے؟ یہ تو میں نے اپنے علم و ہنر اور اپنی صلاحیت سے کمایا ہے۔ چنانچہ وہ مال اس کے لیے عذاب کا سبب بن جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ" (ابراہیم: 7)

"اور جب تمہارے پروردگار نے تمہیں آگاہ کردیا کہ اگر تم شکر گزاری کروگے تو بے شک میں تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کروگے تو یقیناً میرا عذاب سخت ہے"۔

میرے مسلمان بھائیو! اللہ تعالیٰ نے مسلم مالداروں پر ان کے اموال میں اپنے فقیر بھائیوں کا حق واجب کیا ہے، جس کا نام ہے زکاۃ، تاکہ وہ اس کے ذریعہ ان کی مدد کریں، اللہ نے اسے اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن قرار دیا ہے: چنانچہ جن ارکان پر اسلام کی بنیاد رکھی گئی ہے ان میں یہ زکاۃ تیسرا رکن ہے۔

جیسا کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی روایت میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

"بني الإسلام على خمس؛ شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله، وإقام الصلاة، وإيتاء الزكاة، وصوم رمضان، وحج البيت"

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے:

۱۔ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی سچا معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

۲۔ نماز قائم کرنا

۳۔ زکاۃ ادا کرنا۔

۴۔ ماہ رمضان کے روزے رکھنا۔

۵۔ خانۂ کعبہ کا حج کرنا۔

نیز صحیحین یعنی بخاری و مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ سے فرمایا کہ پھر تم انہیں یہ بتاؤ کہ اللہ نے ان پر زکاۃ فرض کی ہے جو ان کے مالدار لوگوں سے لی جائے گی اور ان کے محتاجوں پر تقسیم کی جائے گی۔

قرآن کریم اور حدیث نبوی کے نصوص زکاۃ کی رکنیت اور اس کی اہمیت کو واضح طور پر ثابت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ" (البینۃ:5)

"انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی کے لیے دین کو خالص رکھیں۔ ابراہیم حنیف کے دین پر اور نماز کو قائم رکھیں اور زکاۃ دیتے رہیں۔ یہی ہے دین سیدھی ملت کا"۔

ملت اسلامیہ کا دین یعنی دین توحید جس کی طرف ہر زمانے میں اللہ کے نبی اپنی امت کو دعوت دیتے رہے۔

میرے مسلمان بھائیو! زکاۃ ایک آزمائش وامتحان ہے۔ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ

لوگوں کی آزمائش کرتا ہے۔ ایمان کے سچے مسلمان اپنے مال کی زکاۃ خوش دلی سے اس کے وجوب کا یقین واعتقاد کرتے ہوئے نکالتے ہیں۔ اللہ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اور اس کے فضل ونعمت کا شکر کرتے ہیں۔

جیسا کہ اللہ نے فرمایا:

''خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ'' (التوبۃ:103)

''آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجیے، جس کے ذریعہ سے آپ ان کو پاک صاف کردیں اور ان کے لیے دعا کیجیے، بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لیے موجب اطمینان ہے اور اللہ تعالیٰ خوب سنتا ہے خوب جانتا ہے''۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ زکاۃ اس کے ادا کرنے والے شخص کو پاک کرنے والی ہے جو اس کے دل کو کنجوسی اور بخل جیسی بیماری سے پاک کرتی ہے۔ اسے کرم وسخاوت کے لیے مخلص بناتی ہے اور وہ مال کو گندگیوں اور نجاستوں سے پاک کرتی ہے۔ کیوں کہ جس مال سے (زکاۃ نکالنے کا وقت ہو جانے کے باوجود) زکاۃ نہیں نکالی جاتی ہے وہ مال گندگیوں اور نجاستوں کو شامل ہوتا ہے اور اس مال کو ان گندگیوں اور نجاستوں سے صرف زکاۃ ہی پاک کرسکتی ہے اگر اس کی زکاۃ نکال دی جائے۔ مال کی زکاۃ نکالنے سے وہ صرف مال ہی کی زکاۃ نہیں ہوتی بلکہ وہ دل کی بھی زکاۃ ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کے نکالنے سے ایمان مضبوط ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کا نکالنے والا اپنی خواہش کے دباؤں، اپنے نفس کی چاہتوں اور شیطان کے وسوسوں پر قابو پالیتا ہے۔ کیوں کہ وہ اللہ کے دشمن شیطان کے وسوسہ کے باوجود اللہ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے زکاۃ نکالتا ہے اور اللہ خوش ہو کر اس کے دل کو مضبوط کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اَلشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً مِّنْهُ

وَفَضْلاً وَّاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ" (البقرة:268)

"شیطان تمہیں فقیری سے دھمکاتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ وسعت والا اور علم والا ہے"۔

جس مال کی زکاۃ نکال دی گئی ہو وہ مال پاک ہے وہ بڑھتا ہے اور اس میں اللہ برکت نازل کرتا ہے۔ صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث مروی ہے کہ "وما نقصت صدقة من مال" "زکاۃ مال کو کم نہیں کرتی"۔

میرے بھائیو! مال کی زکاۃ زیادہ مقدار میں مطلوب نہیں۔ اللہ نے آپ کو بہت دیا ہے اور آپ کو صرف ڈھائی فیصد نکالنا ہے۔ یعنی آپ ڈھائی پرسنٹ زکاۃ نکالیں گے۔ اللہ آپ کے اس تھوڑے پر راضی ہے اور اس تھوڑے کا آپ کو دنیا و آخرت میں بہت زیادہ فائدہ ہوگا۔

محترم بھائیو! زکاۃ پوری نکالو۔ مال کا اچھی طرح حساب کرو اور وقت پر زکاۃ ادا کرو۔ زکاۃ نکالتے وقت ادائیگی زکاۃ کی نیت اور قصد کرو۔ کیونکہ تمام اعمال کے ثواب کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ اگر آپ باضابطہ زکاۃ نکالتے رہے تو آپ کو اللہ کی طرف سے آخرت میں خیر و برکت اور عظیم ثواب کی خوشخبری ہے۔

محترم بھائیو! اللہ تعالیٰ نے مال کی مختلف اقسام پر زکاۃ واجب کی ہے۔ چنانچہ ان میں سے ایک قسم زمین کی پیداوار ہے جس پر زکاۃ واجب کی ہے، خواہ وہ دانوں کی قسم سے ہوں یا پھلوں کی قسم سے۔

جس کے بارے میں اللہ نے فرمایا:

"وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ" (الأنعام:141)

"اور اس کے کاٹنے کے دن اس کی زکاۃ ادا کردو۔

نیز فرمایا:

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ

مِّنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ" (البقرۃ:267)

"اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی میں سے اور ان چیزوں سے جو زمین سے ہم نے تمہارے لیے نکالی ہیں، خرچ کرو، اور ان میں سے بری چیزوں کے خرچ کرنے کا قصد نہ کرو"۔

زمین کی پیداوار میں سے زکاۃ ادا کرنے کی شرط یہ رکھی گئی ہے کہ یہ پانچ وسق یعنی ہمارے ملک میں رائج پیمانے کے مطابق ساڑھے سات کوئنٹل کو پہنچ جائیں تو ان پر زکاۃ نکالنا واجب ہوگا ورنہ نہیں۔ اگر یہ پیداوار آسمانی بارش یا قدرتی تراوٹ سے ہوئی ہو یعنی بوائی اور کٹائی کے بیچ کوئی محنت یا خرچہ نہ کرنا پڑا ہو تو اس کی زکاۃ پیداوار کا دسواں حصہ یعنی دس پرسنٹ ہے۔ اور اگر یہ پیداوار انسانی یا مشینی سینچائی و نکائی جیسی محنت سے ہوئی ہو تو اس کی زکاۃ پیداوار کا بیسواں حصہ یعنی پانچ فیصد یا پانچ پرسنٹ ہے۔ جب کہ سبزیوں اور ان پھلوں میں جو سال بھر ذخیرہ کرنے کے قابل نہیں کوئی زکاۃ نہیں ہے۔

میرے بھائیو! اللہ تعالیٰ نے دوسری قسم ان چوپائے جانوروں کی زکاۃ واجب فرمائی ہے، جو ماکول اللحم ہوں۔ جیسے اونٹ، گائے، بکری اور بھیڑ بشرطیکہ وہ چرنے والے ہوں یعنی سال کے اکثر ایام چراگاہ کے گھاس سے پرورش پا رہے ہوں جنہیں گھر میں چارہ فراہم نہ کیا جاتا ہو۔

ان جانوروں کی زکاۃ واجب ہونے کی شرط (جسے نصاب کہا جاتا ہے) یہ ہے: اونٹ کا نصاب کم سے کم پانچ ہے۔ گائے کا نصاب تیس اور بھیڑ اور بکری کا نصاب چالیس ہے۔

اگر ان جانوروں کو گھر میں چارہ پانی فراہم کیا جا رہا ہو اور گوشت کھانے اور دودھ پینے کے لیے پالا جا رہا ہو تو ان کی زکاۃ واجب نہیں۔ اور اگر انہیں تجارت کے لیے گھر میں

پالا جا رہا ہے تو ان کی بھی زکاۃ واجب ہے۔ اس طرح تجارت کے لیے گھر میں پالے جانے والے جانوروں کی ہر سال قیمت لگائی جائے گی اور ان کی زکاۃ کے لیے ان کی قیمت کا چالیسواں حصہ نکالا جائے گا یعنی ڈھائی فیصد۔

اللہ تعالیٰ نے تجارت کے ہر قسم کے سامانوں میں زکاۃ واجب کی ہے۔ خواہ وہ کھانے کے سامان ہوں یا پہننے کے ہوں یا سواری کے ہوں۔ پس جو بھی تجارتی سامان ہو سال کے آخر میں بازار بھاؤ کے مطابق اس کی قیمت لگائی جائے گی۔ خواہ یہ قیمت، قیمت خرید سے زیادہ ہو یا کم۔ اگر مجموعی قیمت، چاندی کے نصاب 200 درہم یا سونے کے نصاب 20 دینار تک پہنچ جائے تو اس کی زکاۃ ڈھائی فیصد نکالی جائے گی۔ جب کہ نصاب پورا ہونے کے باوجود زکاۃ نہ نکالنے والوں کے سخت وعید آئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا إِنَّ كَثِيْراً مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُوْنَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلاَ يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ (34)يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ“(التوبہ:35-34)

”جو لوگ سونے چاندی کا خزانہ رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک عذاب کی خبر پہنچا دیجیے۔ جس دن اس خزانے کو آتش دوزخ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی (ان سے کہا جائے گا) یہ ہے جسے تم نے اپنے لیے خزانہ بنا کر رکھا تھا۔ پس اپنے خزانوں کا مزہ چکھو“۔

چنانچہ مسلمانوں کو چاہیے کہ ان دونوں قسم کے سکوں کی زکاۃ ادا کریں اور ان نقدی نوٹوں کی بھی زکاۃ دیں جو آج کل ان سکوں کے قائم مقام ہیں جو خرید و فروخت اور نقدی

تعامل میں ان نقدی سکوں کا حکم لے چکے ہیں۔ لہٰذا ان کرنسی نوٹوں کی زکاۃ نکالیں۔

محترم بھائیو! آپ کو مختلف کمپنیوں کے شیئروں کے بارے میں جانکاری ہونی چاہیے۔ یہ شیئرز دو قسم ہوتے ہیں؛

(الف) ایک وہ شیئرز جن کا لین دین ہوتا رہتا ہے۔ جن میں مسلمان فائدے کی امید رکھتے ہیں۔ جب ان کی طلب بڑھتی ہے، تو وہ لوگ فروخت کے لیے انہیں بازار میں پیش کرتے ہیں۔ اور جب ان کی طلب میں کمی ہوتی ہے تو انہیں محفوظ رکھتے ہیں۔ ان کی بھی نقدی کی طرح ہر سال کے خاتمہ پر مارکٹ ریٹ کے حساب سے زکاۃ نکالیں۔ کیوں کہ وہ آپ کے ہاتھ میں ہیں نقدی کے قائم مقام ہیں۔

(ب) دوسری قسم وہ شیئرز ہیں جنہیں آپ نے کمپنی میں راس المال کے طور پر حصے داری میں لے رکھا ہے۔ ان کو آپ نہیں بیچتے۔ البتہ آپ ان کے غلات سے استفادہ کرتے ہیں۔ پس جب ان کے غلات (بطور سامان تجارت) آپ کے قبضے میں ہوں اور ان پر پورا سال گزر جائے تو آپ ان کی زکاۃ ادا کریں۔ لیکن اگر ان غلات میں سے کچھ آپ نے خود استعمال کر لیا تو اس استعمال شدہ غلات میں کوئی زکاۃ نہیں۔

کرایہ پر دیئے مکانات وزمینوں کے مجموعی کرایہ سے نصاب پورا ہو جائے یا جس مہینے میں نصاب پورا ہو جائے اور وہ گھریلو خرچہ سے زائد ہونے کی بنا پر جمع کیا جاتا رہا ہو تو نصاب پورا ہونے کے وقت سے اس پر سال پورا ہوتے ہی اس جمع شدہ رقم کی زکاۃ ادا کرنا واجب ہے۔ اگر دوران سال گھریلو ضرورت کے لیے اس جمع شدہ کرایہ کی رقم سے کچھ خرچ کرنا پڑا، تو ایسی استعمال شدہ رقم پر کوئی زکاۃ نہیں۔ نیز اگر کرایہ کی رقم متفرق اوقات میں تھوڑی تھوڑی لیتے ہوئے گھریلو ضروریات پر خرچ کی جاتی رہی تو اس استعمال شدہ رقم پر کوئی زکاۃ نہیں۔ سال کے آخر میں جو کرایہ وصول ہوا گر وہ نصاب کے برابر ہے یا نصاب سے زیادہ تو اس پر زکاۃ واجب ہوگی۔ اور اگر نصاب سے کم رہا تو اس پر کوئی زکاۃ نہیں۔

آپ کا رہائشی مکان جس میں آپ رہتے ہیں، آپ کی گاڑی جس پر آپ سوار رہتے ہیں، ان پر کوئی زکاۃ نہیں۔

جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے:

”عن أبي هريرة رضى الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ليس على المسلم في عبده ولا فرسه صدقة“(صحيح البخارى وصحيح مسلم، كتاب الزكاة ، باب ليس على المسلم صدقة فى عبده وفرسه)

”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان پر اس کے غلام اور گھوڑے میں کوئی زکاۃ نہیں ہے“۔

بارك الله لنا ولكم في القرآن الكريم ونفعنا به وإياكم ، إنه كريم ملك غفور رحيم۔

دوسرا خطبہ:

”إنَّ الحمد لله ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادى له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريك له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله“ أما بعد!

”إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِيْ الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ“(التوبۃ:60)

”صدقے صرف فقیروں کے لیے ہیں اور مسکینوں کے لیے اور ان کے وصول کرنے والوں کے لیے اور ان کے لیے جن کے دل پرچائے جاتے ہوں اور گردن

چھڑانے میں اور قرض داروں کے لیے اور اللہ کی راہ میں اور راہرو مسافروں کے لیے، فرض ہے اللہ کی طرف سے، اور اللہ علم و حکمت والا ہے"۔

میرے محترم بھائیو! زکاۃ کے بارے میں ہمارے دل خوف خدا سے لبریز رہنے چاہئیں۔ آپ اس بات کو یاد رکھیں کہ آپ کے پاس زکاۃ ایک امانت ہے۔ چنانچہ آپ پر واجب ہے کہ اسے اس کے مستحق تک پہنچا دیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا" (النساء:58)

"اللہ تعالیٰ ہمیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انہیں پہنچاؤ!"۔

امانت زکاۃ کے مستحقین کی فہرست اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبۃ کی آیت نمبر 60 میں پیش کر دی ہے اور وہ ہیں:

۱-۲۔ فقراء و مساکین جن کے پاس کوئی مال و متاع نہیں ہے یا ہے لیکن ان کی کفایت سے کم ہے۔ ان کا نہ کوئی مقررہ پیسے کا وظیفہ ہے، ان کا نہ کوئی صنعتی کام چالو ہے اور نہ ان کا کوئی ایسا نفقہ ہے جو دوسروں پر واجب ہے۔ پس ایسے فقراء و مساکین کو جو ظن غالب میں مستحق محسوس ہوں انہیں زکاۃ کی اتنی مقدار دی جائے گی جو انہیں ایک سال کے لیے کافی ہو۔ اگر ایسے لوگ شادی کرنا ضروری محسوس کریں تو ان کی زکاۃ سے مدد کی جائے۔ کیونکہ یہ بھی اہم ضروریات میں سے ہے، اگر آپ کو ایسے لوگوں پر مالداری کے آثار نظر آئیں یا ان میں محنت کر کے کمانے کی قوت و نشاط محسوس ہو تو انہیں کمانے کی نصیحت و خیر خواہانہ تنبیہ کریں۔

ایک حدیث میں آیا ہے:

"عن عبيدالله عن رجلين أنهما أتيا النبي صلى الله عليه وسلم في حجة الوداع وهو يقسم الصدقة فسالاه منها، فرفع فينا البصر وخفضه

فرآنا جلدین، فقال: إن شئتما أعطيتكما؟ ولا حظ فيها لغني ولا لقوي مكتسب "(صحيح سنن ابی داؤد ، کتاب الزکاة ، باب من یعطی الصدقة)

''عبید اللہ ایسے دو آدمیوں کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ جو حجۃ الوداع کے زمانے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زکاۃ تقسیم کر رہے تھے۔ چنانچہ ان دو آدمیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس زکاۃ کی کچھ چیزیں مانگیں۔ ان دونوں کا خود کا کہنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں غور سے دیکھا۔ نظر کو ہماری طرف اوپر اٹھایا پھر نیچے ڈالا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو محسوس ہوا کہ ہم دونوں مضبوط آدمی ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اگر تم چاہتے ہو تو میں تمہیں دے دوں گا؛ لیکن اس زکاۃ میں مالدار کا کوئی حق نہیں ہے اور محنت سے کمانے کی طاقت رکھنے والے کا بھی اس میں کوئی حق نہیں ہے''۔

۳۔ عامل زکاۃ یعنی جو زکاۃ وصول کر کے لانے والے، زکاۃ کی حفاظت کرنے والے، اندراج کرنے والے اور انتظام کرنے والے لوگ ہیں، ان کی ماہانہ تنخواہوں میں زکاۃ کا مال خرچ کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ تالیف قلوب کے لیے اسلامی رفاہی کاموں میں زکاۃ فنڈ سے خرچ کیا جائے گا تاکہ نومسلموں کی دلجوئی ہو سکے اور غیر مسلم سوسائٹی کے لوگوں کے دلوں پر اچھا اثر پڑے اور اسلام کے بارے میں جانکاری حاصل کرنے کے لیے ان کے دلوں میں رغبت پیدا ہو۔

۵۔ زکاۃ کا مستحق وہ قرض دار بھی ہے جو اپنی کسی مصلحت کی وجہ سے قرض دار ہو گیا اور اس پر قرض کا اتنا بوجھ ہو گیا کہ جس کے چکانے سے وہ قاصر ہے۔ ایسے قرض دار کو زکاۃ دی جائے گی۔ بشرطیکہ وہ لوگوں کے مال میں بار بار لاپرواہی نہ برتے۔ اور

اس قرض دار کو بھی زکاۃ کا مال دیا جائے گا جس نے مسلمانوں کی اجتماعی مصلحت کے لیے آپس میں مشورہ کر کے قرض لیا ہو۔ خواہ وہ بذات خود مالدار ہی کیوں نہ ہو۔

۶۔ زکاۃ کے مال کے ذریعہ مسلمان قیدیوں کو چھڑایا جاسکتا ہے۔

۷۔ شرعی جہاد کے لیے اگر شرعی حاکم کی طرف سے اعلان ہو تو ایسے جہاد میں شرکت کرنے والے مجاہدین کی زکاۃ کے مال سے مدد کی جاسکتی ہے۔

۸۔ ایسے مسافر جو زادِ رہ لے کر سفر کر رہے تھے۔ لیکن اچانک کسی حادثے کی وجہ سے وہ محتاج بن گئے تو انہیں بھی زکاۃ کے مال سے دیا جائے گا جس کے ذریعہ وہ اپنے گھر واپس جاسکیں۔

”إن اللّٰـه يأمر بالعدل والإحسان وإيتآء ذي القربىٰ وينهىٰ عن الفحشآء والمنكر، والبغي يعظكم لعلكم تذكرون، واللّٰه يعلم ماتصنعون“

فکر آخرت

پہلا خطبہ:

الحمد للّٰہ کفی والصلاۃ والسلام علی محمد المصطفیٰ ومن تبعه بإحسان إلی یوم الدین والوفا، أما بعد!

معزز حاضرین جمعہ! یہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ دنیا میں ہر روز لاکھوں انسان جنم لیتے ہیں اور ہزاروں انسان اپنی حیات مستعار کے ایام ولیالی گزار کر موت کی آغوش میں سما جاتے ہیں۔ یہاں جو آیا ہے، وہ آیا ہی جانے کے لیے ہے، باری باری سب کو جانا ہے۔ شاعر کہتا ہے ؎

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

اور صرف انسان وجن ہی کیا، ہر جان دار کے لیے موت مقدر ہے، یہ ایسی اٹل حقیقت ہے جس کا انکار کوئی ملحد بھی نہیں کرتا اور جس کی شہادت پیش کرنے کی بھی چنداں ضرورت نہیں، تاہم تذکیر ونصیحت اور یاددہانی کے بطور ہم آپ کے سامنے دو ایک آیات کی تلاوت ضرور کریں گے ؎

شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

”أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِككُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ

"(النساء:78)

''تم جہاں کہیں بھی ہو موت تمہیں آ پکڑے گی، گو تم مضبوط قلعوں میں ہو''۔

''كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ''(آل عمران:185)

''ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے''۔

یعنی انسان اور جنات و شیاطین ہی کیا، ہر جان دار کو موت کا مزا چکھنا پڑے گا۔ ہاں صرف ایک ذات ایسی ہے جس پر کبھی موت نہیں آئے گی اور وہ ہے اللہ کی ذات جس نے موت کو پیدا کیا ہے۔

اس کا ارشاد گرامی ہے:

''كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ (26)وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ''(الرحمٰن:27-26)

''دنیا میں جو بھی اور جو کچھ بھی ہے سب کا مقدر فنا ہونا ہے، فنا ہونے سے صرف ایک ذات مستثنیٰ ہے اور وہ ہے رب کائنات کی ذات جو جاوداں ہے، پائیدار ہے، ہمہ وقت تابندہ اور ہر پل درخشندہ ہے''۔

سامعین عظام! اس حقیقت کو دنیا کا ہر شخص مانتا ہے کہ زندگی چند روزہ ہے جن میں دو انتظار میں کٹ جاتے ہیں اور دو دنیوی مسائل کو حل کرنے میں۔ شاعر کہتا ہے ۔

عمر دراز مانگ کر لائے تھے چار دن
دو آروز میں کٹ گئے ، دو انتظار میں

اگر اختلاف ہے تو اس بات میں کہ کیا اس زندگی کے بعد بھی کوئی دوسری زندگی ہے؟ کیا مرنے کے بعد ہم دوبارہ جلا کر اٹھائیں جائیں گے، اور ہم نے دنیا میں موت سے پہلے جو اعمال بد یا نیک انجام دیئے تھے، ان کا حساب کتاب اور لیکھا جوکھا پیش کرنا ہوگا۔

اور آخرت کا دن کوئی حقیقی دن ہے یا پھر ایک افسانوی یا رومانی کہانی؟

یہ اختلاف کوئی نیا اختلاف نہیں بلکہ یہ اتنا ہی پرانا اختلاف ہے جتنا پرانا دنیا میں خود انسان کے آباد ہونے کا قصہ ہے۔ حقیقت کیا ہے؟ اسی سوال کا جواب پانے کی نیت سے آج ہم سب یہاں اکٹھے ہوئے ہیں۔ میری کوشش رہے گی کہ اس سوال کا تشفی بخش جواب آپ کے سامنے پیش کروں۔ دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس کی توفیق سے نوازے!

شیدائیاں اسلام! اس فلسفے کی گتھی کو دنیا کا کوئی فلسفی آج تک نہیں سلجھا سکا ہے، البتہ جتنے بھی آسمانی مذاہب دنیا میں نازل کیے گئے ہیں سب نے یہی کہا ہے کہ یہ دنیا لازوال نہیں، بلکہ زوال پذیر ہے۔ یہ ایک مقررہ مدت تک رہنے کے بعد فنا کے گھاٹ اتر جائے گی۔ یہ دنیا عارضی ہے، بلکہ اس کی ہر شے عارضی ہے اور ہر شے کا مقدر ہی فنا ہے۔ مرنے کے بعد ہم پھر سے زندہ کیے جائیں گے اور ہمیں اللہ کے سامنے پیش ہوکر اپنی زندگی کا حساب دینا پڑے گا۔ اپنے اپنے اعمال کا حساب دینے کے بعد ہر انسان یا تو سکھ کی ہمیشہ والی دنیا میں یا پھر دکھ کی ہمیشگی والی دنیا میں داخل ہو جائے گا۔ اس حقیقت کو کوئی مانے یا نہ مانے لیکن ہر مسلمان کو اس حقیقت کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ اگر اس کے دل میں اس کے تعلق سے کسی شک وشبہ نے جگہ بنائی تو وہ دائرۂ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ“ (الحدید:25)

”اور اس لیے بھی کہ اللہ جان لے کہ اس کی اور اس کے رسول کی مدد بے دیکھے کون کرتا ہے۔ بے شک اللہ قوت والا ہے اور زبردست ہے“۔

”وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ“ (یونس:25)

”اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف تم کو بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے راہ راست پر چلنے

کی توفیق دیتا ہے"۔

"وَمَا هٰذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ" (العنکبوت:64)

"اور دنیا کی یہ زندگانی تو محض کھیل تماشہ ہے البتہ سچی زندگی تو آخرت کا گھر ہے۔ کاش یہ جانتے ہوتے"۔

برادران اسلام! ان آیات کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر انسان کے مقدر میں دو گھر لکھ دیے گئے ہیں۔ دنیا کا گھر اور آخرت کا گھر، ایک گھر عارضی اور دوسرا گھر دائمی ہے، دنیا کی زندگی چاہے جتنی بھی لمبی ہو اسے ختم ہونا ہے اور آخرت کی زندگی ہی باقی رہنے والی ہے۔ اس دنیا اور اس کی چیزوں کی مثال ڈھلنے والے سایہ کی طرح ہے۔

سیدنا حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے اسی لیے دنیا کے تمام لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

دنیا کی الٹی گنتی جاری ہے اور آخرت برابر بڑھی چلی آرہی ہے، دنیا و آخرت دونوں کے کچھ بیٹے ہیں لہٰذا آخرت کے بیٹے بن جاؤ۔ دنیا کے غلام نہ بنو، آج عمل ہو رہا ہے اور کل حساب کے دور سے گزرنا ہے۔ (بخاری معلقاً)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہی خوب مثال دی ہے! فرماتے ہیں کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے یعنی یہاں جو بوؤ گے، وہی کل قیامت کو کاٹو گے۔

دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کن في الدنیا کأنک غریب أو عابر سبیل"

"دنیا میں ایک اجنبی یا ایک مسافر کی طرح رہو"۔

سامعین کرام! ان احادیث و آیات اور ان جیسی بے شمار دوسری آیات و احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی زندگی چند روزہ ہے اور حقیقی زندگی تو آخرت ہی کی زندگی ہے۔ لہٰذا

آج ہی بلکہ ابھی ہوش میں آجاؤ تاکہ کل قیامت کے دن تمہیں یہ کہتے ہوئے ہتھیلی نہ ملنا پڑے کہ اے کاش! میں نے اس ابدی زندگی کے لیے کچھ جمع پونجی بھیج دی ہوتی۔ اس وقت یہ پچھتاوا اور یہ افسوس کوئی کام نہ آئے گا۔ وہاں تو بس ایمان اور نیک اعمال اور نیک کردار کام آئیں گے۔ پھر تو نتیجہ ظاہر ہے کہ اگر آپ کے صحیفۂ اعمال میں ایمان کے ساتھ نیکیاں ہیں تو زہے نصیب! مبارک ہو آپ کو جنت اور اس کے باغات تمہیں مبارک ہوں۔ آپ کو حور و غلمان مبارک ہوں۔ آپ کو دودھ اور شراب کی نہریں مبارک ہوں۔ آپ کو وہاں کی تلذذ بھری اور آسائش و آرام سے پُر زندگی مبارک ہو۔ آپ کو لطف بہاراں مبارک ہو۔ آپ کو ہر طرح کی دائمی راحت مبارک ہو۔ آپ کو ہیرے اور موتی کے بے مثال خوبصورت محل مبارک ہوں۔

لیکن اگر آپ اپنے صحیفۂ اعمال میں شرک و کفر کے تازیانے، باطل عقائد کی پیروی کی زہرناکیاں، دین و شریعت سے دشمنی کے تمغے لکھوا کر لے گئے ہیں، تو پھر تیار رہیے، اس جہنم کا ایندھن بننے کو جو ہمیشگی کا گھر تو ہے، لیکن ذلت و رسوائی سے بھرا، دکھ اور غم سے بھرا۔ اللہ ہمیں بھی اور آپ کو بھی اس سے بچائے اور اپنی پناہ میں رکھے آمین!

دوستو! انتظار مت کرو، انتظام کرلو، فکر آخرت کرلو، صحیفۂ اعمال کو نیکیوں سے بھرلو، زندگی کو بھرلو نیکیوں کی تازگی سے، دور کرلو اپنے آپ کو دنیا اور اس کی چکاچوند سے۔

اللہ تعالیٰ تمہیں ان آیات کے ذریعہ جنت کی طرف بلاتا ہے:

”تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ، فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ، فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ وَّجَنَّةُ نَعِيْمٍ“ (الواقعہ: 87-89)

”اور اس قول میں سچے ہو تو (ذرا) اس روح کو تو لوٹاؤ، پس جو کوئی بارگاہ الٰہی سے قریب کیا ہوا ہوگا۔ اسے تو راحت اور غذائیں ہیں اور آرام والی جنت ہے“۔

” اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا، حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا، وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا، وَّكَاْسًا دِهَاقًا، لَا

يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْواً وَّلَا كِذّٰباً، جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَاباً'' (النبا:36-31)

''یقیناً پرہیزگار لوگوں کے لیے کامیابی ہے۔ باغات ہیں اور انگور ہیں۔ اور نوجوان کم عمر عورتیں ہیں۔ اور چھلکتے ہو جام (شراب) ہیں۔ وہاں نہ تو وہ بیہودہ بات سنیں گے اور نہ جھوٹ (ان کو) تیرے رب کی طرف سے (ان کے اعمال کا) یہ بدلہ ملے گا جو کافی انعام ہوگا''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جنتیوں کی جماعت سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگی۔ اس میں شامل تمام افراد چودھویں کے چاند کی طرح چمک دمک رہے ہوں گے، وہ نہ جنت میں تھوکیں گے، نہ ان کی ناک میں رینٹ آئے گی کہ ان کو اپنی ناک جھاڑنی پڑے گی اور نہ ہی وہ پیشاب کریں گے۔ ان کے کھانے پینے کے برتن سونے کے ہوں گے، ان کی کنگھیاں بھی سونے اور چاندی کی ہوں گی، ان کی انگیٹھیوں میں عود کی لکڑیاں جلیں گی۔ ان کا پسینہ مشک جیسا معطر ہوگا۔ ہر جنتی کی دو خاص بیویاں ہوں گی جن کا حسن ان کے کپڑوں میں نیچے سے بھی جھلکے گا، ان کے دل ایک جیسے ہوں گی اور وہ صبح شام اللہ کی تسبیح وتہلیل کرتے رہیں گے۔ (متفق علیہ)

حضرات گرامی! ابھی جن آیات واحادیث کا سہارا لیتے ہوئے ہم نے آپ کو جنت کی جو ہلکی سے لفظی جھلک دکھائی ہے وہ صرف مشتے نمونہ از خروارے کے مصداق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جنت ایسی جگہ ہے جس کو نہ قلم بیان کر سکتا ہے اور نہ زبان۔ وہ نہ کسی دل کی رسائی میں ہے اور نہ تصورات وخیالات کی اس تک پہنچ ہو سکتی ہے اور نہ کسی آنکھ نے اسے دیکھا ہے۔ مختصراً یوں کہا جا سکتا ہے کہ جنت وہ مقام ہے جہاں سکھ ہی سکھ ہوگا۔ جہاں دکھ کا نام ونشان نہ ہوگا۔ اور جہنم ایسی جگہ ہے جہاں دکھ ہے اور جہاں سکھ کا کوئی نام ونشان تک نہیں ہے۔ آیئے ہم دعاء کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سبھوں کو جنت کا مستحق وحقدار بنائے اور جہنم سے بچائے۔ آمین۔

دوسرا خطبہ:

"إنَّ الحمد للّٰه ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله" أما بعد!

بزرگانِ دین وملت! دنیا کی حقیقت اور جنت وجہنم کی واقعیت کا لحاظ رکھتے ہوئے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے، آپ کے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے، تابعین کرام نے، تبع تابعین عظام نے اور بزرگانِ دین وملت نے اس دنیا کو آخرت کی کھیتی کے طور پر ہی استعمال کیا۔ سیرت وتراجم کی کتابوں میں اور تاریخ کے صفحات میں آپ کو قدم قدم پر ایسے لوگوں کا تذکرہ ملے گا جنہوں نے دنیا کو پرِکاہ سے زیادہ وقعت وحیثیت نہیں دی۔ جن کے پاس دنیا ناک رگڑتی ہوئی آئی، لیکن انہوں نے اسے ذلت وحقارت کے ساتھ ٹھوکر ماردی، جنہوں نے تخت نشیں ہونے پر خاک نشیں رہنے کو ترجیح دی۔ نتیجہ کیا ہوا؟ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دنیا میں شان سے رہے اور آخرت میں تو ان کے لیے رب کریم نے اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

آپ بتائیں! ایسا ان کے لیے کیوں کر ممکن ہوا؟ اس لیے ممکن ہوا کہ ان کے دل اس یقین کامل کی روشنی سے جگمگا رہے تھے کہ یہ دنیا عارضی ہے، اس کے بعد جو دنیا شروع ہونے والی ہے، وہی دار بقا وخیر ہے۔ اسی فکرِ آخرت نے انہیں دنیا کی تمام برائیوں سے بچا کر انسانِ کامل بنادیا۔ ان کو نیکیوں کا خوگر بنادیا۔ شیطانی حربوں کا جادو ان پر نہیں چل سکا۔ وہ جئے تو مسافر بن کر اور مرے تو اس شان سے کہ ان پر دنیا کا کوئی قرض تھا ہی نہیں، اسی فکر آخرت نے انہیں تراش خراش کر کندن بنادیا۔ آج دنیا میں آپ جو یہ بے شمار برائیاں دیکھ

رہے ہیں کہ حلال وحرام کی تمیز مٹ گئی ہے، خدا فراموشی کی وبا ہے جو پھیلتی جارہی ہے، خواتین کی عزت وعصمت تارتار ہورہی ہے، مال وزر کی ہوس میں جس طرح لوگ دیوانہ وار کسی نامعلوم ہلاکت خیز منزل کی طرف بے تحاشا دوڑے جارہے ہیں۔ ہر کسی کی زبان پر یہ جو دنیا دنیا کی رٹ جاری ہے اور نتیجتاً دل کا سکون وچین چھن گیا ہے یہ سب فکر آخرت سے بے پرواہ ہوجانے کا صلہ ہے۔ اسی آخرت سے بے پرواہی نے انسان کو انسان نہیں رہنے دیا حیوان مطلق بنادیا:

آہ! قدرت کا یہ شاہکار آدمی
کھارہا کرب پیہم کی مار آدمی
جانے کس جرم کی ہے سزا دیکھ لو
ہے پریشان لیل ونہار آدمی

ملتِ بیضاء کے دیوانو! سوچو! غور کرو! کیا یہ دنیا تمہیں دار بقا لگتی ہے کہ تم اسی میں آشیانہ کی تلاش میں سرکھپا رہے ہو؟ کہاں دیوانہ وار بھاگ رہے ہو؟ کیا اس دنیا کے پیچھے جو بہت بوڑھی ہوچکی ہو؟ کیا اسی دنیا کو تم باوفا سمجھ بیٹھے ہو جس نے آج تک کسی سے وفا نہیں کی؟ کتنے جابرہ، اکاسرہ، قیاصرہ اور نماردہ کو اس تہہ خاک نے سڑا دیا؟ کتنے ہی عالیشان بنگلوں کو اس نے کھنڈرات میں تبدیل کردیا؟ آؤ سنو! زندگی تمہیں آواز دے رہی ہے اور اپنی زبان سے کہہ رہی ہے ؎

زندگی کہتی ہے غافل! میں فنا کا باب ہوں
چھیڑتے ہیں جس سے سازِ غم وہی مضراب ہوں

آؤ سنو! حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تم سے فرما رہے ہیں: یہ دنیا تمہاری جائے قرار نہیں، اللہ تعالیٰ نے فنا ہونا اس کا مقدر فرمادیا ہے، تمہیں سفر درپیش ہے اس لیے بہترین زادِ راہ تیار کرنے میں لگ جاؤ اور یاد رکھو کہ بہترین زادِ راہ تقویٰ اور پرہیزگاری

ہے۔(جامع العلوم والحاکم:415/2)

یہ بھی سنو! حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمہ اللہ تمہیں آواز دے رہے ہیں: دنیا شیطان کی شراب ہے جس نے اسے پی لی وہ بے ہوش ہو گیا اسے صرف موت کی گھنٹی ہی ہوش میں لائے گی۔ لیکن تب تک وہ گھاٹا اٹھانے والوں کہ فہرست میں شامل ہو چکا ہوگا۔

حضرت ابو محمد حبیب رحمہ اللہ صبح ہوتی تو روتے اور شام ہوتی تب بھی روتے۔ ان کی زوجہ محترمہ سے ان کے رونے کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا: ابو محمد اس لیے روتے ہیں کہ ان کے دل میں یہ خیال جاگزیں ہو گیا ہے کہ صبح ہوئی تو شام نہ ہوگی اور شام ہوئی تو کیا پتہ کہ صبح کا چہرہ دیکھ بھی پاؤں یا نہیں؟

اللہ اللہ! یہ تھا ہمارے اسلاف کرام کا خوفِ ربانی، اور یہ تھی ان کی فکر آخرت! لیکن آج ہمارا یہ حال ہے کہ ہم آخرت کی یاد سے غافل، دنیا دنیا پکارتے ہوئے، ایسے سراب کی طرف رواں دواں ہیں جو سیرابی بہر حال نہیں دے سکتا۔

عزیزان اسلام! جاگو، خواب غفلت سے جاگو! آنکھیں کھولو اور یاد کرو کہ نہ سکندر باقی رہا نہ دارا، نہ فرعون باقی رہا اور نہ نمرود۔ اور ان سب کی باتیں تو چھوڑو، اللہ کا کوئی پیارے سے پیارا نبی بھی باقی نہ رہا۔ دیکھ لو! کہیں یہ غفلت تمہاری تمہیں لے نہ ڈوبے۔ ذرا بتاؤ کہ وہ کون سا آدمی ہوگا جو یہ نہ چاہے گا کہ وہ دنیا و آخرت دونوں میں کامیاب و بامراد ہو؟ کون چاہے گا کہ دنیا کے بدلے آخرت کو بیچ دے؟ کون یہ چاہے گا کہ اسے جنت میں داخل ہونے کا پروانہ نہ ملے؟

اگر تمہارے دل میں جہنم سے بچنے کی آرزو انگڑائیاں لیتی ہو، اگر تمہارے دل میں اپنے رب سے ملاقات کرنے کی تمنا ہو، اگر تمہارے دل میں حصول جنت کا جذبہ موجزن ہو، اگر تمہارے دل میں زندگی کی رونق باقی ہے، اگر تمہارا دل بالکل سیاہ مردہ نہ ہو چکا ہو تو اب بھی جاگ جاؤ۔ اپنی غفلت وسستی کی ردا کو پھینکو، فکر آخرت کرو۔

سنو! رب کائنات تمہیں آواز دے رہا ہے:

"قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ" (البقرۃ:97)

"(اے نبی) آپ کہہ دیجیے کہ جو جبریل کا دشمن ہو جس نے آپ کے دل پر پیغام باری تعالیٰ اتارا ہے، جو پیغام ان کے پاس کی کتاب کی تصدیق کرنے والا اور مومنوں کو ہدایت اور خوشخبری دینے والا ہے۔ (تو اللہ بھی اس کا دشمن ہے)"۔

اس سے پہلے کہ بے رحم موت تمہیں اپنے آہنی پنجہ میں دبا لے۔ اپنی بقیہ عمر کو طاعت ربانی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرماں برداری میں گزارو، تا کہ عمر رفتہ کی بھرپائی ہو سکے ورنہ حالت یہ ہو جائے گی کہ تمنا تو کرو گے لیکن وہ تمنا کام نہ آئے گی، بلکہ حسرت ویاس کی چنگاری کو شعلۂ جوالہ بنا دے گی۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رب کریم ارشاد فرماتا ہے:

"وَأَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنَاكُمْ مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَّأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِيْ إِلٰى أَجَلٍ قَرِيْبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُنْ مِّنَ الصَّالِحِيْنَ، وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا إِذَا جَآءَ أَجَلُهَا وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ" المنافقون: (10-11)

"اور جو کچھ ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) اس سے پہلے خرچ کرو کہ تم میں سے کسی کو موت آ جائے تو کہنے لگے اے میرے پروردگار! مجھے تو تھوڑی دیر کی مہلت کیوں نہیں دیتا کہ میں صدقہ کروں اور نیک لوگوں میں سے ہو جاؤں۔ اور جب کسی کا مقررہ وقت آ جاتا ہے پھر اسے اللہ تعالیٰ ہرگز مہلت نہیں دیتا، اور جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اللہ باخوبی باخبر ہے"۔

دوستو! اٹھو نمازیں قائم کر کے، روزے رکھ کر، صدقہ وخیرات کر کے، والدین کے ساتھ حسن سلوک کر کے اور راہ الٰہی میں خرچ کر کے آخرت کا زادِ راہ تیار کر لو اور یاد رکھو کہ

آخرت کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے۔ یہ دنیا ایک سراب ہے اس میں سے جو حصہ تمہارے نام لکھ دیا گیا ہے، وہ تمہیں مل کر رہے گا۔ اس لیے اپنی ضرورت زندگی کے بقدر محنت اور کوشش ضرور کرو لیکن اسی دنیا میں مگن ہو کر فکر آخرت سے بالکل بے پرواہ نہ ہو جاؤ۔ کیوں کہ موت کبھی بھی علی الاعلان نہیں آتی، وہ چپکے سے آتی ہے اور اپنے شکار کو دبوچ کر روانہ ہو جاتی ہے۔

زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا
بدلتا ہے رنگ آسمان کیسے کیسے
نہ گور سکندر نہ ہے قبر دارا
مٹے نامیوں کے نشان کیسے کیسے
جانتا ہوں آدمی دنیا سے کیا لے جائے گا
بس یہی کہ جو کیا اچھا برا، لے جائے گا
قبر کی دو گز زمیں ، دو گز کفن کا اک لباس
کچھ نہیں کچھ بھی نہیں اس کے سوا لے جائے گا

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں فکر آخرت سے غافل نہ کرے۔ ہمیں دین و دنیا کی کامرانی سے نوازے۔ یوم آخرت میں جہنم کی آگ سے بچائے اور جنت میں مقام نصیب فرمائے

و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

جمعہ کے دن کی فضیلت اور اس کے احکام

پہلا خطبہ:

"إنَّ الحمد للّٰه ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله" أما بعد!

اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور یہ جان لو کہ وہی سب کا پیدا کرنے والا ہے:

"وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ"(القصص:68)

"اور آپ کا رب جو چاہتا پیدا کرتا ہے،اور پسند کرتا ہے،لوگوں کو کوئی اختیار نہیں ہوتا"۔

اور اپنی مخلوق میں سے اپنی حکمت بالغہ کے تحت جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے اور انہیں اپنا فرستادہ اور نبی ورسول بنالیتا ہے۔اسی طرح مقامات اور جگہوں میں جس کو چاہتا ہے فضیلت بخشتا ہے۔فرمایا:

"اَللّٰهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَآئِكَةِ رُسُلاً وَّمِنَ النَّاسِ إِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ" (الحج:75)

"فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے پیغام پہنچانے والوں کو اللہ چھانٹ لیتا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے مکہ کو سارے مقامات پر فضیلت بخشی ہے۔پھر اس کے بعد خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت گاہ مدینہ کو، پھر اس کے بعد بیت المقدس کو جو بہت

سے انبیاء کی قیام گاہ ہے۔ اسی طرح اللہ نے مہینوں اور دنوں کو دیگر مہینوں اور دنوں پر فضیلت بخشی ہے۔ چنانچہ جب سے اللہ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا ہے تب سے ہی کتاب اللہ میں سال کے بارہ مہینے قرار پائے جن میں چار مہینے محترم یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب۔ سب سے بہتر دن جس پر سورج طلوع ہوتا ہے وہ جمعہ کا دن ہے۔ اس لیے تم اس کی عظمت سمجھو۔ جس کو اللہ نے باعظمت قرار دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ عنہما سے مرفوعا روایت ہے: جمعہ کے دن جو غسل کرے، سویرے مسجد جائے۔ اور خطیب کے قریب بیٹھے اور توجہ سے خطبہ سنے تو مسجد آنے والے اس کے ہر قدم کے بدلے ایک سال کے قیام وصیام جیسا ثواب ہے۔ (امام احمد نے یہ حدیث روایت کی ہے جس کے رجال ورواۃ ثقہ ہیں)

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے کہ جمعہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی پر خوبصورت عورت جیسی چیز رکھی گئی۔ اس کے بیچ میں سیاہ نکتہ جیسا تھا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ اے جبریل یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ جمعہ ہے۔ آپ کا رب آپ کو یہ پیش کر رہا ہے تاکہ اسے آپ کے لیے اور آپ کے بعد آپ کی قوم کے لیے عید کا دن آپ سب کے لیے اس میں خیر و بھلائی رکھ دے۔ آپ پہلے ہوں گے۔ اور یہود ونصاریٰ آپ کے بعد، اور اس جمعہ کے دن میں ایک گھڑی ایسی ہے کہ جس میں کوئی بندہ اپنے رب سے جب دعائے خیر کرے تو وہ اسے ضرور عطا کرے گا، یا کسی شر سے اس کی پناہ مانگے تو اس سے اس کو بچا لے گا، اور آخرت میں اسے ہم یوم المزید کہیں گے۔ (طبرانی فی الاؤسط باسناد جید)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بہترین دن جب سورج طلوع ہوتا ہے جمعہ کا دن ہے۔ اس دن اللہ نے آدم کو پیدا کیا۔ اسی دن جنت میں ان کو داخل کیا اور اسی دن ان کو جنت سے نکالا

گیا۔ (مسلم، ابوداؤد، ترمذی ونسائی)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہم سے پہلے والوں کو جمعہ سے محروم رکھا۔ یہود کے لیے سنیچر کا دن تھا اور نصاریٰ کے لیے اتوار کا۔ چنانچہ وہ قیامت تک ہمارے پیرو ہوں گے، دنیا میں ہم سب کے بعد اور قیامت کے دن سب سے پہلے ہوں گے۔ ہمارا فیصلہ بھی لوگوں سے پہلے ہوگا۔ (مسلم)

جمعہ کے دن کی سب سے اہم خصوصیت جمعہ کی نماز ہے۔ کیونکہ یہ بہ اعتبار قدر سب سے اہم، بہ اعتبار فرض سب سے مؤکد اور بہ اعتبار ثواب سب سے زیادہ ثواب والی نماز ہے۔ اسلام نے اسے بہت قابل اعتناء سمجھا ہے اور اس کا پاس ولحاظ رکھنے پر بہت زور ڈالا ہے۔ جمعہ کے لیے اسلام نے غسل کرنے، پاک صاف رہنے، خوشبو لگانے، بدبودار چیزوں سے دور رہنے اور سب سے خوبصورت لباس اور سب سے مناسب ہیئت وحالت میں جمعہ کی نماز کے لیے گھر سے نکلنے کی ترغیب دی ہے۔ اسی طرح جمعہ کے لیے سویرے نکلنے، امام سے قریب رہنے اور وعظ ونصیحت کو سننے کے لیے خاطر جمع رکھنے کی تاکید کی ہے۔

چنانچہ متفق علیہ روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص جمعہ کے دن غسل جنابت کرے، پھر پہلے ہی مرحلہ میں مسجد کے لیے چلے تو اس نے گویا ایک اونٹ قربان کیا۔

اور ابوداؤد وحاکم نے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ میں ہر وقت حاضر رہو اور امام سے قریب رہو۔ کیوں کہ آدمی دور ہوتے ہوئے جنت میں داخل ہو کر بھی پیچھے ہی رہ جاتا ہے۔

مسجد پہنچ جائے تو نماز، ذکر واذکار اور تلاوت قرآن جیسی عبادت واطاعت میں لگا رہے۔ یہاں تک کہ امام وخطیب اپنی جگہ سے نکل کر مسجد چلا آئے۔

پھر جب امام پہنچ جائے تو گوش برآواز ہو اور خطبہ سنے۔ پھر خشوع وخضوع اور سکون واطمینان اور خالص نیت سے کی جارہی ہے تلاوت قرآن پر غور وفکر کرے اور نماز ادا کرے۔ اس کے بعد جب فرض نماز سے فارغ ہو تو بعد نماز مشروع ثابت ذکر واذکار میں لگ جائے۔ پھر مسنون یہی ہے کہ مسجد میں چار رکعت نفل نماز پڑھے یا دو رکعت اپنے گھر میں پڑھے۔ اور گھر میں ہی ان رکعتوں کو جا کر پڑھنا عمل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں افضل ہے۔ جیسا کہ صحیحین میں ایسا ثابت ہے۔ چنانچہ جو شخص ایسا کرنے کا مشتاق ہو اور خالص نیت کے ساتھ اور اس کو ادا کرے تو وہ اس مبارک دن کی فضیلت پانے اور منعم کریم (اللہ) کے ثواب حاصل کرنے کا لائق وسزاوار ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اچھی طرح وضو کر کے جمعہ کے لیے مسجد میں آئے۔ پھر خطبہ سنے اور خاموش رہے ۔تو اس کے آئندہ جمعہ تک کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں، نیز مزید تین دن کے۔ (مسلم)

جمعہ کے ثواب کے فوت ہونے یا ثواب کم ہونے کے اسباب میں سے ایک سبب جمعہ کے لیے مسجد پہنچنے میں دیر کرنا ہے۔ اسی طرح مصلیوں کی گردنیں پھاندکر اگلی صف میں جانا ہے۔ جیسا کہ جمعہ کے دن خطبہ دیتے ہوئے آپ نے اس پر نکیر کرتے ہوئے فرمایا: بیٹھ جا، تو نے لوگوں کو تکلیف دی ہے۔ جو ایسا کرتا ہے اس کے تئیں یہ خدشہ ہے کہ وہ اس فرمان عز وجل کے عموم میں داخل وشامل ہو:

''وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّإِثْمًا مُّبِيْنًا'' (الأحزاب:58)

''اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایذا دیں بغیر کسی جرم کے جو ان سے سرزد ہوا ہو، وہ (بڑے ہی) بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں''۔

اسی طرح ذکر الٰہی یا تلاوت قرآن اتنی بلند آواز سے کرنا کہ دوسرے لوگوں کی نمازوں میں خلل پیدا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو اس سے منع فرمایا

ہے۔ جس وقت انہوں نے قرأت وتلاوت میں اپنی آواز بلند کی: "لایجھر بعضکم علی بعض بالقرآن" "تم میں کوئی کسی پر قرآن کی تلاوت میں آواز بلند نہ کرے"۔

اور اس سے بھی خراب بات تو یہ ہے کہ دنیوی امور ومعاملات میں دوسرے کے ساتھ گفتگو کر کے تشویش اور الجھاؤ پیدا کرے۔ خصوصاً دوران خطبہ یہ حرمان نصیبی اور بصیرت کی کمی ہے کہ آدمی گفتگو یا کنکری وغیرہ سے کھیل کود کر خطبہ سے بے توجہی برتے جس کے سبب جمعہ کا ثواب وفضیلت فوت ہو جائے۔ اس پر تنبیہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: "من مس الحصی فقد لغی" "جس نے دوران خطبہ کنکری کو چھوا اس نے لغو کام کیا"۔ (مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے اپنے بغل والے ساتھی سے چپ رہو کہا تو تم نے لغو کیا۔ اور امام احمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے رایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے امام کے خطبہ کے دوران اپنے ساتھی سے چپ رہو کہا تو اس نے غلط کیا اس کا جمعہ نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کو چھوڑنے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔

امام مسلم نے اپنی صحیحین میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ جمعہ کے چھوڑنے سے باز آجائیں نہیں تو پھر اللہ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا، اس کے بعد وہ سب غافلوں میں سے ہو جائیں گے۔

امام احمد نے حسن سند اور حاکم نے صحیح سند سے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے بلاضرورت تین مرتبہ جمعہ کو چھوڑا تو اللہ اس کے دل پر مہر لگا دے گا۔ گویا مسلسل جمعہ کی نمازوں کا ترک ایک ایسا خطرناک فعل ہے کہ اس سے دلوں پر مہر لگ سکتی ہے۔ جس کے بعد انسان کے لیے اخروی فلاح وکامیابی کی امید ختم ہو جاتی ہے۔

جمعہ کے دن کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ جمعہ کو نماز فجر کی پہلی رکعت میں

''الٓمٓ السجدة'' اور دوسری رکعت میں ''هل أتی علی الإنسان'' پڑھتے تھے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سید الانام ہیں اور جمعہ سید الایام ہے۔ چنانچہ اس دن آپ پر درود وسلام ایک ایسی خصوصیات ہے جو کسی اور کو حاصل نہیں۔ آپ کی امت نے دنیا وآخرت کی جو بھی بھلائی پائی ہے وہ اسے آپ کے ہاتھوں ملی ہے۔ چنانچہ اللہ نے آپ کی امت کے لیے دنیا وآخرت دونوں جہان کا خیر جمع کر دیا ہے۔ سب سے بڑی کرامت جو لوگوں کو حاصل ہوتی ہے وہ جمعہ کے دن ہی حاصل ہوتی ہے۔ اسی دن ان کو جنت کے گھروں اور محلوق میں بھیجا جاتا ہے اور وہ جب جنت میں داخل ہوں گے تو وہ جمعہ ان کے لیے یوم المزید ہوگا۔ اور دنیا میں ان کے لیے یوم العید ہے۔ اور یہ وہ دن ہے جس میں اللہ ان کی حاجات وضروریات پوری کرتا ہے اور کسی سائل (مانگنے والے) کو وہ نامراد نہیں لوٹاتا۔ یہ سب کچھ لوگوں نے جانا اور ان کو ملا تو آپ ہی کے سبب اور آپ ہی کے ہاتھوں۔ اب آپ کا شکر وسپاس اور آپ کے حق کی کمی سے کم ادائیگی یہ ہے کہ ہم اس دن کے روز وشب میں آپ پر خوب درود وسلام بھیجیں۔

دوسرا خطبہ:

''إنَّ الحمد للّٰه، نحمده، ونستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريک له، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله'' أما بعد!

اللہ عزوجل نے فرمایا:

''إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَآئِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْماً''

"اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس نبی پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم (بھی) ان پر درود بھیجو اور خوب سلام (بھی) بھیجتے رہا کرو"۔

جمعہ کی خصوصیت میں سے ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں ایک گھڑی ایسی ہے کہ جب کسی بندۂ مسلم کو یہ گھڑی میسر آ جائے اور وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہا ہو تو وہ اللہ سے جس چیز کا سوال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور عطا فرما دیتا ہے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کو ایک گھڑی ایسی ہوتی ہے کہ نماز پڑھتے کوئی مسلمان جب اسے پالیتا ہے اور اللہ سے وہ خیر طلب کرتا ہے تو وہ اسے ضرور عطا فرماتا ہے۔۔محروم ہے وہ جو اس دن کی فضیلت اور اس گھڑی کی برکت سے محروم ہو جائے، جو ہر ہفتہ لوٹ کر آتی ہے۔ جمعہ کے دن کی اس گھڑی کی تحدید سے متعلق سب سے راجح قول یہ ہے کہ یہ نماز عصر سے غروب آفتاب کے بیچ کا وقت ہے۔ جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں اس کی صراحت آتی ہے۔

برادران اسلام! اللہ ہم سب پر رحم فرمائے اور ہمیں اس خیر عظیم کے حاصل کرنے کی زیادہ سے زیادہ توفیق دے جو اللہ نے جمعہ کے دن میں رکھا ہے۔ اپنے سب سے اچھے کپڑے پہنیں، مسواک کریں، اچھی خوشبو لگائیں اور وقار وسکون کے ساتھ سویرے جمعہ کے لیے مسجد جائیں۔ ادب نبوی اور طریقہ محمدی کا خیال و پابندی کریں۔ خیرات وحسنات کی طرف بڑھنے اور اعلیٰ درجے سے کامیاب ہونے والوں میں اللہ ہمیں شامل فرمائے۔

" ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ "(المائدہ:54)

"یہ ہے اللہ تعالیٰ کا فضل جسے چاہے دے، اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا زبردست علم والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے خصوصی فضل وکرم کا مستحق بنائے اور جمعہ کے دن کی برکتوں اور بھلائیوں سے مالا مال فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمين.

عورتوں کی بے پردگی اور اظہارت زینت کے مفاسد

پہلا خطبہ:

”إنَّ الحمد للّٰه ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله“ أما بعد!

یہ اللہ کی رحمت ہے کہ اس نے اپنے بندوں پر شرک کے دروازے بند کر دیے ہیں اوران کے لیے بچاؤ کا پردہ ڈال دیا ہے۔اب جو بھی وہ پردہ ہٹائے گا یا اس کو چاک کرے گا وہ گناہ اور معصیت کے کام میں جا پڑے گا۔

”إذا المرء لايلبس ثيابا من التقى
جرد عريانا وإن كان كاسيا
وخير خصال المرء طاعة ربه
لاخير فيمن كان للّٰه عاصيا

آدمی جب تقویٰ کی پوشاک نہ پہنے ہوتو وہ ننگا ہی رہے گا، چاہے وہ بہ ظاہر پوشاک ہی میں کیوں نہ ہو۔آدمی کی سب سے اچھی خصلت اپنے رب کی اطاعت ہے۔اللہ کے نافرمان بندے میں کوئی خیر وخوبی نہیں ہوتی ہے۔

اہل علم کے نزدیک بچاؤ کے اس طریقے اور باب کو ”باب الذرائع“ کا نام دیا جاتا

ہے اور عام زبان میں اس کی مثال یوں دی جاتی ہے کہ جس راستے سے تم تک بدبو آتی ہو اس کو بند کر دو اور راحت کی سانس لو۔

ذرائع جمع ہے ذریعہ کا۔ ذریعہ لغت میں کسی چیز تک پہنچانے والے راستہ کو کہا جاتا ہے۔ غایت ومقصد اگر کوئی شرعی مصلحت ہو تو ذرائع کا باب کھلا رہتا ہے اور اگر کوئی مفسدہ یا خرابی ہو تو پھر اس دروازہ کو بند کر دیا جاتا ہے۔

میرے بھائیو! آپ حضرات سے یہ مخفی نہیں کہ عورتوں کی بے پردگی اور اظہار زینت کی وبا کس قدر عام ہوگئی ہے۔ حالانکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں پر اپنے شوہر کے علاوہ کے لیے اظہار زینت و بے پردگی کو حرام قرار دیا ہے اور اسے معاشرہ کے بگاڑ وفساد کا ایک اہم ذریعہ بتایا ہے۔ جس زنیت کے اظہار کو اللہ نے ان کے لیے حرام قرار دیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بڑے منکرات اور ظاہر و باہر گناہ کے کاموں میں سے ہے۔ اس سے اور بھی زیادہ بگاڑ وخرابی پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ عذاب وعقاب کو دعوت دینے کا اہم سبب ہے۔

ارشاد باری ہے:

''يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا'' (الأحزاب:59)

''اے نبی! اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں، اور اس سے بہت جلد ان کی شناخت ہو جایا کرے گی پھر نہ ستائی جائیں گی، اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے''۔

جلابیب، جلباب کی جمع ہے۔ یہ اس چادر کو کہا جاتا ہے جسے عورت پردہ کے لیے اپنے سر پر ڈالتی ہے۔ اللہ نے مومن عورتوں کو بال اور چہرہ وغیرہ محاسن کو چھپانے کے لیے چادر

اپنے اوپر اوڑھنے کا حکم فرمایا ہے، تاکہ عفت و پاکدامنی سے ان کی پہچان ہو۔ تاکہ نہ وہ خود بھی فتنہ میں پڑیں اور نہ مردوں کو فتنہ میں ڈالیں۔

لہٰذا اے مسلمانو! اللہ سے ڈرو۔ اپنی عورتوں کو اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے دور رکھو اور انہیں پردہ وحجاب کے ساتھ باہر نکلنے کی تاکید کرو اور اللہ کے غیظ وغضب اور اس کے عقاب وعذاب سے بچو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: لوگ جب منکر کو دیکھ کر اسے نہ بدلیں تو قریب ہے کہ اللہ ان پر اپنا عذاب عام کر دے۔

ارشاد باری ہے:

''لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ بَنِیْ إِسْرَائِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّکَانُوْا یَعْتَدُوْن، کَانُوْا لاَ یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ''(المائدۃ:79-78)

''بنی اسرائیل میں سے کافروں کو حضرت داؤد وعیسیٰ علیہما السلام کی زبان سے لعنت کی گئی۔ یہ اس وجہ سے کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے اور حد سے آگے بڑھ جاتے تھے۔ آپس میں ایک دوسرے کو برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے روکتے نہ تھے جو کچھ بھی یہ کرتے تھے یقیناً وہ بہت برا تھا''۔

مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کرنے کے بعد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، تم بھلائی کا حکم دو گے اور برائی سے روکو گے، بے وقوف ونادان انسان کی گرفت کرو گے اور حق پر ایک دوسرے کو ابھارو گے، یا پھر اللہ تمہارے دلوں کو ایک دوسرے کے خلاف کر دے گا۔ پھر تم پر اسی طرح لعنت کرے گا۔ جیسے ان (یہود ونصاریٰ) پر لعنت کی۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: تم میں جو کسی منکر کو دیکھے تو وہ اسے اپنے ہاتھ سے روکے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اپنی زبان سے روکے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو اپنے دل سے ہی اس کو برا جانے۔

اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو شرعی حجاب کا حکم دیا ہے۔ عورت کی اور اس کے بعد معاشرہ وسماج کی حفاظت میں ان کو اظہار زینت سے منع فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر عورتوں کو پردہ کرنے، ان کے گھروں میں رہنے اظہار زینت سے بچنے اور فساد وخرابی سے خود کو بچانے اور اپنے کو اسباب فتنہ سے دور رکھنے کے لیے مردوں کے ساتھ پست آواز میں بات کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

''يَا نِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِىْ فِيْ قَلْبِهِ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلاً مَّعْرُوفاً، وَقَرْنَ فِيْ بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْراً'' (الأحزاب:33-32)

''اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تم پرہیز گاری اختیار کرو تو نرم لہجے سے بات نہ کرو کہ جس کے دل میں روگ ہو وہ کوئی برا خیال کرے اور ہاں قاعدے کے مطابق کلام کرو۔ اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم جاہلیت کے زمانے کی طرح اپنے بناؤ کا اظہار نہ کرو اور نماز ادا کرتی رہو اور زکاۃ دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت گزاری کرو''۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات، امہات المؤمنین جو ساری عورتوں میں سب سے بہتر اور سب سے پاکباز ہیں، کو مردوں سے نرم گفتگو کرنے سے منع فرمایا ہے تاکہ جس کے دل میں شہوت زنا کا مرض یا بدنیتی ہو ان کو

اقدام گناہ کا موقع نہ مل سکے۔ساتھ ہی ان کو گھروں میں رہنے کا حکم دیا اور زمانۂ جاہلیت کے تبرج (اظہار زینت ومحاسن، جیسے سر، گردن، سینہ، بازو، پنڈلی وغیرہ کو کھول کر رکھنے) سے منع فرمایا ہے، کیوں کہ اس میں بڑی خرابی، بڑا فتنہ اور مردوں کے دل کو اسباب زنا کی طرف لے جانے کا خطرہ ہے۔

اور اللہ تعالیٰ جب امہات المؤمنین کو ان کی صلاح وایمان اور طہارت وپاکیزگی کے باوجود ان منکرات چیزوں سے روک رہا ہے تو دوسری عورتیں ان چیزوں کے تعلق سے تحذیر وانکار اور اسباب فتنہ کو لے کر ان اندیشوں کی اور کہیں زیادہ حقدار ہیں۔اللہ ہمیں اور آپ سب کو فتنوں سے محفوظ رکھے۔امہات المؤمنین اور دیگر عورتوں کے لیے بھی عموم حکم کی دلیل اس آیت کے اندر ہے:

''وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ''(الأحزاب:33)

''نماز ادا کرتی رہو اور زکاۃ دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت گزاری کرو''۔

یہ تمام اوامر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے ساتھ دوسری عورتوں کے لیے بھی عام ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''إِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعاً فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ''

''جب تم نبی کی بیویوں سے کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے طلب کرو۔ تمہارے اور ان کے دلوں کے لیے کامل پاکیزگی یہی ہے''۔

مردوں سے پردہ کرنے اور ان سے اپنے آپ کو چھپانے کے وجوب کی ایک واضح دلیل اس آیت میں موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے اندر واضح فرمایا ہے کہ پردہ کرنا مردوں اور عورتوں کے دل کے لیے زیادہ بہتر ہے اور فحش اور بے حیائی کے کام سے بہت دور رکھنے والا ہے۔ ساتھ ہی اللہ نے اشارہ فرمایا ہے کہ اظہار زینت اور بے پردگی نجاست اور گندگی ہے، جب کہ پردہ طہارت و پاکیزگی ہے۔

شرعی پردہ وحجاب میں آٹھ شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱۔ پہلی شرط: یہ عورت کے پورے بدن کے لیے ساتر ہو، کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

''يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ''(الأحزاب:59)

''وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں''۔

جلباب اس پورے کپڑے کو کہا جاتا ہے جو پورے بدن کو ڈھانپ لے۔ یدنین کا مصدر ادناء ہے جس کا مطلب ہے ڈالنا اور گرانا۔ اس طرح شرعی لباس وہ ہے جو پورے بدن کو ڈھانپ لے۔

۲۔ دوسری شرط: یہ ہے وہ شوخ اور بھڑکیلا نہ ہو کہ مردوں کی نظر اس کی طرف خود بخود اٹھے۔ ارشاد باری ہے:

''وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ''(النور:31)

''اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے کہ جو خود ظاہر ہو جائے''۔

(جو خود ظاہر ہو جائے) کا مطلب ہے کہ جو بے قصد وارادہ ظاہر ہو جائے۔ اس لیے جو شوخ اور بھڑکیلا ہو اس کا پہننا اور اوڑھنا جائز نہیں، اور نہ ہی اس کو حجاب کہا جائے گا۔ کیوں کہ حجاب وہ ہے جو زینت کو نہ ظاہر ہونے دے۔

۳۔ تیسری شرط: یہ ہے کہ وہ دبیز اور موٹا ہو، جس سے عورت کا جسم نہ جھلکتا ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو قسم کے لوگ جہنمی ہیں جن کو میں نے نہیں دیکھا: ایک وہ جماعت جس کے پاس گائے

کے دم کی طرح کوڑے ہوں گے، جن سے وہ لوگوں کو ماریں گے۔ اور دوسری ان عورتوں کی جماعت جو بظاہر کپڑا پہنے ہوں گی لیکن وہ ننگی ہوں گی۔ دوسروں کو مائل کرنے والی اور خود بھی مائل ہونے والی ہوں گی، یہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائیں گی۔ جب کہ اس کی خوشبو اتنی اتنی دوری سے ہی محسوس ہوگی۔

۴۔ چوتھی شرط: یہ ہے کہ یہ ڈھیلا ڈھالا ہو، اتنا تنگ نہ ہو کہ جسم کے اعضاء نمایاں ہوں۔ کیوں کہ کپڑے کا مقصد ہے فتنے کا سدباب۔ جو صرف ڈھیلے ڈھالے کپڑے سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ تنگ کپڑا اگر بدن کے اوپری حصہ کے رنگ کو چھپا بھی لے تو عورت کے جسم کی ساخت اس سے نہیں چھپتی۔

حضرت اسامہ بن زید کے لڑکے سے روایت ہے کہ ان کے والد اسامہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک باریک قسم کی قبطی چادر اوڑھائی جو دحیہ کلبی نے آپ کو ہدیہ میں دی تھی۔ وہ میں نے اپنی بیوی کو پہنا دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ مجھ سے پوچھا کہ تم وہ چادر کیوں نہیں استعمال کرتے؟ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ میں نے اپنی بیوی کو پہنا دی۔ تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اس سے کہو کہ اس چادر کے نیچے استر رکھ لیا کرے۔ مجھے خدشہ ہے کہ کہیں یہ عورت کی ہڈیوں کے ڈھانچہ کو نمایاں نہ کرے۔

۵۔ پانچویں شرط: یہ ہے کہ اس میں خوشبو نہ لگی ہو۔ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی بہت ساری احادیث وارد ہیں جو عورتوں کو خوشبو لگا کر باہر نکلنے سے منع کرتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو عورت خوشبو لگا کر لوگوں کے پاس سے گزرے تاکہ اس کی خوشبو وہ پائیں تو وہ زانیہ ہے۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت ان کے پاس سے خوشبو لگا کر گزری تو انہوں نے پوچھا کہ اے فلاں کی ماں! مسجد جا رہی ہو کیا؟ اس نے

جواب دیا: ہاں! انہوں نے پوچھا کہ اسی کے لیے خوشبو لگائی ہے؟ جواب دیا کہ ہاں! اس پر انہوں نے کہا کہ واپس جاؤ اور غسل کرو، کیوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا: جو بھی عورت خوشبو لگا کر مسجد کی طرف نکلے تو اللہ اس کی نماز اس وقت تک قبول نہیں فرمائے جب تک کہ وہ اپنے گھر جا کر غسل نہ کر لے۔

۶۔ چھٹی شرط: عورت کا لباس مرد کے لباس کی طرح نہ ہو۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے عورت کی پوشاک پہننے والے مرد پر اور مرد کی پوشاک پہننے والی عورت پر لعنت بھیجی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ جائز نہیں کہ عورت کا لباس مرد جیسا ہو۔

۷۔ ساتویں شرط: عورت کا لباس کافر عورتوں کے لباس جیسا نہ ہو۔ کیوں کہ شریعت میں یہ طے شدہ ہے کہ مسلمان مرد وزن کے لیے کافروں کی مشابہت اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔ خواہ وہ عبادات میں ہو یا عید اور تہوار میں یا ان کے ساتھ خاص لباس و پوشاک میں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری بعثت تلوار کے ساتھ ہوئی ہے یہاں تک کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت ہونے لگے۔ میری روزی نیزہ کے سایہ تلے رکھی گئی ہے اور میری مخالفت کرنے والے کے لیے ذلت و رسوائی ہے اور جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ اسی میں سے ہوگا۔ اس لیے مسلم خواتین کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ مغربی پوشاک والے فیشن ڈریس اور کافروں والا لباس پہنیں۔

۸۔ آٹھویں شرط: یہ ہے کہ شہرت کا لباس و پوشاک نہ ہو۔ جس سے مقصد لوگوں کے درمیان پروپیگنڈہ ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو دنیا میں شہرت (اشتہار، پروپیگنڈہ) والا کپڑا پہنے گا، تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن ذلت کی پوشاک پہنائے گا۔ پھر اس میں آگ

سلگا دے گا۔

اس لیے ہر مسلمان کے لیے واجب ہے کہ وہ اپنی بیوی اور بچوں کے لباس میں ان شرطوں کا خیال رکھے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم کا فرمان ہے کہ تم سب ذمہ دار ہو اور تم میں سے ہر شخص اپنے ماتحت کے بارے میں جوابدہ ہوگا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيْكُمْ نَاراً وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَآئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ''(التحریم:5)

اے مومنو! اپنے آپ کو اور اپنے افراد خانہ کو جہنم سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے، اس پر سخت قسم کے فرشتے موجود ہوں گے جو اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے ہیں وہی کرتے ہیں جو ان کو حکم ہوتا ہے۔

مرد وزن کا ایک دوسرے کو گھور کر دیکھنا بھی فتنہ ہے۔ اسی لیے دونوں کو نظریں جھکا کر چلنے کی تاکید آئی ہے۔

ارشاد باری ہے:

''قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ أَزْكٰى لَهُمْ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ،وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ أَوْ اٰبَآئِهِنَّ أَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَآئِهِنَّ أَوْ أَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِيْٓ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِيْٓ أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَآئِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِيْنَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرَاتِ النِّسَآءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا

يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْآ إِلَى اللّٰهِ جَمِيْعاً أَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ''(النور:31-30)

''مسلمان مردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت رکھیں۔ یہی ان کے لیے پاکیزگی ہے، لوگ جو کچھ کریں اللہ تعالیٰ سب سے خبردار ہے۔ اور مسلمان عورتوں سے بھی کہو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت میں فرق نہ آنے دیں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں، سوائے اس کے جو ظاہر ہے اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈالے رہیں، اور اپنی آرائش کو کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں، سوائے اپنے خاوندوں کے یا اپنے والد کے یا اپنے خسر کے یا اپنے لڑکوں کے یا اپنے خاوند کے لڑکوں کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے یا اپنے میل جول کی عورتوں کے یا غلاموں کے یا ایسے نوکر چاکر مردوں کے جو شہوت والے نہ ہوں یا ایسے بچوں کے جو عورتوں کے پردے کی باتوں سے مطلع نہیں۔ اور اس طرح زور زور سے پاؤں مار کر نہ چلیں کہ ان کی پوشیدہ زینت معلوم ہو جائے۔ اے مسلمانو! تم سب کے سب اللہ کی جناب میں توبہ کرو تا کہ تم نجات پاؤ''۔

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں آیتوں میں مومن مرد اور مومن عورتوں کو نگاہیں جھکا کر رکھنے اور شرمگاہوں کی حفاظت کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور یہ حکم صرف زنا کی فحاشی اور اس سے پیدا ہونے والی خرابی و بگاڑ کے سبب دیا گیا ہے۔ اور اس لیے بھی کہ نظر دل کی بیماری اور فحش کام میں پڑنے کا ایک اہم سبب ہے اور نظر جھکا کر چلنا اس سے محفوظ رہنے کا ذریعہ ہے۔

اسی لیے نگاہ نیچی رکھنا اور شرمگاہ کی حفاظت کرنا مومنوں کے لیے دنیا و آخرت دونوں جہاں میں بہتر ہے۔ جب کہ نگاہ کو اور شرمگاہ کو بے قابو رکھنا دنیا و آخرت دونوں جہاں میں ہلاکت و بربادی کے اسباب میں سے ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ "(غافر:19)
"وہ آنکھوں کی خیانت کو اور سینوں کی پوشیدہ باتوں کو (خوب) جانتا ہے"۔
اور ایک جگہ فرماتا ہے:
"وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَأْنٍ وَّمَا تَتْلُوْ مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا إِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ "(یونس:61)
"اور آپ کسی حال میں ہوں اور منجملہ ان احوال کے آپ کہیں سے قرآن پڑھتے ہوں اور جو کام بھی کرتے ہوں ہم کو سب کی خبر رہتی ہے جب تم اس کام میں مشغول ہوتے ہو"۔

اس لیے ہم پر واجب ہے کہ ہم اپنے رب سے ڈریں اور اس بات سے شرم کریں کہ وہ ہمیں گناہ کے کام میں مشغول دیکھے۔

اللہ نے مومن عورتوں کو بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا ہے۔ارشاد باری ہے:
"وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ "(النور:31)
"مسلمان عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت میں فرق نہ آنے دیں"۔

اللہ نے مومن عورتوں کو اسی طرح نگاہ جھکا کر رکھنے اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے کا حکم دیا ہے، جیسے مومن مردوں کو حکم دیا ہے جس میں ان کی اسباب فتنہ سے حفاظت بھی ہے، اور عفت و پاکدامنی کے اسباب اپنانے کی ترغیب بھی ہے۔

دوسرا خطبہ:

آج عورتیں حد درجہ زیب وزینت کی نمائش اور اظہار میں لگی ہوئی ہیں۔اس لیے فساد و بگاڑ اور فحاشی و بے حیائی کو عام کرنے والے اسباب وذرائع کا سد باب اور ان کی

روک تھام ضروری ہے۔ فساد وبگاڑ کے اہم اسباب میں سے مردوں کی عورتوں کے ساتھ خلوت اور بغیر محرم کے ان کے ساتھ سفر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

''لاتسافر إمرأة إلا مع ذي محرم ولا يخلون رجل بامرأة إلا ومعها ذو محرم''

''کوئی عورت کسی محرم کے بغیر سفر نہ کرے اور کوئی مرد کسی عورت سے بغیر اس کے محرم کے خلوت میں نہ ملے۔ اور آپ نے فرمایا: کوئی مرد جب کسی عورت سے خلوت میں ملتا ہے، تو شیطان دونوں کے بیچ میں تیسرا ہوتا ہے۔ اور آپ نے فرمایا:

''لا يبيتن رجل عند إمرأة ثيب إلا أن يكون ناكحا أو ذا محرم'' (مسلم:2171)

''کوئی مرد کسی عورت کے پاس رات نہ گزارے، الا یہ کہ وہ شوہر ہو یا اس کا رشتہ دار''۔

برادران اسلام! اللہ سے ڈرو۔ اپنی عورتوں کو اظہار زینت اور محاسن کی نمائش میں دشمنان خدا کی مشابہت اختیار کرنے سے روکو۔ اور یہ جان لو کہ ان (کی حرکتوں) پر خاموشی گناہ ہے جو غضب الٰہی کو دعوت دیتا ہے۔ اللہ ہم کو اور آپ کو اس کے شر سے بچائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: میں نے اپنے بعد والوں کے لیے عورتوں سے زیادہ کوئی خطرناک فتنہ نہیں چھوڑا۔ اور آپ نے فرمایا: دنیا شیریں وشاداب ہے اور اللہ وہاں تم کو جانشین بنا کر دیکھ رہا ہے کہ تم سب کیا کرتے ہو؟ اس لیے اللہ سے ڈرو۔ عورتوں سے بچو، کیوں کہ بنی اسرائیل کا پہلا فتنہ عورتوں ہی کے بارے میں تھا۔

اور فرمایا ہے:

''رب كاسية في الدنيا عارية في الأخرة''

''دنیا میں بہت سی بظاہر تن پوش آخرت میں حقیقتاً ننگی ہوں گی۔

اور فرمایا: دو قسم کے جہنمیوں کو میں نے دیکھا ایک وہ جو بظاہر تن ڈھانکی ہوئی عورتیں ہیں مگر درحقیقت ننگی اور مائل ہونے والی اور مائل کرنے والی ہیں۔ ان کے سر بختی اونٹ کے کوہان کی طرح ابھرے ہوں گے۔ وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گی اور نہ ہی اس کی خوشبو پائیں گی۔ اور دوسری قسم ان لوگوں کی ہوگی جن کے ہاتھوں میں گائے کی دموں کی طرح کوڑے ہوں گے ان سے وہ لوگوں کو ماریں گے۔ تنگ کپڑے پہننے اور جسمانی محاسن کو ظاہر کرنے، کافروں اور فاسقوں کے طرز پر بال کٹوانے وغیرہ جیسے کام میں عیسائیوں اور دوسری کافر عورتوں کی مشابہت ہوتی ہے مسلمان عورتوں کا ان کی روش اختیار کرنا فساد اور بگاڑ کا سبب بنتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''من تشبه بقوم فهو منهم''

''جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے، وہ اسی میں سے ہے''۔

ایسی مشابہت جو تنگ کپڑوں کے سبب عورت کو ننگی جیسی بنا دے۔ اس سے خود بچنا اور اپنی اولاد کو بچانا ضروری ہے۔

اس سلسلے میں تو چھوٹی بچیوں کے ساتھ غفلت و تساہل قطعاً نہیں برتی جانی چاہیے کیوں کہ اس طرح سے ان کی تربیت اور ان کو اس کا خوگر بنا دے گی۔

رؤساء و حکام اور علماء و ائمہ حضرات کی ذمہ داری ہے کہ وہ بے پردگی اور بے حیائی کے مفاسد اور اس کی خرابیوں سے لوگوں کو آگاہ کریں اور ان کے مفاسد سے انہیں ڈرائیں۔

اے اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو اور اس کی حرام کردہ چیزوں سے بچوں۔ نیکی اور تقویٰ کے کام میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ حق کی وصیت اور اس پر صبر کرنے کی تلقین کرو۔ یہ بھی جانتے چلو کہ اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں تم سے پوچھے گا۔ اور وہ صبر کرنے والوں، تقویٰ شعاروں اور اچھائی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اس لیے، صبر کرو۔

اللہ سے ڈرو اور اچھا کام کرو۔ اللہ اچھے کام کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ رؤساء و حکام، علماء و ائمہ اسی طرح تنظیموں کے صدور اور ممبران پر دوسروں سے کہیں زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کے چپ رہنے سے بہت سے فتنے اور مفاسد پھیلتے اور فروغ پاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی صرف نکیر کرنا ہی کافی نہیں، بلکہ اس سلسلے میں سختی کرنا اور اس بارے میں نرمی برتنے والوں کے ساتھ سخت رویہ اپنانا ضروری ہے۔ تاکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس مصیبت کو ہم سے ٹال دے۔ ہمیں اور ہماری خواتین کو سیدھی راہ پر چلائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اللہ نے کوئی ایسا نبی نہیں مبعوث فرمایا، جن کے لیے انہیں کی امت سے کچھ حواری اور ساتھی نہ رہے ہوں جو ان کے طریقے کو اختیار کرتے اور ان کے حکم پر عمل کرتے۔

خواتین اسلام کے نام پر پیغام:

اے دخترانِ اسلام! اللہ سے ڈرو اور بن ٹھن کر بازاروں میں ہرگز نہ نکلو۔ کمزور ایمان والوں کے ہاتھوں کھلونا بننے سے خود کو بچاؤ۔ اپنی عزت وناموس کی حفاظت کرو، اپنی اولاد کی صحیح تربیت کرو، انہیں نماز سکھاؤ، پاکیزہ خصلتوں کا عادی بناؤ۔

اخیر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں پاکیزہ زندگی گزارنے کی توفیق دے، اور ہر طرح کے فتنوں سے ہماری حفاظت فرمائے۔

واخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین.

بندے کی زندگی میں گناہ کے اثرات

پہلا خطبہ:

"إنَّ الحمد لله ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله" أما بعد!

اللہ کے بندو! اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم لوگ شب و روز جو معصیت اور نافرمانی کے کام کرتے رہتے ہیں، ان کے خطرناک اثرات فرد و معاشرہ اور پوری زندگی پہ مرتب ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ زندگی کی بہتری کی بنیاد اطاعت وفرماں برداری، حکم الٰہی پر استقامت اور دین حنیف کی پابندی میں ہے۔ حکم الٰہی سے انحراف، دین سے بیزاری، شیطانی وسوسوں کی پیروی، ضلالت و گمراہی اور بدبختی میں بھٹکنا ہے۔ یہ ضروری ہے کہ انسان اپنے نفس اور اپنی زندگی میں اور اپنے رب سے ملاقات کے دن (کو مدنظر رکھتے ہوئے) گناہ کے اثرات کو محسوس کرے اور اس کے ازالے کی فکر کرے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَىٰ خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ إِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ" (المائدہ:13)

''پھر ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر اپنی لعنت نازل فرمائی اور ان کے دل سخت کر دیئے کہ وہ کلام کو اس کی جگہ سے بدل ڈالتے ہیں اور جو کچھ نصیحت انہیں کی گئی تھی اس کا بہت بڑا حصہ بھلا بیٹھے، ان کی ایک نہ ایک خیانت پر تجھے اطلاع ملتی ہی رہے گی، ہاں تھوڑے سے ایسے نہیں بھی ہیں پس تو انہیں معاف کرتا جا اور درگزر کرتا رہ، بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے''۔

اور فرمایا:

''كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ''(المطففین:14)

''یوں نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کی وجہ سے زنگ (چڑھ گیا) ہے''۔

اور فرمایا:

''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ''(الأنفال:29)

''اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو ایک فیصلہ کی چیز دے گا اور تم سے تمہارے گناہ دور کر دے گا''۔

اور فرمایا:

''وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا وَّنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمٰى، قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمٰى وَقَدْ كُنتُ بَصِيرًا، قَالَ كَذٰلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنسٰى، وَكَذٰلِكَ نَجْزِي مَنْ أَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِآيَاتِ رَبِّهِ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقٰى''(طٰہٰ:127-124)

''اور (ہاں) جو میری یاد سے روگردانی کرے گا اس کی زندگی تنگی میں رہے گی، اور ہم اسے بروز قیامت اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا الٰہی مجھے تو نے اندھا بنا کر کیوں اٹھایا، حالانکہ میں تو دیکھتا بھالتا تھا، جواب ملے گا کہ اسی طرح ہونا چاہیے تھا تو میری آئی

ہوئی آیتوں کو بھول گیا۔ تو آج تو بھی بھلا دیا جاتا ہے، ہم ایسا ہی بدلہ ہر اس شخص کو دیا کرتے ہیں جو حد سے گزر جائے اور اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ لائے، اور بے شک آخرت کا عذاب نہایت ہی سخت اور بہت دیر پا ہے"۔

بندے پر معصیت اور گناہ کا بڑا اہم اور خطرناک اثر وہ وحشت ہے، جو گناہ کے کام سے بندے اور رب کے درمیان پیدا ہو جاتی ہیں، وہ اطاعت اور نیکی کو گراں سمجھنے لگتا ہے، فحش اور بے حیائی کے کاموں میں لگا رہتا ہے۔ اگر اللہ کی رحمت اور ہدایت اسے نہ ڈھانپ لے تو وہ گناہ اور معصیت کے کاموں میں برابر بڑھتا چلا جاتا ہے اور بدبختی و بدنصیبی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔

برادران اسلام! آدمی کی حقیقی زندگی، اطاعت و بندگی کی زندگی ہے ساتھ ہی یہ شعور واحساس بھی کہ اس نے اپنے سے مخلوق کی بندگی کا جوا اپنے کندھے سے اتار پھینکا ہے اور اس حقیقی بندگی کے سایہ میں آ گیا ہے، جو اسے کفر و شرک کی آلائشوں اور گندیوں سے محفوظ رکھتی ہے۔ اسی لیے اللہ نے کافر کو زندہ نہیں مردہ قرار دیا ہے"۔

"اَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَآءٍ" "زندہ نہیں مردہ ہیں وہ"

امام احمد نے مسند میں حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث روایت کی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے پہلے تلوار کے ساتھ میری بعثت ہوئی ہے، یہاں تک کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت ہونے لگے، میرے نیزے کے سایہ تلے میری روزی مقدر ہوئی ہے اور ذلت و رسوائی اس کے نام ہے جس نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی، جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے، وہ اسی میں سے ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے فرماتے ہوئے سنا، دلوں پر فتنے، چٹائی کی تیلیوں کی طرح پیش آئیں گے، چنانچہ جس دل میں فتنہ پیوست ہوا، اس میں سیاہ نکتہ پڑا، اور جس دل نے اس کو

جگہ نہیں دی، اس میں سفید نکتہ پیدا ہوا۔ اس طرح دل دو قسم کے ہوتے، ایک چکنے پتھر کی طرح سفید، جسے رہتی دنیا تک کوئی فتنہ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور دوسرا وہ دل جو سیاہ ٹیالہ، اوندھے منہ پیالے کی طرح ہوتا، جو معروف کو معروف سمجھتا اور نہ منکر کو منکر، بس جو اس کے دل میں جس طرح رچ بس جائے (مسلم)

میرے بھائیو! یاد رکھو جب کسی قوم میں برائی عام ہو جاتی ہے، تو وہ قوم ہلاک کر دی جاتی ہے۔ برائیوں کی کثرت اور زیادتی رزق سے محرومی اور رحمتوں اور برکتوں کے چھن جانے کا سبب بنتی ہے۔ اس سے فساد عام ہوتا ہے۔ بیماریاں پھیلتی ہیں۔ دشمنوں کا خوف دلوں پر چھا جاتا ہے۔ سوسائٹی اضطراب و بے چینی اور انتشار کا شکار ہو جاتی ہے۔ ایک دن اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے فرمایا:

"یامعشر المهاجرين خمس إذا ابتليتم بهن وأعوذ بالله أن تدركوهن لم تظهر الفاحشة في يوم قط حتى يعلنوا بها إلا فشا فيهم الطاعون والأوجاع التي لم تكن مضت في أسلافهم الذين مضوا، ولم ينقصوا المكيال والميزان إلا أخذوا بالسنين وشدة المؤونة وجور السطان عليهم ، ولم يمنعوا الزكاة في أموالهم إلا منعوا القطر من السماء ولو لا البهائم لم يمطروا، ولم ينقضوا عهد الله وعهد رسوله إلا سلط الله عليهم عدوا من غيرهم فأخذوا بعض مافي أيديهم، ومالم تحكم أئمتهم بكتاب الله ويتخيروا مما أنزل الله إلا جعل الله بأسهم بينهم" (ابن ماجہ وحاکم)

"اے مہاجرین کی جماعت! پانچ باتیں ہیں جب تم ان میں مبتلا ہو جاؤ گے اور میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ تم ان میں مبتلا ہو۔ پہلی یہ کہ جب کسی قوم میں اعلانیہ فسق و فجور اور زنا کاری ہونے لگ جائے، تو ان میں طاعون اور ایسی بیماریاں پھوٹ پڑتی ہیں، جو ان

سے پہلے کے لوگوں میں نہ تھیں۔ دوسری یہ کہ جب لوگ ناپ تول میں کمی کرنے لگ جاتے ہیں تو وہ قحط، معاشی تنگی اور ظلم وجور کے شکار ہو جاتے ہیں۔ تیسری یہ کہ جب لوگ اپنے مالوں کی زکاۃ نہیں دیتے تو اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش کو روک لیتا ہے اور اگر زمین پر چوپائے نہ ہوتے تو آسمان سے بارش کا ایک قطرہ بھی نہ گرتا۔ چوتھی یہ کہ جب لوگ اللہ اور اس کے رسول کے عہد و پیمان کو توڑ دیتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ان پر ان کے علاوہ لوگوں میں سے کسی دشمن کو مسلط کر دیتا ہے، وہ جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے ان سے چھین لیتا ہے۔ پانچویں یہ کہ جب ان کے حکمراں اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلے نہیں کرتے اور جو اللہ نے نازل کیا ہے اسے اختیار نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ ان میں پھوٹ اور اختلاف ڈال دیتا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً وَّاعْلَمُوْٓا أَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ" (الأنفال:25)

"اور تم ایسے وبال سے بچو! کہ جو خاص کر صرف ان ہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں سے ان گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں اور یہ جان رکھو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے"۔

اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔ پوچھا گیا کہ ہم میں نیک لوگ ہوں تو بھی ہم کیا ہلاک ہوں گے، فرمایا کہ ہاں! جب برائیاں عام ہو جائیں گی۔ (متفق علیہ)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! تم بھلائی کا حکم دو اور برائی سے روکو، ورنہ قریب ہے کہ اللہ اپنا عذاب تم پر بھیج دے۔ پھر جب تم اسے پکارو گے تو تمہاری نہیں سنی جائے گی۔ (ترمذی)

برادران اسلام! فرعون کو کس نے غرقاب کیا، قوم عاد وثمود اور قوم لوط، قارون وہامان

کو کس نے ہلاک و برباد کیا؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَعَاداً وَّثَمُوْدَا وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسَاكِنِهِمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ "(العنكبوت:38)

"اور ہم نے عادیوں اور ثمودیوں کو بھی غارت کیا جن کے بعض مکانات تمہارے سامنے ظاہر ہیں اور شیطان نے انہیں ان کی بداعمالیاں آراستہ کر دکھائی تھیں اور انہیں راہ سے روک دیا تھا باوجود یہ کہ یہ آنکھوں والے اور ہوشیار تھے"۔

اور قارون و فرعون اور ہامان کو بھی، ان کے پاس حضرت موسیٰ کھلے اور واضح معجزات لے کر آئے تھے، پھر بھی انہوں نے زمین میں تکبر کیا، پھر تو ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ کے وبال میں گرفتار کر لیا۔ ان میں سے بعض پر پتھروں کا مینہ برسایا اور بعض کو زور آور سخت آواز نے دبوچ لیا اور ان میں سے بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں سے بعض کو ڈبو دیا۔ اللہ تعالیٰ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے۔ بلکہ یہی لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔(العنکبوت:40-39)

مسلمانو! دنیا و آخرت دونوں جہان میں جو سلامتی چاہتا ہے، اس پر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِيْماً "(الأحزاب:71)

"اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی تابعداری کرے گا اس نے بڑی مراد پالی"۔

اور فرمایا:

"وَتُوْبُوْا إِلَى اللّٰهِ جَمِيْعاً أَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ "(النور:31)

"اے مومنو! تم سب ہی اللہ کی طرف رجوع ہو، تاکہ تم کامیاب ہو سکو"۔

آپ یہ جان لیں کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کام کرنے سے ہی اللہ آپ کو نجات دے سکتا ہے۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی، جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تم بھلائی کا حکم دو گے اور برائی سے روکو گے یا پھر قریب ہے کہ اللہ تم پر اپنا عذاب بھیجے، پھر تم اسے پکارو تو وہ تمہاری سنے ہی نہیں۔ (ترمذی)

مریض کی پاکی اور نماز کا طریقہ

پہلا خطبہ:

"إنَّ الحمد للّٰه ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادى له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله" أما بعد!

أما بعد فإن أصدق الحديث كتاب الله، وأحسن الهدي هدي محمد، وشر الأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار.

" وَإِنْ كُنتُم مَّرْضَى أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَآئِطِ أَوْ لَـٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَآءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا "(النساء:43)

"اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تیمم کرلو، اسے اپنے چہروں پر اور ہاتھوں پر مل لو"۔

محترم سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

معزز بھائیو! اللہ ہمیں اور آپ کو ہر بھلائی کی توفیق عطا فرمائے! آپ کو یقین ہونا

چاہیے کہ اللہ تعالیٰ حکمت والا ہے اور ہر آزمائش کے بارے میں جانکاری رکھتا ہے جس کے ذریعہ وہ اپنے بندوں کو آزماتا ہے، وہ انہیں کبھی خوش حالی میں اور کبھی تنگ حالی میں آزماتا ہے، یہ سب آزمائش وامتحان اس لیے ہوتا ہے تاکہ حقیقی شاکر کا شکر اور حقیقی صابر کا صبر آزمائش کی کسوٹی پر ظاہر ہو جائے۔

اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِيْنَ وَنَبْلُوَا أَخْبَارَكُمْ'' (محمد:31)

''اور یقیناً ہم تمہارا امتحان کریں گے تاکہ تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کا ظاہر کر دیں اور ہم تمہاری حالتوں کی بھی جانچ کر لیں''۔

اس سلسلہ میں حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث آئی ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''عجبا لأمر المؤمن إن أمره له كله خير وليس ذلك لأحد إلا للمؤمن إن أصابته سراء شكر فكان خيراله، وإن أصابته ضراء صبر فكان خيراله''(صحيح مسلم، كتاب الزهد، باب المؤمن أمره كله خير)

''مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے، اس کے ہر کام میں اس کے لیے بھلائی ہے اور یہ چیز مومن کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ اگر اسے خوش حالی پہنچتی ہے تو اس پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، تو یہ شکر کرنا بھی اس کے لیے بہتر ہے یعنی اس میں اجر ہے۔ اور اگر اسے تنگ دستی لاحق ہوتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے تو یہ صبر کرنا بھی اس کے لیے بہتر ہے کہ صبر کرنا بھی بجائے خود نیک عمل اور باعث اجر ہے''۔

چنانچہ مومن کو پریشانی کے وقت صبر کرنا اور خوش رہنا چاہیے اور اس کے بہتر بدلے کے لیے پر امید رہنا چاہیے۔ جس کا اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں سے وعدہ کیا ہے۔

"إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ" الزمر:10)

"صبر کرنے والوں ہی کو ان کا پورا پورا اجر بغیر حساب دیا جاتا ہے"۔

کسی بھی مسلمان کو بلاء و مصیبت کی تمنا نہیں کرنی چاہیے اور اگر اللہ نے کسی کو اس میں مبتلا کیا تو اس پر صبر کرنا چاہیے اور اس سے نجات کے لیے اللہ ہی سے دعا کرنی چاہیے۔

میرے بھائیو! آپ اپنی صحت اور جسمانی طاقت کے زمانے میں فرائض کے بعد حسب استطاعت نفلی عبادتوں کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کیجیے، آپ جب ایسا کریں گے تو اگر آپ کے اندر نفلی عبادات کے کرنے کی طاقت نہیں رہے گی تو بھی اللہ تعالیٰ ان نفلی عبادات کے ثواب کا سلسلہ جاری رکھے گا جو آپ نے صحت و تندرستی کی حالت میں کی ہیں۔

اس کی دلیل ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"إذا مرض العبد أو سافر كتب له مثل ماكان يعمل مقيما صحيحا "(صحيح البخاري، باب يكتب للمسافر مثل ماكان يعمل في إلا قامة، وصحيح سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب إذا كان الرجل يعمل عملا صالحا فشغله عنه مرض أو سفر. رقم:2650-3091)

"جب بندہ بیمار پڑتا ہے یا سفر کرتا ہے تو بھی اس کے نامۂ اعمال میں اسی کے مماثل نیک عمل لکھا جاتا ہے جو حالت اقامت و صحت میں وہ عمل کرتا تھا"۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نماز کی اہمیت و عظمت بتاتے ہوئے فرمایا: کہ وہ مخصوص اوقات میں مؤمنین پر فرض ہے:

"إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا" (النساء:103)

"یقیناً نماز مومنوں پر مقررہ وقتوں میں فرض ہے"۔

محترم بھائیوں! آپ کو یہ یقین ہونا چاہیے کہ نماز کی پابندی و اہتمام کرنا مومن کے

اخلاق وعادات میں شامل ہے۔

چنانچہ فرمایا:

''وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ، أُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ''(المعارج:35-34)

''اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں، یہی لوگ جنتوں میں عزت والے ہوں گے''۔

بھائیو! بعض مسلمان کبھی نماز میں کوتاہی کرتے ہیں، لیکن سستی سے نہیں اور نہ ہی لاپرواہی سے، بلکہ کبھی انہیں کوئی شبہ ہو جاتا ہے جو ان کے لیے سبب بن جاتا ہے کہ وہ نماز کو اپنے وقت پر ادا نہ کریں یا چھوڑ دیں، خاص کر وہ شخص جو کسی بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جس بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے وہ بیماری اسے نماز کو اپنے وقت سے مؤخر کرنے اور بیماری سے شفایاب ہونے کے بعد کسی وقت پڑھ لینے پر ابھارتی ہے اور وہ خیال کرتا ہے کہ یہ بیماری اسے نماز ادا کرنے سے اور اس کی شروط وواجبات کی تکمیل سے رکاوٹ بنتی ہے۔ چنانچہ آپ اسے نادانستگی کے سبب نماز میں ڈھیلائی کرتے دیکھیں گے، نہ اس میں اس کی سستی کا دخل ہے اور نہ لاپرواہی کا۔ اس سلسلہ میں صرف معلومات کی کمی ہے۔

محترم بھائیو! یہ تو بالکل واضح بات ہے کہ نماز کے لیے طہارت وپاکی حاصل کرنا شرط ہے۔ نماز کے لیے جسم کو ہر قسم کی نجاستوں سے پاک رکھنا ضروری ہے۔ ہوا نکلنے کے بعد، پیشاب کرنے کے بعد کپڑے وبدن کے جس جگہ میں نجاست لگ جائے اس کو اور جس جگہ پر نماز پڑھی جائے اس کو پاک کرنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا:

''وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ''(المدثر:4)

''اپنے کپڑوں کو پاک رکھا کر''۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو آدمیوں سے ایک کے بارے میں فرمایا جنہیں ان کی قبروں میں عذاب دیا جارہا تھا:

"أما أحدهما فكان لا يستنزه من البول" (صحيح البخاری من حديث جابر)

"لیکن ان دونوں میں سے ایک ایسا تھا کہ وہ اپنے پیشاب سے اپنے جسم و کپڑے کو صاف نہیں رکھتا تھا"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"عامة عذاب القبر في البول، فاستنزهوا من البول" (بزار طبراني وحاكم ودار قطني، كتاب الطهارة، باب التنزه من البول)

"عام طور پر عذاب قبر پاؤں میں پیشاب کے چھینٹے لگنے (پھر اسے نہ دھونے) کی وجہ سے ہوتا ہے"۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لايقبل الله صلاة أحدكم إذا أحدث حتى توضا" (صحيح سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء رقم:60-54)

"اللہ تم میں سے کسی کی نماز قبول نہیں کرے گا، جب وہ بے وضو ہو جائے۔ یہاں تک کہ وہ وضو کر لے"۔

میرے بھائیو! مذکورہ احکام طہارت استطاعت رکھنے والوں کے لیے ہیں۔ لیکن بسا اوقات بیمار شخص خود طہارت حاصل کرنے سے عاجز ہوتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس کی بیماری پانی سے استنجاء کرنے میں رکاوٹ بن جاتی ہے اور بیمار شخص پانی سے اپنا عضائے وضو دھو نہیں سکتا۔ کیونکہ پانی سے اعضاء دھونے پر اس کی بیماری بڑھ سکتی ہے۔ یا

زخم میں پانی تکلیف دہ ہوسکتا ہے یا کوئی اور سبب سے پانی استعمال کرنے سے معذور ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لیے پانی کے بدلے پاک مٹی سے تیمم کرنے کی اجازت دی ہے۔

فرمایا:

"فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْداً طَيِّباً فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيْكُمْ "(النساء:43)

"اور تمہیں پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تیمم کرلو، اسے اپنے چہروں پر اور ہاتھوں پر مل لو"۔

عمار بن یاسر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہتے ہیں:

"أما تذكر أنا كنا في سفر، أنا و أنت فأما أنت فلم تصل، وأما أنا فتمعكت فصليت فذكرت ذلک للنبي صلى الله عليه وسلم فقال النبي صلى الله عليه وسلم :إنما يكفيک هكذا، فضرب النبي صلى الله عليه وسلم بكفيه الأرض ونفخ فيهما ثم مسح بهما وجهه و كفيه "(صحيح البخاری، كتاب التيمم هل ينفخ فيهما، رقم:338)

"کیا آپ کو یاد نہیں کہ ہم اور آپ ایک سفر میں تھے آپ نے (پانی نہ رہنے کی وجہ سے) نماز نہیں پڑھی۔ لیکن میں نے جسم کو زمین پر لٹا کر الٹ پلٹ کر کے نماز پڑھ لی۔ پھر اس واقعہ کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (تیمم کا طریقہ بتاتے ہوئے) فرمایا کہ تمہارے لیے ایسا کرنا کافی تھا۔ پھر آپ نے اپنی دونوں ہتھیلیوں کو زمین پر مارا اور ان میں ایک پھونک ماری (تاکہ زائد مٹی گر جائے) پھر ان دونوں سے اپنے چہرے کا اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کا مسح کیا"۔

اگر وضو کے لیے پانی نہ ملے اور نہ پانی کا کوئی بدل ہو تو وقت ہو جانے پر بغیر وضو کے

ہی نماز ادا کر لے۔ کیونکہ تیمم کا حکم نازل ہونے سے پہلے کچھ لوگ پانی نہ پانے کی وجہ سے بلا وضو نماز پڑھ لیے تھے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ معلوم ہونے کے بعد انہیں دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم نہیں فرمایا۔ جیسا کہ درج ذیل حدیث میں آیا ہے:

"عن عائشة أنها استعارت من أسماء قلادة فهلكت فبعث رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم رجلا فوجدها فأدركتهم الصلاة، وليس معهم ماء، فصلوا، فشكوا ذلك إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأنزل اللّٰه آية التيمم، فقال أسيد بن حضير لعائشة: جزاك الله خيراً ، فوالله ما نزل بك أمر تكرهينه إلا جعل اللّٰه ذلك لك وللمسلمين فيه خيراً"(صحيح البخاري، كتاب التيمم، باب إذا لم يجد ماء ولا ترابا، رقم حديث:336)

"عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے اسماء سے ایک ہار عاریتاً لیا تھا۔ تو وہ کھو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تلاش کرنے کے لیے ایک آدمی کو بھیجا تو وہ ہار مل گیا، اسی دوران نماز کا وقت آ پہنچا اور ان کے پاس پانی نہیں تھا، جس سے وہ لوگ وضو کریں۔ چنانچہ ان لوگوں نے بغیر وضو کے نماز پڑھ لی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی۔ تو اللہ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی۔ اس موقع پر اسید بن حضیر نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اللہ کی قسم! آپ کو جب بھی کوئی ایسی بات پیش آئی جسے آپ ناپسند کرتی ہوں تو اس میں اللہ نے آپ اور تمام مسلمانوں کے لیے بھلائی ہی مہیا فرمائی"۔

اللہ نے دین میں آسانی رکھی ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

"وَمَاجَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ "(الحج:78)

"اور تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں ڈالی"۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ کہتے ہیں:

"أصاب رجلا جرح في عهد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، ثم احتلم فأمر بالاغتسال، فاغتسل فمات، فبلغ ذلک رسول اللّٰه صلى اللّٰه وسلم، فقال: قتلوه، قاتلهم اللّٰه! ألم يكن شفاء العي السوال؟"

"رسول اللہ صلی اللہ وسلم کے زمانے میں ایک آدمی زخمی ہو گیا۔ پھر اسے احتلام ہو گیا تو کچھ لوگوں نے اسے غسل کرنے کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ اس نے غسل کر لیا تو اس سے اس کی موت ہو گئی۔ پھر یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کہ ان لوگوں نے اسے مار ڈالا۔ اللہ ان کا برا کرے! کیا جہات کی شفا پوچھ لینا نہیں ہے؟"

میرے عزیز بھائیو! اگر آپ کبھی اتفاق سے کسی بیماری میں مبتلا ہو جائیں تو بھی آپ کو یہ علم رہنا چاہیے کہ نماز کی وقت پر ادائیگی ضروری ہے۔ آپ اسے ہر حال میں وقت پر ادا کریں اور اس کے وقت کا خیال رکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو صرف اسی چیز کا مکلف کیا ہے جس کی وہ استطاعت رکھتے ہیں، بلکہ جس چیز کا مکلف کیا ہے اس میں آسانی اور سہولت بھی دی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ" (الأعراف: 157)

"اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سابقہ شریعت کی ڈالی ہوئی بھاری بوجھوں اور بندشوں کو، جو ان پر لاگو تھیں، تخفیف فرماتے ہیں۔

چنانچہ میرے بھائی! آپ بیماری کی حالت میں اگر کھڑے ہو سکتے ہیں تو کھڑے ہو کر نماز ادا کریں۔ کیونکہ نماز میں کھڑا ہونا ارکان نماز میں سے ایک رکن ہے اور بیمار شخص پر واجب ہے کہ فرض نماز کھڑے ہو کر پڑھے۔ خواہ قدرے جھک کر، یا کسی چیز پر بیٹھ کر پڑھ لے۔

اگر وہ کھڑے ہونے سے قاصر ہے اور کھڑے ہونے میں اسے دشواری ہوتی ہے یا کھڑا رہنا اس کو تھکا دیتا یا پریشان کر دیتا ہے تو وہ بیٹھ کر نماز ادا کرے، اگر وہ بیٹھ کر نماز پڑھنے سے بھی عاجز ہے تو لیٹ کے کروٹ پر، اگر اس سے بھی عاجز ہے تو چت لیٹ کر اشارے سے نماز ادا کرے۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں:

"كانت بي الناصور، فسألت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: صل قائما، فإن لم تستطع فقاعدا، فإن لم تستطع فعلى جنب" (بخاری ومسلم وصحيح سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب في صلاة القاعد رقم:952-839)

"کہ مجھے ناسور (بواسیر) کی بیماری تھی، تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اگر تمہیں اس کی استطاعت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھو۔ اگر تم بیٹھ کر پڑھنے کی استطاعت نہ رکھتے ہو تو لیٹ کر پڑھ لو۔

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں:

"أن رسول الله صلى الله عليه وسلم عاد مريضا، فرأه يصلي على وسادة، فأخذها فرمى بها، فأخذ عودا ليصلي عليه، فأخذه فرمى به وقال: صلى على الأرض إن استطعت وإلا فأوم إيماء واجعل سجودك اخفض من ركوعك" (معرفة السنن والأثار للبيهقي، كتاب الصلاة باب المريض)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیمار صحابی کی عیادت کی تو انہیں دیکھا کہ وہ تکیہ پر سجدہ کرتے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں۔ تو آپ نے اس تکیہ کو اٹھا کر پھینک دیا تو وہ ایک لکڑی پر سجدہ کرنے لگے۔ آپ نے اس لکڑی کو بھی پھینک دیا اور فرمایا کہ استطاعت ہے

توزمین پر سجدہ کرتے ہوئے نماز پڑھو۔ ورنہ (بیٹھ کر یا لیٹ) کر اشارہ سے نماز پڑھو اور اپنے سجدوں کو اپنے رکوع سے قدرے پست کرو۔

چنانچہ میرے بھائی! آپ کھڑے ہو کر نماز پڑھیں۔ اگر آپ رکوع کرنے پر قادر ہیں تو کھڑے ہو کر رکوع کریں۔ اگر کھڑے ہو کر رکوع کرنا آپ کے لیے مشکل ہو تو بیٹھ جائیں اور اشارے سے رکوع کریں، پھر سجدوں کے لیے اشارہ کریں یعنی رکوع کے وقت سر جھکا کر نیت کریں کہ آپ اس شکل میں رکوع کر رہے ہیں۔ اور رکوع سے سر اٹھا کر پھر سجدوں کے لیے ذرا زیادہ سر جھکا کر نیت کریں کہ اس حالت میں آپ سجدہ کر رہے ہیں۔

اگر رکوع اور سجدوں کے لیے سر سے اشارہ نہ کر سکیں تو اپنی آنکھ کے اشارے سے نماز ادا کرتے رہیں۔

انگلی سے اشارہ کر کے نماز پڑھنے کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں۔ بعد میں پڑھ لینے کے انتظار میں نماز کو مؤخر نہ کریں۔ کیوں کہ آپ کی سانس آپ کی تابع نہیں ہے۔

میرے محترم بھائیو! آپ یاد رکھیں کہ حالت جنگ میں دشمنوں سے معرکہ آرائی کے وقت بھی اللہ نے مسلمانوں پر نماز کی ادائیگی کو واجب کیا ہے۔ تو آپ غور کیجیے کہ بغیر کسی خطرہ کے کسی بیماری کے وقت ایک مومن کی نماز کی ادائیگی کی تاخیر کیسے درست ہو سکتی ہے؟

دوسرا خطبہ:

"إنَّ الحمد للّٰه ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله" أما بعد!

وقال اللّٰه تعالىٰ :

"وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" (البقرة:149)

"میرے محترم بھائی! آپ یہ بھی یاد رکھیں کہ نماز کی صحت کے لیے قبلہ رو ہونا شرط ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورۃ البقرۃ کی مذکورہ آیت 149 میں فرمایا:

"اور آپ جہاں سے بھی نکلیں نماز میں اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف کر لیں"۔

اور اگر قبلہ رخ ہونے کے درمیان کوئی چیز حائل ہو جائے یا اس کی چار پائی و بستر قبلہ کی جہت میں نہ ہو اور اسے مطلوبہ جہت کی طرف بدلنا بھی دشوار ہو تو آپ قبلہ کے قریبی رخ پر نماز ادا کر لیجیے۔ اس حالت میں قبلہ کا یہ فرق آپ کی نماز کی ادائیگی وصحت میں کوئی روکاوٹ نہیں بنے گا۔

بسا اوقات بعض مریضوں کو یہ مشکل پیش آتی ہے کہ انہیں کوئی وضو کرانے والا نہیں ہوتا یا کبھی ان کے لباس و بستر نجاستوں میں ملوث ہوتے ہیں جن کا ازالہ وتبدیلی کی انہیں استطاعت نہیں۔ اور کبھی وہ بیماری ایسی حالت تک پہنچا دیتی ہے کہ نماز کے کئی اوقات گزر جاتے ہیں اور مریض کا کپڑا و بستر ملوث رہتا ہے جن کی طہارت سے وہ عاجز رہتا ہے۔ ایسی حالت میں بھی وہ نماز نہ چھوڑے اور نہ مؤخر کرے۔ بلکہ اسی حالت میں نماز ادا کر لے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ اس مریض کا حال ومستقبل سب کچھ جانتا ہے۔

مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

"أنه دخل على عمر بن الخطاب من الليلة التي طعن فيها، فأيقظ عمر لصلاة الصبح، فقال عمر: نعم، ولا حظ لمن ترك الصلاة، فصلى وجرحه يثعب دما "(موطاء مالك، كتاب الطهارة ، باب العمل فيمن عليه الدم جرح أو رعاف)

"کہ وہ عمر بن خطاب کے پاس اس رات میں آئے، جس میں آپ کو چھرا مار کر زخمی

کردیا گیا تھا، انہوں نے آپ کو فجر کی نماز کے لیے جگایا تو وہ بولے: ہاں اس شخص کا کوئی حصہ نہیں جو نماز چھوڑے۔ پھر آپ نے اسی حالت میں نماز پڑھی کہ آپ کے زخم سے خون ٹپک رہا تھا"۔

میرے عزیز بھائیو! آپ لوگوں نے اندازہ لگالیا کہ ایسے ہوتے ہیں اللہ کو یاد رکھنے والے دل۔ اور ایسے ہوتے ہیں اللہ پر ایمان ویقین رکھنے والے قلوب، جنہیں خون بہانے والا زخم بھی نماز کی ادائیگی واہتمام سے نہیں روکتا۔

محترم بھائیو! حضرت مسور اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے مذکورہ واقعہ سے ان مسلمانوں کو سبق لینا چاہیے جو لوگ گھر میں یا ہسپتال وغیرہ میں مریض کی برابر دیکھ بھال کرتے ہیں۔ وہ اللہ سے ڈریں اور مریض کی نماز کے لیے مدد کریں۔ اور اسے نماز کی یاد دہانی کرائیں۔ جب جب نماز کا وقت آجائے تو اس کی ادائیگی میں اس کی مدد کریں۔ خاص کر اگر آپ کے پاس آپ کے بوڑھے باپ، بوڑھی ماں موجود ہوں۔ پس آپ پر لازمی ہے کہ ان دونوں کے بارے میں اللہ سے ڈریں اور اس عمل صالح پر ان کی مدد کریں۔ انہیں نماز کی یاددہانی کرائیں اور ان کی مشکلات کو ہلکا کریں اور ہر مناسب عمل سے اس فریضہ کی ادائیگی پر ان کی مدد کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا" (طہ:132)

"اپنے گھرانے کے لوگوں پر نماز کی تاکید رکھ اور خود بھی اس پر جمارہ"۔

نیز مسلمان ڈاکٹروں کو چاہیے اور اسی طرح ہسپتالوں میں مریضوں کی دیکھ ریکھ کرنے والوں کو بھی کہ وہ اللہ کے لیے مسلمان مریضوں کو نماز کے وقت کی یاد دہانی کا ضرور اہتمام کریں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ان کی ذمہ داری ہے۔

ایک حدیث شریف میں آیا ہے:

"ألا کلکم راع وکلم مسئول عن رعیته – الحدیث" (صحیح سنن

أبي داؤد رقم:2928-254)

''یادرکھو کہ تم میں سے ہرایک نگراں ہے اور تم میں سے ہرایک ذمہ دار ہے اپنے ماتحتوں کے بارے میں مسئول ہوگا۔۔۔الحدیث''۔

چونکہ تمام مریض جو ہسپتال میں ایڈمٹ ہیں وہ ڈاکٹروں کی نگرانی وماتحت میں ہوتے ہیں۔لہٰذا مسلم ڈاکٹروں کی شرعی ذمہ داری بن جاتی ہے کہ وہ اپنے ماتحت مسلم مریضوں کونماز کی یاددہانی فرمائیں۔

نماز کی حفاظت کرنے والوں کواللہ نے بہت بڑا اجر وثواب کا وعدہ کیا ہے۔نماز کی حفاظت اوراس کے وقت کی یاددہانی کرانے والوں کوبھی یہی خوشخبری ہے۔کیونکہ اچھے کام کا بتانے والا بھی ثواب میں اچھے کام کرنے والا جیسا ہوتا ہے۔اللہ نے نماز کی حفاظت کرنے والوں کا یہ ثواب بتایا ہے:

''الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ ''(المؤمنون:11)

''جوفردوس کے وارث ہوں گے جہاں وہ وہمیشہ رہیں گے''۔

اللہ سے ہماری دعا ہے کہ وہ ہمیں اور آپ کونماز کی محافظت اوراس کی مداومت کرنے والوں میں سے بنائے،بےشک وہ ہرچیز پرقادر ہے۔

حج کے اسرار و رموز

پہلا خطبہ:

"إنَّ الحمد للّٰه ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادى له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله" أما بعد!

أما بعد فإن أصدق الحديث كتاب اللّٰه، وأحسن الهدي هدي محمد، وشر الأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار.

قال سبحانه وتعالیٰ:

"وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلاً" (آل عمران:97)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محترم سامعین کرام! کیا آپ نے حج کے میدان اور حج کے لیے پہنچنے والے لوگوں کے عظیم اجتماع کو دیکھا ہے؟ کیا آپ نے ان کے ایمان اور اس کی چمک کا کچھ احساس کیا؟ کیا آپ نے اس جم غفیر کے بارے میں اندازہ لگایا کہ وہ کس طرح اللہ کی تعظیم وکبریائی اور حمد وثنا بیان کرنے کے لیے امڈ پڑے ہیں؟ یقیناً حج کا منظر ایک عجیب وحیرت

انگیز منظر ہے، جس سے مومن خوش ہوتے ہیں اور موحدین عزت محسوس کرتے ہیں، جب کہ کفار اس سے جلتے ہیں اور غافلین اس سے حیرت زدہ رہتے ہیں۔ پس میرے مسلمان بھائیو! کیا آپ نے محسوس کیا کہ یہ حج آپ کو کیا پیغام دے رہا ہے؟

مجھے یقین نہیں رہا ہے کہ حج کے یہ عظیم مناظر و مشاہد کوئی موعظت دیئے بغیر یوں ہی گزر جاتے ہوں گے۔ بلا شبہ یہ جم غفیر اللہ کی دعوت قبول کرتے ہوئے حاضر ہوا ہے۔ سارے لوگ اللہ کی عظمت بیان کرنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں، یہ اللہ رب العالمین کی توحید کے اعلان کرنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں اور یہ اللہ کے اس فرض کی ادائیگی کے لیے حاضر ہوئے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کے ذریعہ لوگوں پر فرض کیا ہے:

''وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا''(آل عمران:97)

''اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر جو اس کی طرف راہ پا سکتے ہوں اس گھر کا حج فرض کر دیا ہے''۔

اور اس فرض کا اعلان اللہ تعالیٰ نے پورے عالم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ کرایا:

چنانچہ ارشاد فرمایا:

''وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّأْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ''(الحج:27)

''اور لوگوں میں حج کی منادی کر دے لوگ تیرے پاس پا پیادہ بھی آئیں گے اور دبلے پتلے اونٹوں پر بھی اور دور دراز کی تمام راہوں سے آئیں گے''۔

میرے بھائیو! یہی وجہ ہے کہ دنیا کے سارے اطراف سے لوگ یہاں حاضر ہوتے ہیں۔ حج کا یہ مجمع عظیم مجمع ہے جس کے لیے پورا عالم حرکت میں ہوتا ہے اور اس سے دشمن کا

نپ اٹھتے ہیں۔ جب کہ اس حج سے یہود و نصاریٰ نے اپنے کو الگ کر لیا ہے، کیا آپ نے اس بات کو معلوم کیا؟ اور کیا آپ نے اس دین اور اس امت کی عظمت کو محسوس کیا؟

محترم بھائیوں! یہ حج امت مسلمہ کے لیے تفرق کے بعد اجتماع کا میدان ہے اور یہ اس کے لیے ذلت کے بعد عزت کا منارہ ہے۔ بلکہ یہ اس کے لیے زندگی اور وجود کا عنوان ہے۔ چنانچہ امت مسلمہ کے لیے مناسب نہیں کہ وہ حج کے معانی و اسرار سے غافل رہے۔ یہ اپنے آپس کے تعلقات کو مضبوط کرنے کا ذریعہ بھی ہے اور آپ کے تعارف اور تجدید ایمان کی جگہ بھی ہے؛ کیونکہ اس میں ایک مسلمان اپنے دور دراز سے آنے والے مسلمان بھائی سے متعارف ہوتا ہے، اس کی بات سنتا ہے، اسے اپنا دکھ و درد سناتا ہے اور اس کی ضروریات کی تکمیل میں مدد کرتا ہے۔

بھائیو! اللہ تعالیٰ کی کتاب میں وارد حج کی آیات میں ذرا رک کر غور کیجیے، اس عظیم عبادت کی حکمتیں اور اس کے اسرار و رموز آپ پر ایک ایک کر کے واضح ہوتے چلے جائیں گے۔ حج توحید کا ایک عظیم شعار ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ حج کی عبادت کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ جس کا کوئی شریک نہیں ہی کے لیے خالص کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئاً وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ''(الحج:26)

''اور جب کہ ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو کعبہ کے مکان کی جگہ مقرر کر دی اس شرط پر کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو طواف، قیام، رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھنا''۔

توحید خالص ہی زمین پر انسان کی خلافت کا ستون ہے۔ یہ سب سے افضل مطلوب اور سب سے زیادہ مرغوب فیہ چیز ہے۔

توحید کے ستونوں پر ہی کوئی مضبوط ملک قائم کیا جا سکتا ہے۔ اور اسے بگاڑنے اور

مٹا دینے سے وہ ملک زائل اور کالعدم ہو جاتا ہے۔ عقیدۂ توحید کے پھیلنے سے ہی اسلامی ملک طاقتور ہوتا ہے اور عقیدۂ توحید کو مٹنے سے ہی وہ ذلیل اور کمزور ہوتا ہے۔

توحید خالص ہی ایسی چیز ہے جو لوگوں کو امن کے ساحل کی طرف اور اللہ کے ساتھ اس کی الوہیت و ربوبیت میں شرک سے اور اسماء وصفات میں الحاد سے حفاظت کی طرف لے جاتی ہے۔ یہ توحید ہی ہے جو امید وخوف کو اور استعانہ واستغاثہ کو اللہ سے جوڑتی ہے اور اس بات سے جوڑتی ہے کہ زمین پر صرف اللہ کی شریعت کے ذریعہ حکومت کی جائے۔ یہ توحید ہی ہے جو مسلمانوں کے دلوں کو خالص یقین سے بھر دیتی ہے اور اسی توحید کے لیے ہی حج مشروع کیا گیا ہے۔ جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ''(الحج:31)

''تم لوگ اللہ کے لیے موحد بن کر رہو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ''۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ نے عزت کے گھر کعبہ شریف کو لوگوں کے لیے عبادت بنایا۔ اور کعبہ میں لگا ہوا حجر اسود (کالا پتھر) سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ کعبہ شریف کے طواف شروع کرنے اور ختم کرنے کی جگہ ہے۔ نہ وہ برکت کے لیے ہے اور نہ تبرک کے لیے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس مفہوم کی کیسی اچھی تصویر کشی کی ہے۔ آپ نے اس پتھر کو خطاب کرتے ہوئے اور لوگوں کو توحید کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

''إني أعلم إنک لا تضر ولاتنفع، ولو لا أني رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقبلک ماقبلتک ''(صحيح البخاري، كتاب الحج ، باب ما ذكر في الحجر الأسود)

''میں جانتا ہوں کہ تو نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع۔ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا''۔

میرے بھائیو! اللہ تعالیٰ حج کے احکام وآداب بیان فرماتا ہے تاکہ لوگ جان لیں کہ ان

پر ان میدانوں میں کیا چیز واجب ہے اور اللہ کے احکام کی کیسی تعظیم ہونی چاہیے۔ کس طرح ان کی بجا آوری ہونی چاہیے۔ ان کی تکمیل میں کسی قسم کی سستی ہرگز نہیں برتنی چاہیے اور نہ ان میں سے کسی حکم کی تعمیل میں غفلت برتنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے احکام حج کے بیان کے ساتھ ہی فرمایا:

''وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْآ أَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ''(البقرۃ:196)

''لوگو! اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے''۔

میرے بھائیو! حج سے متعلق آیتوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ حج تعاون، انفاق اور ایک دوسرے کی ضرورتوں کو محسوس کرنے اور پورا کرنے کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ حج کے ذکر کے سیاق میں یہ آیتیں آتی ہیں جو تعاون کی عظمت اور فقراء اور بھوکے لوگوں پر شفقت کرنے اور ان کی بھوک مٹانے کی ضرورت پر دلالت کرتی ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْ أَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُم مِّنْ بَهِيْمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ''(الحج:28)

''اپنے فائدے حاصل کرنے کو آجائیں اور ان مقررہ دنوں میں اللہ کا نام یاد کریں ان چوپایوں پر جو پالتو ہیں۔ پس تم آپ بھی کھاؤ اور بھوکے فقیروں کو بھی کھلاؤ''۔

ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے:

''فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذٰلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ''(الحج:36)

''پس انہیں کھڑا کر کے ان پر اللہ کا نام لو، پھر جب ان کے پہلو زمین سے الگ ہو جائیں اسے (خود بھی) کھاؤ اور مسکین، سوال سے رکنے والوں اور سوال کرنے والوں کو

بھی کھلاؤ، اسی طرح ہم نے چوپایوں کو تمہارے ماتحت کر دیا ہے کہ تم شکر گزاری کرو"۔

میرے بھائیو! حج میں آپ کے لیے تقویٰ کی اہمیت اور اس کے اثر کی عظمت واضح ہوتی ہے۔ گویا تقویٰ میزان ہے جس سے لوگوں کو اور ان کے اعمال کو تولا جائے گا۔ اسی لیے آیات حج میں تقویٰ کی کثرت سے وصیت کی گئی ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

"وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ"(البقرۃ:196)

"لوگو! اللہ سے ڈرتے رہو اور جانو کہ اللہ سخت عذابوں والا ہے"۔

نیز اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

"وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ"(البقرۃ:197)

"تم سفر خرچ لے لیا کرو، بلاشبہ بہترین سفر خرچ اللہ سے ڈرتے رہنا ہے اور اے عقل والو! تم مجھ سے ڈرتے رہو"۔

"فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ"(البقرۃ:203)

"جس نے منیٰ میں دو دنوں کے بعد ہی رمی جمار کر کے جانے کے لیے جلدی کی اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور جو رک جائے اور بعد میں جائے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ تم سب اس کی طرف جمع کیے جاؤ گے"۔

نیز فرمایا:

"ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ"(الحج:32)

"اللہ کی نشانیوں کی جو شخص عزت کرے گا، بے شک یہ دلوں کی پرہیزگاری میں سے ہے"۔

نیز فرمایا:

''لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى ''(الحج:37)

''اللہ تعالیٰ کو قربانی کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے بلکہ اسے تمہارے دل کی پرہیز گاری پہنچتی ہے''۔

لہٰذا اصل چیز تقویٰ ہے، اے اللہ کے بندو! آپ تقویٰ کو اپنائیں جو ہر طرح کے خیر کو جامع ہے۔

میرے بھائیو! آپ جب اللہ کی ہدایت کی روشنی میں اللہ کی عبادت کریں تو آپ کو چاہیے کہ آپ اللہ سے ثواب پانے کی امید رکھیں۔ اور جب آپ اللہ کی ہدایت کی روشنی میں اللہ کی کسی حرام کردہ چیز کو ترک کریں گے تو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے ایسا کریں۔ تبھی آپ اپنی عملی زندگی میں تقویٰ کو پوری طرح نافذ کرسکیں گے۔ ان تمام حقوق کو ادا کرسکیں گے جو آپ سے متعلق ہیں خواہ وہ آپ کے اپنے خالق کے تئیں ہوں یا آپ کے اپنے دینی بھائیوں کے تئیں۔

محترم بھائیو! حج کی تمام شکلیں اسی مقصد پر دلالت کرتی ہیں کہ تمام مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں، وہ سب کے سب ایک مکان کی طرح ہیں جس کا ہر ایک جزء دوسرے جزء کو تقویت پہنچاتا ہے۔ اور سارے مسلمان حج کے مبارک مقامات میں ایسے اوقات گزارتے ہیں جن میں تقویٰ کے معانی گویا ایک مجسم شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ جس سے باہمی اخوت اور بھائی چارگی کی بنیاد مضبوط ہوتی ہے۔ جو مسلمانوں کے درمیان زبان و رنگ اور قومیت کے اختلاف کے باوجود ان کی تالیف قلوب کی باعث بنتی ہیں۔ چنانچہ حجاج کرام جب اپنے روزمرہ کے لباس کو حج کے یکساں لباس سے بدل دیتے ہیں تو اس وقت سب کے سب ایک ہی شکل میں ہو جاتے ہیں۔ ایک ہی تلبیہ کا ورد کرتے ہوئے ایک ہی رب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، ایک ہی گھر کا طواف کرتے ہیں اور ایک ہی قسم

کے مناسک ادا کرتے ہیں۔

یقیناً یہ شکل تقویٰ کا بہترین ثمر ہے، جو لوگوں کو یہ پیغام دیتا ہے کہ کوئی وجہ نہیں کہ ہم ایک دوسرے سے نفرت کریں اور آپس میں اجنبی بن کر رہیں۔ نہ ظالموں کے ظلم کی جگہ ہے نہ ہی یہ حسب ونسب کی وجہ سے ایک دوسرے پر فخر کی جگہ۔ بلکہ اگر تقویٰ مومن بندہ کے دل میں جاں گزیں ہو جائے تو وہ تمام انسانوں کو ایک ماں باپ کی اولاد سمجھے گا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''يَآ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثٰى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ''(الحجرات:13)

''اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک (ہی) مرد وعورت سے پیدا کیا ہے اور اس لیے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو، کنبے اور قبیلے بنا دیئے ہیں''۔

مذکورہ تقسیم ایک دوسرے کے تعارف، ہمدردی اور تعاون کے لیے ہے۔ جب کہ رنگ، زبان اور جنس کی اس تقسیم میں کوئی جگہ نہیں۔ اور نہ اللہ کے میزان میں زبان، جنس اور وطن کا کوئی حساب ہے۔ وہاں صرف ایک ہی میزان ہے جس کی رو سے انسان کی قدر وقیمت متعین ہوتی ہے اور جس کی بنیاد پر لوگوں کی خوبی پہچانی جاتی ہے وہ ہے تقویٰ۔

ارشاد باری ہے:

'' إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ ''(الحجرات:13)

''اللہ کے نزدیک تم سب میں باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے''۔

تقویٰ ہی نے میرے بھائیو! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو، جو خاندان قریش کے سیدوں میں سے تھے، آمادہ کیا کہ اپنی پھوپی زاد بہن زینت بن جحش اسدیہ کی شادی زید بن حارثہ کے ساتھ کر دیں۔ جب کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام (اور منہ بولے بیٹے) تھے۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض صحابیوں سے فرمایا کہ اے بنی بیاضہ! تم لوگ ابو ہند کے قبیلہ سے شادی کرواور کراؤ۔ جب کہ ابو ہند پیشہ کے اعتبار سے حجام تھے۔ خلاصہ یہ کہ اہل تقویٰ مسلمانوں میں پیشے کی بلندی اور پستی سے کوئی تفریق نہیں کی جانی چاہیے۔

محترم بھائیو! حج میں کچھ ایسی خوبیاں بھی ہیں جو مناسب نہیں کہ عقل وبصیرت والوں سے مخفی رہیں۔

ان خوبیوں میں سے ایک یہ ہے کہ حج ایک بہت بڑی اسلامی کانفرنس ہے جو وحدت امت اور امداد باہمی کے التزام کی دعوت دیتی ہے۔ حجاج کرام ایک ہی میدان اور ایک ہی مکان میں جمع ہو کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ جب کہ وہ اس سے کچھ روز قبل ایک ماہ کے روزے رکھ چکے ہوتے ہیں اور ایک جگہ جمع ہو کر آپس میں مل کر کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں۔ یہ سب کے سب اجتماعی مظاہر اور شکلیں ہیں جو یہ اعلان کرتی ہیں کہ یہ امت امت اجتماع ہے اور یہ کہ یہ امت اجتماع وترابط کے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتی۔

حج کی ایک خوبی ہی بھی ہے کہ حج کافروں کو یہ پیغام دیتا ہے کہ یہ امت اپنے دین کو رہن سہن میں نہیں رکھتی اور نہ اپنے عقائد پر مول بھاؤ کرتی ہے۔ اور یہ کہ یہ امت اپنے رب کے ساتھ ہی قوی ہے اور اپنے دین کے ساتھ مضبوط ہے۔ وہ اس سے الگ نہیں ہوسکتی۔ پس یہ دین اس کی زندگی ہے اور اس کی بقا کا عنوان ہے اور اس کی عزت وظہور کا مصدر ہے۔ پس اہل ایمان اپنی کمزروی کے باوجود اپنے دین کے تحفظ اور بچاؤ کی فکر کرتے ہیں۔ حج کی عبادت انہیں بیدار کرتی اور ان کے نفوس کو زندگی بخشتی ہے۔

دوسرا خطبہ:

”إنَّ الحمد للّٰہ ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا

ھادی لہ، وأشھد أن لا إله إلا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ،وأشھد أن محمداً عبدہ ورسولہ" أما بعد!

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ "(الرعد:11)

سامعین کرام! سابقہ گفتگو میں حج کی حکمتیں اور اس کی بہت سی خوبیاں آپ کے سامنے آچکی ہیں۔اب حج کی چند اور خوبیاں اختصار کے ساتھ پیش کی جارہی ہیں جن سے واقفیت (ان شاءاللہ) آپ میں سے ہر ایک کے لیے مفید رہے گی۔

حج انسان کو آخرت کی یاد دلاتا ہے اور اس سخت دن سے بھی متنبہ کرتا ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں اشاد فرمایا ہے:

"رَبَّنَآ إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ "(آل عمران:9)

"اے ہمارے رب! تو یقیناً لوگوں کو ایک دن جمع کرنے والا ہے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا"۔

چنانچہ حج کا دن یعنی عرفہ کا دن، قیامت کے دن کا ایک چھوٹا سا منظر پیش کرتا ہے۔ کیونکہ قیامت کے دن بھی انہیں اکٹھا جمع کیا جائے گا اور اس میں ایک یاددہانی بھی ہے اس وقت کی جس میں لوگ اپنے رب کے پاس عاجزی وانکساری کے ساتھ جمع ہوں گے۔ جب کہ انہیں انتہائی تھکاوٹ وگھبراہٹ کا سامنا ہوگا۔

یہ حج امت محمدیہ کی عبادت وتدین کی ایک منفرد مثال ہے۔ان میں سے جو شخص مکہ مکرمہ جاکر اس گھر کا مشاہدہ کرتا ہے وہ مزید فخر وعزت محسوس کرتا ہے اور اس وقت اس کے ایمان میں مزید نکھار پیدا ہوتا ہے۔

حج کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ یہ اسلام کے نام پر مسلمانوں کا ایک عام اجتماع ہے۔

اللہ نے انہیں اپنے دین پر اکٹھا کیا اور اپنی شریعت پر جمع کیا ہے۔ نہ انہیں کسی دنیوی نعرہ نے جمع کیا اور نہ انہیں کسی نسلی یا ملکی عصبیت نے جمع کیا، بلکہ انہیں صرف اس دین نے جمع کیا اور ایمان نے ان کے دلوں کو ملا دیا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعاً مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَـٰكِنَّ اللّٰهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ''(الأنفال:63)

''ان کے دلوں میں باہمی الفت بھی اسی نے ڈالی ہے۔ زمین میں جو کچھ ہے تو اگر سارا کا سارا بھی خرچ کر ڈالتا تو بھی ان کے دل آپس میں نہ ملا سکتا۔ یہ تو اللہ ہی نے ان میں الفت ڈال دی ہے''۔

پس اے میرے بھائیو! تمہیں اس امت کے خیر کی خوش خبری ہو! کیونکہ یہ انصاف وقیادت والی امت ہے اور اسی کے ذریعہ امن وخوش حالی کا بول بالا ہوگا اور بھلائی وسلامتی عام ہوگی۔ اس امت کے لیے اللہ کا وعدہ ہے کہ یہ پوری دنیا پر اللہ کی کتاب ''قرآن کریم وسنت مطہرہ'' کے ذریعہ حکومت کرے گی۔ تم یہ یاد رکھو کہ مسلمانوں کے قیادت کے اسکرین یا نقشے سے اس وقت غائب ہو جانے کی وجہ سے دنیا اپنے صحیح راستے سے بھٹک گئی ہے۔ ظلم کا بول بالا ہے۔ بدنظمی عام ہوگئی ہے۔ جنگ وجدل سے دنیا پریشان ہے۔ سعادت ونیکی مفقود ہے۔ آج مغربی دنیا اپنے تہذیب وتمدن اور اپنی ثقافت پر بظاہر فخر کرتی ہے، لیکن دین وروحانیت کے بارے میں وہ خسارے وافلاس سے دوچار ہے اور وہاں قلبی استقرار مفقود ہے۔

میرے بھائیو! کسی فرد ومجتمع میں حقیقی استقرار اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ اللہ کے دین سے اپنا رشتہ مضبوط نہ کر لے۔ اور حج کا مبارک موسم لوگوں کو اسی دین کی طرف کھینچتا ہے اور انہیں اللہ کا حق یاد دلاتا ہے اور ان نفوس میں استعداد کے درجہ کو بلند کرتا ہے

تا کہ وہ اپنے نفوس کی خرابیوں کو اچھائیوں سے بدل دیں۔

"إِنَّ اللّٰهَ لاَ يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ" (الرعد:11)

"بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو (اچھائی سے خرابی میں یا خرابی سے اچھائی میں) نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اسے نہ بدلیں جو ان کے دلوں میں ہے"۔

جو اجتماع اللہ تعالیٰ کے دین اسلام کے التزام و پابندی کی ضرورت محسوس نہ کرے وہ اللہ کی رحمت سے دور شمار کیا جاتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو دین اسلام کا پابند بنا دے اور ہمارے غیر مسلم بھائیوں کو بھی اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

"إِنَّ اللّٰـهَ وَمَلآئِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْماً" (الأحزاب:56)

"اللّٰهم صل وسلم وبارک علی محمد سيد الأولين والآخرين في الأرض، والخلفاء الراشدين"

اعتدال ومیانہ روی کتاب وسنت کی روشنی میں

پہلا خطبہ:

"إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ، نَحْمَدُهُ، و نَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا، وَسَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ"

برادران اسلام! آج ہم آپ کے سامنے خطاب کا ایسا موضوع پیش کررہے ہیں جس کی ضرورت امت مسلمہ کو آج خورد ونوش، صحت وتندرستی، مال واولاد، حسب ونسب، خاندان اور مراتب ومناصب سے بھی زیادہ ہے، اور یہ ہے مسلمانوں کی زندگی میں میانہ روی اور اعتدال کا موضوع۔

میانہ روی، طرفین کے بیچ معتدل موقف سے عبارت ہے، جس میں افراط وتفریط نہ ہو، غلو وزیادتی، اور کمی وکوتاہی نہ ہو۔ یہ روحانیت ومادیت، واقعیت ومثالیت اور انفرادیت واجتماعیت کے درمیان ایک درست پیمانہ ہے اور جیسا کہ کہا گیا ہے:

"الوسط فضيلة بين رذيلتين"

"دو کمتریوں کے بیچ ایک فضیلت وبرتری اعتدال اور میانہ روی کہلاتا ہے"۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

"وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَّسَطاً لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ

الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْداً ''(البقرۃ:143)

''اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک درمیانی امت بنایا ہے۔تا کہ تم لوگوں پر گواہ رہو اور رسول تم پر گواہ رہیں''۔

اور فرمایا:

''كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ''(البقرۃ:110)

''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو''۔

اور فرمایا:

''يَآ أَهْلَ الْكِتَابِ لاَ تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلاَ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ إِلاَّ الْحَقَّ ''(النساء:171)

''اے اہل کتاب! اپنے دین کے بارے میں حد سے نہ گزر جاؤ اور اللہ پر بجز حق کے اور کچھ نہ کہو''۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''إن الدين يسر، ولن يشادالدين أحد إلا غلبه، فسددوا، وقاربوا، وابشروا، واستعينوا بالغدوة والروحة، وشئي من الدلجة''(بخاری)

''دین آسان ہے اور جو بھی دین میں بے جا سختی کرتا ہے تو دین اس پر غالب آ جاتا ہے۔یعنی ایسا انسان مغلوب ہو جاتا ہے اور دین پر عمل ترک کر دیتا ہے۔پس تم سیدھے راستے پر رہو اور رات کے کچھ حصہ کی عبادت سے مدد حاصل کرو''۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے عقبہ کی شب، جب آپ اپنی سواری پر تھے فرمایا: میرے

لیے کنکریاں چن کر لاؤ، تو میں نے آپ کے لیے سات کنکریاں چنیں، وہ کنکریاں ایسی تھیں جو دونوں انگلیوں کے بیچ آجائیں۔ آپ انہیں اپنی ہتھیلی میں ہلاتے تھے اور فرماتے تھے: انہی جیسی کنکریاں مارو۔ پھر آپ نے فرمایا: لوگو! تم دین میں غلو سے بچو، کیوں کہ تم سے پہلے کے لوگوں کو دین کے غلو نے ہی ہلاک و برباد کر دیا۔

ابن جریر طبری فرماتے ہیں: میرے خیال سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان مومنوں کو دین میں درمیانہ طریقہ اپنانے کی وجہ سے امت وسط سے متصف کیا۔ چنانچہ وہ دین کے بارے میں غلو کرنے والے نہیں۔ ان عیسائیوں کے غلو کی طرح، جنہوں نے ترہیب میں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سلسلے میں غلو کیا اور وہ حد سے آگے بڑھ گئے اور انہیں الوہیت کا درجہ دے دیا۔ اور نہ ہی وہ تقصیر وکوتاہی والے ہیں، ان یہودیوں کی کوتاہی کی طرح جنہوں نے کتاب اللہ کو بدل ڈالا، اپنے انبیاء کو قتل کر دیا۔ اپنے رب کا انکار کیا۔ لیکن وہ دین میں توسط، اعتدال والے ہیں۔

اور علامہ شاطبی نے کہا کہ جب آپ شرعی کلیہ پر غور کریں گے تو اسے توسط کا ہی حامل دیکھیں گے۔ اگر کسی پہلو کی طرف دین کا رجحان ومیلان دیکھتے ہیں تو دوسری طرف کے کسی واقع یا متوقع امر کے بالمقابل ہی وہ میلان ہوسکتا ہے۔ چنانچہ سختی کا پہلو عموماً تخویف وتہدید اور زجر وتوبیخ کے سلسلے میں ہوتا ہے۔ اس کا استعمال اس آدمی کے مقابلے میں ہوتا جس کے اوپر دینی انحلال وپستی غالب آگئی ہو۔ اور تخفیف کا پہلو جو عموماً ترجی اور ترغیب وترخیص کے سلسلے میں رہتا ہے، اس آدمی کے مقابلے میں استعمال کیا جاتا ہے جس پر سختی کے چلتے حرج اور تنگی غالب آگئی ہو۔ لیکن جب ان دونوں میں سے کوئی پہلو نہ ہو تو آپ توسط اور میانہ روی کو نمایاں اور طریقہ اعتدال کو واضح دیکھیں گے۔ یہی وہ قاعدہ وضابطہ ہے، جس کو دیکھنا اور اپنانا پڑتا ہے۔

برادران اسلام! میانہ روی اور اعتدال پسندی اسلام کے تمام شعبوں میں نمایاں

ہے، جیسے شعبۂ اعتقاد میں اسلام اقوام وملل کے بیچ درمیانہ مذہب بن کر آیا۔ چنانچہ اسلام میں نہ الحاد ہے اور نہ وثنیت، بلکہ ربوبیت والوہیت اللہ کے لیے خاص ہے۔ اسی طرح اسماء وصفات میں تشبیہ وتمثیل اور تحریف وتعطیل کے قائلین کے بیچ درمیانی مذہب ہے۔ اور قضاء وقدر کے سلسلے میں اسلام کا موقف، قدریہ اور جبریہ کے دونوں انتہاؤں کے درمیان ایک معتدل موقف ہے۔

اور مسئلہ ایمان کے سلسلے میں یعنی اہل سنت والجماعت کا موقف افراط وتفریط سے پاک ہے۔ وہ عمل کو ایمان کا ایک جزء قرار دیتے ہیں اور معصیت کے مرتکب کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتے۔

اسی طرح گنہگار کو کامل الایمان نہیں سمجھتے، بلکہ اپنے ایمان کے سبب مومن ہوگا، مگر گناہ کبیرہ کے سبب فاسق ہوگا۔

نبوت وولایت اور صحابیت کے سلسلے میں بھی توسط ہے، ان لوگوں کی طرح غلو نہیں جنہوں نے نبیوں اور ولیوں کو رب بنالیا۔ اور نہ ان یہودیوں کی طرح جنہوں نے نبیوں اور رسولوں کی تکذیب کی اور انہیں قتل کیا۔

اہل اسلام درمیانی راہ اپناتے ہوئے اللہ کے تمام رسولوں اور پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کی کتابوں پر بھی۔ اس کے ولیوں سے محبت کرتے اور آپ کے تمام صحابہ سے خوش رہتے ہیں۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔

برادران اسلام! ایک اور میدان بھی ہے، جہاں اس امت کی اعتدال پسندی واضح ہوکر سامنے آتی ہے۔ اور وہ ہے عبادت کا میدان اور فطری تقاضوں کی پاسداری کا میدان، روحانی تجرد اور مادی ارتکاز میں غلو کیے بغیر روح اور بدن کے بیچ نادر رشتے کی بقاء کا مسئلہ۔ چنانچہ یہاں نہ تو رہبانیت ہے اور نہ ہی صرف مادیت، بلکہ فرمان حق تعالیٰ کی روشنی میں ایک ربط وسلیقگی اور اعتدال ومیانہ روی ہے۔

”وَابْتَغِ فِيمَا اٰتَاكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا“(القصص:77)

”اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھے دے رکھا ہے اس میں سے آخرت کے گھر کی تلاش بھی رکھ اور اپنے دنیوی حصے کو بھی نہ بھول“۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون کے تبتل کی تردید کی اور اس آدمی کی نکیر کی، جس نے دنیا کی پاکیزہ چیزوں کو اپنے لیے حرام کر لیا۔ فرمایا:

”أما إني أخشاكم لله وأتقاكم له، لكني أصوم وأفطر وأصلي وأرقد وأتزوج النسآء فمن رغب عن سنتي فليس مني“(بخاری ومسلم)

”میں تو تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور اس کے لیے تقویٰ شعار ہوں لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور کبھی نہیں بھی رکھتا ہوں۔ نماز بھی پڑھتا ہوں اور رات میں سوتا بھی ہوں ساتھ ہی بیویوں سے ہمبستری بھی کرتا ہوں“۔

اور مسلم وغیرہ میں ہے:

”هلك المتنطعون“

”غلو کرنے والے ہلاک ہوئے“۔

اور یہ بھی:

”إن هذا الدين يسر، فادخلوا فيه برفق ولن يشاد الدين أحد إلا غلبه“

”یہ دین آسان ہے اس لیے اس میں نرمی وآسانی سے داخل ہوؤ۔ اور جو دین میں بے جا سختی کرے گا تو دین اس پر غالب آجائے گا“۔

اسی طرح اسلام نے اپنے پیروؤں کو ہر طرح کی تیرگی، بہکاوے اور آوارگی سے باز رکھا ہے۔ جو انسانی وجود کے مقصد وغایت میں خلل ڈالتی ہیں۔ انسانی حقوق کو پامال کرتی

اور روح و بدن کے تقاضوں کے درمیان توازن باقی رکھنے میں رکاوٹ پیدا کرتی ہیں۔

جو لوگ مادی پالیسیوں اور تقاضوں کی راہ پر گامزن رہتے ہیں انہیں ایک ایسے دین کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جو دنیوی رغبات اور ضروریات میں توازن اور سلیقگی کو بروئے کار لا سکے۔ انسانیت کو معیار انسانیت تک لے جائے۔ اس کی اقدار اور روایات کو بروئے کار لائے اور اسے جس مصیبت و پریشانی اور دقت و کٹھنائی کا سامنا ہے اس سے اس کو بچائے۔

برادران اسلام! کچھ اور اہم شعبے ہیں جن کے اندر اس امت کی اعتدال پسندی اور میانہ روی نمایاں ہے۔ ان کا تعلق تشریع تحلیل و تحریم، منہج فکر و نظر اور طریق استدلال سے ہے۔ ان شعبوں میں شریعت اسلامیہ نے افراط و تفریط کے بیچ میانہ روی اختیار کی۔ واضح رہے کہ تحلیل و تحریم کے فیصلے کا حق صرف اللہ کو حاصل ہے۔

"إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ"

"فیصلے کا اختیار صرف اللہ کے لیے ہے"۔

"أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ"

"اللہ ہی کے لیے خاص ہے خالق اور حاکم ہونا"۔

"قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ أَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ" (الأعراف:32)

"آپ فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے اسباب زینت کو، جن کو اس نے اپنے بندوں کے واسطے بنایا ہے اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو کس شخص نے حرام کیا ہے؟"

منہج فکر و نظر اور استنباط میں اسلام نے حصول معرفت کے مصادر میں موازنہ کر کے صحیح منقول اور صریح معقول کے بیچ موافقت پیدا کی ہے۔ قواعد و ضوابط سے رہنمائی اور شریعت کے اسرار اور رموز کی حکمت میں توافق کا راستہ اپنایا ہے۔ مصالح و منافع اور خرابی

ونقصان کے درمیان موازنہ کیا ہے۔

دوستو! حقوق ومعاملات میں بھی دین کی اعتدال روی نمایاں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''إن لنفسک علیک حقا، ولأهلک علیک حقا، ولجسدک علیک حقا، ولربک علیک حقا، فأعط کل ذي حق حقه''(احمد ومسلم)

''تمہارے اوپر تمہارے نفس کا حق ہے، تمہارے گھر والوں کا بھی تم پر حق ہے، تمہارے بدن کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے رب کا بھی تم پر حق ہے۔ اس لیے ہر حقدار کا حق ادا کرو''۔

اقتصادی نظام میں بھی اسلام نے فرد اور معاشرے کی حریت وآزادی کا خیال رکھا ہے۔ چنانچہ وہ انفرادی ملکیت کا احترام کرتا، اسے باقی رکھتا اور اس کو اس طرح بنا کر رکھتا ہے کہ معاشرہ کے لیے نقصان دہ ثابت نہ ہو۔ چنانچہ اسلام انفرادی مفاد کا لحاظ کرنے والی اور افراد کے حق کو پامال کرنے والی سرمایہ داری اور انفرادی ملکیت کو کالعدم قرار دینے والی اشتراکیت کے درمیان ایک معتدل موقف اپناتا ہے۔

اور نفاق وخرچ کرنے کے سلسلے میں میانہ روی اس فرمان الٰہی سے واضح ہے:

''وَالَّذِيْنَ إِذَآ أَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا''(الفرقان:67)

''اور جو خرچ کرتے وقت بھی نہ تو اسراف کرتے ہیں نہ بخیلی، بلکہ ان دونوں کے درمیان معتدل طریقے پر خرچ کرتے ہیں''۔

دوسرا خطبہ:

برادران اسلام! کچھ امور ومسائل ایسے بھی ہیں جو اعتدال وتوازن کے خلاف ہیں۔ اس لیے لوگوں کو ان سے بچنا ضروری ہے انہی امور میں سے ہے۔

غلو کرنے والا وہی ہوتا ہے جو شرعی حکم کو تعداد یا کیفیت یا کمیت میں اضافہ وزیادتی کے ساتھ بجالاتا ہے۔ جیسے کوئی اللہ کی تسبیح ہر فرض نماز کے بعد 33 مرتبہ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے کے بدلے 100 دفع پڑھے، یا نماز پڑھتے یا مسجد میں جاتے وقت کوئی خاص طرح کا کپڑا پہنے۔

رہی بات بدعت کی، تو یہ بدعتی کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر استدراک (حکم الٰہی کو غلط ثابت) کرنے اور اس نئی بات پر عمل پیرا ہونے کے لیے آمادہ کرتی ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم نہیں دیا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کا حکم دین میں غلو کرنے اور کوتاہی کرنے والوں کے بیچ درمیانی راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جس بات کا بھی حکم دیتا ہے تو شیطان کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اس میں دو چیزیں داخل کر دے افراط یا تفریط۔ (الوصیۃ الکبریٰ)

اور امام ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا: دو چیزیں ایسی ہیں جو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی اہمیت وعظمت کی منافی ہیں:

اول: ایسی رخصت وچھوٹ جو چھوٹ والے آدمی کو کمال امتثال سے دور رکھتی ہے۔

دوم، غلو جو پہلی بات میں تفریط ہے اور دوسری میں افراط ہے۔

دین میں غلو کے بہت خراب آثار ونتائج ہوتے ہیں۔ انہی میں سے ہے ہلاکت۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”هلك المتنطعون، هلك المتنطعون“

”غلو کرنے والے ہلاک ہوئے، ہلاک ہوئے“۔

اور فرمایا تم سے پہلے والوں کو دین میں غلو نے ہی ہلاک وبرباد کیا۔ چنانچہ غلو کرنے والے کا برا انجام آخرت سے پہلے دنیا ہی میں سامنے آجاتا ہے۔

ارہاب (دہشت پسندی) اور تکفیر، یعنی بے سوچے سمجھے کسی کو کافر قرار دینا بھی غلو ہی کا اثر ہوتا ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کی صورت وشبیہ کو بگاڑنا بھی اسی کا انجام ہے۔ چنانچہ آج غلو نے دین حنیف کی شکل ہی خراب کردی ہے اور لوگوں کو اس سے بیزار کردیا ہے۔ اس دین میں عیب جوئی وطعنہ زنی کرنے کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ ''فإنا للّٰه وإنا إليه راجعون''

معصیت کے شر وفساد میں لگنا بھی اسی غلو کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ ان خوارج کو دیکھیں کہ دین میں غلو نے انہیں مسلمانوں کو قتل کرنے اور کافروں اور ہوئی پرستوں کو چھوڑ دینے پر مجبور کیا۔

عمل سے کٹ جانا، غلو فی الدین کا ہی انجام ہے۔ صحیح بخاری، **باب مایکره من التشديد في العبادة** یعنی عبادت میں تشدد اختیار کرنے کے کراہت کا باب، کے متعلق حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: اس میں عبادت کے اندر میانہ روی ترغیب اور غلو کرنے کی ممانعت ہے۔ اسی طرح نشاط کے ساتھ عبادت میں لگنے کا حکم بھی۔ (فتح الباری:36/3)

اس لیے اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو، اللہ اور اس کے رسول نے جس بات کا حکم دیا ہے اس کی پابندی کرو اور اس تفریط (کمی وکوتاہی) دونوں سے بچوں، کیونکہ دونوں ہی مہلک ہیں۔ جتنی تمہارے اندر طاقت ہو اتنا ہی عمل کرو، حد سے تجاوز نہ کرو۔ تم عمل سے اکتا جاؤ گے لیکن اللہ تعالیٰ ثواب دینے سے نہیں اکتائے گا۔

اخیر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اندر توازن اور میانہ روی پیدا کرے، اور ہمیں غلو اور انتہاپسندی سے محفوظ رکھے۔

واخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا

پہلا خطبہ:

"إنّ الحمد لله ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريك له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله" أما بعد!

حضرت ابراہیم کی پوری زندگی آزمائش سے عبارت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مختلف مقامات پر مختلف چیزوں سے آزمایا اور ان کا امتحان لیا۔ کبھی نمرود سے مباحثہ ہوا، کبھی وطن کو خیر باد کہا، کبھی آتش نمرود میں بے خطر کود نے اور کبھی حکم خدا کی تعمیل میں اپنے جگر گوشہ کے حلقوم پر چھری پھیرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ اتنے امتحانات اگر عام انسان کی زندگی میں ہوں تو وہ کامیابی کا سامنا نہیں کر سکتا، لیکن اللہ کا یہ نیک بندہ ہر ایک امتحان میں کامیاب وکامران رہا۔ قرآن شریف کے اندر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لیے گئے تمام امتحانات کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے قرآن کی اس آیت:

"وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ "(البقرة:124)

"جب ابراہیم علیہ السلام کو ان کے رب نے کئی کئی باتوں سے آزمایا اور انہوں نے سب کو پورا کر دیا"۔

اس آیت کے اندر کلمات کی تفسیر جن چیزوں سے کی ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:
حکم الٰہی کی تعمیل میں قوم سے ان کی جدائی، نمرود سے ان کا مباحثہ، آتش نمرود میں پھینکے جانے پر صبر، وطن سے ہجرت، ضیافت و مہمان نوازی اور اس سلسلے میں پیش آمدہ ذاتی و مالی مشکلات پر صبر اور اپنے لاڈلے لخت جگر و نور نظر کے ذبح کے لیے تیار ہو جانا شامل ہے۔ "کلمات" کی تعبیر میں اگر چہ لوگوں نے بہت اختلاف کیا ہے لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا تفسیر دل کو لگتی ہے۔ چنانچہ قرآن کے اندر مذکورہ تمام چیزوں کا ذکر انفرادی طور پر بھی موجود ہے۔

۱۔ حضرت ابراہیم کا نمرود سے مباحثہ:

قرآن نے اس سلسلے میں فرمایا:

"أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْ حَآجَّ إِبْرَاهِيْمَ فِيْ رَبِّهٖٓ أَنْ اٰتَاهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيْمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ قَالَ أَنَا أُحْيِيْ وَأُمِيْتُ قَالَ إِبْرَاهِيْمُ فَإِنَّ اللّٰهَ يَأْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِيْنَ" (البقرۃ:258)

"کیا تو نے اسے نہیں دیکھا جو سلطنت پا کر (ابراہیم علیہ السلام سے) اس کے رب کے بارے میں جھگڑ رہا تھا۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ وہ کہنے لگا میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق کی طرف سے لاتا ہے، تو اسے مغرب کی طرف سے لے آ۔ اب تو وہ کافر بھونچکا رہ گیا۔ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا"۔

یعنی حضرت ابراہیم نے نمرود بادشاہ سے مباحثہ کرتے ہوئے کہا کہ رب تو وہ ہے جس نے زندگی اور موت دیا ہے؟ تو نمرود نے جواباً کہا کہ وہ تو میں بھی کرتا ہوں۔ حضرت ابراہیم نے پھر کہا کہ اللہ پورب سے سورج طلوع کرتا ہے، تم پچھم سے طلوع کر کے دکھاؤ۔

چنانچہ نمرود حیران و پریشان اور ششدر رہ گیا۔

۲۔آتش نمرود اور حضرت ابراہیم:

”قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ، قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ“(الأنبياء:68)

”قوم کے لوگ کہنے لگے کہ اسے جلادو اور اپنے خداؤں کی مدد کرو اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے۔ ہم نے فرمایا دیا: اے آگ تو ٹھنڈی پڑ جا اور ابراہیم علیہ السلام کے لیے سلامتی (اور آرام کی چیز) بن جا“۔

چنانچہ وہ آگ میں ڈالے جانے کے باوجود اس فرمان الٰہی کے تحت صحیح سالم بچ گئے۔

۳۔وطن سے ہجرت:

حضرت ابراہیم علیہ الصلا والسلام نے فرمان الٰہی کی تعمیل میں وطن کو خیر باد کہا اور بے آب و گیاہ چٹیل میدان میں جو دعا کی اس کا تذکرہ قرآن نے یوں کیا ہے:

”رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ“(ابراہیم:37)

”اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد اس بے کھیتی کی وادی میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس بسائی ہے۔ اے ہمارے پروردگار! یہ اس لیے کہ وہ نماز قائم رکھیں، پس تو کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کردے۔ اور انہیں پھلوں کی روزیاں عنایت فرما تا کہ یہ شکر گزاری کریں“۔

۴۔ایثار و قربانی:

ایک مدت کے بعد حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام اولاد سے سرفراز کیے گئے۔ پھر اللہ نے اسی کی قربانی کا مطالبہ کرکے ان کے صبر و تحمل اور جذبۂ ایثار کا زبردست امتحان

لیا۔جیسا کہ قرآن نے کہا:

”فَلَمَّآ أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِيْنِ،وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَّآ إِبْرَاهِيْمُ،قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَآ إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ “(الصافات:105-103)

”غرض جب دونوں مطیع ہوگئے اور اس نے (باپ نے) اس کو (بیٹے کو) پیشانی کے بل گرادیا،تو ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم!،یقیناً تو نے اپنے خواب کو سچا کردکھایا، بے شک ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں“۔

قرآن کریم کی ان آیات بابرکات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے انہی امتحانات اور آزمائشوں کا ذکر ہے۔حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام اپنے تمام امتحانوں میں اتنے پورے اور کامل اترے کہ انہوں نے حکم الٰہی کی تعمیل میں ہزاروں دعائیں اور منت وسماجت سے مانگی ہوئی اولاد کو بھی قربان کردینے سے دریغ نہیں کیا۔کتنا پختہ تھا حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا ایمان،اور کتنا کامل تھا ان کا یقین،کہ وہ اپنے تمام امتحانات میں کامیاب رہے۔ایمانِ ابراہیم کی یہی وہ پختگی اور عشق الٰہی کا یہی وہ کارنامہ ہے کہ آگ بھی گلزار بن گئی۔یقیناً ؎

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا
آگ کرسکتی ہے انداز گلستاں پیدا

دوسرا خطبہ:

معزز حاضرین جمعہ! حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لیا گیا یہ امتحان رہتی دنیا تک کے لیے سنت ابراہیمی کی حیثیت اختیار کرگیا۔اور اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلوایا کہ: قربانی تمہارے باپ حضرت ابراہیم کی سنت ہے۔تاریخ انسانیت میں اتنی مقدس اور اتنی عظیم الشان قربانی کی نظیر نہیں ملتی۔یہ قربانی

بارگاہ ایزدی میں اتنی پسند آئی کہ اس نے امت مسلمہ کو ہر سال اس کی یاد تازہ کرنے کا حکم دیا۔ یہ یادگار دین عنقریب ہم پر پھر سایہ فگن ہونے والا ہے۔ ہم مسلمان اس سنت ابراہیمی کی تجدید کریں گے اور اسی ایمانی جذبے سے سرشار ہو کر اپنے اپنے رب کے حضور قربانی پیش کریں گے۔

حضرت ابراہیم کی حیات بابرکات ہم کو بہت ساری چیزوں کا سبق دیتی ہے اور بتلاتی ہے کہ انسان جب اپنی زندگی میں پیش آمدہ مشکلات ومصائب کا سامنا نہ کر سکے تو وہ کبھی فلاح وبہود سے ہم کنار نہیں ہو سکتا ہے۔

آج امتِ مسلمہ جن پریشانیوں سے دوچار ہے ان سے چھٹکارا پانے کے لیے ہم کو اپنے اندر حضرت ابراہیم جیسا ایمان پیدا کرنا ہوگا۔ ایمان ویقین کی پختہ راہ پر گامزن ہونے کے بعد ہم اپنی تمام مشکلات کا حل نکال سکتے ہیں۔

حضرت ابراہیم کے بارے میں ایک اور بات جو خصوصیت کے ساتھ بیان کی گئی ہے اور وہ یہ ہے وہ اللہ کے اوپر پختہ ایمان رکھنے والوں میں سے تھے۔ جب انسان اللہ کا نیک اور صالح بندہ بن جاتا ہے تو اللہ کی رحمت اس کو ہر چہار جانب سے اپنے آغوش میں لے لیتی ہے اور اس کے وجود سے وہی کام انجام پاتا ہے جو اللہ کو پسند ہو۔ اور ہر وہ علم جو اللہ کو ناپسند ہے اس سے وہ اجتناب کرتا ہے۔ مومن کے لیے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی پوری زندگی ایک اسوہ ہے جس کو ہر نرم وگرم حالات میں سامنے رکھنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نشانیاں

پہلا خطبہ:

إن الحمد لله الذي خلق الأرض والسماوات العلىٰ في ستة أيام، وقدر أقواتا وأعمارا لأنام، ومهلهم إلى يوم القيام، والصلاة والسلام على رسوله محمد وصحبه الكرام، ومن تبعهما بإحسان إلى يوم بعث الأجساد والأجسام.

وبعد! فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم:

"إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ" (آل عمران:190)

"آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے ہیر پھیر میں یقیناً عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں"۔

محترم حاضرین جمعہ! یہ نیلگوں آسمان، یہ وسیع و عریض دھرتی، یہ چمکتا سورج، یہ چاندنی میں نہایا ہوا چاند، یہ فضائے بسیط میں ٹمٹما کر اپنے وجود کا احساس دلانے والے یہ ستارے، خلا میں تیرنے والی یہ کہکشائیں، ہواؤں کے دوش پر اڑان بھرنے والے یہ بادل اور گھٹائیں، یہ اونچے اونچے پربت، یہ بے کراں سمندر، یہ اپنی دھن میں مگن بہتی چلی جانے والی ندیاں، یہ چمن زار اور یہ بیاباں، یہ چمن کے پھول، غرض کہ زمین سے آسمان تک، پورب سے پچھم تک اور اتر سے دکھن تک جتنی بھی مخلوقات ہیں اور جتنے بھی ذرات ہیں،

سب اسی رب وحدہ لاشریک کی تخلیق اور اسی کی نشانیاں ہیں جو سارے جہان کا پالنہار ہے۔ جس کی محتاج دنیا اور ہر شے اس دنیا کی ہے لیکن وہ کسی کا محتاج نہیں۔ دنیا کی ہر شے جس کی نیاز مند ہے لیکن وہ کسی کا نیاز مند نہیں، وہ بے نیاز ہے اور جس کی ہمسری کوئی کر نہیں سکتا، جو بے مثال ہے، بے عیب ہے اور ہر طرح کی تعریف اسے ہی لائق وزیبا ہے۔ دنیا کی ہر شے اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہی تنہا معبود برحق ہے، اور صرف وہی عبادت کیے جانے کا حق رکھتا ہے، اس کے سوا کوئی نہیں جو کسی بھی طرح کی عبادت کا مستحق ہو۔

سامعین! دنیا میں جتنی بھی مخلوقات ہیں چاہے وہ زمینی ہوں یا آسمانی، بحری ہوں یا بری، فضائی ہوں یا خلائی، اونچے اونچے محلوں میں رہتی ہوں یا پھر تنگ وتاریک آشیانوں میں یا گھونسلوں میں، ساری مخلوقات کی تخلیق کا مقصد صرف ایک ہے اور وہ ہے رب کائنات کی عبادت اور تسبیح وتہلیل اور تحمید وتقدیس کرنا۔ اور یہ سچ ہے کہ کائنات کی جاندار اور بے جان تمام چیزیں اور مخلوقات رات دن رب کائنات کی تسبیح وتہلیل میں مگن اور مشغول رہتی ہیں، یہ اور بات ہے کہ ہم اور آپ سمجھیں یا نہ سمجھیں اس بات کی گواہی اسی ذات بے عیب نے دی ہے جس نے ان تمام مخلوقات کو پیدا کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

”تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَاوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَٰكِنْ لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ“ (بنی اسرائیل: 44)

”ساتوں آسمان اس کی حمد وثنا کے ترانے گاتے ہیں، زمین اس کی تعریف وتوصیف کے نغمے گنگناتی ہے، زمین پر جتنی بھی مخلوقات بود وباش کرتی ہیں، سب اسی کی تسبیح وتحمید کے ساز چھیڑتی ہیں، کوئی ایسا نہیں جو اس کے حمد کے نغمے، اس کی ثنا اور توصیف کے ترانے نہ گنگناتا ہو، یہ اور بات ہے کہ تمہیں ان کی تسبیح کی زبان، ان کی تحمید کا انداز جداگانہ سمجھ میں نہ آتا ہو“۔

مچھلیاں پانی میں اور چرند پرند فضاؤں میں اس کی حمد وکبریائی کے نغمے گاتے ہیں۔

میرے بھائیو! اگر آپ سے پوچھا جائے کہ یہ حیرت انگیز کارخانۂ عالم اور اس میں پھیلی ہوئی بے شمار مخلوقات خود بخود وجود میں آ گئی ہیں تو آپ کہیں گے، ہرگز نہیں، کبھی نہیں۔ دنیا کی کوئی چیز اپنے آپ پیدا نہیں ہو سکتی۔ ہر چیز کا کوئی نہ کوئی خالق و مالک اور مدبر و منتظم ضرور ہے۔ اور جب یہ قانون دنیا کی ہر چھوٹی اور بڑی چیز پر لاگو ہوتا ہے تو اتنی عظیم الشان دنیا بغیر خالق کے کیسے وجود میں آ سکتی ہے؟

دوسرا خطبہ:

إن الحمد لله الذي خلق الأرض والسماوات العلىٰ في ستة أيام، وقدر أقواتا وأعمارا لأنام، ومهلهم إلى يوم القيام، والصلاة والسلام على رسوله محمد وصحبه الكرام، ومن تبعهما بإحسان إلى يوم بعث الأجساد والأجسام.

حاضرین جمعہ! یقیناً آپ کی بات درست ہے، دنیا کی ہر چیز کا خالق و مالک اور مدبر و منتظم ایک ذات ہے اور اسی ذات و ہستی کا نام ہے اللہ! لیکن آج کی دنیا میں آپ کو ہزاروں بلکہ کروڑوں لوگ ایسے مل جائیں گے جو یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ یہ دنیا یوں ہی اپنے آپ پیدا ہو گئی ہے اور ایک دن اپنے ہی آپ ختم ہو جائے گی، فنا ہو جائے گی اور بس! یہ ایسی فکر ہے کہ جس سے بڑھ کر بودی اور خسیس فکر ہو ہی نہیں سکتی۔ اس نظریہ اور فکر کا جنم داتا تھا ایک دماغی خلل والا سائنس داں ڈارون، جس نے دنیا والوں کو پہلی بار یہ بتلایا کہ ہمارا تمہارا اور ساری دنیا کا خالق کوئی نہیں، بلکہ یہ دنیا ارتقا کے نظریہ پر وجود میں آئی ہے۔ اس نے یہ بھی کہہ دیا کہ انسان بندر سے ترقی کرتے کرتے انسان بنا ہے اور اس کا بھی کوئی خالق و مالک نہیں۔

بھائیو! ذرا تم بتاؤ، بادلوں کی سرسراہٹ میں کیا ہے؟ پہاڑوں کی خموشی میں ہے؟

گھٹاؤں کی چالوں میں کیا ہے؟ سورج کی حدت وتمازت میں کیا ہے؟ چاند کی اس میٹھی میٹھی اور ٹھنڈی ٹھنڈی چاندنی میں کیا ہے؟ گلستاں کی دلربائی اور پھولوں کی دل کشی اور دلبری میں کیا ہے؟ گردش لیل ونہار میں وہ کون سی چیز پوشیدہ ہے؟ حجر وشجر کی رنگت وصورت میں کیا ہے؟ تنکوں اور ذروں کی تہوں میں کیا ہے؟ سمندروں اور ندیوں کی لہروں میں کیا ہے؟ اور ذرا یہ بھی بتاؤ کہ فضاؤں کی ترنگوں میں کیا ہے؟

آؤ میں بتاؤں کہ ان چیزوں میں کیا ہے؟ سنو اور یاد رکھو کہ ان کی ایک ایک ادا میں ایک ایک رنگت وصورت میں نشانی ہے اس رب کائنات کی جو ان سب کا خالق ومالک ہے۔ وہی ہے جس نے پھولوں کو ادائے دلبری دی ہے۔ وہی ہے جس نے گلستانوں کو دلکشی ورعنائی دی ہے۔ وہی ہے جس نے پہاڑوں، پربتوں اور سمندروں کو خاموشی کا اعجاز بخشا ہے، وہی ہے جس نے صحراؤں اور بیابانوں کو سناٹا دیا ہے تاکہ تم اور ہم اور دنیا کے تمام انسان یہ جان سکیں کہ کوئی ہے جس نے ان مخلوقات کو یہ ادائیں دی ہیں۔ انہیں ان نزاکتوں سے نوازا ہے اور وہ کوئی اور نہیں بلکہ وہ اللہ ہے جس کی ذات پاک ہے۔ جو غیر حادث اور ازلی ہے جسے کبھی زوال نہیں۔ جس کے ہاتھوں میں کل کائنات کا کاروبار اور انتظام ہے۔

”فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ“ (المؤمنون:14)

”برکتوں والا ہے وہ اللہ جو سب سے اچھا ہے پیدا کرنے والوں میں“۔

حاضرین جمعہ! اگر میں کہوں کہ یہ ساری چیزیں بغیر کسی خالق کے یوں ہی پیدا ہوگئی ہیں تو کیا آپ یقین کر لیں گے؟ اگر میں کہوں کہ فلاں جگہ پر ایک چھوٹا سا مکان خود بخود بن کر کھڑا ہوگیا ہے! (نعوذ باللہ من ذلک) تو کیا آپ یقین کر لیں گے؟ بھلا بتایئے، جب ایک ذرہ بھی انسان سے آج تک نہیں بن سکا، جب اس نے آج تک اپنی تخلیق کے مقصد ومدعا کو نہیں سمجھا، تو بھلا کوئی کر بھی کیا سکتا ہے؟ حالانکہ دنیا کا کوئی بھی سائنس داں آج تک یہ بات ثابت نہ کر سکا کہ دنیا کے نظام میں اتنی ہم آہنگی اور نظم وضبط کیوں اور کیسے ہے؟ اور

اگر دنیا بغیر خالق و مالک کے یوں ہی پیدا ہوگئی ہے تو اس کی ہر چیز اتنی ہم آہنگ اور اس قدر منظم کیسے ہے؟ اس گتھی کو آج تک انسان نہیں سلجھا پایا ہے اور صرف اس لیے نہیں سلجھا پایا ہے کہ وہ خدا کی ذات کے وجود کو ماننے پر تیار نہیں ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ایک مسلمان کے لیے اس سوال کا جواب دینا بہت آسان ہے۔ اور وہ ہے کہ دنیا کے نظام میں جو یہ ہم آہنگی اور نظم وضبط ہے تو یہ ایک قادر مطلق کارساز کی کارسازی ہے اور اس کارساز کا نام ہے اللہ، جس کے ہاتھوں میں پوری دنیا کا نظام ہے۔ اور وہی ہے جو دنیا کو اتنی ہم آہنگی اور نظم وضبط کے ساتھ چلا رہا ہے۔

سورج آج تک پچھم سے طلوع نہیں ہوا اور آج تک کبھی مشرق میں غروب نہیں ہوا، اس بات کو اے ڈارون کے فرمان بردارو! تم کہتے ہو کہ یہ نظام شمسی کا قانون ہے لیکن ذرا یہ بھی تو بتادو کہ اس نظام شمسی کا منتظم کون ہے؟

آؤ! میں تمہیں بتادوں کہ نظام شمسی کا منتظم و مدبر ہی تو اللہ ہے!!

اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی فطرت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتا ہے:

''أَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ، أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بَلْ لَا يُوْقِنُوْنَ''(الطور:36-35)

''کیا یہ بغیر کسی پیدا کرنے والے کے خود ہی پیدا ہوگئے ہیں یا یہ خود پیدا کرنے والے ہیں؟ کیا انہوں نے ہی آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ بلکہ یہ یقین نہ کرنے والے لوگ ہیں''۔

لہٰذا دوستو! یہ ثابت ہوگیا کہ دنیا کا خالق و مالک اللہ ہے۔ یہ دنیا یوں ہی پیدا نہیں ہوگئی ہے بلکہ اسے رب کائنات نے چھ دنوں میں پیدا کیا ہے اور دنیا کی ہر چیز اسی خالق و مالک کی نشانی ہے۔

برسوں فلاسفر کی چناں اور چنیں رہی
لیکن خدا کی ذات جہاں تھی وہی رہی

آیئے ہم اس رب کائنات کے حضور شکر وحمد کے ترانے گائیں جس نے ہمیں اور آپ بلکہ ساری دنیا اور دنیا کی ساری چیزوں کو نہ صرف پیدا کیا بلکہ ان سب کو ایک الٰہی نظام کے تابع بنایا تاکہ ہر چیز اس دنیا کی اپنا اپنا کام کرے۔

والحمد للّٰہ رب العالمین.

حق مسلماں کے مسلماں پہ

پہلا خطبہ:

"إنَّ الحمد للّٰه ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادی له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله" أما بعد!

"عن أبي هريرة رضی اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم قال: حق المسلم على المسلم خمس؛ رد السلام، وعيادة المريض، واتباع الجنائز، وإجابة الدعوة، وتشميت العاطش "(متفق عليه)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے پانچ حق ہیں:

۱۔ سلام کا جواب دینا،

۲۔ مریض اور بیمار کی عیادت کرنا،

۳۔ جنازہ کے ساتھ چلنا،

۴۔ دعوت قبول کرنا،

۵۔ چھینکنے والے کے "الحمد للہ" کہنے پر اسے "یرحمک اللہ" کہنا۔

دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد دنیا کے تمام مسلمان اسلامی رشتۂ اخوت سے

منسلک ہو جاتے ہیں۔ "كل مسلم إخوة" کے تحت مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہو جاتے ہیں اور کسی کے درمیان کوئی فرق نہیں رہ جاتا ہے۔ امیر وغریب، عالم وجاہل، شہزور وکمزور اور خاص وعام برابر ہو جاتے ہیں۔ ایک اللہ، ایک رسول، اور ایک قرآن اور ایک حرم کو ماننے والے ایک ہی صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ نہ کوئی بندہ رہتا ہے اور نہ کوئی بندہ نواز۔ اسلامی رشتۂ اخوت ایک ایسا عالم گیر رشتہ ہے جس کی کوئی نظیر اور مثال نہیں۔ یہ رشتہ سب سے اعلیٰ وارفع، بلند وبالا، عمیق ووثیق اور مضبوط رشتہ ہے۔ اس اسلامی اخوت سے منسلک ہو جانے کے بعد کہیں کا مسلمان کسی بھی جگہ کے دوسرے مسلمان بھائی کے لیے اجنبی اور انجانا وبے گانہ نہیں رہ جاتا۔ ساری دوریاں اور سماجی ومعاشرتی دشواریاں ختم ہو جاتی ہیں۔

اسلامی رشتۂ اخوت کی اہمیت اور قدر ومنزلت کے پیش نظر ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے چند حقوق عائد ہوتے ہیں، اسلامی تعلیم اور ہدایت کی روشنی میں جن کو ادا کرنا پڑتا ہے۔ وہ حقوق بظاہر بہت معمولی ہوتے ہیں لیکن شریعت کی نظر میں وہ غیر معمولی اور نہایت ہی اہم ہوتے ہیں۔ ان حقوق کی طرف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ حدیث میں اشارہ کیا ہے اور ان کو ادا کرنے کی تعلیم دی ہے کہ ایک مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے سلام کا جواب دے۔ ایک دوسرے سے سلام کرنا ویسے ہی اسلام کی مؤکد تعلیم ہے: (افشو السلام) "سلام پھیلاؤ" (ویسلمه إذا لقيه) "جب ملاقات ہو تو وہ اپنے مسلمان بھائی سے سلام کرے" وغیرہ جیسے الفاظ سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ ایک دوسرے سے سلام کرنے کی کتنی تاکید کی گئی ہے۔ پہل کرتے ہوئے اگر کوئی مسلمان کسی پر سلام کرے تو یہ بہت بڑی بات ہے اور اس کا ایک مقام ہے۔ مگر اس کے سلام کا جواب دیا جائے اس کا اسلامی حق ہے۔ ظاہر بات ہے کہ یہ حق دوسرے مسلمان پر عائد ہوتا ہے کہ وہ سلام کرنے والے مسلمان بھائی کا کھلے دل سے جواب دے خواہ کوئی

ہو۔ کیوں کہ اس طرح سے آپسی میل ومحبت اور پیار والفت میں اضافہ ہوتا ہے۔

مریض اور بیمار مسلمان بھائی کی عیادت کرنا، اس کی بیمار پرسی کرنا اور اس کی حالت جاننا بھی ایک اسلامی حق ہے جس کی تاکید کرتے ہوئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (عودوا المريض) ''مریض کی عیادت کرو''۔ عیادت مریض کی اہمیت وفضیلت واضح کرتے ہوئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں فرماتے ہیں کہ جب مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو وہ جنت کے باغ میں پھل چن رہا ہوتا ہے۔ (مسلم)

اخروی اجر وثواب کے علاوہ مریض کے دل میں عیادت کرنے والے کی اہمیت اور قدر ومنزلت بڑھ جاتی ہے۔ اس کو عزت واحترام کی نظر سے دیکھتا ہے اور اس حق کی ادئیگی پر نہ صرف یہ کہ وہ خوش ہوتا ہے بلکہ نفسیاتی طور پر وہ اپنے مرض میں کمی محسوس کرتا ہے۔

حدیث شریف کے اندر تیسرا حق (اتباع الجنائز) ''جنازے کے پیچھے چلنا'' یہاں تک کہ میت کی تدفین کردی جائے کو قرار دیا ہے۔ اس حق کی بھی اپنی جگہ اہمیت ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری حدیث کے اندر اس کی تاکید کی ہے۔ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ (ويشهد إذا مات) ''جب کوئی مسلمان وفات پا جائے تو دوسرا اس کے جنازے میں شریک ہو''۔

دوسرا خطبہ:

''إنَّ الحمد للّٰه ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله'' أما بعد!

مسلمان بھائیو! ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر بہت سارے حقوق ہوتے ہیں جنہیں ادا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ لیکن مسلمانوں سے ان حقوق کی ادائیگی میں کوتاہیاں ہوتی رہتی ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے استغفار زندگی میں بھی اور اس کے مرنے کے بعد کرتا رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: (**استغفروا لأخيكم**) ''دفنانے کے بعد اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو اور اس کے لیے دعائیں کرو''۔

اسی طرح مسلمان اگر کسی مسلمان کو کھانے کی دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کرنا اس کا حق ہے۔ جس طرح بغیر دعوت کے کہیں پہنچ جانا ایک اخلاقی جرم ہے اسی طرح دعوت دیے جانے کے باوجود دعوت رد کر دینا بلانے پر نہ پہنچنا، نہ صرف ایک شرعی واخلاقی جرم ہے بلکہ ایک مسلمان کا حق مارنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

''**إذا دعي أحدكم إلى طعام فليستجب**''

''جب تم میں سے کسی کو کھانے کے لیے بلایا جائے تو چاہیے کہ وہ اس دعوت کو قبول کرے''۔

اس حق کی ادائیگی سے آپس کی دوری ختم ہو جاتی ہے اور اسلامی رشتۂ اخوت میں مضبوطی پیدا ہوتی ہے۔

حدیث شریف کے اندر پانچواں حق یہ بتایا گیا ہے کہ جب کوئی مسلمان چھینکے تو اس کے **الحمد لله** کے جواب میں دوسرا مسلمان **یرحمک الله** کہے۔ بظاہر یہ معمولی سی بات نظر آتی ہے: لیکن شریعت اسے بھی ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کا حق قرار دیتی ہے۔ چھینکنا ایک اتفاقی واقعہ ہوتا ہے۔ تنہا بھی کوئی چھینک سکتا ہے۔ کسی کے ساتھ ہوتے بھی اور کسی محفل و جماعت میں بیٹھے ہوئے بھی۔ اتفاق سے کوئی اگر مجلس میں چھینکتا ہے تو سب کے لیے ضروری نہیں کہ وہ جواب میں **یرحمک الله** کہے۔ اگرچہ علماء کی ایک

جماعت نے مذکورہ حدیث میں تشمیت کو فرض عین قرار دیا ہے۔ جب کہ علماء کی ایک جماعت نے فرض کفایہ قرار دیا ہے کہ سب کی طرف سے ایک کا جواب دینا کافی ہوگا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے راجح قرار دیا ہے۔ (فتح الباری: ج 10، باب تشمیت العاطس إذا حمد اللہ: ص 603)

بہر حال اسے بھی اسلام نے مسلمان کا دوسرے مسلمان پر ایک حق قرار دیا ہے کہ چھینکتے وقت الحمد للہ کے جواب میں یرحمک اللہ کہا جائے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلامی رشتۂ اخوت سب سے ارفع واعلیٰ اور عمیق ووثیق رشتہ ہے۔ مگر اس رشتہ کا تقاضا یہ ہے کہ ان حقوق کی ادائیگی ہو جو ایک مسلمان پر دوسرے کے لیے عائد ہوتے ہیں، تاکہ اس کے اندر مزید استواری وپائیداری آئے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے بھائیوں کے ان حقوق کی ادائیگی کی توفیق دے، اور ہم اپنی اجتماعی وانفرادی زندگیوں میں اپنے مسلمان بھائیوں کے حقوق کا پاس ولحاظ رکھیں، تاکہ ہمارے درمیان الفت ومحبت پروان چڑھے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین.

دل جیتنے کے طریقے

پہلا خطبہ:

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين، والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين، وعلى اله وأصحابه أجمعين، وبعد: فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم:

حضرات! دلوں پر حکمرانی کرنا ہی اصل کامیابی وکامرانی ہے۔ دل جیتنے کا فن جس کو آ گیا سمجھو وہ دنیا اس کی دیوانی ہوگئی۔ اور جو دل جیتنے کے فن سے ناآشنا ہوتا ہے وہ کبھی بھی گوہر مقصود سے ہمکنار نہیں ہوسکتا ہے۔ دل جیتنے کا دائرہ نہ صرف دین ہی تک محدود ہے بلکہ دنیا کی زندگی میں بھی اس کی اہمیت کا کوئی منکر نہیں ہوسکتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ بڑے جابر وظالم حاکموں نے زور بازو وقوت لشکر اور ظلم واستبداد کے ذریعہ لوگوں کے جسموں پر اور ظاہری نظم ونسق پر حکومت تو قائم کرلی مگر جونہی ان کی قوت میں کمی آئی ان کے ستارہ اقبال کو گہن لگ گیا۔ جب بھی قوم کو ان کے ضعف کا احساس ہوا ان کا تختہ پلٹ دیا۔ اسباب صاف ظاہر ہیں کہ قوم بحالت مجبوری ان کی حکومت وحکمرانی برداشت کررہی تھی اور ان کے ظلم واستبداد نے لوگوں کی زبانوں پر مہر لگا رکھی تھی۔ لوگوں کے دلوں میں ان حاکموں کے تئیں ذرہ برابر بھی محبت ونرمی کا گوشہ نہیں تھا۔

چونکہ انہوں نے کبھی بھی قوم کے دلوں کو جیتنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ لہٰذا قوم بھی کبھی ان کو دل سے قبول نہیں کرپائی۔ اور جہاں پر بھی کوئی کام دل، محبت اور عقل سے خالی ہوتا

ہے وہاں شر وفساد کا امکان یقینی رہتا ہے۔ اور جہاں پر پہلا کام دلوں کو فتح کرنا ہوتا ہے وہاں خود بخود اس کی حکومت قائم ہو جاتی ہے۔ آج جب کہ دنیا میں دین اور سیاست کے درمیان خط تفریق اور حد فاصل کھینچ دیا گیا ہے تب بھی یہ اصول اتنے ہی مجرب اور کامیاب ہیں۔ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ جس نے لوگوں کا دل جیت لیا وہ سیاسی حکمرانوں کی حکومت سے لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ ممکن ہے اہل سیاست کے پاس لوگوں کے آنے میں کوئی مصلحت بھی پوشیدہ ہو مگر دل جیتنے والے پر انسان بلا مصلحت سب کچھ قربان کر دیتا ہے۔

سماجی زندگی کا اتنا بڑا رہنما اصول صرف سیاست وحکومت اور بڑے علماء ومشائخ کے عظیم الشان طبقے کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے بلکہ انسان کی اپنی فیملی لائف اسٹائل اور خاندانی نظام زندگی سے لے کر دین اور دنیا کے بڑے سے بڑے امور میں بھی اس کی اتنی ہی اہمیت وضرورت ہے۔

ایک انسان اگر اپنے گھر کا مالک ہے، اس کے گھر کئی افراد ہیں تو ظاہر ہے کہ سبھوں کی ذمہ داری اسی کے کندھے پر آ جاتی ہے۔ اسے مختلف مزاج وعادات اور مختلف رشتے اور رابطے کے جذبے سے عدل وانصاف کے ساتھ نبھاؤ کی ضرورت پڑتی ہے۔ انسان عدل وانصاف کو بحال رکھنا چاہتا ہے۔ خیر خواہی کے جذبے سے اس کا دل معمور ہوتا ہے لیکن اگر دل جیتنے کے فن سے وہ نابلد ہے تو یہ چھوٹی سی فیملی کو بحسن وخوبی نبھانا اس کے لیے بے حد مشکل ہے۔ اس کے برعکس جس نے اس فن کو سیکھ لیا وہ بڑی آسانی سے نہایت ہی حسن وخوبی کے ساتھ اپنے گھر کو چلا سکتا ہے۔

یہی اصول مدرسہ اور اسکول میں برتا جا سکتا ہے۔ یہی اصول بڑی بڑی کمپنیوں اور بڑی بڑی تنظیموں میں آزمایا جا سکتا ہے۔ یہی اصول امام ومقتدی کے درمیان کامیابی کا ضامن ہے۔ یہی اصول پیشوا اور پیروکاروں کے مابین بھی نیک نامی کا حامل ہے۔ اگر علماء ومشائخ اس اصول کے بغیر اپنی عظمت کا سکہ نہیں بیٹھا سکتے ہیں تو حاکم وقت بھی اس

زریں اصول کے بغیر ایک کامیاب حکومت قائم نہیں کر سکتے۔ بلکہ آج کے اس دور جدید میں جب کہ ہر چیز کا معیار ہی بدل چکا ہے۔ ہر انسان اپنے انداز میں زندگی گزارنا پسند کرتا ہے، بڑے بڑے سورماؤں اور مفکروں کے آب زر سے لکھے گئے بہت سے اصول فرسودہ ہو چکے ہیں، مگر دل جیتنے کی اہمیت آج تک بدستور قائم ودائم ہے۔ اور آج اس کی اہمیت مزید دو چند ہوگئی ہے۔

یہ زریں اصول اصل اسلام کے نظام معاشرت کا ایک بنیادی اصول ہے۔ اور اس اصول کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی وضاحت کے ساتھ حکیمانہ اسلوب میں پیش فرمایا ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر روایت کرتے ہیں:

"سمعت رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم يقول: الحلال بين، والحرام بين، وبينهما مشتبهات، لا يعلمها كثير من الناس، فمن اتقى المشتبهات، استبراء لدينه وعرضه، ومن وقع في الشبهات، وقع في الحرام، كالراعي يرعي حول الحمي، يوشك أن يرتع فيه. ألا وإن لكل ملك حمي، ألا وإن حمي اللّٰه محارمه، ألاوإن في الجسد مضغة إذا صلحت صلح الجسد كله، وإذا فسدت فسد الجسد كله. ألا وهي القلب" (صحيح مسلم)

"نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ حلال بھی واضح اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے مابین کچھ مشتبہات (یعنی شک میں ڈالنے والی چیزیں ہیں جن کو بہت سارے لوگ نہیں جانتے ہیں)۔ چنانچہ جو مشکوک چیزوں سے محفوظ رہا اس کا دین اور عزت بھی محفوظ ہے اور جو مشکوک اشیاء میں داخل ہو گیا تو سمجھو کہ وہ حرام میں مبتلا ہو گیا۔ جیسا کہ چرواہا کسی چراگاہ کے اردگرد مویشی چراتا ہے تو قریب ہے کہ اس کے جانور اس چراگاہ میں داخل ہو کر چرنا

شروع کر دیں۔ اور غور سے سنو! کہ ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ کی چراگاہ اس کے محارم ہیں۔ اور غور سے سنو! کہ جسم میں ایک ٹکڑا ہوتا ہے جب وہ ٹکڑا ٹھیک ٹھاک ہو تو پورا جسم درست رہتا ہے۔ اور جب وہ ٹکڑا بگڑ گیا ہو تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے۔ اور غور سے سنو کہ یہ ٹکڑا دل ہے"۔

اس حدیث پاک میں اگر آپ غور کریں گے تو صاف نظر آئے گا کہ اس حدیث کے آخری ٹکڑے پر پوری حدیث کا دارومدار ہے۔ اور یہ صحیح بھی ہے کہ دل ہر اچھائی اور برائی دونوں کا نکتۂ آغاز ہے۔ عموماً مذہب اسلام کے سارے کاموں میں نیکی وخلوص کا بڑا عمل دخل ہے۔ اس کے بغیر دین وایمان، نماز، روزہ، حج اور زکاۃ سب رائیگاں ہیں۔ اللہ کے نزدیک کسی کی کوئی قیمت نہیں۔ اس لیے دین کے ہر چھوٹے بڑے معاملہ میں نیت وخلوص پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ مشہور حدیث ہے:

"إنما الأعمال بالنيات"

'سارے اعمال کے ثواب کا دارومدار نیتوں پر ہے"۔

اور نیت کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔ لہٰذا مذہب اسلام کا اصل نشانہ بھی دل ہی ہے، جو مسلمان بھی دل سے پابند شریعت ہوتا ہے وہ کامیاب ہے۔ اور جو دل سے نہیں بلکہ بحالت مجبوری شریعت کا پابند نظر آتا ہے۔ اس کے پھسلنے کا ڈر بھی زیادہ ہے۔

حضرات! اکتساب قلب کا یہ فن بالخصوص ایک داعی اور مبلغ کے لیے سب سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔ اگر داعی اکتساب قلب یعنی دل جیتنے کے فن سے آشنا ہے تو اس کی دعوت میں بلا کی تاثیر ہوتی ہے، لوگ بہت جلد اس سے قریب ہونے لگتے ہیں، اس کی باتوں کو دھیان سے سنتے ہیں اور اس کو دل میں جگہ دینے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ دل جیتنے والا آدمی پہلے تن تنہا ہوتا ہے مگر رفتہ رفتہ اس کی پرکشش شخصیت اپنے اردگرد اپنے ہم خیالوں کی بھیڑ جمع کر لیتی ہے۔ اور ایسے ہی لوگ اس شعر کے مصداق نظر آتے ہیں:

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

یقیناً ایک داعی اگر اس فن سے نابلد ہے تو وہ اپنے مقصد میں کبھی بھی کامیاب نہیں ہوسکتا ہے۔ نہ سامعین اس کے پاس اکٹھے ہوسکتے ہیں نہ اس سے کسی کو قربت ہوسکتی ہے، اور جب کوئی اس کے قریب نہ پھٹکے تو پھر اس کی دعوت کا مخاطب کون ہوگا کس کے پاس وہ دین کی تبلیغ کرے گا۔ اس عظیم نفسیاتی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ''(آل عمران:159)

''اللہ تعالیٰ کی رحمت کے باعث آپ ان پر نرم دل ہیں اور اگر آپ بدزبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے''۔

حضرات! مذکورہ باتوں سے یہ واضح ہوگیا کہ دل جیتنے کی اہمیت کیا ہے اور اس کے کیا کیا فوائد ونتائج ہیں۔ اب آئیے، ذرا ان اسالیب وطریق کو بھی تلاش کریں جن سے دل جیتنے میں مدد مل سکتی ہے۔

قرآن وحدیث کی تفسیر وتشریح اور درس گاہ نبوت میں تربیت یافتہ صحابہ کے اسلوب ونمونے کی روشنی میں کچھ طریقے متعین کیے جاسکتے ہیں۔

ا۔ اخلاص وللہیت

آپ کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ جس کا دل جیت کر آپ اس کو قریب کرنا چاہتے ہیں اس کو قریب کرنے کے پیچھے کیا راز پوشیدہ ہے؟ آپ اس کو کیوں قریب کرنا چاہتے ہیں؟ اگر آپ کا دل صاف ہے اور آپ اس کے خیر خواہ ہیں اور کسی نیک مقصد کی خاطر اسے اپنے سے قریب کرنا چاہتے ہیں تو پھر حکمت ودانائی کے ساتھ اسے اس مقصد سے آگاہ

۲۔لوگوں سے میل جول:

امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"إعلم أن الأخلاط بالناس على الوجه الذي ذكرته هو المختار الذي كان عليه رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم، وسائر الأنبياء صلوات اللّٰه وسلامه عليهم، وكذلک الخلفاء الراشدون ومن ذهب أكثر التابعين، ومن بعدهم، وبه قال الشافعي واحمد وأكثر الفقهاء رضى اللّٰه عنهم أجعمين"

"لوگوں سے میل جول رکھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ طریقہ ہے۔اوراس کے ساتھ ساتھ دیگر تمام انبیاء ورسل، خلفائے راشدین، تابعین اور تمام علمائے مسلمین کا بھی یہی پسندیدہ طریقہ رہا ہے۔امام شافعی وامام احمد اور دوسرے فقہا کرام بھی اسی کے قائل ہیں"۔

آج مارکیٹ میں (الرجال حول الرسول)"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد مردوں کی جماعت"، اسی طرح (النساء حول الرسول)"نبی کے پاس عورتوں کی جماعت" وغیرہ ناموں سے کتابوں کی بھر مار ہے۔لوگوں کی کثرت آمد ورفت کو مدنظر رکھ کر یہ کتابیں لکھی گئی ہیں، جن میں صحابہ وصحابیات کے ناموں کے ساتھ ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی بات چیت اور گفتگو کا بھی تذکرہ موجود ہے۔اور وہاں رونما ہونے والے واقعات بھی درج کیے گئے ہیں۔الغرض ان کتابوں نے یہ واضح کیا ہے کہ آپ کا لوگوں سے کس قدر میل جول اور ربط وضبط تھا۔لہٰذا لوگوں سے ربط وضبط رکھنا بھی ایک نبوی طریقہ، بلکہ ایک پسندیدہ نبوی طریقہ ہے۔

۳۔تواضع اور نرم خوئی:

ارشاد باری ہے:

"وَاخۡفِضۡ جَنَاحَکَ لِمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ"(الشعراء:215)

کیجیے۔ اس کے برخلاف یا اگر آپ کے اندر اخلاص وللہیت کا فقدان ہے تو آپ کبھی بھی دل نہیں جیت سکتے ہیں۔ ممکن ہے وقتی طور پر آپ کے دیگر اچھے اخلاق وعادات کی وجہ سے متاثر ہو جائے مگر اس میں دوام کبھی نہیں ہو سکتا ہے لہٰذا اخلاص نہایت ہی ضروری ہے۔

ارشاد باری ہے:

"وَمَا أُمِرُوْآ إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ" البینۃ:5)

"انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی کے لیے دین کو خالص رکھیں"۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"قُلْ إِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ أَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ" (آل عمران:29)

"کہہ دیجیے! کہ خواہ تم اپنے سینوں کی باتیں چھپاؤ خواہ ظاہر کرو اللہ تعالیٰ (بہرحال) جانتا ہے"۔

اس سلسلہ میں ایک بہت ہی زیادہ مشہور حدیث ہے جس سے تقریباً سبھی لوگ واقف ہیں۔

"إنما الأعمال بالنيات وإنما لكل إمرئ مانوي، فمن كانت هجرته إلى الله ورسوله فهجرته إلى الله ورسوله ومن كانت هجرته لدنيا يصيبها أو إمرأة ينكحها، فهجرته إلى ما هاجر إليه" (متفق علیہ)

"عملوں کا دارومدار نیتوں ہی پر ہے۔ ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق بدلہ ملے گا۔ لہٰذا جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہوگی اس کی ہجرت انہی کی طرف سمجھی جائے گی۔ اور جس نے دنیا حاصل کرنے کے لیے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی غرض سے ہجرت کی تو اس کی ہجرت انہی مقاصد کے لیے ہوگی"۔

''اس کے ساتھ فروتنی سے پیش آ، جو بھی ایمان لانے والا ہو کر تیری تابعداری کرے''۔

ارشاد نبوی ہے:

''إن اللّٰه أوحی إلی أن تواضعوا حتی لایفخر أحد ولا یبغ أحد علیٰ أحد''(رواہ مسلم:2856عن أیاض بن حمار)

''حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ آپس میں تواضع اختیار کرو حتی کہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے اور نہ کوئی کسی پر زیادتی کرے''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کا بھی دل جیتے تھے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا گزر چند بچوں کے پاس سے ہوا تو انہوں نے ان کو سلام کیا اور فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کیا کرتے تھے۔(بخاری)

۴۔ گھر کا کام کرنا اور اہل خانہ کا دل جیتنا:

حضرت اسود بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کیا کام کرتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آپ اپنے گھر والوں کی خدمت میں لگے رہتے تھے۔ پھر نماز کا وقت ہوتا تو نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔(بخاری)

۵۔ حسن اخلاق:

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''وَإِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ''(القلم:4)

''اور بے شک آپ بہت بڑے (عمدہ) اخلاق پر ہیں''۔

''درحقیقت کسی کو متاثر کرنے کے لیے حسن اخلاق سب سے بڑا جادو ہے''۔

۶۔عفوودرگزر:

ارشادِ ربانی ہے:

”وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ“(آل عمران:134)

”غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں“۔

سچ مانیے، یقیناً جس کے ساتھ عفوودرگزر کا معاملہ کیا جاتا ہے وہ مرعوب ہو جاتا ہے۔

۷۔عدل وانصاف:

ارشادِ ربانی ہے:

”إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ“(النحل:90)

”اللہ تعالیٰ عدل کا، بھلائی کا اور قرابت داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی کے کاموں، ناشائستہ حرکتوں اور ظلم وزیادتی سے روکتا ہے، وہ خود تمہیں نصیحتیں کر رہا ہے کہ تم نصیحت حاصل کرو“۔

حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، تین قسم کے لوگ جنتی ہیں:

ایک وہ حکمراں، جو انصاف کرنے والا اور اعمال خیر کی توفیق سے بہرہ ور ہو۔

دوسرا وہ آدمی، جو ہر مسلمان اور رشتہ دار کے لیے مہربان اور نرم دل ہو۔

اور تیسرا مانگنے سے گریز کرنے والا وہ شخص جو مالدار نہ ہونے کے باوجود سوال سے بچنے والا ہو۔

۸۔وعدہ خلافی نہ کرنا:

” يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا أَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ“المائدۃ:1)

”اے ایمان والو! عہدوں کو پورا کرو۔

دوسرا خطبہ:

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم:

حضرات! خطبۂ اولیٰ میں لوگوں کا دل جیتنے کے موضوع پر بالتفصیل بات ہوئی۔ اور مناسب سمجھتا ہوں کہ مجملاً بھی بعض ضروری چیزوں کا ذکر آ جائے جو نہایت ہی اہم ہیں ان مجمل اشیا کو تین خانوں میں رکھا جا سکتا ہے۔

۱۔ حقوق اللہ کی ادائیگی:

توحید، نماز، روزہ، صاحب نصاب ہونے پر زکاۃ اور حج کی وقت پر ادائیگی اور بدعات و خرافات سے اجتناب۔

۲۔ حقوق العباد کی ادائیگی:

مثلاً، کسی کو نہ ستانا، غریب کو نہ دبانا، یتیموں کا مال نہ کھانا، بیوہ کی مدد کرنا، مساکین وفقراء کا تعاون کرنا، مریضوں کی عیادت کرنا، مسلمان بھائی کی دعوت قبول کرنا، صلہ رحمی کو فروغ دینا، سب سے اچھا سلوک کرنا، بڑوں کا ادب کرنا، چھوٹوں پر شفقت کرنا، گمراہ کو راہ دکھانا، غم زدہ کا غم بانٹنا، سلام کو رائج کرنا، بھلائی کا حکم دینا، برائی سے روکنا وغیرہ وغیرہ۔

۳۔ اپنی شخصیت کو برقرار رکھنا:

یہ سب سے زیادہ اہم ہے۔ یعنی آپ کے قول و فعل میں فرق نہ ہو۔ مروت کا پاس ولحاظ ہو۔ حق گوئی اور سچائی آپ کا اصول ہو۔ شبہ والی چیزوں سے اجتناب ہو۔ وضع قطع مناسب ہو۔ گنجائش سے زیادہ پاؤں نہ پھیلایا جائے۔ طاقت سے زیادہ بوجھ نہ اٹھایا جائے۔ ڈکٹیٹر شپ کا مزاج نہ ہو۔ مخدوم بننے کے بجائے خادم بن کر رہنے کا جذبہ ہو۔ لین دین بالکل پاک صاف ہو۔ زبان وادب میں شائستگی ہو۔ گویا خود کو آپ ہر طرح سے ایک خیرخواہ اور مہذب انسان کی شکل میں پیش کریں تو یقیناً لوگوں کے دلوں کو فتح کرلیں گے۔

حکیمانہ اسلوب:

دلوں پر فتح حاصل کرنے کے لیے چوتھی اور آخری چیز جو سب سے زیادہ اہم ہے وہ آپ کا حکیمانہ اسلوب ہے۔ یعنی موقع و محل کی مناسبت سے سوال کا جواب دینا۔ بسا اوقات صحیح جواب بھی موقع و محل کے عدم مناسبت کی وجہ سے غیر مفید بن جاتا ہے۔ اس لیے آپ دیکھیں گے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اس طرح بہت سے واقعات ہیں جن میں آپ نے حکیمانہ اسلوب اختیار کیا ہے۔

ایک صحابی رسول نے دربار رسالت میں آکر شکایت کی کہ میں اور میری بیوی دونوں گورے ہیں۔ لہٰذا ان سے بچہ کالا کیسے پیدا ہو گیا؟ اس کو اپنی بیوی پر شک ہونے لگا۔

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکیمانہ اسلوب میں اونٹ کی مثال دی کہ تمہارے پاس اونٹ ہے۔ تو اس نے جواب دیا کہ ہاں، آپ نے فرمایا: فلاں رنگ کا ہے؟ تو کہا: نہیں، پھر پوچھا: فلاں رنگ کا ہے؟ تو اس نے کہا: ہاں، تو آپ نے فرمایا: یہ کہاں سے آ گیا؟ تو اس نے جواب دیا کہ رگ کھینچ کر لائی ہوگی۔ تو آپ نے جواب دیا کہ تمہارے اس بچہ کے رنگ کو بھی کوئی رگ کھینچ کر لائی ہوگی۔ چنانچہ وہ صحابی مطمئن ہو گئے۔ اسی کو اسلوب حکیم کہا جاتا ہے۔

ارشاد باری ہے:

”وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ“ (النحل:125)

”ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجیے۔

حکیمانہ اسلوب اپنانا ہی جدل و مناظرہ میں آپ کی ظفر مندی کی علامت ہے۔

اللہ ہم سبھوں کو دلوں کو جوڑنے کی توفیق عطا فرمائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

ذی الحجہ

پہلا خطبہ:

"إنَّ الحمد للّٰه ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادى له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله" أما بعد!

اللہ رب العالمین نے ہم سب کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا، اور اس کے لیے کچھ ایسے مواسم طاعات کا انتخاب فرمایا جن میں عبادت بقیہ ایام کی بہ نسبت کہیں زیادہ افضل ہوتی ہے۔ چنانچہ مہینوں میں رمضان المبارک کو چنا، اور ان میں آخری دس راتوں کو اور ان میں لیلۃ القدر کو بقیہ سال بھر کی راتوں پر فوقیت دیتے ہوئے اس کا انتخاب فرمایا۔ جب کہ دنوں میں ذی الحجہ کے دس دنوں کو سال بھر کے تمام دنوں پر ممتاز قرار دیا، اور ان میں عرفہ، اور یوم النحر کو بقیہ ایام سے چنا۔ ایسے ہی جیسے انبیاء و مرسلین کو تمام مخلوقات سے چنا، اور ان میں پانچ اولوالعزم رسولوں کو منتخب فرمایا۔ فرشتوں میں جبریل و میکائیل وغیرہ کو بقیہ لاتعداد فرشتوں سے ممتاز قرار دیا۔ اسی طرح وسیع وعریض دنیا کی آبادی میں مکہ مکرمہ کو پسند فرمایا۔ یہ سب اس لیے ہے کہ تاکہ یہ امت کم سے کم وقت میں زیادہ نیکیاں حاصل کر سکے، گناہوں سے دور ہو کر رب العالمین کا تقرب حاصل کر سکے۔ متنوع طاعات وعبادات سے اپنے قیمتی اوقات کو مشغول کر کے جنت کی طرف بڑھ سکے۔ جس میں نیک بندوں کے لیے طرح

طرح کی نعمتیں تیار رکھی گئی ہیں۔

قارئین کرام! مومن کی زندگی بڑی سعادت منداور بابرکت ہوتی ہے۔ ہر حال میں اس کا معاملہ خیر خواہی کا ہوتا ہے۔ اگر خوشی ومسرت کے لمحات سے گزرتا ہے تو جسم کے اَنگ اَنگ سے شکر وسپاس کے ترانے بلند ہوتے ہیں۔ تعریف مولائے کریم میں رطب اللسان رہتا ہے۔ نعمتوں کی قدر کرتے ہوئے الہٰ العالمین کی رضا مندی کا طالب ہوتا ہے۔ اس کا ہر ہر عمل قابل تقلید ومثال ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر وہ دست برد زمانہ کا شکار ہوتا ہے اور مصائب وآلام کے گھیرے میں آتا ہے تو ناراضگی اور ہیجان کے بجائے صبر وتحمل کا پہاڑ بن جاتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر رضا وتسلیم کا اعلیٰ نمونہ بننے کی سعی وپیہم کرتا ہے۔ بایں طور مومن اپنے تمام گوشہائے زندگی کو ثمر آور بناتا ہے اور خاص خاص مواقع پر ٹوٹ کر اپنے پیارے رب سے لو لگاتا، اپنی دکھڑا سناتا اور جی جان سے اس کے سامنے بچھ کر اپنی مرادیں طلب کرتا ہے۔

قارئین ذی احترام! انہیں مبارک موسموں میں ایک عظیم ترین موسم عشرہ ذی الحجہ کے ایام ہیں۔ جن کا رب العالمین کے نزدیک نہایت ہی اونچا مقام ومرتبہ ہے۔ ان کے عظیم المرتبت ہونے کی وجہ سے ایک جگہ رب العالمین نے ان دس ایام کی قسم بھی کھائی ہے۔ فرمان تعالیٰ ہے:

" وَالْفَجْرِ، وَلَيَالٍ عَشْرٍ "(الفجر:2-1)

جمہور مفسرین کے نزدیک فجر سے مراد یوم عرفہ کی نماز فجر ہے۔ اور دس راتوں سے ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن ہیں۔

رب العالمین کا ان ایام کی قسم کھانا درحقیقت ان کی بلندیِ عظمت کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ وہ عظیم چیز ہی کی قسم کھاتا ہے۔ جیسے عظیم ترین مخلوقات میں آسمان، زمین، سورج، چاند، ستارے، ہوائیں۔ نیز عظیم اوقات میں فجر، عصر، چاشت، رات، دن۔ نیز عظیم ترین

جگہوں میں، مکہ مکرمہ کی قسم کھا کر ان کی عظمت اور بلندیٔ مرتبہ پر مہر تصدیق ثبت کردی ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ان عظمت والے ایام میں کثرت سے نیک اعمال انجام دیں۔ برائیوں سے بچیں اور کمال محنت اور تمام انکساری وسرافگندگی کے ساتھ رب کی اطاعت وبندگی بجالائیں۔ اور میدان عمل میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی پوری جدوجہد کریں تاکہ دونوں جہان میں کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہوئے اس کے عظیم عفو وکرم، رحم ومغفرت کے حقدار بن سکیں اور زبان حال سے گنگناتے ہوئے اقرار کریں:

"یارب إن عظمت ذنوبي كثرة، فلقد علمت أن عفوک أعظم، إن كان لا يرجوک إلا حسن فمن الذي يدعو ويرجو المجرم"

"اے میرے رب! اگر میرے گناہ بہت زیادہ ہیں تو تیرا عفو ودرگزر اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ البتہ اگر تیرے کرم کی امید کے طالب صرف نیک ہی لوگ قرار پائیں تو مجرم گناہ گار کس سے اپنی امیدیں وابستہ کریں اور کس کے در پر ندامت کے سر جھکائیں؟"

عشرۂ ذی الحجہ کے فضائل:

دنیا کے تمام دنوں میں دس دن سب سے افضل ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ماالعمل في أيام أفضل منها في هذه، قالوا: ولا الجهاد؟ قال: ولا الجهاد إلا رجل خرج يخاطر بنفسه وماله فلم يرجع بشيء "(رواه البخاري: 969، هكذا في أكثر النسخ المعتمدة، وقدروى بلفظ: "ماالعمل في ايام العشر أفضل من العمل في هذه، عند أحد رواة البخاري، لكنه مرجوح كما ذكر ذلک ابن رجب في شرحه: 114/6، والحافظ ابن حجر: 532/2"

''ذی الحجہ کے ابتدائی دس دنوں میں انجام دیے گئے اعمال سال بھر کے تمام دنوں میں انجام دیے جانے والے اعمال کی بہ نسبت زیادہ فضیلت والے ہیں۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: جہاد بھی اس سے افضل نہیں؟ فرمایا: جہاد بھی نہیں، ہاں البتہ اگر کوئی شخص جان ومال سے نکلے، پھر کسی چیز کے ساتھ واپس نہ آئے، یعنی شہید ہو جائے۔

اسی حدیث کے بعض الفاظ کچھ مزید وضاحت کے ساتھ مروی ہیں، چنانچہ امام احمد نے اپنی مسند:1968، اور امام ابوداؤد نے اپنی سنن:2438 میں یہ الفاظ درج فرمائے ہیں:

''مامن أيام العمل الصالح فيها أحب إلى الله عزوجل من هذه الأيام، يعني أيام العشر. قالوا ولا الجهاد في سبيل الله؟ قال: ولاالجهاد في سبيل الله، إلا رجل خرج بنفسه وماله ثم لم يرجع من ذلك بشيء''

''نیک اعمال ان دس دنوں کی بہ نسبت کسی بھی دن میں اللہ رب العالمین کے نزدیک محبوب نہیں ہیں، صحابہ نے عرض کیا: جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا: جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں، مگر کوئی شخص اپنی جان ومال کے ساتھ جہاد کے لیے نکلے، پھر کسی چیز کے ساتھ واپس نہ آئے یعنی شہید ہو جائے''۔

اس روایت کی مزید تاکید جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے جو مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

''أفضل أيام الدنيا أيام العشر ''(رواه البزار وصححه الألباني كما في صحيح الجامع الصغير:1133)

''ذی الحجہ کے یہ دس دن دنیا کے دنوں میں سب سے افضل ہیں''۔

حافظ ابن رجب اس حدیث کی شرح میں رقم طراز ہیں: یہ حدیث نص ہے کہ مفضول کام بھی فضیلت والے اوقات میں افضل ہو جاتا ہے جیسا کہ ذی الحجہ کے ان ابتدائی

دس دنوں میں انجام دیے گئے اعمال تمام افضل اعمال پر فائق ہوں گے، سوائے اس مجاہد کے جو راہ حق میں شہادت کے منصب پر فائز المرام ہو چکا ہے۔ دیکھیے: (فتح الباری: 115/6)

درحقیقت یہ عظیم فضیلت ان اعمال جلیلہ کی وجہ سے ہے جو ان ایام میں انجام پاتے ہیں۔ جن میں سرفہرست حج جیسی عبادت ہے۔ جس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"من حج هذا االبيت فلم يرفث ولم يفسق رجع كيوم ولدته أمه" (بخاری: 1820، ومسلم: 1350)

"جس شخص نے بیہودہ گوئی اور ہر طرح کے گناہ سے بچ کر حج کیا وہ حج کے بعد اس طرح لوٹتا ہے جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو"۔

گناہوں سے بچ کر سنت نبوی کے مطابق کیا گیا حج ہی حج مبرور ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ کی حدیث میں ہے:

"والحج المبرور ليس له جزآء إلا الجنة" (بخاری: 1773، ومسلم: 1349)

"حج مبرور کا بدلہ جنت ہے"۔

نیز حج گناہوں کے مٹانے کا سبب ہے جیسا کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث میں ہے:

"أما علمت أن الإسلام يهدم ما كان قبله، وإن الجهرة تهدم ما كان قبلها وإن الحج يهدم ما كان قبله" (مسلم: 121)

"کیا تم نہیں جانتے کہ اسلام پہلے کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے ہجرت پچھلے گناہوں کو ختم کر دیتی ہے اور حج سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے"۔

عشرہ ذی الحجہ کو یہ مقام اس وجہ سے بھی ہے کہ انہیں ایام میں ایک عظیم ترین دن ہے جس میں رب العالمین اپنے بندوں سے قریب ہو کر ان کو جہنم سے آزاد کر دیتا ہے، جسے ہم یوم عرفہ کہتے ہیں۔ اس عظیم دن کی فضیلت بیان کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"مامن یوم أکثر من أن یعتق اللّٰه فیه عبدا من النار من یوم عرفه، وإنه لیدنو ثم یباهي بهم الملائکة، فیقول ما أراد هؤلاء؟"

"کسی دن رب العالمین اپنے بندوں کو اس قدر جہنم سے آزاد نہیں کرتا جس قدر یوم عرفہ کو کرتا ہے۔ اس دن بندوں سے قریب ہو کر فرشتوں کے سامنے فخر کرتا ہے اور فرماتا ہے: میرے یہ بندے کیا چاہتے ہیں؟"

یہی دن درحقیقت حج کا اصل دن ہے جس میں سب سے بڑے رکن وقوف عرفات کی ادائیگی ہوتی ہے۔ اس کے مقام و مرتبہ کی وضاحت کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"الحج عرفة" (889، نسائی: 3044، وصحہ الألباني)

"حج عرفہ کا نام ہے"۔

انہیں فاضل ایام میں یوم نحر بھی ہے جس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"أعظم الأیام عند اللّٰه یوم النحر، ویوم القر" (ابوداؤد: 1767، وصحہ الألباني)

"اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عظمت والا دن یوم نحرم (یعنی دس ذی الحجہ) ہے۔ پھر اس کے بعد یوم قر (یعنی منی میں ٹھہرنے کا دن) ہے"۔

بالاختصار یہ دس دن نہایت ہی مبارک ایام ہیں جن میں رب العالمین نے جملہ

عبادات قلبیہ وبدنیہ اکٹھا کر دیا ہے۔ جنہیں انجام دے کر بندہ اپنے رب کا قرب حاصل کرتے ہوئے وسیع جنتوں کا مستحق قرار پا سکتا ہے۔ اللہ رب العالمین ہم سب کو اس کا اہل بنائے، آمین۔

ذی الحجہ کے ابتدائی دس دنوں میں کرنے کے کام:

قارئین کرام! ان فاضل ایام میں بہت سے اعمال مشروع ہیں، جن میں پنج وقتہ صلوات، زکوۃ وصدقات کے علاوہ یوم عرفہ کا روزہ رکھنا غیر حجاج کے لیے مسنون ہے۔ بلکہ اس ایک دن کا روزہ دو سال کے گناہوں کے کفارہ کا موجب ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

”صيام يوم عرفة احتسب على اللّٰه أن يكفر السنة التي قبله والسنة التي بعده“ (مسلم:1162)

”عرفہ کے دن کا روزہ سابقہ اور لاحقہ سال کے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے“۔

یہی وہ مبارک ایام ہیں جن میں حجاج بیت اللہ کے شرف سے سرفراز ہوتے ہیں۔ اور آٹھ ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھ کر مناسک حج کا آغاز کرتے ہوئے وقوف عرفہ ومزدلفہ کرتے ہیں، طواف وسعی اور منیٰ میں کنکریاں مارتے ہوئے اپنے حج کو مکمل کرتے ہیں۔ اور رب کریم کے عطائے جزیل سے اپنی جھولیوں کو بھرتے ہیں۔

ان فاضل ایام میں کثرت سے رب العالمین کا ذکر کرنا محبوب ترین اعمال میں سے ہے۔ رب کریم کا ارشاد ہے:

”لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْ أَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ“ (الحج:28)

”اپنے فائدے حاصل کرنے کو آجائیں اور ان مقررہ دنوں میں اللہ کا نام یاد کریں ان چوپایوں پر جو پالتو ہیں۔ پس تم آپ بھی کھاؤ اور بھوکے فقیروں کو بھی کھلاؤ“۔

بھیمة الانعام (پالتو چوپایوں) سے مراد: اونٹ، گائے، بکری، بھیڑ اور دنبہ وغیرہ ہیں۔

أیام معلومات سے مراد: دو مشہور اقوال کی روشنی میں یا تو ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن ہیں یا یوم النحر اور اس کے بعد کے بقیہ ایام تشریق ہیں جن میں جانوروں کی قربانی کی جاتی ہے۔

اسی طرح دنیوی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں جن کا تعلق تجارت و کاروبار اور حصول معاش کے متعدد وسائل سے ہے۔ (عام کتب تفاسیر) دوران حج ذکر کا حکم دیتے ہوئے باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"فَإِذَا أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِندَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِن كُنتُم مِّن قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ" (البقرة:198)

"جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعر حرام کے پاس ذکر الٰہی کرو اور اس کا ذکر کرو جیسے کہ اس نے تمہیں ہدایت دی، حالانکہ تم اس سے پہلے راہ بھولے ہوئے تھے"۔

اعمال حج کی تکمیل کے بعد ذکر کا حکم دیتے ہوئے رب العالمین نے فرمایا:

"فَإِذَا قَضَيْتُم مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا" (البقرة:200)

"پھر جب تم ارکان حج ادا کر چکو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جس طرح تم اپنے باپ دادوں کا ذکر کیا کرتے تھے، بلکہ اس سے بھی زیادہ"۔

ان مبارک ایام میں ذکر و اذکار کی اہمیت بیان کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ما من أيام أعظم عند الله ولا أحب إليه العمل فيهن من هذه الأيام العشر فأكثروا فيهن من

التهليل والتكبير والتحميد"(رواه احمد:75/2، 131)

"حضرت عمر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: سال کے تمام ایام میں کوئی دن ایسا نہیں جس میں عمل صالح اللہ کے نزدیک ان دس دنوں کے عمل سے زیادہ عظیم اور محبوب ہو۔اس لیے ان دنوں میں کثرت سے "لا إلـه إلا اللّٰـه" "اللّٰه أكبر" اور "الحمد لله" کہنا چاہیے۔

مگر یہ روایت کافی شہرت کے باوجود ضعیف ہے۔اس کی سند میں ابوزیاد الہاشمی نامی ایک راوی ہے جو ضعیف ہے ساتھ ہی اس روایت میں اس سے اضطراب واقع ہوا ہے۔ بایں طور کبھی اس نے مجاہد عن ابن عمر اور کبھی مجاہد عن ابن عباس روایت کیا ہے۔تفصیل کے لیے دیکھیے:(تمام المنہ للألبانی:353)

مگر ان ایام میں کثرت سے اذکار بالخصوص یوم عرفہ کو مسنون ہے۔جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"خير الدعاء دعاء يوم عرفة، وخير ماقلت أنا والنبيون من قبلي: لا إلـه إلا اللّٰـه وحده لاشريک له له الملک وله الحمد وهو على كل شئ قدير"(رواه الترمذى:3585، وحسنه الألبانى فى صحيحه:1503)

"یوم عرفہ کی دعا سب سے بہتر دعا ہے۔اور سب سے افضل دعا میں نے اور مجھ سے پہلے انبیاء نے جو کہی وہ ہے:

"لا إلـه إلا اللّٰـه، وحده لاشريک له، له الملک، وله الحمد، وهو على كل شئ قدير"

"معبود برحق اللہ وحدہ لاشریک کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں۔ہر طرح کی بادشاہت اور تعریف اسی کے لیے ہے۔وہ ہر چیز پر قادر ہے"۔

یہ اذکار مردوں عورتوں دونوں اصناف کے لیے مسنون ہے۔ام عطیہ رضی اللہ عنہا

سے روایت ہے فرماتی ہیں:

"كنا نؤمر أن نخرج يوم العيد حتى يخرج البكر من خدرها، حتى يخرج الحيض فيكن خلف الناس فيكبرن بتكبيرهم ويدعون بدعاء هم، يرجون بركة ذلك اليوم وطهرته" (البخاری: 971)

"ہم عورتوں کو عید کے دن عیدگاہ کی طرف جانے کا حکم دیا جاتا۔ یہاں تک پردہ نشین کنواری اور حائضہ عورتوں کو بھی نکلنے کا حکم دیا جاتا۔ تاکہ وہ لوگوں کے پیچھے رہ کر ان کی تکبیر کی طرح تکبیر کہیں اور عمومی دعاؤں میں شریک رہیں۔ اس امید میں کہ انہیں بھی اس دن کی برکت اور پاکی نصیب ہو۔

گھر، دوکان، بازار وغیرہ تمام جگہوں کو ذکر الٰہی سے آباد کرنا چاہیے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما ذی الحجہ کے ابتدائی دس دنوں میں بازار کی طرف نکل جاتے اور بلند آواز سے تکبیر کہتے، ان کی تکبیر سن کر لوگ بھی تکبیر کہتے۔

بلکہ حضرت عمر اپنے خیمہ میں بلند آواز سے تکبیر کہتے، ان کی تکبیر سن کر مسجد اور بازار کے لوگ تکبیر سے آواز بلند کرتے یہاں تک کہ منیٰ تکبیر سے گونج جاتی۔

ابن عمر ایام تشریق میں بمقام منیٰ فرض نمازوں کے بعد اپنے بستر، خیمہ، بیٹھک وغیرہ تمام جگہوں میں چلتے پھرتے ان ایام میں تکبیر کہتے رہتے۔

ان مبارک ایام میں تکبیر کا یہ اہتمام خاص طور سے اس لیے بھی تھا کیوں کہ ذکر الٰہی ہی سے دلوں کو سکون و اطمینان ملتا، اور فرحت و انبساط میسر ہوتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ" (الرعد:28)

"یاد رکھو کہ اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو تسلی حاصل ہوتی ہے"۔

درحقیقت انسان اسی کو زیادہ یاد کرتا ہے جس سے اسے دلی انسیت اور الفت ہوتی

ہے۔ چنانچہ اگر وہ اپنے رب کی یاد کو اپنی تسلی اور خوشی کا ذریعہ بناتا ہے تو رب العالمین کا معاملہ اس کے ساتھ اسی قدر پیارا ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ رب العالمین کہتا ہے"۔

"میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں۔ سو اگر وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر وہ مجھے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو دل میں یاد کرتا ہوں۔ اور اگر وہ چند افراد پر مشتمل جماعت میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کی جماعت سے بہتر جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔ اگر وہ ایک بالشت مجھ سے قریب ہوتا ہے تو میں اس سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں۔ اگر وہ ایک ہاتھ مجھ سے قریب ہوتا ہے تو میں اس سے پورے پہنچے بھر (یعنی دو ہاتھ کے مساوی) قریب ہوتا ہوں۔ اور اگر وہ چل کر میری طرف آتا ہے تو میں دوڑ کر اس کی طرف آتا ہوں"۔

اپنے رب کو یاد کرنے کا معاملہ اگر اس کیفیت، الفاظ اور کلمات کے ساتھ جاری رہا جو خود مولائے کریم کا دیا ہوا ہے تو رب العالمین بیش بہا ثواب سے نوازتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **الطهارة نصف الإيمان** پاکی آدھا ایمان ہے۔ **الحمد الله** میزان کو بھر دیتا ہے۔ اور **سبحان الله ، الحمد لله** آسمان و زمین کے درمیانی خلاء کو بھر دیتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو کلمے رب العالمین کو بہت پیارے، زبان پر بہت ہلکے، میزان میں بہت بھاری ہیں۔ وہ دونوں کلمے ہیں: (**سبحان الله وبحمده ، وسبحان الله العظيم**)

حضرت سمرہ بن جندب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو یہ چار کلمات بہت پیارے ہیں: "**سبحان لله، والحمد لله ولا إله إلا الله ، والله أكبر**" ان کلمات میں جس سے بھی ابتدا کریں کوئی حرج نہیں۔

ذکر کے یہ کلمات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پیارے تھے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر میں زبان سے "سبحان اللّٰہ، والحمد للّٰہ، ولاإلہ إلا اللّٰہ، واللّٰہ أکبر" کہوں تو میرے لیے ہر اس چیز سے بہتر ہے جس پر سورج طلوع ہو۔ یعنی دنیا و مافیھا سے بھی بہتر۔

ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنی زبان سے دس بار یہ دعا پڑھے:

"لا إلہ إلا اللّٰہ، وحدہ لا،شریک لہ، لہ الملک، ولہ الحمد وھو علی کل شيء قدیر "

تو وہ ایسے ہی ہے جیسے کہ اس نے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے چار جانوں کو خرید کر آزاد کر دیا ہے۔

ان اذکار پر یہ اجر عظیم عام ایام میں ہے۔ لیکن اگر زبان و مکان کے تقدس کا حسین امتزاج بھی انسان کے ساتھ شامل حال ہو، اور ذی الحجہ کے ابتدائی مبارک دنوں کو ان اذکار سے معمور کیا جائے تو بات کچھ اور ہی ہوگی۔ اور رب کے فضل و احسان، اجر و ثواب کی اور ہی شان ہوگی۔

دوسرا خطبہ:

قال اللہ تعالیٰ:

"لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ " (الحج:37)

"اللہ تعالیٰ کو قربانیوں کے گوشت نہیں پہنچتے نہ اس کے خون بلکہ اسے تو تمہارے دل کی پرہیزگاری پہنچتی ہے"۔

اللہ رب العالمین کو قربانی کا گوشت اور خون نہیں بلکہ صرف تقویٰ پہنچتا ہے۔

ذی الحجہ کے ابتدائی دس دنوں میں جو اعمال مشروع ہیں ان میں ایک قربانی بھی ہے۔

قربانی درحقیقت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی یادگار ہے جو انہوں نے رب العالمین کی اطاعت وفرمانبرداری کی اعلیٰ مثال رقم کرتے ہوئے اپنے بعد آنے والوں کے لیے چھوڑی ہے۔ جس کا تذکرہ کرتے ہوئے رب العالمین نے ایک جگہ فرمایا:

''وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ، رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ، فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ، فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَىٰ، قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ، فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ، وَنَادَيْنَاهُ أَن يَا إِبْرَاهِيمُ، قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ، إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ، وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ'' الصافات:107-99)

''اور اس (ابراہیم علیہ السلام) نے کہا میں تو ہجرت کر کے اپنے پروردگار کی طرف جانے والا ہوں۔ وہ ضرور میری رہنمائی کرے گا۔ اے میرے رب! مجھے نیک بخت اولاد عطا فرما۔ پھر جب وہ (بچہ) اتنی عمر کو پہنچا کہ اس کے ساتھ چلے پھرے، تو اس (ابراہیم علیہ والسلام) نے کہا میرے پیارے بچے! میں خواب میں اپنے آپ کو تجھے ذبح کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ اب تو بتا کہ تیری کیا رائے ہے؟ بیٹے نے جواب دیا کہ ابا! جو حکم ہوا ہے اسے بجالایئے ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ غرض جب دونوں مطیع ہو گئے اور اس نے (باپ نے) اس کو (بیٹے کو) پیشانی کے بل گرادیا۔ تو ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم! یقیناً تو نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا، بے شک ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں۔ درحقیقت یہ کھلا امتحان تھا، اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیہ میں دے دیا''۔

ابراہیم علیہ السلام کی بہت سی عظیم قربانیوں میں یہ قربانی منفرد حیثیت کی حامل تھی۔ اس لیے رب العالمین نے اس کو نہ صرف شرف سے نوازا بلکہ قیامت تک کے لیے سنت قائمہ کے طور پر باقی رکھا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تاکید کرتے ہوئے اپنے امتیوں کو اس کی طرف ابھارا اور خود زندگی بھر اس پر عمل فرماتے رہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو دنبہ کی قربانی کرتے تھے، اور میں بھی دو دنبہ کی قربانی کرتا ہوں۔ (بخاری:5553)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ دو خوبصورت دنبوں کی قربانی فرماتے بایں طور کہ آپ کا قدم جانور کے پہلو پر ہوتا اور زبان سے (بسم اللّٰه اللّٰه أكبر) کہتے ہوئے اپنے ہاتھ سے ذبح فرماتے۔ (بخاری:5558)

اس حدیث سے قربانی کی سنیت معلوم ہوتی ہے اور یہ کہ اسے عید کی نماز کے بعد کرنی چاہیے۔

حضرت جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قربانی کا جانور نماز عید سے پہلے ذبح کردے تو وہ نماز کے بعد دوسرا جانور ذبح کرے اور جس نے ذبح نہیں کیا تھا وہ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے۔

جو شخص قربانی کا ارادہ رکھتا ہو اسے ذی الحجہ کا چاند دیکھتے ہی اپنے بال اور ناخن کو نہیں کٹوانا چاہیے۔ جیسا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے: جب تم ذی الحجہ کا چاند دیکھ لو اور قربانی کا ارادہ ہو تو اپنے بال اور ناخن کو نہ نکالو۔

قارئین کرام! اس عظیم سنت کا ہمیں خوب خوب اہتمام کرتے ہوئے اپنے جانوروں کو موٹا اور فربہ کرنا چاہیے۔ نیز ہر طرح کے ظاہری واضح عیوب سے پاک رکھنا چاہیے۔ اسی طرح ان دروس واسباق کی طرف بھرپور توجہ دینی چاہیے جو ہمیں اس عظیم شعار کی ادائیگی سے ملتے ہیں۔ اور رب کی رضا وخوشنودی کی حصول کے لیے جان و دل، دھن

دولت، نیز مملکت حیات کو بے دریغ قربان کر دینے کا جذبہ بیدار رکھنا چاہیے۔ جانور کی قربانی درحقیقت ہمیں اپنے پیچھے باعزت زندگی گزارنے کا گر سکھاتی ہے، ایثار وقناعت کا جذبہ پیدا کرتی ہے حرص وطمع جیسی مذموم طبائع کو کچل دینے، للچاتی ہوئی نگاہ کو مایوسی سے بدلنے کا عظیم سبق دیتی ہے۔

قارئین کرام! یہ ہیں ذی الحجہ کے مبارک دس ایام اوران میں کیے جانے کے کام۔ اللہ رب العالمین سے دعا ہے کہ ہمیں اس طرح کے مبارک لمحات وایام بار بار نصیب کرے اوران میں زیادہ سے زیادہ عمل صالح کی توفیق ارزانی بخشے۔ آمین۔

اللہ اوراس کے رسول سے محبت اورانہیں ان کے ماسواپر فوقیت دینا

پہلا خطبہ:

"إنَّ الحمد للّٰه ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادی له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله" أما بعد!

أما بعد فإن أصدق الحديث كتاب اللّٰه، وأحسن الهدي هدي محمد، وشر الأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالةو كل ضلالة في النار.

برادران اسلام! آج ہماری گفتگوایک اہم موضوع سے متعلق ہے، جس کی ہم میں سے ہر ایک فرد کوضرورت ہے، بلکہ اسے بروئے کار لانا ایمان کا لازمی جزء ہے، جو اسے بروئے کار نہ لائے اس کا ایمان ہی نہیں۔ وہ موضوع: ہے اللہ اوراس کے رسول کی محبت اور ان دونوں کوان کے ماسوا پر فوقیت دینا۔ اللہ اوراس کے رسول کی محبت ایمان کے لوازم میں سے ہے، کوئی آدمی مومن اسی وقت ہوسکتا ہے جب وہ اپنے ماں باپ، آل واولاد اور تمام ہی لوگوں پر اللہ اوراس کے رسول کو مقدم رکھے۔

ارشاد باری ہے:

''قُلْ إِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ''(التوبۃ:24)

''آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے لڑکے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبے قبیلے اور تمہارے کمائے ہوئے مال اور وہ تجارت جس کی کمی سے تم ڈرتے ہو اور وہ حویلیاں جنہیں تم پسند کرتے ہو اگر تمہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد سے بھی زیادہ عزیز ہیں، تو تم انتظار کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنا عذاب لے آئے۔ اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا''۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں: اللہ کی محبت کے لزوم و وجوب اور فرضیت و استحقاق پر دلیل و حجت اور تنبیہ و خبرداری کے لیے یہ آیت کافی ہے کیوں کہ اللہ اور اس کے رسول سے زیادہ اپنے مال اور اہل و عیال کو محبوب رکھنے والے انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں دھمکی دی ہے:

''فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهٖ ''(التوبۃ:24)

''انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ لا دے''۔

پھر آخر آیت میں اللہ نے ایسے لوگوں کو فاسق بھی بتایا ہے اور واضح کیا ہے کہ وہ گمراہوں اور اللہ کی ہدایت سے محروم لوگوں میں سے ہیں۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

''قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ''(آل عمران:31)

”کہہ دیجیے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، خود اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمادے گا“۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

” لایؤمن أحدکم حتی أکون أحب إلیه من والده وولده والناس أجمعین “(متفق علیہ)

”تم میں کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں“۔

ایک دوسری حدیث میں جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: تین چیزیں جس کے اندر ہوں گی وہ ایمان کا مزہ پائے گا:

۱۔ اللہ اور اس کے رسول، اس کے نزدیک تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہوں۔

۲۔ آدمی صرف اللہ کے لیے کسی سے محبت کرے اور اللہ ہی کے لیے کسی سے نفرت کرے۔

۳۔ کفر میں دوبارہ جانے کو وہ اتنا ہی ناپسند کرے، جتنا کہ وہ جہنم میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔(متفق علیہ)

اللہ اور اس کے رسول سے محبت کی کچھ علامتیں ہیں، جن کو علماء نے ذکر کیا اور تفصیل سے ان کو بیان کیا ہے، جو کتاب وسنت سے ماخوذ ہیں جیسے رسول کی اقتداء، آپ کی سنت کی پیروی اور آپ پر درود وسلام بھیجنا وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ“(آل عمران:31)

''کہہ دیجیے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے''۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں: جان لو کہ جو شخص کسی چیز سے محبت کرے گا اسے دوسروں پر ترجیح دے گا اور اس کی موافقت کو بھی ترجیح دے گا، ورنہ وہ اپنی محبت میں سچا نہیں ہو سکتا، صرف زبانی دعویدار ہو گا۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا سچا علمبردار وہ ہو گا جس کے اندر اس کی محبت کی علامات ظاہر ہوں جیسے آپ کی اقتداء اور آپ کی سنت کا التزام، آپ کے اقوال وافعال کی اتباع، آپ کے احکام کی تعمیل، منہیات سے اجتناب، تنگی وخوشحالی اور خوشی وغمی ہر حال میں آپ کے آداب واصول کی پاسداری، اس کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

''قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ''(آل عمران:31)

اسی طرح اللہ سے محبت کی علامت یہ ہے کہ اللہ نے جو مشروع قرار دیا اس کو آدمی اپنی خواہش نفس اور شہوات نفس پر ترجیح دے''۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُوا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ''(الحشر:9)

''اور (ان کے لیے) جنہوں نے اس گھر (یعنی مدینہ) میں اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنالی ہے اور اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ دے دیا جائے اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہیں رکھتے بلکہ خود اپنے اوپر

انہیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو"۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت حاصل کرنے کے اسباب و ذرائع میں سے اللہ تعالیٰ پر ایمان، نیک عمل، صبر، احسان و پاکبازی اور توبہ وغیرہ چیزیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصَّابِرِيْنَ" (آل عمران:146)

"اور اللہ صبر کرنے والوں کو (ہی) چاہتا ہے"۔

"وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ" (آل عمران:148)

"اور اللہ تعالیٰ نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے"۔

"إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا" (مریم:96)

"بے شک جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے شائستہ اعمال کیے ہیں ان کے لیے رحمان محبت پیدا کر دے گا"۔

اور فرمایا:

"إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ" (البقرۃ:222)

"اللہ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے"۔

اور فرمایا:

"يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ" (المائدۃ:54)

"اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو لائے گا جو اللہ کی محبوب ہوگی اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتی ہوگی وہ نرم دل ہوں

گے مسلمانوں پر، سخت اور تیز ہوں گے کفار پر، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کریں گے۔

دوسرا خطبہ:

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی میرے نزدیک محبوب اور میری نظر میں کوئی آپ سے اہم انسان نہیں تھا، اور نہ ہی یہ میرے بس میں تھا کہ میں اپنی نظر میں آپ سے زیادہ کسی کی عظمت ومحبت کو جگہ دوں۔

حضرت علی اللہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں کی محبت کیسی تھی؟ تو انہوں نے کہا کہ اللہ کی قسم! آپ ہمارے نزدیک ہمارے مال واولاد اور باپ ماں سے اور پیاسے کے لیے ٹھنڈے پانی سے بھی بڑھ کر محبوب تھے۔

روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت بلال وحذیفہ بن یمان اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم کی زبان پر مرتے وقت یہ الفاظ تھے: ''ہم کل بروز قیامت عاشقانِ محمد اور ان کی جماعت سے ملیں گے''۔ (الشفاء)

آیت کریمہ:

''قُلْ إِنْ كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ'' (آل عمران:31)

سے متعلق ابن کثیر کا بیان ہے کہ یہ آیت کریمہ اللہ کی محبت کے ہر اس دعویدار کے خلاف فیصل ہے، جو طریقۂ محمدیہ پر نہ ہو، کیوں کہ وہ واقعتاً جھوٹا ہے جب تک کہ وہ محمدی شریعت کی پیروی نہ کرے اور اپنے تمام اقوال وافعال واحوال میں دین نبوی کی اتباع نہ کرے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: جو کوئی ایسا

عمل کرے جس پر ہمارا حکم نہیں تو وہ مردود اور نا قابل قبول ہے"۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ" (آل عمران:31)

مطلب یہ ہے کہ اللہ کی محبت سے جو تم کو مطلب ہوگا، اس سے زیادہ ہی تم کو ملے گا یعنی تم سے اللہ محبت کرنے لگے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام چیزوں سے بڑھ کر ہے، جیسا کہ علماء وحکماء نے کہا ہے۔

اہم یہ نہیں ہے کہ تم کسی سے محبت کرو، بلکہ اہم یہ ہے کہ تم سے کوئی محبت کرے۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں کا دعویٰ تھا کہ ان کو اللہ سے محبت ہے تو اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا:

"قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ" (آل عمران:31)

"آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا"۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين"............

"تم پر میری اور خلفائے راشدین کی سنت کی اتباع ضروری ہے۔ تم اس کو مضبوطی سے پکڑلو اور دین میں نئی چیزیں ایجاد کرنے سے بچو۔ کیوں کہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے"۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کا اپنے بندوں پر حق یہ ہے کہ وہ تنہا اسی کی عبادت کریں اور اس کی ذات میں کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور اللہ پر بندوں کا حق یہ ہے کہ وہ ان کو عذاب نہ دے جو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق میں سے یہ ہے کہ ان کی اتباع کی جائے ان سے محبت کی جائے

ان کی منع کردہ چیزوں سے بچا جائے اور ان پر کثرت سے درود وسلام بھیجا جائے۔ ارشاد باری ہے:

''إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْماً''(الأحزاب:56)

''اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ لہٰذا اے مومنو! تم بھی ان پر درود وسلام بھیجو۔

اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر بھی اس امت پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حقو میں سے ہے۔ ارشاد باری ہے:

''لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضاً''(النور:63)

''تم اللہ تعالیٰ کے نبی کے بلانے کو ایسا بلاوا نہ کرلو جیسا کہ آپس میں ایک دوسرے کو ہوتا ہے''۔

اسی طرح آپ کا اور آپ کے صحابہ کی طرف سے دفاع آپ کے حقوق میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اللہ اور اس کے رسول کے حقوق کی کامل ادائیگی کی توفیق بخشے۔ آمین۔

أقول قولي هذا واستغفر اللّٰه لي ولكم ولسائر المسلمين، فاستغروه إنه هو الغفور الرحيم.

اللہ کے اسمائے حسنٰی پر ایمان اور بعض اسماء کی شرح

پہلا خطبہ:

الحمد للّٰه كفى وسلام على عباده الذين اصطفٰى، أما بعد!

فقد قال اللّٰه تبارك وتعالىٰ في القرآن الحكيم و كتابه أعوذ باللّٰه من الشيطان الرجيم، بسم اللّٰه الرحمن الرحيم.

"وَلِلّٰهِ الْأَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا" (الأعراف:180)

"اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لیے ہیں سو ان ناموں سے اللہ ہی کو موسوم کیا کرو"۔

اللہ کے بندو! بغیر تحریف وتشبیہ اور تعطیل کے اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنٰی وصفات علیا پر ایمان، ایمان باللہ کا حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنٰی کے سلسلے میں چند باتیں جاننا ضروری ہیں:

اول یہ کہ اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء توفیقی ہیں، ان میں کسی عقلی توجیہ وتاویل کی کوئی گنجائش نہیں۔ ان کے سلسلہ میں کتاب وسنت پر توقف ضروری ہے۔

دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کسی متعین تعداد میں محصور نہیں۔

سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء حد درجہ اچھے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ" (بنی اسرائیل:36)

"اور جس بات کی تجھے خبر ہی نہ ہو، اس کے پیچھے مت پڑ"۔

''أسالك بكل اسم هو لك سميت به نفسك، أو أنزلته في كتابك، أو علمته أحدا من خلقك، أو استخلصت به في علم الغيب عندك''(أحمد وابن حبان وحاكم، حديث صحيح)

''اے اللہ! میں تجھ سے تیرے ہراس نام سے سوال کرتا ہوں جس سے تو نے خود کو موسوم کیا ہے، یا اس کو اپنی کتاب میں نازل کیا ہے یا اپنی کسی مخلوق کو سکھایا ہے۔ یا اپنے پاس کے علم غیب میں تو نے اس کو خاص کیا ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے جس نام کو علم غیب میں خاص کیا ہے کسی کے لیے اس کا حصر واحاطہ ممکن نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وَلِلّٰهِ الْأَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا''(الأعراف:180)

''اللہ ہی کے اچھے نام ہیں تو تم اس کو ان ناموں سے پکارو''۔

اللہ تعالیٰ کے اچھے ناموں میں سے چند نام یہ ہیں:

ا۔ اللّٰہ:

یہ اسم ذات ہے۔ اللہ ایک ایسی ہستی کا نام ہے جس کی دل محبت وچاہ اور تعظیم کے ساتھ بندگی کرتے ہیں۔

۲۔ الرحمٰن الرحیم:

وہ ذات ہے جو اپنے بندوں پر، ماں کی اپنی اولاد پر مہربان ہونے سے زیادہ شفیق ومہربان ہے، چنانچہ جو بھی نعمت موجود ومیسر ہے، وہ اس کی رحمت ہے اور جو بھی مصیبت و پریشانی دور ہوتی ہے، وہ اس کی مہربانی سے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ''(النحل:53)

''تمہارے پاس جتنی بھی نعمتیں ہیں سب اللہ ہی کی دی ہوئی ہیں''۔

۳۔الملک:

یعنی تمام جہان کا مالک۔کوئی متحرک اس کے علم وارادہ کے بغیر حرکت نہیں کر سکتا۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ "(آل عمران:26)

"آپ کہہ دیجیے اے اللہ! اے تمام جہاں کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دے"۔

اور فرمایا:

"مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ "(الفاتحہ:4)

"بدلے کے دن (یعنی قیامت) کا مالک ہے"۔

۴۔القدوس:

یعنی وہ ذات جو تمام عیوب ونقائص سے پاک ومنزہ ہے، جس نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا اور جسے کوئی تکان ومصیبت پیش نہیں آئی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ أَيَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ "(ق:38)

"یقیناً ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ اس کے درمیان ہے سب کو (صرف) چھ دن میں پیدا کر دیا اور ہمیں تکان نے چھوا تک نہیں"۔

۵. القوی القھار:

ایسی ذات جو سب سے زیادہ زور وقوت والی ہو، اور سب پر غالب ہو، ساری چیزیں اسی کے قبضۂ قدرت میں ہوں، اس کی عظمت وسطوت کے سامنے سب سرنگوں ہوں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ إِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ" (الحج:74)

"انہوں نے اللہ کے مرتبہ کے مطابق اس کی قدر جانی ہی نہیں، اللہ تعالیٰ بڑا ہی زور وقوت والا اور غالب وزبردست ہے"۔

۶. العليم:

وہ ذات، جو پوشیدہ وسربستہ رازوں کو جانتی ہو۔ خشکی وتری سمندر کے اندر کی ساری چیزوں کو جانتی ہو، درخت سے کوئی پتہ گرتا ہو تو وہ اس کے علم میں ہو، زمین کی تہوں میں کوئی دانہ ہو تو وہ اسے بھی جانتا ہو۔

۷. العلي الأعلىٰ :

جو اپنے عرش کے اوپر غالب اور اپنی صفات میں بلند ہو۔

۸. الجبار:

وہ ذات جو مجبور وکمزور کا سہارا ہے، اور ظالم زورآور کو اپنی سخت گرفت میں لیتی ہے۔

۹. الغفور :

جو سارے گناہوں کو بخشتا ہو، خواہ وہ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں۔ حدیث قدسی میں ہے کہ:

"يا ابن آدم إنک مادعوتني ورجوتني غفرت لک على ما كان منكر ولا أبالي"

"اے آدم کے بیٹے! جب تک تو مجھے پکارتا رہے گا اور مجھ سے امید وابستہ رکھے گا تو تو جس حالت میں بھی ہوگا میں تجھے معاف کرتا رہوں گا اور میں کوئی پرواہ نہیں کروں گا"۔

۱۰. الحكيم:

وہ ذات جو اپنی شریعت وتقدیر میں حکمت والی ہے۔

۱۱. الغني:

یعنی وہ ذات جو اپنی تمام مخلوقات سے بے نیاز ہو۔

محترم بھائیو! یہ اللہ تعالیٰ کے چند اسمائے حسنیٰ ہیں جن کی مختصری تشریح آپ کے سامنے پیش کی گئی اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اللہ کی ذات کیسی ہے اور اس کے کمالات واختیارات کیسے ہیں؟

حضرات سامعین! اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ پر ایمان کا حصہ، ان کے ذریعہ دعا کرنا بھی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وَلِلّٰهِ الْأَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ''(الأعراف:180)

''اللہ تعالیٰ ہی کے لیے اچھے نام ہیں تو تم اسے ان ناموں کے ذریعہ پکارو''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دعا کرتے ہوئے سنا:

''اللّٰهم إني أسالك بأن لك الحمد لاإله إلا أنت وحدك، لاشريك لك، المنان بديع السماوات والأرض ذوالجلال والإكرام ياحي ياقيوم''

تو آپ نے فرمایا کہ ''تم نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے اس کے اسم اعظم کے ذریعہ دعا کی ہے۔ جب اللہ کو اس کے ذریعہ پکارا جاتا ہے تو وہ سنتا ہے۔ (ابوداؤد، وابن ماجہ واحمد)

اے اللہ کے بندو! آپ کے لیے ضروری ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے اسماء سے اس کو پکاریں۔ علامہ شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ فرمان الٰہی: 'فادعوه بها) ' کے مفہوم کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ آپ ان کو اپنی ضرورت کے لیے وسیلہ وذریعہ بنائیں اور اس کے لیے مناسب نام منتخب کریں۔ جیسے دعائے مغفرت کے وقت کہیں ''یا غفور اغفرلي ''(اے بخشنے والے مجھے بخش دے) یہ مناسب نہیں ہے کہ آپ: ''یاشدید العقاب اغفرلي ''(اے سخت عذاب والے مجھے بخش دے) کہیں۔ یہ تو اللہ کا استہزاء ہے۔ بلکہ کہیں ''یاشدید القهار! اجرني من عقابك ''(اے سخت عذاب والے! اپنے عذاب سے مجھے بچا۔)

دوسرا خطبہ:

اے مسلمانو! اللہ کے اسمائے حسنیٰ کی معرفت کے لیے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتماد کرو، کیوں کہ کسی کے لیے یہ روا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو وہ نام دے، جو خود اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بیان کیا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء (نام) توقیفی ہیں۔

اور قرآن مجید اسماء وصفات سے بھرا ہوا ہے۔ جیسے فرمان الٰہی:

”هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ، هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ، هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ“ (الحشر: 22-24)

”وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، چھپے کھلے کا جاننے والا مہربان اور رحم کرنے والا۔ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہ، نہایت پاک، سب عیبوں سے صاف، امن دینے والا، نگہبان، غالب، زورآور، اور بڑائی والا، پاک ہے اللہ ان چیزوں سے جنہیں یہ اس کا شریک بناتے ہیں۔ وہی اللہ ہے پیدا کرنے والا، وجود بخشنے والا، صورت بنانے والا، اسی کے لیے (نہایت) اچھے نام ہیں، ہر چیز خواہ وہ آسمانوں میں ہو، خواہ زمین میں ہو اس کی پاکی بیان کرتی ہے، اور وہی غالب حکمت والا ہے“۔

اور فرمایا:

” قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، اَللّٰهُ الصَّمَدُ، لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ، وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ“ (الإخلاص: 1-4)

"آپ کہہ دیجیے کہ وہ اللہ تعالیٰ ایک (ہی) ہے۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے، نہ اس سے کوئی پیدا ہوا، نہ وہ کسی سے پیدا ہوا، اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے"۔

اور حدیث میں ہے:

"إن اللّٰه جميل يحب الجمال "(مسلم وغیرہ)

"اللہ جمیل ہے اور جمال وخوبصورتی کو پسند فرماتا ہے"۔

اور فرمایا:

"إن اللّٰه عزوجل حي ستير، ويحب الحياء والستر، فإذا اغتسل أحدكم فليستتر "(ابو داؤد ونسائی)

"اللہ عزوجل حیادار اور پردہ پوشی کرنے والا ہے۔ حیاء اور پردہ پوشی کو پسند فرماتا ہے۔ اس لیے تم میں جب کوئی غسل کرے تو پردہ کر لے"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہ کثرت اللہ کے اسمائے حسنیٰ سے دعا فرمایا کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے بیان ہے کہ آپ نے فرمایا:

"اللّٰهم أنت ربي، لا إله إلا أنت، خلقتني وأنا عبدك، وأنا على عهدك، ووعدك ما استطعت، أعوذبك من شر ما صنعت ابوء لك بنعمتك عَلَيَّ وأبوء بذنبي، فاغفر لي، فإنه لا يغفر الذنوب إلا أنت "(بخاری وغیرہ)

یہ سید الاستغفار ہے۔ شام کو جب کوئی اسے پڑھے اور مر جائے تو وہ جنت میں داخل ہوگا یا جنتی ہوگا۔ اور جب صبح کو کوئی اسے پڑھے پھر مر جائے تو اسی طرح جنت میں داخل ہوگا۔

حضرت علی بن ابی طالب کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے

کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے، پھر یہ دعا پڑھتے تھے:

"وجهت وجهي للذي فطر السماوات والأرض حنيفا مسلما وماأنا من المشركين، إن صلاتي ونسكي ومحياى ومماتي لله رب العالمين، لاشريك له وبذلك أمرت وأنا أول السلمين"

"اللهم أنت الملك، لا إله إلا أنت، أنت ربي وأنا عبدك، ظلمت نفسي واعترفت بذنبي فاغفرلي ذنوبي جميعا، إنه لا يغفر الذنوب إلا أنت، وأهدني لاحسن الأخلاق، لايهدي لا حسنها إلا أنت واصرف عني سيئها، لا يصرف عني سيئها إلا أنت، لبيك وسعديك، والخير كله في يديك والشر ليس إليك، أنابك وإليك، تباركت، وتعاليت، استغفرك وأتوب إليك" (مسلم: 771)

"میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف کیا جس نے زمین وآسمان کو پیدا کیا، یکسوئی کے ساتھ مسلمان ہو کر اور میں مشرکوں میں سے نہیں۔ میری نماز و قربانی اور زندگی و موت، سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔ اس کو کوئی شریک وساجھی نہیں اور مجھے اسی کا حکم ہوا ہے اور میں پہلا مسلمان ہوں"۔

"اے اللہ! تو بادشاہ ہے، میرے لیے تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ہی میرا رب ہے اور میں تیرا بندہ۔ میں نے خود پر ظلم کیا اور مجھے اپنے گناہ کا اعتراف ہے، تو میرے گناہوں کو بخش دے۔ گناہ صرف تو ہی تو بخشتا ہے اور مجھے اچھے اخلاق کی رہنمائی کر، جس کی رہنمائی صرف تو ہی کر سکتا ہے۔ اور مجھ سے برے اخلاق دور کر، جو صرف تو ہی دور کر سکتا ہے۔ میں تیرے دربار میں حاضر ہوں، خیر سب تیرے ہاتھ میں ہیں اور شر کی نسبت تیری طرف نہیں۔ میں تیرے ہی سبب ہوں اور تیری ہی طرف بھی، تو بابرکت و بلند ہے۔ میں تجھ سے ہی مغفرت چاہتا اور تیری طرف رجوع ہوتا ہوں"۔

پھر جب آپ رکوع کرتے تو پڑھتے:

"اللّٰهم لك ركعت وبك امنت ولك أسلمت خشع سمعي وبصري وعظمي وعصبي"

"اے اللہ! میں نے تیرے لیے ہی رکوع کیا۔ تجھ پر ایمان لایا اور تیری تابعداری کی۔ میرا کان، میری نگاہ، میرا دماغ اور میری ہڈیاں وغیرہ سب تیرے لیے سرنگوں ہیں"۔

پھر جب رکوع سے اٹھتے تو پڑھتے:

"سمع اللّٰه لمن حمده، ربنا ولك الحمد، ملء المساوات والأرض، ملء مابينهما، وملء ماشئت من شيئ بعد"

"اللہ نے اس کی سن لی جس نے اس کی حمد بیان کی، اے ہمارے رب! اور ساری حمد وستائش تیری ہی لیے ہے، زمین وآسمان اور دونوں کے مابین بھر اور تو جو چاہے، اس چیز کو بھر"۔

اور جب سجدہ کرتے تو فرماتے:

"اللّٰهم لك سجدت وبك امنت ولك أسلمت، سجد وجهي للذي خلقه وصوره فأحسن صوره، وشق سمعه وبصره وتبارك اللّٰه أحسن الخالقين"

"اے اللہ! میں نے تیرے لیے سجدہ کیا، تجھ پر ایمان لایا، اور تیرا تابعدار ہوا۔ میرا چہرہ اس کے لیے سجدہ ریز ہوا جس نے اسے پیدا کیا، اس کی تصویر بنائی تو خوبصورت بنائی۔ کان میں سوراخ بنایا اور نظر کھول دی۔ اور بہت بابرکت ہے سب سے خوبصورت پیدا کرنے والا"۔

اور جب نماز سے فارغ ہو کر سلام پھیرتے تو یہ دعا پڑھتے:

"اللّٰهم اغفرلي ماقدمت وماأخرت، وماأسررت وماأعلنت وماأسرفت وماأنت أعلم به مني أنت المقدم والمؤخر، لا إله إلا

أنت"(ابو داؤد)

"اے اللہ! میں نے پہلے اور بعد میں اور چھپے کھلے طور پر جو گناہ کیے، مجھ سے جو خطا ہوئی اور جو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے، سب معاف فرما دے۔ تو ہی پہلے ہے اور تو ہی بعد میں بھی، تیرے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں"۔

برادرانِ اسلام! اللہ تعالیٰ کو ان ناموں سے پکارنے سے بچو جن کا ذکر خود اپنے لیے یا اس کے رسول نے نہیں کیا۔

ارشاد باری ہے:

"قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَّأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ" (الأعراف:33)

"آپ فرما دیجیے کہ البتہ میرے رب نے صرف حرام کیا ہے ان تمام فحش باتوں کو جو علانیہ ہیں اور جو پوشیدہ ہیں اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو اور اس بات کو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس بات کو کہ تم لوگ اللہ کے ذمے ایسی بات لگا دو جس کو تم جانتے نہیں"۔

اور فرمایا: اس بات کے پیچھے مت پڑیں جس کا آپ کو علم نہ ہو۔

مسلمانو! اللہ سے ڈرو، اور جان لو کہ تم سب کو اسی کی طرف دیر سویر جانا ہے۔ اس کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کو مضبوطی سے تھامو۔ اللہ کو اس کے اسماء وصفات سے ہی پکارو، کیوں کہ اس سے منہ پھیرنے والوں کو اللہ نے جہنم کی دھمکی دی ہے۔

فرمایا کہ، جو لوگ میری عبادت، یا مجھ کو کما حقہ پکارنے سے اتراتے ہیں وہ جہنم میں ذلت کے ساتھ داخل ہوں گے۔ آپ کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کے معنی ومطلب سمجھیں کیوں کہ وہ حد درجہ اچھے ہیں اور اچھے معنیٰ مفہوم کے حامل ہیں۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت

پہلا خطبہ:

"إنّ الحمد للّٰه ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله" أما بعد!

امر بالمعروف کا فریضہ ایک اہم عبادت ہے، بلکہ وراثت نبوت کی یہ ایک واضح تصویر ہے، لیکن ابلیس نے بہت سارے لوگوں کو بایں طور دھوکہ میں ڈال رکھا کہ ذکر واذکار، قراءت وتلاوت، نماز وروزہ اور دنیا سے بے رغبتی اور لا پرواہی ولاتعلقی وغیرہ جیسے کام انجام دینے کو، ان کے سامنے آراستہ کر کے پیش کر دیا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر والی عبادت کو بے قیمت و بے وقعت بنا کر رکھ دیا اور ان کے دل میں اس کی ادائیگی کا خیال تک نہیں آنے دیا، جب کہ ایسے لوگ وارثین انبیاء یعنی علماء کے نزدیک لوگوں میں سب سے کم تر درجہ کے دین والے ہوتے ہیں کیوں کہ دین نام ہے اللہ کا حکم بجالانے کا، اس لیے اپنے اوپر واجب اللہ کے حق کو پامال کرنے والا اللہ اور اس کے رسول کی نظر میں معصیت اور گناہ کے کام کرنے والے سے زیادہ خراب ہے کیوں کہ حکم کی پامالی، منہی عنہ (روکے گئے کام) کے ارتکاب سے زیادہ بڑا جرم ہے۔

جب بعض طلبہ اور جوان افراد اصلاح کے منہج وطریق سے انحراف کرنے لگ جائیں

اور مفسد و کلا کار لوگوں کے لیے معاشرتی میدان خالی چھوڑ دیں تو اس کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ وہ اپنے اغراض ومقاصد کو بروئے کار لانے کی خاطر آپس میں خوب مسابقہ ومقابلہ کرتے ہیں اور ہم بیٹھ کر تماشہ دیکھتے اور وقت وحالات کو کوستے ہیں۔ اور جب یہ معاملہ خوب بڑھ جاتا ہے اور شر وخرابی ہر چہار سو پھیل جاتی ہے تو اس وقت ہم ایسے واقعات ومنکرات پر عام لوگوں کی طرح چونکتے ہیں۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے سامنے منکر پہ منکر ہوتا رہے مگر دعوت کے مواقع اور اصلاح کے وسائل واسباب ان کو فراہم ہونے کے باوجود ان سے غافل وبے خبر بنے رہتے ہیں۔ اللہ کے حرمات پر بھی ان کی غیرت وحمیت جوش میں نہیں آتی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ“ (آل عمران: 104)

”تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے، اور یہی لوگ فلاح ونجات پانے والے ہیں“۔

اور فرمایا:

”كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ“ (آل عمران: 110)

”تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو، اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو“۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

”والذي نفسي بيده لتأمرن بالمعروف ولتنهون عن المنكر أو

لیوشکن اللّٰہ أن یبعث علیکم عقابامنہ، ثم تدعونہ فلا یستجاب لکم"(ترمذی، حدیث حسن)

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! تم یا تو بھلائی کا حکم دو گے اور برائی سے روکو گے یا پھر قریب ہے کہ اللہ تم پر اپنا عذاب بھیجے۔ پھر جب تم اسے پکارو گے تو وہ تمہاری سنے گا بھی نہیں"۔

اور حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اللہ کے حدود پر قائم رہنے اور ان کے اندر داخل ہو جانے والے کی مثال ایسے لوگوں کی ہے جنہوں نے ایک کشتی پر قرعہ اندازی کی تو کچھ کو بالائی حصہ ملا اور کچھ کو نیچے کا۔ پھر نیچے والوں کو پانی کی ضرورت ہوتی تو وہ اوپر والوں کے پاس جاتے۔ تب ان لوگوں نے سوچا کہ اگر ہم اپنے حصے میں سوراخ کر دیں اور اپنے اوپر والوں کو تکلیف نہ دیں تو اچھا ہوگا۔ اب اگر اوپر والے ان نیچے والوں کو ان کے ارادے پر عمل کرنے سے نہ روکیں اور انہیں علی حالہ چھوڑ دیں، تو سب ہلاک و برباد ہو جائیں گے۔ اور اگر بروقت انہیں روک دیں تو وہ سب ہلاک ہونے سے بچ جائیں گے"۔ (بخاری وغیرہ)

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس آدمی میں کون سی بھلائی و خیر ہے جو اللہ کے محارم وحدود کی پامالی، دین اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بے رغبتی دیکھے اور وہ خاموش و گونگا شیطان بنا بیٹھا رہے۔ غلط کاموں کا حکم دینے والا جس طرح شیطان ناطق ہوتا ہے، اسی طرح غلط کاموں اور غلط باتوں پر خاموش رہنے والا اور ان سے منع نہ کرنے والا بھی گونگا شیطان ہے۔ ایسے لوگوں کا دل مردہ ہو جاتا ہے اور انہیں اللہ کے غضب اور غصہ کی پرواہ نہیں ہوتی۔ اس کے برخلاف اگر دل زندہ ہوتا ہے تو وہ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کو دیکھ کر برداشت نہیں کر پاتے اور ان کے ازالہ کے لیے اپنا اثر ورسوخ اور جاہ واقتدار سب خرچ کرتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں، زکاۃ دیتے ہیں اور لوگوں کو بھلائیوں کا

حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔

ارشاد باری ہے:

"اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ"(الحج:41)

"یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جمادیں تو یہ پوری پابندی سے نمازیں قائم کریں اور زکاۃ دیں اور اچھے کاموں کا حکم کریں اور برے کاموں سے منع کریں۔ اور تمام کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے"۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

"فَلَوْلَا کَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِکُمْ اُولُوْا بَقِیَّةٍ یَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِی الْاَرْضِ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّنْ اَنْجَیْنَا مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِیْهِ وَکَانُوْا مُجْرِمِیْنَ"(ھود:116)

پس کیوں نہ تم سے پہلے زمانے کے لوگوں میں سے ایسے اہل خیر لوگ ہوئے جو زمین میں فساد پھیلانے سے روکتے، سوائے ان چند کے جنہیں ہم نے ان میں سے نجات دی تھی، ظالم لوگ تو اس چیز کے پیچھے پڑ گئے جس میں انہیں آسودگی دی گئی تھی اور وہ گنہگار تھے"۔

اور فرمایا:

"وَمَا کَانَ رَبُّکَ لِیُهْلِکَ الْقُرٰی بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ"(ھود:117)

"آپ کا رب ایسا نہیں کہ کسی بستی کو ظلم سے ہلاک کردے اور وہاں کے لوگ نیکوکار ہوں"۔

اس وقت فرد اور معاشرے کے خلاف کتنے برے اور مہلک انجام سامنے آئیں گے جب بعض طلبۂ دین اور صالح جوان معاشرہ کے اندر مختلف میدانوں میں شرکت سے گریز

کریں گے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اصلاحی کاموں سے کنارہ کش رہیں گے، جن کا انہیں حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان اصلاحی کاموں کی ادائیگی میں غفلت برتنے والوں کو عذاب کی وعید سنائی ہے۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! تم بھلائی کا حکم دو اور برائی سے روکو ورنہ قریب ہے کہ اللہ تم پر اپنا عذاب بھیجے۔ پھر تم اسے پکارو تو وہ تمہاری سنے ہی نہیں۔

اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہمارے بیچ نیک لوگوں کے ہوتے ہوئے بھی ہم ہلاک ہوں گے؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں، جب گندگی اور گناہ زیادہ ہو جائیں گے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ أَنجَيْنَا مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ أُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ'' (ھود:116)

پس کیوں نہ تم سے پہلے زمانے کے لوگوں میں سے ایسے اہل خیر لوگ ہوئے جو زمین میں فساد پھیلانے سے روکتے، سوائے ان چند کے جنہیں ہم نے ان میں سے نجات دی تھی، ظالم لوگ تو اس چیز کے پیچھے پڑ گئے جس میں انہیں آسودگی دی گئی تھی اور وہ گنہگار تھے۔

آیت میں ''مصلحون'' کہا گیا ہے، ''صالحون'' نہیں۔ آیت اور حدیث پر غور کرنے سے صالح اور مصلح کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔ چنانچہ صالح ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہو سکتا ہے، برخلاف مصلح کے جس کی اصلاحی کاوشوں سے لوگوں اور علاقوں کی ہلاکت

وبربادی ٹال دی جاتی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّکَانُوْا یَعْتَدُوْنَ" (المائدۃ:78)

"بنی اسرائیل کے کافروں پر (حضرت) داؤد (علیہ السلام) اور (حضرت) عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کی زبانی لعنت کی گئی اس وجہ سے کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے اور اور حد سے آگے بڑھ جاتے تھے"۔

دوسرا خطبہ:

برادران اسلام! منکر کو بدلنے یا ختم کرنے سے پہلے یہ کام انجام دینے والے کے لیے مندرجہ ذیل امور کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

ایک یہ کہ منکر شریعت میں مخطور وممنوع ہو۔

دوسرے یہ کہ منکر بروقت عام طور سے لوگوں میں پایا جاتا ہو۔

تیسرے یہ کہ یہ ان اجتہادی مسائل میں سے نہ ہو جن کے تعلق سے کوئی نص ہی نہ ہو یا ہو بھی تو اس میں خفاء اور ابہام ہو۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

"من رأى منكم منكرا فليغيره بيده، فإن لم يستطيع فبلسانه ، فإن لم ليسطيع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان"

"تم میں سے جو کوئی منکر دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے بدلے، اگر طاقت نہیں ہو تو اپنی زبان سے بدلے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو اپنے دل سے ہی برا سمجھے۔ مگر یہ

ایمان کا سب سے کم تر درجہ ہے"۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مامن نبي بعثه اللّٰه في أمة قبلي إلا كان له من أمته حواريون وأصحاب، يأخذون بسنته ويقتدون بأمره، ثم إنها تخلف من بعد هم خلوف، يقولون مالا يفعلون ويفعلون مالا يؤمرون، فمن جاهد هم بيده فهو مؤمن، ومن جاهد هم بلسانه فهو مؤمن، ومن جاهدهم بقلبه فهو مومن، وليس وراء ذلك من الإيمان حبة خردل" (مسلم:50)

"حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے مجھ سے پہلے جس امت میں بھی کسی نبی کو مبعوث کیا تو اسی میں سے نبی کے کچھ حواری، ہمنوا اور احباب واصحاب ایسے ضرور رہے جو اس کے طریقے کو اپناتے اور اس کے حکم کے مطابق چلتے تھے۔ پھر ان کے بعد ایسے ناکارے لوگ آئے جو اپنے کہنے کے مطابق کرتے نہیں اور کرتے بھی تو وہ کام جس کا ان کو حکم نہیں ہوتا تھا۔ ایسے لوگوں سے جو اپنے ہاتھ سے جہاد کرتے وہ مومن ہے۔ جو اپنی زبان سے غلط کاموں سے روک کر جہاد کرے تو وہ بھی مومن ہے۔ اور جو اپنے دل سے برا مان کر جہاد کرے، تو وہ بھی مومن ہے۔ پھر اس کے بعد رائی کے دانہ برابر بھی ایمان کا کوئی حصہ نہیں بچ رہتا"۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منکر کی نکیر کرنے کو اپنی امت کے لیے واجب قرار دیا ہے۔ تاکہ اس کی وجہ سے معروف جو اللہ اور اس کے رسول کو پسند ہے عام ہو۔ جب منکر کا انکار اس سے زیادہ منکر کو مستلزم ہو تو اس وقت منکر کا انکار درست نہیں۔

صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان امراء وذمہ داران سے قتال کرنے

کی اجازت مانگی تھی جو نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کرتے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا:

''أفلا نقتلهم؟''

''کیا ہم ان کو قتل نہ کر دیں؟''

تو آپ نے فرمایا کہ نہیں جب تک وہ نماز قائم کرتے رہیں''۔

اور آپ نے فرمایا:

''جو اپنے امیر کے اندر کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھے تو صبر کرے اور اس کی اطاعت سے گریز نہ کرے''۔

بڑے اور چھوٹے فتنوں کے تعلق سے اسلام کے خلاف پیش آنے والے واقعات وحالات پر جو بھی غور کرے گا وہ اس ضابطہ واصول کی بربادی اور منکر پر صبر نہ کر سکنے کی وجہ سے بہت سی خرابیاں اور فتنے دیکھے گا، بسا اوقات حالات اور مصالح کا لحاظ کیے بغیر منکر کے ازالے کی کوشش کر دیتا ہے، نتیجہ میں اس سے بڑی خرابیاں اور فتنے برپا ہو جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں بڑے بڑے منکرات دیکھتے تھے اور ان کو ختم نہیں کر پاتے تھے۔ اللہ نے جب مکہ فتح کرا دیا اور وہ دار اسلام بن گیا تو خانۂ کعبہ کو بدلنے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر اس کو بنانے کا ارادہ ہوا، تو اس کی قدرت واختیار کے باوجود اور بڑی خرابی پیدا ہونے کے خدشہ نے ایسا کرنے سے روک دیا۔ کیوں کہ ابھی اسلام میں نیا نیا داخل ہونے کے سبب قریش کو یہ ناگوار ہوتا، اسی طرح قوت کے بل پر امراء کے خلاف نکیر کی اجازت نہیں ملی۔ کیوں کہ اس سے بھی بڑی خرابی پیدا ہونے کا اندیشہ موجود تھا۔ اس طرح سے انکار منکر کے چار درجے ہیں:

پہلا: منکر ختم ہو اور مکمل ختم ہو۔

دوسرا: منکر کم ہو اور مکمل ختم نہ ہو۔

تیسرا: منکر کے انکار سے اسی جیسا دوسرا منکر سامنے آجائے۔

چوتھا: منکر کے انکار سے اس سے بڑی خرابی ہونے کا اندیشہ ہو۔

پہلے دو درجے تو مشروع، تیسرا مقام اجتہاد ہے اور چوتھا درجہ حرام ہے۔ (إعلام الموقعین)

اسی طرح منکر کے روکنے والے کے اندر درج ذیل صفات اور خوبیوں کا ہونا ضروری ہے:

۱۔ وہ متقی اور پرہیزگار ہو۔

۲۔ بالغ ہو، چنانچہ چھوٹے بچے پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب نہیں۔

۳۔ عادل ہو اور خاص طور سے عالم ہو۔

۴۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے کام پر قادر ہو۔ کیوں کہ کسی کام کے لیے مکلف کیا جانا طاقت وقدرت کے ساتھ وابستہ ہے۔

اللہ کے بندو! ہم نے کتنے منکرات اور معصیت کے کام کھلم کھلا کیے؟ سودی معاملہ کتنا اعلانیہ کیا اور اس کے محلات و قلعے کھڑے کر لیے۔ مسلمانوں کے گھروں میں بگاڑ وخرابی پیدا ہوتے ہوئے دیکھ کر ہم خاموش رہے اور مسلم خواتین کی عزت وآبرو پامال ہوتی رہی اور ہم تماشائی بنے دیکھتے رہے۔ میرے بھائیو! یاد رکھو، اگر ہم اپنے مسلمان بھائیوں کو نیکی کا حکم دینے اور برائیوں سے روکنے کے کام سے یوں ہی غفلت برتتے رہے تو ہمارے معاشرے کو تباہ و برباد ہونے سے کوئی چیز بچا نہیں سکتی۔

اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو اور اپنے ذمہ واجب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری ادا کرو۔ اللہ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔

أقول قولي هذا واستغفر الله لي ولكم ولسائر المسلمين، فاستغروه إنه هو الغفور الرحيم.

صلہ رحمی کی ترغیب

پہلا خطبہ:

"إنَّ الحمد لله ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله" أما بعد!

ذوالارحام (رشتے داروں) کا بیان اوران کے ساتھ صلہ رحمی کا وجوب:

مسلمانو! آج ہماری گفتگو ایک اہم معاملہ سے متعلق ہوگی جس سے اللہ روزی بڑھاتا ہے اور اس کے سبب انسان کے عمر میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور اس کے مال میں برکت ہوتی ہے اور وہ معاملہ ہے صلہ رحمی کا۔ ذوالارحام انسان کے خود اپنے قریبی لوگ ہوتے ہیں۔ جیسے ماں، باپ، بیٹا اور بیٹی، اسی طرح اپنے باپ ماں، یا ماں یا بیٹے یا بیٹی کی طرف سے جو ہو اس کے اور اپنے درمیان جو رشتہ ہوتا وہ سب ذوالارحام ہیں۔ صلہ رحمی کے وجوب پر اور قطع رحمی کی حرمت اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک پر بہت سی آیات واحادیث دلالت کرتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جسے جوڑنے کا حکم دیا ہے، اس کو جوڑنے والوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

"وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ أَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ أَنْ يُّوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ

سُوْٓءَ الْحِسَابِ"(الرعد:21)

"اوراللہ نے جن چیزوں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے وہ اسے جوڑتے ہیں اور وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور حساب کی سختی کا اندیشہ رکھتے ہیں"۔

اور قطع تعلق کرنے والوں کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

"وَالَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَھْدَ اللّٰہِ مِنْ بَعْدِ مِیْثَاقِہٖ وَیَقْطَعُوْنَ مَآ أَمَرَ اللّٰہُ بِہٖٓ أَنْ یُّوْصَلَ وَیُفْسِدُوْنَ فِی الْأَرْضِ أُولٰٓئِکَ لَھُمُ اللَّعْنَۃُ وَلَھُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ"(الرعد:25)

"اور جو اللہ کے عہد کو اس کی مضبوطی کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جن چیزوں کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے انہیں توڑتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، ان کے لیے لعنتیں ہیں اور ان کے لیے برا گھر ہے"۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے روئے زمین میں فساد برپا کرنے اور قطع رحمی کرنے والوں کی تہدید کرتے ہوئے فرمایا:

"فَھَلْ عَسَیْتُمْ إِنْ تَوَلَّیْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوْا فِی الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا أَرْحَامَکُمْ، أُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فَأَصَمَّھُمْ وَأَعْمٰی أَبْصَارَھُمْ"(محمد:22-23)

"اور تم سے یہ بھی بعید نہیں کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد برپا کرو اور رشتے ناتے توڑ ڈالو۔ یہ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی پھٹکار ہے اور جن کی سماعت اور آنکھوں کی روشنی اللہ نے چھین لی ہے"۔

اور اللہ تعالیٰ نے رشتہ داروں کو خیر کی وصیت کی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

"وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْباً"(النساء:1)

''اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتے ناطے توڑنے سے بھی بچو، بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے''۔

لہٰذا اے مسلمانو! تم اپنے رب کا خطاب سمجھو؟ ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جو قطع رحمی کرنے والے ہیں، ضلالت وگمراہی میں بھٹک رہے ہیں، اپنے رب کی نافرمانیوں میں لگے ہوئے ہیں، اس کے دین وشریعت سے دور ہیں اور اس کے اوامر واحکام سے غافل ہیں؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور جب اس سے فارغ ہوا تو رحم (رشتہ داری) نے عرض کیا کہ یہ قطع رحمی سے تیری پناہ مانگنے والے کی جگہ ہے، اللہ نے فرمایا کہ ہاں! لیکن کیا تو اس سے خوش نہیں کہ میں اس سے جڑوں گا جو تجھ سے جڑے اور میں اس سے کٹوں گا جو تجھ سے کٹے۔ اس نے کہا کہ ہاں کیوں نہیں اے میرے رب! اللہ نے فرمایا: تیرے لیے یہی رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چاہو تو یہ آیت کریمہ پڑھ لو:

''فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوْآ أَرْحَامَكُمْ'' (بخاری)

''تو یقیناً قریب ہے کہ جب تم کو اقتدار ملے تو تم زمین میں فساد پھیلاؤ اور اپنے رحموں (رشتوں) کو کاٹو''۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''إن الرحم شجنة، ممسكة بالعرش، تكلم بلسان ذلق، اللّٰهم صل من وصلني، واقطع من قطعني، فيقول اللّٰه تبارك وتعالىٰ: أنا الرحيم الرحمن، وإني شققت للرحم من إسمي، فمن وصلها وصلته، ومن نكثها نكثته'' (بخاری)

''رشتہ ناطہ نے ایک شاخ شجر کی طرح عرش کو تھامے صاف زبان سے دعا کی: اے

اللہ! تو اس سے جڑ جو مجھے جوڑے اور اس سے الگ رہ جو مجھے سے کٹے۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں رحیم ورحمٰن ہوں، میں نے اپنے نام سے ''رحم'' کو مشتق کیا ہے تو جو اس کو جوڑے گا میں اس سے جڑوں گا اور جو اس کو توڑے گا میں اسے توڑوں گا''۔

اور جب ہرقل نے ابوسفیان سے ان کے اسلام لانے سے قبل جب کہ وہ تجارت کی غرض سے شام میں تھے نبی کی صفات کے بارے میں پوچھا اور یہ کہ وہ لوگوں کو کن باتوں کا حکم دیتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ: وہ فرماتے ہیں، اللہ کی عبادت کرو اور آباء واجداد کی بات چھوڑو، وہ ہمیں نماز، سچائی، پاکدامنی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔ (بخاری)

چنانچہ صلہ رحمی کی دعوت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے دی تھی۔

صلہ رحمی کے کئی درجات ہیں:

سب سے کمتر درجہ ہے کہ انسان اپنے مسلمان بھائیوں سے تکلیف دہ چیز کو دور کرے۔

صلہ رحمی کی فضیلت:

اللہ کے بندو! صلہ رحمی عمر میں اضافہ اور مال کی کثرت کا سبب ہے، یہ صادق ومصدوق کا وعدہ ہے جو اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتے۔ جیسا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''من سره أن يبسط له في رزقه وينساله في إثره فليصل رحمه'' (بخاری ومسلم)

''جسے یہ اچھا لگے کہ اس کی روزی میں برکت اور عمر میں اضافہ ہو تو وہ صلہ رحمی کرے''۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ حقیقی وصل وتعلق وہ ہے جو کسی سے تب ہو جب وہ تم سے قطع رحمی کرے۔ لیکن وہ جو جوڑنے والے سے جڑے تو مکافی (برابر کا برتاؤ کرنے والا) ہوتا ہے مگر جو اپنے ان رشتہ داروں سے جڑے جو اس سے قطع تعلق کیے ہیں تو اس کا اجر وثواب بہت بڑا ہے۔

اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ليس الواصل بالمكافي ولكن الواصل الذي إذا قطعت رحمه وصلها" (بخاری)

"وہ شخص صلہ رحمی کرنے والا نہیں جو کسی رشتہ دار کے ساتھ احسان کے بدلے میں احسان کرتا ہے، بلکہ اصل صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب اس سے قطع رحمی کی جائے تو وہ صلہ رحمی کرے"۔

بلکہ اس دین عظیم میں معاملہ یہاں تک پہنچا ہے کہ اس نے کافر کے ساتھ بھی صلہ رحمی کی ترغیب دی ہے۔ جیسا کہ حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ: میری ماں قریش کے ساتھ ہوئے معاہدہ اور مدت میں آئیں جب کہ لوگوں نے ان کے والد کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کیا تھا، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میری ماں صلہ رحمی کی رغبت وخواہش کے ساتھ آئی ہیں تو کیا میں ان سے صلہ رحمی کروں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔

اللہ کے بندو! یہ ہے آپ کے دین میں صلہ رحمی کا درجہ ومقام۔ کیا آپ اللہ کی ان حدوں سے واقف ہیں؟ اس کے احکام بجالانے والے اور اس کی منہیات ترک کرنے والے ہیں؟ کیا آپ نے صلہ رحمی کی اور خویش واقارب سے ملتے رہے؟ اور صلہ رحمی میں کمی وکوتاہی اور ان کے تعلق سے حق تلفی کے لیے آپ نے ان سے معافی مانگی؟

برادران اسلام! کیا آپ کو معلوم ہے کہ صلہ رحمی کے کیا ثمرات ونتائج ہیں؟ دنیا وآخرت دونوں جہان میں اس کے لیے بشارتیں ہیں۔ صلہ رحمی کمال ایمان اور حسن اسلام ہے، صلہ رحمی رزق میں وسعت اور عمر میں برکت کا سبب ہے، صلہ رحمی سے بندے کو اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔

صلہ رحمی کے سلسلے میں سلف کی نصیحتیں اور فرمودات:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''تعلموا أنسابكم ثم صلوا أرحامكم''

اپنے نسب کو جانو، پھر اپنے رشتہ داروں سے جڑو''۔

اللہ کی قسم ایک آدمی اور اس کے بھائی کے بیچ کچھ اختلاف ضرور ہوگا۔ اگر دونوں فریق رشتہ وقرابت کو جان کر سمجھ لیں تو وہ اختلاف ہرگز نہ کریں۔ (تفسیر طبری)

اور حضرت عطاء بن ابو رباح نے فرمایا کہ رشتہ داروں پر خرچ کرنا فاقہ والوں پہ خرچ کرنے سے بہتر ہے؟ اس پر کسی نے پوچھا کہ اے ابو محمد! خواہ میرا رشتہ دار مالداری میں میرے ہی جیسا ہو تو بھی؟ فرمایا کہ ہاں، چاہے وہ تم سے بھی زیادہ مالدار کیوں نہ ہو۔ (مکارم الأخلاق لابن أبي الدنیا:12)

اور حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے کچھ دینار چھوڑتے ہوئے فرمایا کہ: اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے وہ صرف اس لیے جمع کر رکھے تھے کہ ان سے اپنا دین وحسب بچا سکوں۔ اس آدمی میں کوئی خیر نہیں جو مال اپنا قرض ادا کرنے، صلہ رحمی کرنے اور اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے جمع نہ کرے۔ (الآداب الشرعیہ لابن الصلاح:269/3)

اور عمرو بن دینار نے کہا کہ: جان لو! فریضہ کی ادائیگی کے بعد رشتہ دار کی طرف اٹھنے والے قدم سے بڑھ کر کسی اور قدم کا ثواب نہیں''۔

اور ابو سفیان بن موسیٰ نے عبداللہ بن محیریز سے پوچھا کہ: قرابت کا کیا حق ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ: قرابت دار آئے تو اس کا استقبال ہو اور واپس جائے تو اس کے پیچھے (وداع کرنے کے لیے) رہا جائے۔ (الآداب الشرعیۃ لابن صلاح:269/3)

دوسرا خطبہ:

برادران اسلام! جس طرح صلہ رحمی میں بڑا ثواب ہے۔اسی طرح قطع رحمی میں بھی بڑا گناہ ہے۔ قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ حضرت جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے سنا:

"لایدخل الجنة قاطع رحم"(بخاری)

"قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا"۔

جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر ذکر کیا: اے اللہ کے رسول! میرے کچھ رشتہ دار ہیں، میں ان سے جڑتا ہوں اور وہ مجھ سے کٹتے ہیں۔ میں ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا ہوں، مگر وہ میرے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں اور وہ میرے ساتھ نادانی کرتے ہیں جب کہ میں ان کے ساتھ بردباری سے پیش آتا ہوں، آپ نے فرمایا کہ: بات اگر ایسی ہے جو تم کہہ رہے ہو تو گویا تم ان کے منہ میں راکھ ہی ڈالتے ہو۔ اور جب تک تم اسی برتاؤ پر قائم رہو گے تو ان کے خلاف اللہ کی طرف سے تمہارے لیے معاون ہوگا۔ امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: گویا تم ان کو گرم راکھ کھلاتے ہو، قاطع رحم کو جو سزا اور تکلیف ملے گی گویا اس کی تشبیہ ہے گرم راکھ پھانکنے والے کو ہونے والی تکلیف و درد سے۔ اسی طرح قطع رحمی لعنت اور عقاب و سزا کا سبب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ، أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ"(محمد:23-22)

”اورتم سے یہ بھی بعید نہیں کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد برپا کرو اور رشتے ناتے توڑ ڈالو۔ یہ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی پھٹکار ہے اور جن کی سماعت اور آنکھوں کی روشنی اللہ نے چھین لی ہے“۔

اور فرمایا:

”وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ“(الرعد:25)

”اور جو اللہ کے عہد کو اس کی مضبوطی کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جن چیزوں کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے انہیں توڑتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، ان کے لیے لعنتیں ہیں اور ان کے لیے برا گھر ہے“۔

واضح ہو کہ سب سے بڑی قطع رحمی والدین سے متعلق قطع رحمی ہے، پھر اس کے بعد رشتہ داروں الاقرب فالاقرب۔ اور اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”الا انبئکم باکبر الکبائر ثلاث مرات، قلنا: بلی یا رسول اللّٰہ! قال: الاشراک باللّٰہ وعقوق الوالدین“

”تین بار آپ نے فرمایا: کیا میں تم لوگوں کو اکبر الکبائر (کبیرہ گناہوں) کے بارے میں نہیں بتاؤں؟ ہم صحابہ نے عرض کیا، ہاں کیوں نہیں؟ اے اللہ کے رسول! فرمایا: اللہ کی ذات میں دوسرے کو شریک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا“۔

یہ کتنا بڑا جرم ہے کہ اس کا گناہ اس قدر سخت ہے کہ اشراک باللہ کے بعد ہی وہ مذکور ہے۔

اسی طرح آخرت سے قبل دنیا میں بھی اس کی جلد سزا ملتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: قطع رحمی اور ظلم سے بڑھ کر کوئی بھی گناہ ایسا نہیں کہ اللہ اس کے

مرتکب کو دنیا ہی میں جلد سزا دے، باوجود کہ آخرت میں بھی وہ اس کے لیے تیار رہے۔

رشتہ داروں کے فرق مراتب:

برادران اسلام! رشتہ داروں کے کئی درجے ہیں:

پہلا درجہ: استقامت اور دین وتقویٰ والوں کے ساتھ صلہ رحمی کا ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ صلہ رحمی الاقرب فالاقرب کے طریقے کے مطابق کی جائے۔ خواہ عام رشتہ دار ہوں یا خاص۔

دوسرا درجہ: فاسق اور فاجر لوگوں کے ساتھ صلہ رحمی کا ہے۔

ان کی دو قسمیں ہیں:

ا۔ علانیہ طور پہ اپنی بدعت اور فسق وفجور کا ارتکاب کرنے اور اس کی دعوت دینے والوں سے پورے طور پر قطع تعلق کیا جائے گا۔ اور یہ اللہ عزوجل سے قربت کے لیے ہوگا۔ نیز اس سلسلے میں کوئی ڈھیل نہیں ہوگی۔ ہاں اگر ان کے ساتھ مدارات کسی برائی کو دور کرنے یا کوئی دینی فائدہ حاصل کرنے کے لیے ہو تو ٹھیک ہے اور حسب ضرورت ایسا کرنا مستحب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً "(آل عمران:28)

"الا یہ کہ تم ان سے کوئی بچاؤ چاہو"۔

اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا کہ اسے اجازت دے دو: "بئس أخو العشيرة ""یہ قبیلے کا برا آدمی ہے"۔ لیکن جب وہ اندر آ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نرمی سے گفتگو کی۔ میں نے کہا: اللہ کے رسول! آپ اس کے بارے میں ایسی ایسی باتیں کہہ چکے ہیں پھر بھی آپ نے اس سے نرم گفتگو کی۔ تو آپ نے فرمایا: سب سے

برا شخص وہ ہے جس سے لوگوں نے اس کی فحش کلامی سے بچنے کے لیے علیحدگی اختیار کر لی ہو یا اسے چھوڑ دیا ہو۔ (بخاری:6054)

۲۔ اور جو اپنی بدعت اور فسق و فجور کو چھپانے والا ہوگا اس کے ساتھ مستور الحال مسلمان کی طرح برتاؤ ہوگا، الا یہ کہ کسی کی حقیقت معلوم ہو جائے۔ یہاں تک کہ اگر ان کے ساتھ حسن معاملہ وسلوک کرنے میں کسی برائی کا خاتمہ یا کوئی فائدہ حاصل کرنا مقصود ہے تو اس کے ساتھ معاملہ ہوگا۔

تیسرا درجہ: کفار اور منافقین کا ہے۔

ان کی بھی دو قسمیں ہیں:

۱۔ محارب جو مسلمانوں سے برسر پیکار رہتا ہے، ایسے شخص سے قطع تعلقی کی جائے گی۔ الا یہ کہ مدارات اور اس کے شر سے بچنا مقصود ہو۔

۲۔ غیر محارب، اس کے ساتھ صلہ رحمی اور حسن معاملہ کا برتاؤ کیا جائے گا۔

غیر محارب کافر و فاجر رشتہ داروں کے صلہ رحمی کے طریقے یہ ہیں:

۱۔ ان کے لیے وعظ ونصیحت میں محنت کرنا، ان کو اسلام کی دعوت دینا اور مختلف طریقوں سے ان کو اسلام کی طرف بلانا۔

۲۔ ان کے حق میں غائبانہ ہدایت کی دعاء کرنا، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی دعا فرمایا کرتے تھے۔

"اللهم إهد قومي فإنهم لايعلمون"

"اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے کیوں کہ وہ نادان ہے"۔

"اللهم إهد دوسا"

"اے اللہ! قبیلۂ دوس کو ہدایت دے"۔

۳۔ ان کے ساتھ بھلائی وصلہ رحمی کرنا، اور ان سے ربط و تعلق پیدا کرنا۔ بشرطیکہ وہ

محارب اور دشمنی کرنے والے نہ ہوں۔

مسلمانو! اللہ سے ڈرو۔ اور ملاقات، ہدیئے اور تحفے تحائف کے ذریعہ اپنے رشتہ داروں سے جڑو، نرمی وخوش روئی، عزت واکرام اور احترام کے ساتھ ان سے ملو اور ہر اس طریقہ سے رشتہ داروں کے ساتھ جڑو جو لوگوں میں متعارف ہے۔ دنیا اور آخرت میں کامیاب رہو گے۔ اور قطع تعلق سے بچو، کیوں کہ یہ دنیا وآخرت میں مصیبت اور نقصان کا سبب ہے۔

شراب ومنشیات اور جوانی کی تباہی میں اس کا کردار

"إنَّ الحمد لله ،نحمده،و نستعینه، ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، وسیئات أعمالنا، من یهده الله فلا مضل له، ومن یضلل فلا هادی له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشریک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله" أما بعد!

"فقد قال الله تبارک وتعالیٰ في کلامه المجید، أعوذ بالله من الشیطان الرجیم"

"وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِيْ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلاً" (بنی اسرائیل:70)

"یقیناً ہم نے اولادِ آدم کو بڑی عزت دی اور انہیں خشکی اور تری کی سواریاں دیں اور انہیں پاکیزہ روزیاں دیں اور اپنی بہت سی مخلوق پر انہیں فضیلت عطا فرمائی"۔

اللہ عزوجل نے انسان کو بہت ساری خوبیوں سے نوازا ہے، جن کے سبب وہ جمادات وحیوانات اور نباتات نیز جن وغیرہ جیسی بہت ساری مخلوقات سے ممتاز ہے۔ اللہ نے انسان کو عقل وشعور اور فہم وتدبیر سے نوازا، عقل انسان کے لیے اللہ کی نعمتوں میں سے ایک اہم نعمت ہے، جس سے وہ خیر وشر میں تمیز وفرق کرتا ہے، نفع ونقصان کو سمجھتا ہے۔ اسی سے وہ اپنی زندگی میں کامیابی حاصل کرتا ہے۔ اسی سے وہ امور ومسائل میں غور وفکر کرتا ہے، اسی سے وہ فائدہ اٹھاتا ہے۔ اسی سے قومیں عروج پر جاتی ہیں اور زندگی کو فروغ ملتا

ہے۔ عقل ایک قیمتی جوہر ہے۔ عقلاء واہل دانش اس کی فضیلت واہمیت کے اعتراف اور خسارہ ونقصان کے خدشہ سے اس کی حفاظت ورعایت کرتے ہیں۔

انسان جب عقل وشعور کھودیتا ہے تو وہ اپنے اور حیوانات وجمادات کے بیچ فرق نہیں کرپاتا ہے۔ جو عقل وشعور سے ہی محروم ہو اس میں بھلا کیا فائدہ؟ بلکہ وہ اپنے گھرانہ اور معاشرہ وسماج کے لیے ایک بوجھ ہے۔ یہ بیش قیمت نعمت عقل جو انسان کو ملی ہے اگر اس کی حفاظت نہ کرے اور اسے خود ہی ضائع وبرباد کردے تو اس سے زیادہ بدنصیب اور محروم شخص کوئی نہیں۔

شرابی جب شراب کا جام لڈھاتا یا کسی نشہ آور چیز کی گھونٹ لیتا ہے، یا کوئی نشہ آور ناک سے لیتا ہے تو وہ اپنی عقل کھودیتا ہے اور انسانیت کے دائرہ سے نکل جاتا اور جرم وبے حیائی کا لبادہ اوڑھ لیتا ہے۔ پھر تو زندگی ہی بیکار ہو جاتی اور نشہ کا شکار (انسان) اپنے رب کو بھول جاتا ہے، وہ اپنے پر ہی ظلم کرتا ہے، حیا کا دامن چاک کرڈالتا ہے اور بسا اوقات یہ چیز اس کی موت کا سبب بن جاتی ہے۔ اس طرح وہ اپنے بچوں کو یتیم وبے سہارا اور اپنی بیوی کو بیوہ بناڈالتا ہے۔ اس طرح سے وہ پانچوں میں سے ایک ضرورت کو نظر انداز کردیتا ہے۔ جس کی حفاظت پر تمام آسمانی ادیان وشریعت کا اتفاق ہے، اور وہ ہے عقل کی ضرورت۔ نشہ آور اشیاء یا منشیات کے استعمال کے سبب اپنی عقل وشعور سے محروم انسان اپنا اور معاشرہ کا بھی برا کرتا ہے، اپنی قوم وملت کو رسوا کرتا، امن وامان میں خلل ڈالتا ہے اور اپنے معاشرہ کو ہراساں کردیتا ہے۔ منشیات کا استعمال کرنے والے اپنے زیر اختیار معاملہ اور اپنی عقل وشعور پر قابو نہیں رکھ پاتے۔

اسلامی ممالک میں مخدرات ومنشیات کی وبا دشمنوں کی چال ہے۔ عقلمند لوگ اپنی عقل وشعور کا خیال رکھتے ہیں اور اسے ایک انمول نعمت سمجھتے ہیں۔

کمزور عقل والے، دشمنوں کی مہلک پیش کش اور مفسد دلالوں کی لانچ کردہ چیزوں کو

ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں، یہ سب مخدرات ومنشیات کی مصیبتیں مسلمانوں میں بھی پہنچ گئی ہیں اور وہ اپنے مقصد وغایت سے غافل و بے خبر ہیں، ادھر دشمنوں کو مسلمانوں کے اندر گھسنے کا راستہ تو معلوم ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا''(البقرۃ:217)

''یہ لوگ تم سے لڑائی بھڑائی کرتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان سے ہو سکے تو تمہیں تمہارے دین سے مرتد کر دیں''۔

تعجب تو اس پر ہوتا ہے، جو کوئی اپنے ہی مال سے اپنے ہی حق کا نقصان دہ سامان خریدتا ہے۔ شرابی اور منشیات کا خوگر آخران لوگوں سے سبق کیسے نہیں لیتا، جو دوسرے شرابیوں کی وجہ سے مصیبت میں پڑے، اوراس نے ان کو برباد کر کے رکھ دیا۔

اور ایسا آدمی خود کو عقلمندوں اور شریفوں کی جماعت سے الگ کر کے پاگلوں اور بے عقل والوں سے جاملتا ہے۔ حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ اگر عقل کی خرید وفروخت ہوتی تو لوگ اس کی قیمت خوب لگاتے۔ تو پھر آخر کوئی اپنی عقل کو خود ہی خراب کیونکر کرتا ہے۔ یہ ایک مصیبت ہے جو مسلمانوں کے بچوں کے سر آ گئی ہے۔ ہم اللہ سے ہدایت کی دعاء کرتے ہیں۔ ماکولات یا مشروبات یا اور دیگر چیزیں (جو انسان کی عقل کو ختم کر دیتی یا اس میں فتور پیدا کر دیتی ہیں) بھی اسی قبیل کی ہوں گی اور وہ حرام ہوں گی۔

شراب کی حرمت پر شرعی نصوص:

قرآن مجید میں فرمان الٰہی ہے:

''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ''(المائدہ:90)

''اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور تھان اور فال نکالنے کے پانسے کے تیر، یہ سب گندی باتیں، شیطانی کام ہیں ان سے بالکل الگ رہو تا کہ تم فلاح یاب ہو''۔

اس آیت کریمہ سے سمجھا جا سکتا ہے کہ شراب نجس عین ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ رجس ہے، جو عربی زبان میں ہر اس گندگی کو کہا جاتا ہے جس کو نفس گوارا نہ کرے۔ بلکہ صحابہ کرام نے تو آیت سے یہ سمجھا کہ شراب صرف حرام ہی نہیں بلکہ وہ اس شرک کے برابر ہے، جو ان گناہوں میں سب سے بڑا گناہ ہے جن کا انسان ارتکاب کرتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تو اصحاب نبی ایک دوسرے کے پاس گئے اور کہنے لگے: شراب حرام اور شرک کے برابر گناہ قرار دی گئی ہے۔ (طبرانی۔ رواۃ صحیح ہیں) اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ شراب کے بارے میں فرمایا: '' رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ '''' شیطان کا گندہ کام'' اور شرک کے بارے میں فرمایا: ''فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ '''' بتوں کی گندگی سے بچو''۔

شراب سے اجتناب:

شراب کی حرمت اور اس سے اجتناب اور اس کے استعمال کرنے یا اس کے قریب پھٹکنے کی سخت مذمت پر قرآن اور حدیث میں بہ کثرت دلائل موجود ہیں۔ شراب ضلالت و گمراہی کا اشاریہ اور فواحش و منکرات کا عنوان ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا کہ عبدالرحمٰن بن وعلہ نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے شراب کی خرید و فروخت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ قبیلہ ثقیف یا دوس کا ایک شخص دوست تھا، چنانچہ وہ آدمی فتح مکہ کے دن آپ کو شراب کا مٹکا ہدیہ دینے کے لیے آپ سے ملا تو آپ نے فرمایا: اے فلاں! کیا تم کو نہیں معلوم کہ اللہ نے شراب کو حرام قرار دیا ہے؟ پھر وہ آدمی اپنے غلام کے پاس آ کر کہا کہ جاؤ اس کو بیچ دو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے فلاں! اسے کیا حکم دے رہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے اسے شراب بیچ دینے کے

لیے کہا ہے۔ تب آپ نے فرمایا: جس نے شراب کو حرام قرار دیا ہے، اسی نے شراب کی خرید وفروخت بھی حرام کردی ہے۔ پھر میں نے اس کو حکم دیا تو بطحاء میں جا کر اس کو بہادیا۔ (مسلم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شب اسراء میں ایلیاء (جگہ) پر آپ کے پاس شراب اور دودھ کے دو پیالے لائے گئے۔ آپ نے دونوں کو دیکھا اور دودھ کا پیالہ لیا جس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: "الحمد لله الذي هداک للفطرة، ولو أخذت الخمر غوت أمتک"
"شکر ہے اس ذات کا جس نے آپ کو فطرت کی رہنمائی کی، اگر آپ شراب لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی"۔ (بخاری)

اور ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: شراب کے سلسلے میں اللہ نے دس لوگوں پر لعنت بھیجی ہے: شراب نچوڑنے اور نچوڑوانے پر، پینے اور پلانے والے پر، بیچنے اور خریدنے والے پر، اٹھانے اور پہنچائے جانے والے پر، اس کی قیمت کھانے اور وہ جس کے لیے خریدی گئی ہے اور اس پر یہ سب کے سب بزبان محمد صلی اللہ علیہ وسلم ملعون ہیں۔

شراب اور مخدرات ومنشیات کی قلت وکثرت دونوں کی حرمت میں بڑی حکمت پنہاں ہے کیوں کہ کسی چیز کا کم حصہ زیادہ کی طرف لے جانے کا سبب ہوتا ہے۔ پھر یہی خوگر بناتا اور پھر ہمیشہ کا بادہ کش بنادیتا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ما أسكر كثيره فقليله حرام" (ابوداؤد ونسائی)
"جس کا زیادہ مسکر ہے اس کا کم بھی حرام ہے"۔

حشیش وغیرہ جیسے جہنمی مخدرات کے ملعون درخت سے دور رہنا ضروری ہے جو استعمال کرنے والے کے بدن اور عقل وشعور کو بگاڑ کر رکھ دیتے ہیں اور جس سے وزن

خراب ہوتا ہے۔ استعمال کرنے والے کی قوت وطاقت اور عزم وارادہ میں کمی آتی ہے۔ یہ جام لڈھانا بصارت وبصیرت دونوں سے محروم کر دیتا ہے اور لوگوں کی نظر میں ایسے آدمی کو ناقص العدالہ اور برے کردار کا بنا دیتا ہے۔ ایسا آدمی بے حیرت واستعجاب ہنستا اور بلا سبب روتا ہے اس کی آنکھیں یوں گھومتی رہتی ہیں جیسے کہ وہ جانکنی کی حالت میں ہوں۔

اسی طرح اسلام دشمنوں نے مخدرات ومنشیات کی کئی قسمیں بنادی ہیں۔ اور ہیروئن سے گزر کر اب اسے عقل میں فتور ڈالنے والے نہایت نقصان دہ ٹیبلٹس کی شکل دے دی ہے، جو سب شیطان کے کام ہیں۔ اس لیے ان سے بچنا چاہیے۔

منشیات ومسکرات کے دینی نقصانات:

اللہ کے بندو! منشیات ومسکرات کے دینی نقصانات اور اس فرمان الٰہی میں مذکور ہیں:

''إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ''(المائدۃ:91)

''شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض ڈال دے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے سو اب بھی باز آجاؤ''۔

چنانچہ مسکرات اور نشیلی چیزیں اس نماز سے روکتی ہیں جو دین کا ستون ہے۔ ذکر الٰہی سے اور فرشتوں سے روکتی ہیں جیسا کہ بزار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے: ''لا تقرب الملئکۃ سکران''

فرشتے نشہ میں آئے ہوئے انسان کے ساتھ نہیں ہوتے''۔

اور جب فرشتے اس سے الگ ہوجاتے تو شیطان ساتھ لگ جاتا ہے اور اسے اپنے ساتھ دیکھ کر قریب اور خوش ہوتا ہے۔ ان مخدرات کو ہمیشہ استعمال کرنے والے یا کبھی کبھی استعمال کرنے والے کو دیکھو گے کہ ہر طرح کی اطاعت ونیکی اس کے لیے گراں ہوتی ہے۔

بھلے کاموں سے دل اس کا پھرا ہوتا ہے اور محرمات کا دلدادہ ہوتا ہے۔ کیوں کہ اس کا دل گندگیوں سے آلودہ رہتا ہے۔ اس کے دین میں نقص وکمی ہوتی ہے اور اس کی حالت ہمیشہ خستہ ہوتی ہے۔

مخدرات کے جسمانی نقصانات:

اللہ کے بندو! مخدرات اور نشہ آور اشیاء کے جسمانی نقصانات میں ہے کہ وہ دماغ کو خشک کر دیتی ہیں۔ انسان پر دورہ اور بے ہوشی طاری کر دیتی ہے، دل کی دھڑکن بڑھا دیتی ہے، اعصاب میں تشنج پیدا کر دیتی ہے اور جوڑوں کو بھی شل کر دیتی ہے۔ اسی طرح جریان خون کے نظام کو بھی مختل کر دیتی ہے۔ استعمال کرنے والے کے اندر خوف وہراس اور بے چینی پیدا کر دیتی ہے۔ ایسا شخص ہر چیلنج وپکار کو اپنے ہی خلاف سمجھتا ہے، ڈراؤنی چیزیں ہر چہار جانب سے اس کو گھیر لیتی ہیں، وہ برے انجام اور خراب ومہلک مرض سے ڈرتا رہتا ہے۔

چنانچہ وہ ہر طرح کی خوبی وکمال سے محروم اور ہر طرح کی خرابی سے آلودہ ہوتا ہے۔ طرح طرح کے مخدرات ومنشیات سے متاثر ہو کر نہ جانے کتنے جرائم کا ارتکاب ہوتا ہے اور انسانی عقل وارادہ کے باقی نہیں رہنے پر کتنے فحش اور گناہ کے کام انجام پاتے ہیں، کتنی حرمتیں پامال ہوتی ہیں، کتنے مال چوری ہوتے ہیں، آمد ورفت کے کتنے حادثے ہوتے ہیں اور کتنے بے قصور مرد وزن کا اغوا ہوتا ہے یہ سب چیزیں مخدرات ومنشیات سے متاثر ہونے کی وجہ سے اس سے سرزد ہوتی ہیں۔

اللہ کے بندو! دشمنان اسلام مومن کے تعلق سے کوئی کسر باقی نہیں چھوڑتے، مسلمانوں اور جوانوں کو خصوصاً برباد کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں اور اس کے لیے مخدرات ومنشیات کی تیاری میں وہ ایسا طریقہ اپناتے ہیں کہ ان کا حصول بڑوں سے پہلے چھوٹوں کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔

والدین اور سرپرست حضرات پر اس اہم معاملے کی بڑی ذمہ داری ہے کہ بچے ان مخدرات ومنشیات کا خاص نشانہ وہدف ہیں۔ اس لیے ان کی نگرانی آپ کی ذمہ داری ہے۔ اسی طرح اخلاص اور سچی نیت کے ساتھ یہ دعا بھی کہ اللہ اس مہلک وبا سے ہم سب کو بچائے، اس وبا اور مصیبت کو ختم کرنے میں ایک دوسرے کو تعاون دینا ہی مضبوط ہتھیار ہے ۔ اس خطرناک وبا کے سلسلے میں ہماری گفتگو نصیحت وخیر خواہی، توجیہ وارشاد اور احتیاط برتنے کی بات بتانے کے طور پر ہے۔ ہمارے چاروں طرف دشمنان اسلام، اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے نیز مسلم جوانوں کو تباہی وبربادی کی راہ پر لگانے کی کوشش میں ہیں، اس لیے ان کے والدین پر ضروری ہے کہ وہ استقامت اور اصلاح نیز ہر طرح کے مضر ونقصان دہ چیز سے دور رکھ کر ان کی تربیت کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

''يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْآ أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيْكُمْ نَاراً وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ''(التحریم:6)

''اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر جس پر سخت دل مضبوط فرشتے مقرر ہیں جنہیں جو حکم اللہ تعالیٰ دیتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ جو حکم دیا جائے بجالاتے ہیں''۔

اس لیے ہمارے اوپر جو ذمہ داریاں ہیں وہ ہمیں پوری کرنی چاہئیں۔

ہم اپنے ساتھ ساتھ اپنے بھائیوں، اپنے ملک وشہر اور مسلمانوں کی حرمتوں کی غیرت رکھنے والے سبھی حضرات کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ امن وامان کے ذمہ داروں کو اپنا تعاون دیں۔

ارشاد باری ہے:

''وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ

وَالْعُدْوَانِ "(المائدۃ:2)

"نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم وزیادتی میں مدد نہ کرو"۔

یہ ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ ہم ایک دوسرے کا سہارا بنیں اور تعاون کریں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے ملک ووطن کی، ہمارے بچوں اور جوانوں کی اور ہماری نسل کی اس مہلک وبا سے حفاظت فرمائے۔ "إنه تبارک وتعالیٰ سمیع مجیب الدعوات"

"إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا "(الأحزاب:56)

علم اور اس پر عمل کی ترغیب

پہلا خطبہ:

"إنَّ الحمد لله ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريك له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله" أما بعد!

برادران اسلام! اسلام دین علم ہے۔ وہ پہلی بات ہے جس کا حکم اللہ نے اپنے رسول کو دیتے ہوئے فرمایا:

" اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ،خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ،اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ،الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ،عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ "(العلق:5-1)

"پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ جس نے انسان کو بستہ خون سے پیدا کیا۔ پڑھ تیرا رب بڑے کرم والا ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے (علم) سکھایا۔ جس نے انسان کو وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا"۔

امام بخاری نے فرمایا کہ:"العلم قبل القول والعمل"

"قول وعمل سے پہلے علم ہے"۔

کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ"(محمد:19)

"سو (اے نبی!) آپ یقین کرلیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

علم اور اصحاب علم کی فضیلت:

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو طلب علم کی ترغیب دی ہے اور یہ اس وجہ سے کہ انسان علم کے بغیر اللہ کی کما حقہ عبادت کر ہی نہیں سکتا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے کہ:

" إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَآءُ ")فاطر 28)

"اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں"۔

اور فرمایا:

" هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ "(الزمر:9)

" آپ کہہ دیجیے، کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں؟ یقیناً نصیحت وہی حاصل کرتے ہیں جو عقلمند ہوں"۔

اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ علم حاصل کریں۔ فرمایا:

" وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْماً "(طہ:114)

"اور آپ کہیے کہ میرے رب مجھے مزید علم عطا کر"۔

اور فرمایا:

" يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ أُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ "(المجادلۃ:11)

"اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کے جو ایمان لائے ہیں اور جو علم دیئے گئے ہیں درجے بلند کردے گا"۔

حضرت کثیر بن قیس سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ میں دمشق کی مسجد میں

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں ایک شخص نے ان کے پاس آ کر عرض کیا: اے ابو درداء! میں آپ کے پاس مدینہ سے آیا ہوں۔ میں کسی اور ضرورت کے تحت نہیں، بلکہ اس حدیث کے لیے آیا ہوں جس کے بارے میں مجھے معلوم ہوا کہ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، تو انہوں نے کہا کہ ہاں! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: جو طلب علم کے لیے کسی راستہ پر چلے گا تو اللہ اس کی وجہ سے جنت کی راہ پر اسے چلائے گا، اور فرشتے طالب علم کی رضا و خوشنودی کے لیے اپنے پر پھیلا دیتے ہیں، اور عالم کے لیے زمین وآسمان کی ساری مخلوقات استغفار کرتی ہیں، اور پانی کے اندر مچھلیاں بھی مغفرت طلب کرتی ہیں، اور عابد پر عالم کی وہی فضیلت سے جو چودہویں رات کے چاند کی سارے ستاروں پر ہے، اور علماء نبیوں کے وارث ہیں۔ انبیاء دینار و درہم کے وارث کسی کو نہیں بناتے، وہ علم کے وارث بناتے ہیں۔ جس نے علم کو پالیا، اس نے پورا حصہ پالیا۔ (ابوداؤد وترمذی)

اس حدیث کے اندر علم اور اصحاب علم کی فضیلت کی واضح دلیل ہے کہ علم جنت کی راہوں میں سے ایک راستہ ہے، فرشتے طالب علم کے لیے اپنے پر پھیلا دیتے ہیں اور اس کی مغفرت کے لیے زمین وآسمان کی ساری مخلوقات، حتی کہ سمندر کے اندر کی مچھلیاں بھی دعا کرتی ہیں۔

اے اللہ کے بندو! مذکورہ فضیلت سے بھی بڑھ کر کوئی اور فضیلت ہو سکتی ہے؟

اے اللہ کے بندو! دین کی سمجھ ملنی، بندے کے ساتھ اللہ کے ارادۂ خیر کی علامت ہے۔ چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين، والله معطي وأنا القاسم، ولا تزال هذه الأمة ظاهرين على من خالفهم، حتى يأتي أمر الله وهم

ظاہرین "(متفق علیہ)

"اللہ جس کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے، اس کو دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔ اللہ دینے والا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں۔ یہ امت ہمیشہ اپنے مخالفین پر بالآخر غالب ہی رہے گی، یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آجائے اور وہ غالب ہی رہیں گے"۔

علم کی فضیلت و مقام ہی کی وجہ سے علم میں رشک کرنا جائز ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"رشک دو ہی باتوں میں موزوں ہے: ایک وہ شخص جس کو اللہ نے مال عطا کیا تو وہ اسے راہ حق میں خرچ کرتا ہے، اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ نے علم و حکمت سے نوازا تو وہ اس کی روشنی میں فیصلہ کرتا اور اسے سکھاتا ہے"۔(بخاری و مسلم)

فضیلت علم کے سلسلے میں علماء کے اقوال:

مطرف بن شخیر نے فرمایا کہ:

"فضل العلم خير من فضل العمل وخير دينكم الورع"

"فضیلت علم فضیلت عمل سے بہتر ہے اور تمہارا بہتر دین ورع ہے"۔

امام شافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: "طلب العلم أفضل من صلوة النافلة"

"طلب علم نفل نماز سے زیادہ بہتر ہے"۔

لیکن یہ اس کے بارے میں ہے، جو علم سے استفادہ کرتا ہے۔

اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مدینہ میں تھے تو ان کے پاس گورنر مکہ نافع بن حارث خزاعی آئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ نے مکہ میں کسی کو اپنا جانشین بنایا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ: میں نے اپنے غلام کو جانشین بنا دیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ غلام کو جانشین بنایا؟ تو انہوں نے کہا کہ وہ حافظ قرآن اور عالم فرائض ہے۔

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"إن اللّٰه يرفع بهذا الكتاب أقواما ويضع به اٰخرين" (رواہ مسلم)

"اللہ اس کتاب کیوجہ سے کچھ لوگوں کے مقام بلند کرتا ہے اور کچھ لوگوں کو اس کتاب پر عمل نہ کرنے کے سبب ذلیل کر دیتا ہے"۔

علم نافع کے اصول:

علم کے کچھ آداب واصول ہیں، جو اسے اللہ کی عبادت بنا دیتے ہیں۔ جیسے اخلاص اور سبھی عبادتوں میں یہ مطلوب ومقصود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَمَآ اُمِرُوْآ اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ" (البینۃ: 5)

"اور ان کو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت یکسوئی کے ساتھ اس کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے کریں"۔

اور حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر کوئی علم دنیوی غرض کے لیے حاصل کرتا ہے تو قیامت کے دن وہ جنت کی خوشبو نہیں پائے گا"۔ (ابوداؤد)

اور صحیح مسلم میں ہے: "القراٰن حجة لك أو عليك"

"قرآن تمہارے حق میں ہوگا، یا پھر تمہارے خلاف جائے گا"۔

اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: جس کی نیت صحیح ہو، اس کے لیے علم جیسی کوئی چیز نہیں۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیسے؟ فرمایا کہ وہ اپنے اور دوسرے سے جہالت دور کرنے کی نیت سے اسے حاصل کرتا ہے۔

ابن جماعہ کا بیان ہے کہ: علم اور علماء کی جو فضیلت آئی ہے، وہ نیک یعنی عامل علماء کے بارے میں ہے، جن کا مقصد اللہ کریم کی رضا اور جنت میں اس کی قربت ہوتی ہے، نہ

کہ وہ جس کی نیت بری ہو یا دنیوی غرض، جیسے جاہ و منصب یا وہ مال و دولت یا پیرو کاروں اور شاگردوں کی کثرت کے لیے اسے طلب کرتا ہو۔ (تذکرۃ السامع:38)

اسی طرح طالب کی ذمہ داری ہے کہ اہم اور اس سے اہم کا خیال کرتے ہوئے قرآن کریم کے حفظ و تجوید اور قراءت سے آغاز کرے، پھر سنت کی تعلیم حاصل کرے اور آگے بھی اسی طرح۔ اسی طرح اس کی ذمہ داری ہے کہ جو سیکھا ہے اس پر حسب استطاعت عمل بھی کرے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"لیس العلم ماحفظ، العلم مانفع" (تذکرۃ السامع)

"علم وہ نہیں جو محفوظ رہے، بلکہ علم وہ ہے جو نفع پہنچائے"۔

چنانچہ صحیح علم وہ ہے جو صاحب علم کے اندر اللہ کے لیے خشیت و سکینت، وقار اور خاکساری و تواضع پیدا کرے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ:

"تعلموا العلم وتعلموا له السكينة والوقار" (تذکرۃ السامع:44)

"علم حاصل کرو اور اس کے لیے سکینت و وقار بھی سیکھو"۔

دوسرا خطبہ:

سلف کی علمی زندگی کی چند مثالیں:

برادران اسلام! طلب علم کے سلسلے میں ہمارے سلف صالحین نے بڑی مشقتیں اور پریشانیاں برداشت کیں ہیں، دور دراز کے اسفار کیے ہیں۔

علی بن احمد خوارزمی کا بیان ہے کہ میں نے عبدالرحمٰن بن ابو حاتم سے بیان کرتے ہوئے سنا: جسمانی راحت کے ساتھ علم نہیں حاصل کیا جا سکتا۔ سات مہینوں تک ہم مصر میں

رہے، وہاں ہم نے شوربہ نہیں کھایا، اس لیے کہ ہم کسی شیخ کی مجلس میں صبح صبح ہی جاتے، کسی کی مجلس میں دوپہر کو اور کسی کی مجلس میں عصر کے وقت، پھر رات میں لکھنے اور مذاکرہ کرنے میں رہتے اور کچھ کرنے کا ہمیں موقع ہی نہیں ملتا۔ میرا ایک خراسانی دوست تھا میں اس کی تحریر سنتا اور وہ میری تحریر سنتا، میں جو لکھتا وہ نہیں لکھتا، وہ جو لکھتا میں نہیں لکھتا۔ ایک دن صبح سویرے ہم لوگ کسی شیخ کی مجلس میں گئے تو لوگوں نے بتایا کہ وہ بیمار ہیں۔ چنانچہ ہم لوگ واپس ہو لیے، ہم لوگوں نے راستے میں مصر کی وہ مچھلی دیکھی، جس کے پیٹ کو چاک کرنے کے بعد چھوٹی مچھلی نکلتی ہے۔ ہم کو بڑا تعجب ہوا (اسے خرید کر) ہم لوگ اپنی جگہ پر آئے تو دوسرے شیخ کی مجلس کا وقت ہو گیا، اس لیے مچھلی نہیں بنائی جا سکی اور برابر مشائخ کی مجلسوں میں جاتے آتے رہے یہاں تک کہ اس پر تین دن بیت گئے، جو خراب ہونے کے قریب تھی، اس لیے ہم لوگ اسے کچا ہی کھا گئے۔ کہا گیا کہ کسی کو دے دیتے، وہ پکا دیتا؟ جواب دیا کہ ہمارے پاس اس کے لیے بھی کہاں فرصت تھی؟ (سیر أعلام النبلاء:266/13)

اور یہ ہیں شعبہ بن حجاج، جو اپنے شہر بصرہ سے مکہ گئے، پھر مدینہ اور پھر اپنے وطن لوٹے، صرف ایک حدیث کے تعلق سے مطمئن ہونے کے لیے جس کو انہوں نے سنا تھا، مگر ان کا دل مطمئن نہیں تھا۔

یہ علمائے دین کے چند واقعات ہیں، جن سے کوئی نصیحت لینے والا ہے؟ ہم لوگ شرعی علم کے طلبہ ہیں۔ ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے آپ سے دھوکہ نہ کھائیں اور ہم وقت سے پہلے ہی جا کر مجلس علم میں بیٹھیں، کیوں کہ شروع کی علمی گفتگو چھوٹے گی تو خیر کثیر چھوٹ جائے گا۔ جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں اور علم تواضع سکھاتا ہے۔ اس لیے خود کو ہر وقت طالب علم سمجھنے کی کوشش کرو اور یہ کہ کسی سے فائدہ اٹھانے میں کوئی ہچکاہٹ ہرگز محسوس نہ کرو، خواہ وہ علم میں تم سے کمزور ہو یا تمہارے برابر ہو۔

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آدمی جب تک سیکھتا رہتا ہے عالم ہوتا ہے

اور جب سیکھنا چھوڑ دیتا ہے اور خود کو بے نیاز اور اپنے سیکھے ہوئے پر اکتفا کر لیتا ہے تو وہ سب سے بڑا جاہل ہو جاتا ہے۔ (تذکرۃ السامع:60)

سلف کو جس چیز کا علم نہیں ہوتا اسے اپنے شاگردوں سے سیکھنے میں بھی کوئی حرج محسوس نہ کرتے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے شاگرد حمیدی کا بیان ہے کہ: میں مکہ سے مصر تک امام شافعی رحمہ اللہ کے ساتھ رہا، میں ان سے مسائل سیکھتا تھا اور وہ مجھ سے حدیث سیکھتے تھے۔

اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: امام شافعی رحمہ اللہ نے ہم سے کہا کہ تم لوگ مجھ سے زیادہ حدیث جاننے والے ہو، جب کوئی حدیث تمہارے نزدیک صحیح ثابت ہو جائے تو ہم سے بھی بیان کر دو، تاکہ میں بھی اسے حاصل کروں۔

اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور دین کی سمجھ حاصل کرو، تاکہ تم بصیرت کے ساتھ اللہ کی عبادت کرو، کیوں کہ اللہ جس کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے، کیوں کہ دین کی سمجھ خیر اور عمل صالح کی بنیاد ہے، اسی سے بندہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنے رب کی عبادت کیسے کرے؟ کیسے وضو بنائے، کیسے غسل کرے؟ کیسے نماز پڑھے، کیسے روزہ رکھے، زکاۃ اور حج کیسے ادا کرے، عمرہ کیسے کرے، اسی سے واجبات اور سنن میں تمیز و فرق کرتا ہے، جہالت اور فتنوں کے گھٹا ٹوپ بادل جب چھا جاتے ہیں تو اسی سے بندہ سمجھتا ہے کہ علم کی روشنی میں وہ اپنے رب تک کیسے جائے۔ اسی سے جانتا ہے کہ معاملات کیسے ہوں، کیسے نکاح کیا جائے، کیسے خرید و فروخت کی جائے، گناہوں کا کفارہ کیسے ادا ہو؟ اسی سے بندہ اپنی قوم کے لیے مشعل راہ بنتا ہے اور اسے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ اسی سے بندہ اپنی زندگی میں اور بعد از مرگ بھی روشنی حاصل کرتا۔ چنانچہ علم قلب کا بھی نور ہے اور قبر کا بھی، حشر کا بھی اور پل صراط کا بھی۔ عالم آدمی مرنے کے بعد بھی زندہ رہتا ہے اور جاہل اپنی زندگی میں بھی مردہ ہوتا ہے۔

"قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ" (الزمر:9)

"آپ کہہ دیجیے، کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں؟"

بندہ جب مر جاتا ہے تو سوائے تین باتوں کے اس کے عمل کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے:
۱۔ صدقہ جاریہ۔
۲۔ علم، جس سے اس کی وفات کے بعد بھی فائدہ اٹھایا جاتا۔
۳۔ نیک اولاد، جو اس کے حق میں دعا کرے۔ (مسلم)
فرشتے اپنے پر طالب علم کے لیے پھیلا دیتے ہیں۔ عالم کے لیے زمین وآسمان کی ساری مخلوقات، حتیٰ کہ پانی کے اندر مچھلیاں بھی استغفار کرتی ہیں۔ اور عالم کی فضیلت عابد پر اسی طرح ہے جیسے چودہویں رات کی چاند کی تمام ستاروں پر۔ اور علماء نبیوں کے وارث ہیں، انبیاء دینار و درہم کا وارث نہیں بناتے بلکہ علم کا وراث بناتے ہیں۔ جس نے وہ پالیا، اس نے بھرپور حصہ پایا۔
آخر میں اپنے دین اور امت کے لیے غیرت رکھنے والے تمام ذمہ دار حضرات سے میری یہ اپیل ہے کہ وہ اپنے علاقے کے تعلیمی منہج کی اصلاح کا کام کریں، خصوصاً جس کا تعلق دین سے ہے کیونکہ اس سے علم میں صرف کمزور بچے تیار ہوں گے۔ چنانچہ ان کے اندر صحیح شرعی علم نہیں ہوگا بلکہ وہ علم ہوگا جس سے زیادہ سے زیادہ نقصان ہوگا۔ اور اس میں سب سے خطرناک وہ اشعری عقیدہ ہے جو کتاب وسنت کے ساتھ طریقہ سلف کے بھی خلاف ہے۔ اس لیے ہر غیور اور ذمہ دار آدمی کے لیے ضروری ہے کہ وہ وقت گزرنے سے پہلے ہی اس کی اصلاح کا کام کرلیں۔
اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو اور اپنے دینی امور کو اسی طرح سیکھو، جیسے تمہارے رب نے تمہیں حکم دیا ہے۔ اور جان لو کہ عبادت اسی وقت درست ہوگی جب اخلاص کے ساتھ صحیح علم یعنی کتاب وسنت کی روشنی میں کی جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں علم صحیح اور عمل صالح کی دولت سے نوازے۔ آمین یارب العالمین
وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

لوگوں کے ساتھ تعامل کے اصول وضابطے

پہلا خطبہ:

"إنَّ الحمد لله ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادی له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله" أما بعد!

قرآن وحدیث کے نصوص پر جب ہم غور کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دین وتقویٰ اور حسن اخلاق کو دنیا وآخرت میں شرف وتقدم اور فضیلت وبرتری سے وابستہ کردیا ہے، لیکن شہرت یا لہو ولعب یا حسب ونسب یا اس جیسی کسی اور چیز کے ساتھ وابستہ نہیں کیا ہے۔ اس سلسلے میں بہت سے نصوص دلائل موجود ہیں۔ جیسے:

"إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُمْ" (رواہ البخاری)

"اللہ کے نزدیک تم سب میں باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے"۔

"خيركم من تعلم القرآن وعلمه"

"تم میں سب سے بہتر وہ ہے، جس نے قرآن سیکھا اور سکھایا"۔

"خير كم من يرجي خيره يؤمن شره"

تم میں سب سے بہتر وہ ہے، جس سے خیر کی امید ہو اور جس کے شر کا ڈر نہیں ہو،

"خيركم خيركم لأهله وأنا خيركم لأهلي"

تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے افراد خانہ کے لیے بہتر ہو، اور میں اپنے گھروں والوں کے لیے تم میں سب سے بہتر ہوں۔

"خيركم إسلاما أحاسنكم أخلاقا إذا فقهوا"

"تم میں سب سے بہتر اسلام والا وہ ہے، جو تم میں سب سے اچھے اخلاق والا ہو، بشرطیکہ وہ دینی سمجھ والا بھی ہو"۔

اور پوچھا گیا، اے اللہ کے رسول! لوگوں میں سب سے باعزت ومکرم کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ: ان میں جو سب سے زیادہ متقی ہو، لوگوں نے عرض کیا کہ ہم آپ سے اس بارے میں نہیں پوچھتے ہیں تو آپ نے خود فرمایا کہ کیا معادن عرب کے بارے میں پوچھ رہے ہو؟ زمانہ جاہلیت میں جو بہتر تھے وہ زمانہ اسلام میں بھی بہتر ہی ہوں گے بشرطیکہ ان کو دین کی سمجھ ہو۔

"خير كم من أطعم الطعام أو الذين يطعمون الطعام"

"تم میں بہتر وہ ہے جو کھانا کھلائے یا وہ لوگ جو کھانا کھلاتے ہیں"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ: لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: وہ شخص جو اپنی جان ومال سے جہاد کر رہا ہو، وہ شخص جو کسی گھاٹی میں اپنے رب کی عبادت کر رہا ہو اور لوگوں کو اپنے شر سے دور رکھے ہو۔

پوچھا گیا کہ: لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ تو فرمایا کہ جس کی عمر لمبی ہو اور عمل اچھا ہو۔

یہ اور ان کے علاوہ دوسرے اور بہت سے دلائل سے بھی واضح ہوتا ہے کہ اللہ کے نزدیک عزت وتکریم اور فضیلت وبرتری تقویٰ اور عمل صالح سے ملتی ہے۔ جو اللہ کے نزدیک کریم وباعزت ہے مناسب یہی ہے کہ وہ مومنوں کی نظر میں کریم ہو، اگر نہ تو نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے لیے پیمانے کی تصحیح فرماتے ہیں:

”إن اللّٰه لا ينظر إلى صوركم وأموالكم ولكن ينظر إلى قلوبكم وأعمالكم“

مصعب بن سعد کا بیان ہے کہ حضرت سعد نے خیال کیا کہ ان کو دوسروں پر فوقیت حاصل ہے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے ماتحتوں کے سبب مدد بھی کیے جاتے ہو اور تمہیں روزی بھی ملتی ہے۔

ایسے لوگ بھی ہوں گے جن کو اپنے وفات شدہ آباء واجداد پر فخر ہوگا، جب کہ وہ جہنم کا ایندھن ہیں، یا اللہ کے یہاں گبریلا سے بھی زیادہ کمتر ہوں گے جو اپنی ناک سے گندگی نکالتا رہتا ہے۔ منافق کو سردار مت کہو، کیوں کہ اگر وہ سردار ہوگا بھی تو (یہ کہہ کر) تم اللہ کو ناراض کرو گے۔

کیا میں تم کو سب سے بدتر آدمی کے بارے میں نہ بتاؤں؟ وہ ہے سخت گو اور گھمنڈ وغرور والا انسان۔ اور کیا میں تم کو سب سے بہتر آدمی کے بارے میں نہ بتاؤں؟ وہ ہے کمزور وناتواں، بوسیدہ کپڑے والا انسان جو اگر اللہ کے واسطے سے قسم کھائے تو اللہ اس کی قسم پوری کرادے۔

ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا تو آپ نے اپنے پاس بیٹھے ایک دوسرے شخص سے پوچھا کہ اس آدمی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اشراف میں سے ہے۔ اللہ کی قسم! یہ اگر (کسی کو) پیغام نکاح بھیجے تو اس سے شادی کی جائے، اور اگر کسی کے لیے سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول ہو۔ راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہ گئے۔ پھر ایک دوسرا آدمی گزرا تو آپ نے اس آدمی سے پوچھا کہ اس گزرنے والے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ یہ آدمی مسلم فقراء میں سے ہے اس لائق ہے کہ وہ اگر کسی کو پیغام نکاح بھیجے تو اس سے شادی نہ کی جائے۔ اگر کسی کی سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول نہ ہو اور اگر کچھ

کہے تو اس کی بات نہ سنی جائے، تب آپ نے فرمایا: یہ دنیا بھر کے لوگوں سے بہتر ہے۔

ابن حبان نے اپنی صحیح (685) میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر! کیا تم کثرت مال کو ہی مالداری سمجھتے ہو؟ ابوذر نے کہا کہ ہاں اے اللہ کے رسول! آپ نے پھر پوچھا: کیا تو قلت مال کو فقیری سمجھتے ہو؟ میں نے جواب دیا ہاں، اس پر آپ نے فرمایا کہ: مالداری دل کی مالداری ہے اور فقر دل کی محتاجی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: پھر آپ نے مجھ سے پوچھا: فلاں کو جانتے ہو؟ قریش کے ایک آدمی کی طرف اشارہ تھا میں نے جواب دیا کہ ہاں۔ آپ نے پوچھا کہ اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟ میں نے جواب دیا کہ: وہ اگر مانگے تو اسے ملتا ہے اور اگر کہیں جاتا تو اسے جگہ ملتی ہے، پھر آپ نے مجھ سے اہل صفہ میں سے ایک آدمی کے بارے میں پوچھا کہ تم کیا اسے جانتے ہو؟ میں نے کہا؟ قسم ہے اللہ کی، اے اللہ کے رسول! میں اسے نہیں جانتا۔ پھر آپ مسلسل اس کا ذکر خیر اور تعریف کرتے رہے یہاں تک کہ میں اس کو پہچان گیا۔ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں اب اسے پہچان گیا، آپ نے پوچھا اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟ تو میں نے جواب دیا کہ وہ اہل صفہ میں سے ایک مسکین آدمی ہے۔ تو آپ نے فرمایا: (هو خير من طلاع الأرض من الآخرة)

شہداء کو دفن کرنے کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوچھتے تھے کہ ان میں سب سے زیادہ قرآن کسے یاد ہے؟ اگر دو میں سے کسی ایک کی طرف اشارہ ہوتا تو آپ اسے ہی لحد میں پہلے ڈالتے تھے حتی کہ دفن میں قرآن والے کو ہی تکریم وتقدیم حاصل ہوتی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وصف میں بیان ہوا ہے کہ:

”إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتاً لِلّٰهِ حَنِيفاً وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ“ (النحل:120)

”بے شک ابراہیم ایک امت اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار اور ایک طرف وہ مخلص

تھے، وہ مشرکوں میں سے نہ تھے“۔

حضرت ابوسفیان، سلمان وصہیب اور بلال کے پاس ایک گروپ میں آئے، تو ان لوگوں نے کہا: اللہ کی قسم! آپ نے اللہ کی تلوار دشمن خدا کی گردن پر صحیح سے نہیں استعمال کی۔ حضرت ابوبکر نے یہ سن کر کہا: قریش کے بزرگ اور سردار سے تم ایسا کہہ رہے ہو؟ چنانچہ حضرت ابوبکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اس کی خبر کردی، تو آپ نے فرمایا: اے ابوبکر! تم نے شاید ان لوگوں کو ناراض کردیا، اگر تم نے واقعی ان کو ناراض کردیا ہے تو تم نے اپنے رب کو ناراض کردیا۔ آخر حضرت ابوبکر ان لوگوں کے پاس گئے اور کہا کہ اے بھائیو! میں نے آپ لوگوں کو ناراض کیا ہے؟ کہا کہ نہیں، بھائی اللہ آپ کو معاف فرمائے۔

”اللهم أحيني مسكينا وأمتني مسكينا واحشرني في زمرة المساكين يوم القيامة“

”اے اللہ! مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھ، مسکین ہی بنا کر وفات دے اور قیامت کے دن انہی کے ساتھ حشر کر“۔

فقرائے مہاجرین قیامت کے دن چالیس سالوں کی مسافت سے مالداروں کے بالمقابل جنت کی طرف بڑھ رہے ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے ایک گروہ کو کہیں بھیجنا چاہا تو آپ نے سب سے قرآن پڑھوایا۔ چنانچہ ان میں جس کو جو یاد تھا اس نے پڑھا۔ پھر آپ ایک آدمی کے پاس گئے، تو پوچھا کہ اے فلاں! تمہارے پاس کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ مجھے فلاں فلاں اور ”سورۃ البقرۃ“ یاد ہے۔ آپ نے پوچھا کہ تمہیں ”سورۃ البقرۃ“ یاد ہے؟ اس نے کہا: ہاں، آپ نے فرمایا کہ جاؤ تم ان سب کے امیر ہو“۔

بہت سے پراگندہ حال، دروازہ پر سے بھگا دیے جاتے ہیں حالانکہ ان میں سے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ اگر اللہ کے واسطہ سے قسم کھالیں، تو اللہ ان کی قسم پوری کردے“۔

ان دلائل کی روشنی میں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ مسلم معاشرہ نے کس طرح ایسے لوگوں کی عزت وتوقیر کی ہے جن کا دنیا کی نظر میں کوئی مقام واہمیت نہیں۔ ان کی عزت وتکریم کا سبب دین وتقویٰ اور دین میں سبقت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سفر کی حالت میں ایک نابینا شخص حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کو مدینہ کا امیر بنادیتے تھے۔ اسی طرح حضرت سلمان فارسی فتح کے بعد مدائن کے امیر بنادیے گئے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنے والد کے پاس ان کی خلافت کے وقت آئے اور شکایت کی۔ میرے لیے تین ہزار درہم اور اسامہ کے لیے چار ہزار درہم متعین کیے گئے ہیں۔ جب کہ جس جنگ میں میں شریک ہوا وہ اس میں شریک نہیں ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب دیا: میں نے ان کا زیادہ اس لیے کیا ہے کہ وہ اللہ کے رسول کے نزدیک تم سے زیادہ محبوب تھے اور ان کے والد بھی تمہارے والد سے زیادہ محبوب تھے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کا حصہ ان کے مقام ومرتبہ، علم، قرآن اور جہاد (میں شرکت) کے حساب سے متعین کیا۔ اور جب ان کے پاس بحرین کا خراج آیا تو انہوں نے مہاجرین اولین کے لیے پانچ ہزار، انصار کے لیے چار ہزار اور ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دس ہزار متعین فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری سے پہلے ابو حذیفہ کے غلام سالم جوان میں سب سے زیادہ قرآن پڑھے ہوئے تھے، مہاجرین کی امامت کرتے تھے اور ہجرت رسول کے بعد یہی سالم بشمول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر اور ابوسلمہ وزید اور عامر بن ربیعہ مہاجرین اولین صحابہ کو مسجد قباء میں نماز پڑھاتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ: ابوبکر ہمارے سردار ہیں اور انہوں نے ہمارے سردار یعنی بلال کو آزاد کیا ہے۔

حارث بن ہشام، سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبدالعزی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے، ان لوگوں کے ساتھ حضرت بلال اور صہیب بھی تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلال اور صہیب کو بلایا اور باقی لوگوں کو چھوڑ دیا۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے آج جیسا دن نہیں دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان غلاموں کو اجازت دے دی اور ہم لوگوں کو اپنے دروازہ پر بیٹھے چھوڑ دیا، ہمیں انہوں نے اجازت نہیں دی۔ اس پر سہیل بن عمرو جو ایک عقلمند انسان تھے، کہا کہ اے لوگو! اللہ کی قسم! میں تمہارے چہروں کو پڑھ رہا ہوں۔ اگر تم لوگ غصہ میں ہو تو خود پر غصہ کرو۔ پوری قوم کو بلایا گیا اور تم بھی بلائے گئے مگر ان لوگوں نے جلدی کی اور تم نے تاخیر کی۔

حضرت حسن کا بیان ہے کہ: اللہ اپنی طرف تیزی سے آنے والے بندے کو، تاخیر سے پہنچنے والے بندے کی طرح نہیں بناتا۔

جب قتیبہ بن مسلم نے ترکوں سے قتال کرنا چاہا تو محمد بن واسع کے بارے میں پتہ چلایا، بتلایا گیا کہ وہ میمنہ فوج کے دائیں دستہ میں اپنی کمان تھامے اپنی انگلی سے آسمان کی طرف دکھا رہا ہے، انہوں نے کہا کہ وہ انگلی میرے نزدیک لاکھوں مشہور تلواروں اور تیز طرار جوانوں سے محبوب ہے۔ دوران حج بنوامیہ کا منادی چیخ چیخ کر بول رہا تھا کہ حج کے بارے میں عطاء بن ابی رباح کے سوا کوئی فتوئی نہیں دے گا۔ اور ان کو جاننے پہنچاننے والے کسی شخص نے ان کا رنگ وروپ بتایا کہ عطاء بن ابی رباح کالے، چپٹی ناک والے، بیکار دست وباز والے، اندھے شخص ہیں۔

دوسرا خطبہ:

انسانی رابطہ کے اہم ترین مظاہر:

۱۔ اخوت: (بھائی چارگی)

اسلامی اخوت ایک ربانی نعمت وعطیہ ہے۔

برادران اسلام! بلاشبہ مومنوں کے بیچ باہمی اخوت اور اللہ کے نیک بندوں کے بیچ بھائی چارگی کی نعمت اس امت پر اللہ کے اہم ترین انعامات میں سے ایک ہے۔ جس سے اللہ نے اپنے بندوں کونوازا ہے۔

جیسا کہ فرمایا:

”وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَآءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ إِخْوَاناً وَّكُنتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُم مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيَاتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ“ (آل عمران:103)

”اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو، اور اللہ تعالیٰ کی اس وقت کی نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی، پس تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ چکے تھے تو اس نے تمہیں بچالیا۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے لیے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے تا کہ تم ہدایت پاؤ“۔

۲۔ موالات:

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر مومنوں کے ساتھ موالات ومحبت کو بھی واجب قرار دیا ہے۔ موالات کے بہت سارے مظاہر ہیں جو حسب ذیل ہیں:

ا۔ مسلمانوں کی جان ومال اور زبان سے مدد ومعاونت، جس کی ان کو اپنے دین ودنیا میں ضرورت ہوتی ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

”وَإِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ

وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ "(الأنفال:72)

"اگر وہ تم سے دین کے بارے میں مدد طلب کریں تو تم پر مدد کرنا ضروری ہے، سوائے ان لوگوں کے کہ تم میں اور ان میں عہد و پیمان ہے، تم جو کچھ کر رہے ہو اللہ خوب دیکھتا ہے"۔

۲۔ مومنوں کے ساتھ موالات کا ایک مظہر ان کے دکھ و درد اور مسرت و خوشی میں شریک ہونا بھی ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مومنوں کی مثال آپسی محبت و رحم و کرم میں بدن کی طرح ہے کہ جب اس کا ایک عضو بیمار پڑتا ہے تو پورا بدن درد و بخار کی وجہ سے بلبلا اٹھتا ہے"۔ (متفق علیہ)

اور صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

"المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضا"

"مومن، مومن کے لیے عمارت کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہوتا ہے"۔ پھر آپ نے اپنی انگلیوں کے درمیان تشبیک کی۔

۳۔ مومنوں کی محبت کا ایک مظہر ان کے ساتھ خیر اخواہی بھی ہے۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا:

"تم میں کوئی مومن کامل نہیں ہوتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے"۔ (متفق علیہ)

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ایک دوسرے سے بغض نہ کرو، ایک دوسرے سے حسد نہ کرو۔ اور ایک دوسرے سے پیٹھ نہ پھیرو اور اللہ کے بندو آپس میں بھائی بھائی ہو جاؤ۔ (متفق علیہ)

دوستی کا یہ مظہر و نمونہ اب لوگوں میں ناپید ہو گیا ہے۔ ایک آدمی شکم سیر ہو کر سوتا ہے اور اس کا مسلمان بھائی اس کے پڑوس میں بھوکا رہتا ہے۔ ایک تاجر صف اول میں نماز

پڑھتا ہے، پھر اپنی خرید وفروخت میں فریب سے بھی کام لیتا، اور اپنے کاروبار میں دوسرے کو دھوکہ دیتا ہے۔"لاحول و لاقوۃ إلا باللّٰہ"

۴۔ مومنوں کے ساتھ موالات ودوستی ومحبت کا ایک مظہر ان کا احترام وتوقیر ہے۔ ان کی تنقیص اور عیب جوئی اور غیبت سے بچنا بھی ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰى أَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰى أَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْآ أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الاِسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْإِيْمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ" (الحجرات:11)

"اے ایمان والو! مرد دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائیں ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑائیں ممکن ہے یہ ان سے بہتر ہوں، اور آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ اور نہ کسی کو برے لقب دو۔ ایمان کے بعد فسق برا نام ہے، اور جو توبہ نہ کریں وہی ظالم لوگ ہیں"۔

اور آپ نے فرمایا:

"وہ ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے، اور ہمارے بڑے کی عزت نہ کرے"۔ (ترمذی واحمد)

اللہ رحم فرمائے، آج آپ مسلمانوں کی حالات پر نظر دوڑائیں تو عجیب وغریب چیزیں دیکھیں گے۔ کتنے چھوٹے ایسے ہیں جو بڑوں کے ساتھ گستاخی کرتے ہیں اور ان کی عزت وتوقیر نہیں جانتے۔ بلکہ کتنے جاہل وبے وقوف ایسے بھی ہیں جو وارثین انبیاء پر بڑائی دکھاتے ہیں اور نیک وبزرگ حضرات کا مذاق اڑاتے ہیں۔ شریف اور عزت دار لوگوں کی تنقیص کرتے ہیں، کتنی عورتیں ایسی ہیں جو دوسری عورتوں کو حقیر سمجھتی ہیں۔ اس لیے وہ حسن

وجمال اور مال میں ان سے کم ہوتی ہیں۔ایسے کتنے لوگ ہیں جو دوسروں کی عیب جوئی کرتے ہیں اورانہیں برے القاب سے پکارتے ہیں وہ اللہ کی آیتوں سے غافل ہوتے ہیں۔

۵۔مومنوں کی محبت کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ ایک مسلمان تنگی وخوشحالی اور سختی وآرام سب حالتوں میں ان کے ساتھ ہو برخلاف منافقوں کے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اَلَّذِیْنَ یَتَرَبَّصُوْنَ بِکُمْ فَاِنْ کَانَ لَکُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰہِ قَالُوْآ اَلَمْ نَکُنْ مَّعَکُمْ وَاِنْ کَانَ لِلْکَافِرِیْنَ نَصِیْبٌ قَالُوْآ اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَیْکُمْ وَنَمْنَعْکُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ"(النساء:141)

"یہ لوگ تمہارے انجام کار کا انتظار کرتے رہتے ہیں پھر اگر تمہیں اللہ فتح دے تو یہ کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھی نہیں اور اگر کافروں کو تھوڑا سا غلبہ مل جائے تو (ان سے) کہتے ہیں کہ ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے اور کیا ہم نے تمہیں مسلمانوں کے ہاتھوں سے نہ بچایا تھا؟"

۶۔مومنوں سے محبت کا ایک مظہر ان کی زیارت وملاقات اور ان کے ساتھ مل بیٹھنا بھی ہے۔حدیث قدسی میں ہے:

"وجبت محبتي للمتحابين فيّ والمتزاورين فيّ"(احمد)

"میری محبت میری خاطر آپ میں محبت کرنے والوں اور میری خاطر باہم ملنے والوں کے لیے واجب ہے"۔

۷۔مومنوں سے محبت کا ایک مظہر ہے ان کے حق کا پاس ولحاظ۔چنانچہ ان کی خرید وفروخت پر کوئی خرید وفروخت نہ کرے،ان کے بھاؤ پر کوئی بھاؤ نہ لگائے اور ان کے پیغام نکاح پر کوئی پیغام نہ بھیجے۔جیسا کہ آپ نے فرمایا:

"لا یبع الرجل علی بیع اخیه ولا یخطب علی خطبة أخیه"(مسلم)

”کوئی آدمی اپنے مسلمان بھائی کے مقابلے خرید وفروخت نہ کرے اور نہ ہی اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام نکاح بھیجے“۔

۸۔ ولایت ومحبت کا ایک مظہر مومنوں کے لیے دعا واستغفار بھی ہے۔ اللہ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

”وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ“ (محمد:19)

”(اے نبی!) آپ اپنے گناہوں کی بخشش مانگا کریں اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے حق میں بھی“۔

کافروں سے براءت اور ان کی مخالفت کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ عقائد وعبادات، رسوم وعادات، معاملات اور آداب واصول سارے امور کے اندر۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے قریب ہی تلوار کے ساتھ میری بعثت ہوئی ہے یہاں تک کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت ہونے لگے، میری روزی نیزے کے سایہ میں رکھی گئی ہے، اور ذلت ورسوائی اس کے لیے جو میرے امر کی مخالفت کرے اور جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیا کی وہ اسی میں سے ہوگا“۔ (احمد وابوداؤد۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے حسن اور حافظ عراقی نے صحیح قرار دیا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث کم از کم کافروں کی مشابہت کی حرمت کی متقاضی ہے۔ بظاہر ان کی مشابہت اختیار کرنے والوں کے کفر کا تقاضا کرتی ہے۔)

اور ایک دوسری حدیث میں ہے: ”لیس منا من تشبه بغیر نا“
وہ ہم میں سے نہیں جو دوسروں کی مشابہت اختیار کرے“۔ (ترمذی)

اور آپ صلی اللہ علیہ سے یہ بکثرت منقول ہے کہ: ”خـالـفـوا الـمشـر کیـن“ ”مشرکوں کی مخالفت کرو“۔ مجوسیوں کی مخالفت کرو، یہودیوں کی مخالفت کرو اور اہل کتاب

کی مخالفت کرو۔

اور فرمایا:

"من تشبه بقوم حشر معهم"

"جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا، اس کا حشر بھی اسی کے ساتھ ہوگا"۔

مشابہت محبت و موالات کی ایک صورت ہے، جو اس فرمان الٰہی میں داخل ہے:

"لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ" (المجادلۃ:22)

"اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائیں گے"۔

ایمان کا سب سے مضبوط رشتہ:

انسان کے لیے اپنی زندگی میں دوسروں کے ساتھ تعامل اور لوگوں کی ایک دوسرے سے محبت یا تو دنیا کی خاطر یا ملازمت حاصل کرنے کے لیے یا اپنی اہمیت اجاگر کرنے کے لیے ضروری ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری زندگی کے تمام شعبوں میں لوگوں کے ساتھ تعامل کے لیے ایک اہم ضابطہ مقرر کر دیا ہے۔ جس کی وضاحت حدیث میں اس طرح کی گئی ہے: "أن يحب المرء، لايحبه إلا لله" "آدمی کسی سے صرف اللہ کے لیے محبت کرے"۔

ہاں، اے لوگو! اگر ہم اللہ کے لیے محبت اور اللہ ہی کے لیے نفرت کی بنیاد پر لوگوں کے ساتھ معاملہ کریں تو کہیں ہم دھوکہ، حسد اور ظلم و زیادتی نہیں دیکھیں گے۔ ہم جب دنیا کو اپنے تعلق کی بنیاد بنائیں گے تو جلد گرا دینے والی کھائی کے کنارے پر ہی ہماری بنیاد ہوگی اور خوشحالی و آرام والے دوست کو مصیبت و پریشانی کے وقت دور ہی دیکھیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے کی جانے والی محبت ہی انسان کو بلند درجہ و مقام تک پہنچاتی ہے۔
اس سلسلے میں حدیث کے اندر بیان ہوا ہے کہ جو سات ایسے لوگوں کے بارے میں وارد ہے جن کو اللہ اپنے سایہ میں اس دن جگہ دے گا، جس دن اللہ کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا: ''ورجلان اجتمعا علیه وتفرقا علیه'' ''اور آپس میں محبت کرنے والے دو ایسے آدمی جو اللہ ہی کے لیے جمع ہوئے اور اسی کے لیے الگ ہوئے''۔
صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک آدمی دوسری بستی میں اپنے ایک بھائی سے ملنے نکلا تو اللہ نے اس کے راستے میں ایک فرشتہ مقرر کر دیا اور جب اس کے پاس سے گزرا تو پوچھا کہ تم کہاں جا رہے ہو؟ اس آدمی نے جواب دیا کہ میں فلاں آدمی سے ملنے جا رہا ہوں۔ پوچھا کہ اس سے رشتہ ہے کیا؟ جواب دیا کہ نہیں۔ پوچھا کہ اس کا کوئی مال ہے جو اسے دینے جا رہے ہو؟ جواب دیا کہ نہیں، پوچھا کہ پھر آخر اس کے پاس کیوں جا رہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ: مجھے اللہ کی خاطر اس سے محبت ہے۔ تب اس فرشتے نے کہا کہ میں تمہارے پاس بھیجا گیا اللہ کا فرشتہ ہوں۔ تمہاری اس بھائی سے محبت کے سبب اللہ بھی تم سے محبت کرتا ہے۔
کیا آپ ایسا کوئی آدمی دیکھ کر بتا سکتے ہیں، جس نے اس طرح کی محبت کو اپنے معاملہ کا معیار بنایا ہو اور پھر اپنے بھائی کے کسی نقصان اور ظلم پر راضی ہو، یا آپ سمجھتے ہیں کہ وہ اس کو تکلیف پہنچائے۔ حدیث میں بیان ہوا ہے کہ ایمان کا سب سے مضبوط بندھن اللہ ہی کے لیے محبت اور اللہ ہی کے لیے نفرت ہے۔
اور امام احمد و طبرانی نے صحیح سند سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! سنو جانو اور سمجھو کہ اللہ کے کچھ بندے ہیں جو نبی اور شہید نہیں لیکن ان کے درجہ و مقام پر اور اللہ کے نزدیک ان کی قربت کے سبب نبی اور شہید بھی رشک کریں گے۔
یہ سن کر ایک دیہاتی نے خود کو گھسیٹ گھسیٹ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب لا کر عرض

کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! غیر نبی اور شہید میں سے کون ایسے مومن لوگ ہیں جن پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے؟ ان کے بارے میں آپ ہم کو بتائیے۔ اس کے سوال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو گئے اور فرمایا: مختلف شہروں اور قبیلوں میں کچھ ایسے لوگ ہیں جن کے درمیان کوئی قرابت ورشتہ داری نہیں، مگر اللہ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کی اور آپس میں جڑے، اللہ ان کے لیے نور کے منبر رکھ کر وہاں ان کو بیٹھائے گا، اور ان کے چہروں اور کپڑوں کو بھی نور بنادے گا، اس دن لوگ تو گھبرائے ہوں گے مگر وہ نہیں گھبرائیں گے۔ وہ اللہ کے ولی حضرات ہیں جو نہ خوف زدہ ہوں گے اور نہ مغموم۔

رحمت

پہلا خطبہ:

”إنَّ الحمد لله ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهدالله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادی له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريک له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله“ أما بعد!

أما بعد فإن أصدق الحديث كتاب الله، وأحسن الهدي هدي محمد، وشر الأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار.

اللہ تعالیٰ رحمت کی صفت سے متصف اور ارحم الراحمین ہے۔

الرحمٰن الرحیم، اللہ تعالیٰ کے دو وصف ہیں اور اس کے اسمائے حسنٰی میں سے دو ایسے نام ہیں جو مبالغہ کے طور پر رحمت سے مشتق ہیں۔ الرحمٰن میں الرحیم سے زیادہ مبالغہ ہے کیوں کہ رحمٰن دنیا کے اندر موجود تمام مخلوقات کو اور آخرت میں مومنوں کو شامل و محیط رحمت والے کا نام ہے۔ جب کہ الرحیم قیامت کے دن مومنوں کے لیے خاص رحمت والا ہے۔ اکثر علماء اسی رائے پر ہیں۔ اس کے آثار رحمت سے ہم جیسے چاہتے ہیں بہرہ ور ہوتے ہیں اور اس کی رحمت کو شمار بھی نہیں کیا جاسکتا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ" (فاطر:2)

"اللہ تعالیٰ جو رحمت لوگوں کے لیے کھول دے سو اس کا کوئی بند کرنے والا نہیں اور جس کو بند کر دے سو اس کے بعد اس کا کوئی جاری کرنے والا نہیں"۔

علامہ شنقیطی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آیت میں مذکور رحمت دنیوی و اخروی دونوں قسم کی رحمتوں کو جو بھی اللہ اپنی مخلوق پر کرے، سب کو شامل ہے، مثلاً مخلوق کے لیے بارش کی رحمت۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"فَانْظُرْ إِلٰى اٰثَارِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا" (الروم:50)

"پس آپ اللہ کی رحمت کے آثار دیکھیں کہ زمین کی موت کے بعد کس طرح اللہ تعالیٰ اسے زندہ کر دیتا ہے"۔

اور فرمان الٰہی:

"وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ" (الأعراف:57)

"اور وہی ہے جو اپنی باران رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ خوش کر دیتی ہیں"۔

اور فرمایا:

"وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكَاةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيَاتِنَا يُؤْمِنُوْنَ" (الأعراف:156)

"میری رحمت ہر چیز کو محیط ہے۔ تو وہ رحمت ان لوگوں کے نام ضرور لکھوں گا جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں"۔

یہ رحمت جو ہر شے کو عام ہے۔ رحمت عام ہے جس سے دنیا اور آخرت میں کوئی

مخلوق الگ نہیں۔ چنانچہ تمام مخلوق از روئے ایجاد و امداد رحمت الٰہی سے سرفراز ہے۔ اور آخرت میں اہل ایمان کے لیے جو رحمت نوشتہ ہے وہ رحمت خاص ہے۔

رحمت کی کوئی حد اور انتہا نہیں۔ اس لیے کہ یہ اس رحم والے کی صفت ہے جس کی اپنی کوئی حد نہیں۔ اور اس لیے بھی کہ اس کی رحمت سے کوئی چیز باہر نہیں جیسے اس کی قدرت وحکمت سے کوئی چیز باہر نہیں۔

ہم سب اللہ کے بندے ہیں ہم سے اللہ کا مطالبہ ہے کہ ہم اس کی مخلوق پر رحم کریں تا کہ اللہ بھی ہم پر رحم فرمائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر فرمایا: رحم کرو، تم پر بھی رحم ہوگا، اور بخش دو تمہیں بھی بخش دیا جائے گا۔ ان اصرار کرنے والوں کے لیے ویل ہے جو جانتے بوجھتے اپنے کیے پر مصر رہتے ہیں۔ (احمد و طبرانی)

جب ہم اس عمدہ خصلت سے آراستہ ہوں گے، تو ہم دنیا و آخرت دونوں میں اللہ کی رحمت کے مستحق قرار دیئے جائیں گے۔ اور اللہ دنیا اور آخرت دونوں میں ہم پر رحم فرمائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو سے مرفوعا روایت ہے:

"الراحمون يرحمهم الرحمن تبارک وتعالیٰ، إرحموا من في الأرض يرحمكم من في السماء"

"رحم کرنے والوں پر رحمٰن (اللہ) تبارک وتعالیٰ مہربان ہوگا۔ اس لیے جو زمین پر ہیں ان پر رحم کرو تم پر وہ ذات رحم کرے گی جو آسمان میں ہے"۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی وحاکم، امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے)

کرو مہربانی تم اہل زمین پر
خدا مہربان ہوگا عرش بریں پر

اور حضرت جریر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

فرماتے ہوئے سنا:

"من لا یرحم الناس لا یرحمہ اللہ عز وجل"

"جو لوگوں پر رحم نہیں کرے گا اس پر اللہ بھی رحم نہیں کرے گا"۔

رحمت الٰہی کی مختلف صورتیں:

اللہ نے انسانی مخلوق کو سب سے خوبصورت شکل وصورت میں پیدا کیا، بنی آدم کو عزت عطا کی اور اسے اپنی بہت ساری مخلوقات پر فضیلت بخشی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْٓ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ" (التین:4)

"یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا"۔

اور فرمایا:

"وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا" (بنی اسرائیل:70)

"یقیناً ہم نے اولاد آدم کو بڑی عزت دی اور انہیں خشکی اور تری کی سواریاں دیں اور انہیں پاکیزہ چیزوں کی روزیاں دیں اور اپنی بہت سی مخلوق پر انہیں فضیلت عطا فرمایا"۔

یہ اللہ کی رحمت ہے کہ اس نے اپنے بندوں کی روزی کی ضمانت لی۔ چنانچہ اس نے کسی کو کسی کے حوالے نہیں کیا۔ بلکہ اس نے خود سبھوں کے رزق کی ضمانت لی۔ چنانچہ اولاد کو ان کے والدین کے سپرد کیا گیا اور نہ والدین کو ان کی اولاد کے حوالے کیا گیا۔ بلکہ سب ہی اس کی رحمت وفضل اور کرم واحسان کے ماتحت ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرمایا:

"وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ" (العنکبوت:60)

''اور بہت سے جانور ہیں جو اپنی روزی اٹھائے نہیں پھرتے، ان سب کو تمہیں بھی اللہ تعالیٰ ہی روزی دیتا ہے، وہ بڑا ہی سننے جاننے والا ہے''۔

اور فرمایا:

''وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُّبِيْنٍ ''(ہود:6)

''زمین پر چلنے پھرنے والے جتنے جاندار ہیں سب کی روزیاں اللہ تعالیٰ پر ہیں وہی ان کے رہنے سہنے کی جگہ کو جانتا ہے اور ان کے سونپے جانے کی جگہ کو بھی، سب کچھ واضح کتاب میں موجود ہے''۔

یہ اس کی رحمت ہے کہ زمین و آسمان کی تمام چیزوں کو ہمارے لیے اپنی زندگی کی ضرورتوں اور انتظام معیشت کے لیے مسخر کر دیا۔ فرمایا:

''وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ''(النحل:12)

''اسی نے رات دن اور سورج چاند کو تمہارے تابع کر دیا ہے اور ستارے بھی اسی کے حکم کے ماتحت ہیں۔ یقیناً اس میں عقلمند لوگوں کے لیے کئی ایک نشانیاں موجود ہیں''۔

اور فرمایا:

''هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعاً ''(البقرۃ:29)

''وہ اللہ جس نے تمہارے لیے زمین کی تمام چیزوں کو پیدا کیا''۔

اور فرمایا:

''وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعاً مِّنْهُ ''(الجاثیۃ:13)

''اور آسمان و زمین کی ہر ہر چیز کو بھی اس نے اپنی طرف سے تمہارے تابع کر دیا ہے''۔

اور ارشادِ الٰہی:

''وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ،فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ،وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ،فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ''(الرحمٰن:13-10)

''اور اسی نے مخلوق کے لیے زمین بچھادی، جس میں میوے ہیں اور خوشے والے کھجور کے درخت ہیں، اور بھس والا اناج ہے۔اور خوشبودار پھول ہیں، پس (اے انسانو اور جنو!) تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟''۔

اور اللہ تعالٰی ارشاد ہے:

''هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلاً فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ''(الملک:15)

''اللہ ہی وہ ذات ہے، جس نے تمہارے لیے زمین تابع کردیا تو تم اس کے راستے پر چلو اور اس کی روزی کھاؤ، اور اسی کی طرف (اٹھ کھڑے) جمع ہونا ہے''۔

برادرانِ اسلام! اپنی مخلوق کے ساتھ اللہ کی رحمت یہ بھی ہے کہ اس نے پیغمبروں کو جنت کی خوشخبری دینے والا اور جہنم سے ڈرنے والا بنا کر بھیجا، جو اللہ کے بندوں کو اس کی پہچان کراتے، ان کو اللہ کی عبادت اور اللہ کے لیے دین کو خالص کرنے کی دعوت دیتے ہیں، ان کو حق کی تعلیم دیتے اور باطل اور گمراہی کے راستے سے ان کو بچاتے ہیں۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا:

''لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ''(الحدید:25)

''یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان (ترازو) نازل فرمایا تا کہ لوگ عدل پر قائم رہیں۔اور ہم نے لوہے کو اتارا جس میں

سخت ہیبت وقوت ہے اور لوگوں کے لیے اور بھی (بہت سے) فائدے ہیں اور اس لیے بھی کہ اللہ جان لے کہ اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد بے دیکھے کون کرتا ہے"۔

اور فرمایا:

"رُسُلاً مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزاً حَكِيْماً" (النساء:165)

"ہم نے انہیں رسول بنایا ہے، خوشخبریاں سنانے والے اور آگاہ کرنے والے تاکہ لوگوں کی کوئی حجت اور الزام رسولوں کے بھیجنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر رہ نہ جائے۔ اللہ تعالیٰ بڑا غالب اور باحکمت ہے"۔

اور ہم پر اس کی یہ بھی رحمت ہے کہ اس نے ہمارے درمیان سید الاولین اور امام المتقین محمد بن عبداللہ صلوات اللہ وسلامہ علیہ کو مبعوث فرمایا۔ چنانچہ آپ کی رسالت جہان والوں کے لیے ہے اور وہ کتاب بھی جسے آپ پر نازل کی ہے سارے جہان والوں کے لیے قیامت تک نذیر (ڈرانے والی) اور بشیر (خوشخبری دینے والی) ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

" تَبَارَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعَالَمِيْنَ نَذِيْراً" (الفرقان:1)

"بہت بابرکت ہے وہ اللہ تعالیٰ جس نے اپنے بندے پر فرقان اتارا تاکہ وہ تمام لوگوں کیے لیے آگاہ کرنے والا بن جائے"۔

اور فرمایا:

"وَمَآ اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ" (الأنبياء:107)

"اور ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر ہی بھیجا"۔

اور فرمایا:

"وَمَآ اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْراً وَّنَذِيْراً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا

يَعْلَمُوْنَ "(سبا:28)

"ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ہاں مگر (یہ صحیح ہے) کہ لوگوں کی اکثریت بے علم ہے"۔

صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں، ایک مہینہ کی مسافت پر مجھے رعب سے نوازا گیا، میرے لیے پوری روئے زمین کو مسجد اور پاکی قرار دیا گیا، چنانچہ میری امت کے جس آدمی کو جہاں کہیں نماز کا وقت مل جائے وہ وہاں نماز پڑھ لے۔ میرے لیے مال غنیمت حلال قرار دیا گیا جب کہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے بھی وہ حلال نہیں تھا۔ مجھے شفاعت عطا کی گئی اور نبی پہلے ہمیشہ اپنی ہی قوم کے لیے خاص مبعوث ہوتے تھے مگر مجھے عام لوگوں کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔

اور صحیح مسلم میں حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی! جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اس امت (امت دعوت) کا کوئی یہودی اور عیسائی میرے بارے میں سنے اور مجھ پر ایمان نہ لائے تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔

اور بندوں پر اللہ کی رحمت یہ شریعت بھی ہے جو اپنے مبادی واصول اور اخلاق واقدار میں کامل ہے۔ چنانچہ یہ شریعت ہر دور اور ہر انسان کے لیے شامل وکامل بھی ہے اور بہتر وکارگر بھی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا"(المائدۃ:3)

"آج میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور

تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر رضا مند ہو گیا"۔

چنانچہ اللہ نے اس کامل شریعت کو نازل کر کے ہم پر رحم فرمایا جس کے اندر سے اللہ نے ان بوجھوں اور پابندیوں کو ختم کر دیا جو ہم سے پہلے والوں پر تھیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے بارے میں بیان فرمایا ہے:

"وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ"(الأعراف:157)

"اوران سے وہ نبی وہ بوجھ اور پابندیاں ختم کرتا ہے، جو ان پر تھیں"۔

اس لیے یہ شریعت نہایت آسان اور سہل ہے۔ اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے، سختی نہیں۔

"يسروا ، ولا تعسروا، وبشروا، ولا تنفروا"

"نرمی کرو، سختی نہیں، خوش خبری دو اور نفرت مت دلاؤ"۔

اور اس دیہاتی سے متعلق حدیث ہے جس نے مسجد کے اندر پیشاب کر دیا تھا:

"إنما بعثتم ميسرين "(حميدى مع تصحيح هادي)

"تم آسانی پیدا کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو"۔

برادران اسلام! اللہ کی رحمت دنیا و آخرت میں مومن کے لیے جو رحمت ہے اسے بھی شامل ہے۔ اور دنیا میں غیر مومن اور کفار و مشرکین کو جن نعمتوں سے نوازا ہے اسے بھی شامل ہے۔ البتہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ اُخروی رحمت صرف مومن بندوں کے لیے خاص ہوگی۔

"وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ"(الأعراف: 156)

"اور میری رحمت تمام اشیا پر محیط ہے۔ تو وہ رحمت ان لوگوں کے نام ضرور لکھوں گا

جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں"۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت و مہربانی جو اخبار و احادیث نے بیان کی ہے وہ متواتر بھی ہیں اس کی شہادت اپنے اور غیر سب نے بھی دی ہے اور کیسے نہ دیتے جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُولٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ" (التوبۃ:128)

"تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہارے جنس سے ہیں جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں، ایمان والوں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں"۔

ا۔ نبی کی رحمت دشمنوں کے ساتھ:

جس وقت آپ نے طائف والوں کو اسلام کی دعوت دی تھی تو انہوں نے بڑا خراب جواب دیا اور نادانوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا تھا۔ انہوں نے پتھروں سے مار مار کر آپ کے دونوں پاؤں لہولہان کر دیے تھے۔ اللہ نے آپ کے پاس پہاڑوں کے فرشتوں کو بھیجا، انہوں نے آ کر آپ کو تسلی دی اور آپ سے عرض کیا کہ اگر آپ کہیں تو مکہ کے دو پہاڑوں کے درمیان انہیں رکھ کر پیس دوں۔ آپ نے فرمایا: ایسا نہ کرو۔ ممکن ہے کہ اللہ ان کی نسلوں سے اللہ کی عبادت کرنے والے پیدا کر دے۔

۲۔ گنواروں کے ساتھ آپ کی مہربانی:

ایک گنوار نے مسجد میں پیشاب کر دیا تو صحابہ کرام اس کو سزا دینے کے لیے لپکے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں روکا تا کہ وہ پورے طور پر پیشاب کر لے۔ پھر ایک بالٹی پانی منگایا اور اس آدمی کے پیشاب پر بہا دیا۔ اور آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا: تم نرمی والے بنا کر بھیجے گئے ہو، سختی کرنے والے نہیں۔ اس لیے نرمی برتو سختی نہیں۔ خوشخبری سناؤ

نفرت مت دلاؤ۔ ساتھ ہی دیہاتی سے فرمایا:

"إنما بنيت هذه المساجد لذكر الله وصلاة"

یہ مسجدیں ذکر الٰہی اور نماز کے لیے قائم ہوئی ہیں (لہٰذا ان میں پیشاب وغیرہ کرنا درست نہیں ہے۔)

بعد میں جب اس دیہاتی کا سلیقہ وادب سنور گیا تو وہ کہنے لگا: میرے باپ ماں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہوں! آپ نے مجھ پر سختی کی اور نہ ہی مجھے سزا دی۔

۳۔ دیہاتیوں کے ساتھ آپ کا رحم دلانہ برتاؤ:

ان دیہاتیوں کے ساتھ جنہوں نے ابھی اسلام میں تربیتی پہلو کو پورا نہیں کیا تھا، آپ کا بڑا رحم دلانہ برتاؤ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک دیہاتی بڑے ہی گستاخانہ لہجے میں آکر کہتا ہے: اے محمد! اور وہ اپنا ناخن آپ کے کندھے پر رکھ دیتا ہے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف مسکراتے ہوئے متوجہ ہوتے ہیں اور بڑی شفقت سے اس کے ساتھ پیش آتے ہیں۔

ایک دوسرا شخص وقت پورا ہونے سے قبل ہی آپ سے قرض وصول کرنے چلا آتا ہے اور کہنے لگتا ہے: اے محمد! مجھے میرا قرض دو۔ اے بنو عبدالمطلب! تم لوگ ٹال مٹول کرنے والے ہو۔ صحابہ کرام اس کو مارنے کے لیے آگے بڑھتے ہیں، تو آپ ان کو منع کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"إن لصاحب الحق مقالا"

"حق والے کو اپنی بات کہنے کا حق اور آزادی ہوتی ہے"۔

۴۔ اہل ایمان کے ساتھ آپ کی شفقت ومہربانی:

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ ہم سب ہم عمر اور نوجوان ہی

تھے۔آپ کی خدمت مبارک میں ہمارا بیس دن رات قیام رہا۔آپ بڑے ہی رحم دل اور ملنسار تھے۔ جب آپ نے دیکھا کہ ہمیں اپنے وطن واپس جانے کا شوق ہے تو آپ نے پوچھا کہ تم لوگ اپنے گھر کیسے چھوڑ کر آئے ہو؟ ہم نے بتایا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اچھا اب تم لوگ اپنے گھر جاؤ اور ان گھر والوں کے ساتھ رہو اور انہیں بھی دین سکھاؤ اور دین کی باتوں پر عمل کرنے کا حکم کرو۔

امت محمد یہ کے ساتھ ولی الامر (حاکم ذمہ دار) کی رحمت ومہربانی:

ولی الامر سے اپنی رعیت کے ساتھ رحمت وشفقت برتنے کا مطالبہ ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ومن ولي من أمر أمتي شيئا فرفق بهم فارفق به، ومن ولي من أمر أمتي شيئا فشق عليهم فاشقق عليه''(متفق علیہ)

''اور جو آدمی میری امت کا کچھ بھی ذمہ دار ہو اور اس نے لوگوں کے ساتھ نرمی برتی تو تو بھی اس کے ساتھ نرمی کر۔ اور میری امت کا جو شخص کچھ بھی ذمہ دار ہوا اور اس نے لوگوں کے ساتھ سختی برتی تو تو بھی اس پر سختی کر''۔

ولایت وحکمرانی اسلام میں شرف وفضیلت کی چیز نہیں بلکہ یہ ایک بہت بڑی ذمہ داری اور امانت کا نام ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر! یہ ایک امانت ہے اور قیامت کے دن ندامت وشرمندگی بھی ہے الا یہ کہ کوئی اسے ایمان داری کے ساتھ قبول کرے اور اپنے اوپر عائد ذمہ داریوں کو کما حقہ انجام دے۔

صحابہ کرام ولایت وحکمرانی کا منصب امت کی دیکھ ریکھ اور خبر گیری کے لیے قبول کرتے تھے نہ کہ لوگوں کے دلوں میں اپنا رعب قائم کرنے کے لیے۔ انہیں ہر وقت حتی کہ اپنی خوراک وپوشاک اور سونے اور اٹھنے میں بھی اللہ کا ڈر لگا رہتا تھا۔ جب کہ آج کے زمانے میں صورت حال اس کے برعکس ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مدینہ کے کنارہ پر ایک بوڑھی اندھی عورت کی خبر گیری کرتے۔ اس کے پاس جاتے خود ہی اس کا پیشاب پائخانہ صاف کرتے، اس کے لیے کھانا پانی لاتے، پھر چلے جاتے۔ حضرت عمر بن خطاب نے دیکھا کہ کوئی ان کے آگے آ کر اس بوڑھی عورت کے تمام کام کر جاتا ہے تو سوچا کہ ذرا دیکھیں کہ اس کار خیر میں کون اس سے پہلے ہوتا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں اول شب میں گیا تو دیکھا کہ وہ حضرت ابوبکر ہیں جو اس وقت خلیفۃ المسلمین تھے۔ خلافت کے منصب جلیلہ پر فائز ہونے کے بعد بھی ان کی انکساری اور تواضع میں کوئی فرق نہیں آیا۔ بلکہ وہ اسی طرح اپنی رعایا کی خبر گیری اور دیکھ بھال کرتے رہے جیسے پہلے کرتے تھے۔

حیوان کے ساتھ اسلام کا رحم وکرم:

دین اسلام کی یہ خوبی ہے کہ اس نے حیوان تک کے ساتھ بھی رحمت وشفقت کا حکم دیا ہے اور انہیں تکلیف دینے اور ایذا پہنچانے سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ایک عورت ایک بلی کے تعلق سے جہنم میں داخل ہوئی جس کو اس نے باندھ رکھا تھا نہ اسے کھانا پانی دیتی تھی اور نہ ہی اسے چھوڑتی تھی کہ وہ چل پھر کر خود اپنا کھانا تلاش کرے یہاں تک کہ وہ مرگئی۔

آپ نے کسی حیوان کو باندھ کر تیر یا نیزہ کا نشانہ بنانے سے سختی سے منع کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص پر لعنت بھیجی ہے۔

اسی طرح تماشہ اور تفریح کے طور پر کسی جانور کو قتل کرنے کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: گوریا بھی قیامت کے دن اللہ سے حجت کرے گی۔ کہے گی کہ اے رب! فلاں نے مجھے یوں ہی مار ڈالا تھا۔

حتی کہ جانوروں کے ذبح کرنے میں بھی رحم کے پہلو کو محفوظ رکھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”إذا قتلتم فأحسنوا القتلة وإذا ذبحتم فأحسنوا الذبح، وليحد أحد کم شفرته وليرح ذبحته“

”جب تم قتل کروتو اچھی طرح قتل کرو (تاکہ تکلیف نہ ہو) اور جب تم ذبح کروتو اچھی طرح ذبح کرو اور چاہیے کہ تم میں سے ہر ایک اپنی چھری کو تیز کرلے اور اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچائے“۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بکری کو اپنے پاؤں کے نیچے لٹا کر اپنی چھری تیز کرتے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا: برا ہو تیرا! تو نے اسے دو بار مار دیا۔ تو نے اسے ذبح کے لیے لٹانے سے قبل ہی کیوں نہیں چھری تیز کرلی“۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما کو اپنے ایک غلام کو مارتے ہوئے دیکھ کر فرماتے ہیں:

”أتق من هو أقدر عليک“

”اس ذات سے ڈرو جو تم پر زیادہ قادر ہے“۔

اس لیے میرے بھائیو! اپنے اندر رحم کی صفت پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے دل کی قساوت وسختی کی بات پیش کرنے آیا، تو آپ نے اس سے فرمایا: یتیم کے سر پہ ہاتھ پھیرو اور مسکین کو کھانا کھلاؤ۔ تمہارے اندر رحمت ومہربانی پیدا ہوگی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

”من نفس عن مؤمن کربة من کرب الدنيا نفس الله عنه کربة من کرب يوم القيامة“

”جو کسی مومن کی کسی دنیوی مصیبت و پریشانی کو دور کرے گا، تو اللہ اس کی بہ روز قیامت کسی مصیبت و پریشانی کو دور کرے گا“۔

اور جو کسی عالم بزرگ کی عزت کرے گا، تو اللہ اس کی کبر سنی میں اس پر اسے متعین کردے گا جو اس کی عزت کرے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"بروا آباء کم، تبر کم أبناؤ کم" (مستدرک حاکم)

"اپنے والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، تمہارے بچے بھی تمہارے ساتھ اچھا برتاؤ کریں گے"۔

لوگ دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی اپنے باپ کو بازار میں مار رہا ہے تو لوگ سب باپ اور بیٹے کے بیچ حائل ہو جاتے ہیں۔ اس پر باپ لوگوں سے کہتا ہے کہ میرے بچے کو مجھے مارنے کے لیے چھوڑ دو کیونکہ میں نے بھی اپنے باپ کو یہیں پر مارا تھا۔ چنانچہ اللہ نے مجھ پر میرے بچے کو مسلط کر دیا ہے"۔

دوسرا خطبہ:

"إنَّ الحمد للّٰه، نحمده، و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادی له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريک له، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله" أما بعد!

اے اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو ہر ایک کے ساتھ حسب استطاعت رحم وکرم اور حلم وبردباری کے ساتھ پیش آؤ۔ پہلے اپنے اہل خانہ کے ساتھ نرمی برتو۔ اس کے بعد اپنے ماتحتوں، اپنے پڑوسیوں، اپنے ہم وطنوں اور اپنے ملازموں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"ليس منا من لم يرحم صغير نا ويعرف شرف كبيرنا" (ابوداؤد)

"وہ ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت

واحترام نہ کرے"۔

اسی لیے میرے بھائیو! ہمیں اللہ سے دعا کرنی چاہیئے کہ ہمارے دلوں میں رحمت وشفقت کا جذبہ پیدا فرمائے اور اپنے چھوٹوں پر رحم کرنے اور بڑوں کی عزت وتوقیر اور تمام مخلوقات کے ساتھ رحمت وشفقت کا معاملہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

نیک صحبت اور انسانی زندگی پر اس کا اثر

پہلا خطبہ:

"إنَّ الحمد للّٰه ،نحمده،و نستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، وسيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريك له،وأشهد أن محمداً عبده ورسوله" أما بعد!

اسلام دین فطرت ہے، چنانچہ وہ نا قابل تغیر فطرت کے بھی لائق ہے اور قابل تغیر کے بھی، اس لیے کہ وہ اس کا علاج ودوا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی متفق علیہ حدیث میں ہے:

"كل مولود يولد على الفطرة، وإنما أبواه يهودانه، وينصرانه ويمجسانه"

ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے مگر اس کے والدین اسے یہودی وعیسائی اور مجوسی بنادیتے ہیں۔

اسی طرح آدم علیہ السلام کے لیے حواء کو پیدا کیا گیا، تا کہ وہ اس سے سکون حاصل کریں، مگر اللہ نے اس کو اکیلا نہیں چھوڑا۔ فرمایا:

"هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا" (الأعراف:189)

”وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے جس نے تم کو جان واحد سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا تا کہ وہ اس سے اپنے جوڑے سے انس حاصل کرے“۔

اس فطرت کو اس فطرت سے جوڑنے اور جمعہ و جماعت، عیدین اور صلاۃ کسوف جیسی اسلامی تشریعات میں نمایاں مختلف مرکزی امور پر اس فطرت کو مرکوز کرنا اسلام کا خاص کام ہے۔ جماعت میں حاضر نہیں ہونے والوں کے گھر کو جلانے کے سلسلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادہ سے یہ بات واضح ہے۔ اور صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا ارادہ ہے کہ میں مؤذن کو اذان کا حکم دوں، پھر ایک آدمی سے لوگوں کو نماز پڑھانے کے لیے کہوں، اس کے بعد اپنے ساتھ لوگوں کو لے چلوں جن کے ساتھ لکڑیوں کی گٹھری ہو، پھر نماز با جماعت سے پیچھے رہنے والوں کے پاس جاؤں اور ان کے گھروں میں آگ لگا دوں۔

اسی طرح مسافر کو جماعت کے ساتھ سفر کی تاکید فرمائی اور سفر میں جماعت سے الگ رہنے والے کو شیطان کا نام دیا۔ جیسا کہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی مرفوع حدیث میں ہے: ایک سوار شیطان ہے اور دو شیطان ہیں، مگر تین سواروں کی جماعت ہے، اس حدیث کو امام مالک و ترمذی اور ابوداؤد و نسائی نے روایت کی اور علامہ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

اس زندگی کی ضروریات میں سے ایک آدمی کا اپنے لیے دوست کا اختیار و انتخاب بھی ہے تا کہ بھولنے پر وہ اسے یاد دلائے، یا غافل ہونے پر اسے متنبہ کرے، اور نہ جاننے پر اس کو سکھلائے۔ چنانچہ دوست اپنے ہم نشین و ساتھی کا عنوان و نشان ہوتا ہے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا:

عن المرء لاتسال وابصر خليله
وكل قرين بالمقارن يقتدي

إن كـان ذا شـر، فـجـانبـه سـرعة
وإن كـان خيـر أفـقـارنـه تهتـدي

''آدمی کے بارے میں مت پوچھو کہ وہ کیسا ہے، اس کے دوست کو دیکھ لو تو اس آدمی کے بارے میں بھی پتہ چل جائے گا۔ ہر دوست اپنے ساتھی کی ہی اقتدا کرتا ہے۔ اگر وہ دوست برا ہو تو جلد ہی اس سے دور ہو جاؤ اور اگر اچھا ہو تو اس کے ساتھ ملے رہو راستہ پالو گے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے اپنے دین و رسول اور مومنوں کو دوست بنایا اور یہی ایمان کا سب سے مضبوط بندھن ہے۔ اسی طرح ہمارے اوپر اللہ اور اس کے رسول کے خلاف ہر چیز سے براءت کو واجب قرار دیا ہے، مومنوں سے موالات کے وجوب سے متعلق فرمایا:

''إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ''(المائدۃ:55)

''(مسلمانو)! تمہارا دوست خود اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں جو نمازوں کی پابندی کرتے ہیں اور زکاۃ ادا کرتے ہیں اور وہ رکوع (خشوع و خضوع) کرنے والے ہیں''۔

''وَمَنْ يَتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُونَ''(المائدۃ:56)

''اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے اور مسلمانوں سے دوستی کرے، وہ یقین مانے کہ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی غالب رہے گی''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''لَا تَجِدُ قَوْماً يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَآدُّونَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَآءَهُمْ أَوْ أَبْنَآءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ

عَشِيْرَتَهُمْ "(المجادلۃ:22)

"اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائیں گے، گو وہ ان کے باپ ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے کنبہ (قبیلے) کے (عزیز) ہی کیوں نہ ہوں"۔

علامہ شنقیطیؒ فرماتے ہیں کہ: یہ آیت کریمہ لفظ خبر کے ساتھ وارد ہوئی ہے، مگر مراد انشاء ہے۔ اور وہ ہے اللہ کے دشمنوں سے دوستی نہ کرنے کا تاکیدی حکم ہے۔ انشاء لفظ خبر کے ساتھ بہت پختہ و مؤکد ہوتا ہے، بالمقابل انشاء کے ذریعہ خبر کو لانے کے۔ اس آیت میں اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کی بڑی سخت ممانعت ہے۔ اور دوسری آیت میں ارشاد ہے:

"قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيٓ إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ إِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ أَبَداً حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ "المحتحنۃ:4)

"(مسلمانو)! تمہارے لیے حضرت ابراہیم میں اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے، جب کہ ان سب نے اپنی قوم سے برملا کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں۔ ہم تمہارے (عقائد کے) منکر ہیں جب تک کہ تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لاؤ"۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

"مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ "(الفتح:29)

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں، کافروں پر سخت ہیں آپس میں رحم دل ہیں"۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

''یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَأْتِیْ اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ أَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ أَعِزَّةٍ عَلَی الْکَافِرِیْنَ''(المائدۃ:54)

''اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو لائے گا جو اللہ کی محبوب ہوگی اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتی ہوگی، وہ نرم دل ہوں گے مسلمانوں پر اور سخت اور تیز ہوں گے کفار پر''۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

''وَلْیَجِدُوْا فِیْکُمْ غِلْظَةً''(التوبۃ:123)

''اور ان کو تمہارے اندر سختی پانا چاہیے''۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

''یَآ أَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنَافِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ''(التوبۃ:73)

''اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد جاری رکھو، اور ان پر سخت ہو جاؤ''۔

اب تو ان آیتوں کے معنی ومفہوم کی روشنی میں نیک صحبت کو اپنانا اور بری صحبت سے بچنا واجب ہے۔

دوسرا خطبہ:

"إنَّ الحمد للّٰہ ،نحمدہ،و نستعینہ، ونستغفرہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا، وسیئات أعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ، ومن یضلل فلا ھادی لہ، وأشھد أن لا إلہ إلا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ،وأشھد أن محمداً عبدہ ورسولہ" أما بعد!

عقلمند آدمی برے ساتھیوں کی صحبت سے اسی طرح بھاگتا ہے جیسے شیر سے بھاگا جاتا

ہو۔ کیوں کہ ان کے اندر کوئی خیر وبہتری نہیں ہوتی اور ایسے لوگوں کی صحبت میں بیٹھنے والا انہی کی طرح بگڑ جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلاً ،يَا وَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ أَتَّخِذْ فُلَاناً خَلِيْلاً ، لَقَدْ أَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَآءَنِيْ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنسَانِ خَذُوْلاً ''(الفرقان:29-27)

''اوراس دن ظالم شخص اپنے ہاتھوں کو چپا چبا کر کہے گا ہائے کاش کہ میں نے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی راہ اختیار کی ہوتی ، ہائے افسوس کاش کہ میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا، اس نے تو مجھے اس کے بعد گمراہ کر دیا کہ نصیحت میرے پاس آ پہنچی تھی اور شیطان تو انسان کو (وقت پر) دغا دینے والا ہے''۔

علمائے تفسیر کے نزدیک مشہور بات یہ ہے کہ جس ظالم کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی وہ عقبہ بن ابی معیط ہے۔ اور جس شخص نے اسے ذکر سے دور رکھا وہ امیہ بن خلف یا اس کا بھائی ابی بن خلف ہے۔ اور بعض نے بیان کیا ہے کہ ایک صحابی کی قراءت کے مطابق ''ليتني لم اتخذ ابي خليلا '' یہ قراءت نہیں بلکہ تفسیر کے قبیل سے ہے۔ بہر حال عموم الفاظ کا اعتبار ہوگا نہ کہ خصوص اسباب کا، چنانچہ کفر میں جو ظالم اپنے دوست کی اطاعت کرے گا حتی کہ اسی حالت میں مر جائے تو ابن ابومعیط جیسا حال وانجام اس کا بھی ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک صحبت کی ترغیب اور بری صحبت سے گریز واجتناب کو ایک مثال کے اندر جمع کر دیا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیک اور برے دوست کی مثال مشک بردار بھٹی پھونکنے والے کی طرح ہے۔ چنانچہ مشک بردار یا تو تمہیں خوشبو دے گا یا تم اس کی بدبو ہی پاؤ گے۔ (بخاری ومسلم)

مہلب نے کہا کہ اس حدیث میں نیک ہم نشینی کی برکت کا ذکر اور اس کے خیر کا تذکرہ اور زیادہ سے زیادہ عمل صالح کرنے کی تاکید ہے۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء کی ہم نشینی اور حلقہ ذکر میں شرکت کا حکم فرمایا ہے۔ نیز نیک ہم نشینی کی عطار کی صحبت سے تشبیہ دی ہے کہ اگر وہ تمہیں عطر نہیں بھی دے گا تب بھی تم اس کی خوشبو سے محروم نہیں رہو گے۔

اپنے لڑکے کے لیے حضرت لقمان کی نصیحت دیکھیے: اے بیٹے! علماء کی صحبت میں بیٹھو اور اپنے گھٹنے ان کے سامنے ٹیک کر بیٹھو۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نور وحکمت سے دلوں کو زندہ کرتا ہے جیسے بنجر زمین کو بارش سے زندہ کر دیتا ہے۔ اور ایک دفعہ انہوں نے کہا تھا کہ ہوسکتا ہے کہ ان کو رحمت ملے تو تم کو بھی ان کے ساتھ ملے۔ یہ ہے اہل علم وفضل کی ہم نشینی کا ثمرہ۔

اور عینی نے بعض علماء کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ اس میں جس شخص کی صحبت سے تمہارے دین ودنیا کو فائدہ پہنچے اس کی ہم نشینی کی رہنمائی ہے۔ کیوں کہ انسان جب آخرت کی یاد دلانے والے کی صحبت میں بیٹھے گا تو ضروری ہے کہ حسب توفیق الٰہی اس سے کچھ اس کو ملے ہی۔ اس سے مقصود دراصل دین ودنیا میں نقصان پہنچانے والے کی ہم نشینی سے ممانعت اور دونوں جہان میں جس کی ہم نشینی مفید ہو اس کی صحبت میں بیٹھنے کی ترغیب ہے۔ کسی نے خوب کہا:

برے دوست سے بچو اور اس سے تعلق ختم کرو
اگر اس سے چارہ نہ ہو تو پھر دور ہٹ کر رہو
نیک دوست کے ساتھ رہو، اور اس سے لڑنا چھوڑ دو

جب تک تم اس سے نہیں جھگڑو گے اس کی سچی محبت تم کو ملتی رہے گی۔ جو بھلائی کا کام نااہل کے ساتھ کرے گا وہ اس کو رائیگاں ہی جانے دے گا، کوئی فائدہ نہیں۔ جنت اگرچہ بڑی وسیع وعریض ہے مگر وہ ان گنت ناگواریوں سے ڈھکی ہوئی ہے۔

"خاتمہ"

اے میدان خطابت کے شہسوارو! یاد رہے کہ یہ امت تمہارے سامنے ایک امانت ہے، آپ اپنے مقام پر ہیں، آپ جہاں کہیں بھی ہیں آپ اسلام کی سرحدوں میں ایک سرحد پر کھڑے ہیں، ڈر ہے کہ آپ کی جانب سے اس سرحد کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔

آپ اچھی طرح واقف ہیں کہ امت کی تعمیر میں خطبہ کا کیا رول ہوتا ہے۔ آپ نے اس کے سنن وواجبات، شروط وارکان اور احکام ومسائل میں سے ایک قسط حاصل کرلیا ہے۔ آپ کے لیے اب طرز القاء کے عمدہ عناصر، کامیاب خطیب کے اچھے اوصاف ظاہر ہو چکے ہیں۔ اور خطبہ سے ہٹ کر ایک عملی انداز میں اس کو بیان کر دیا گیا ہے۔ اور پریکٹیکل نمونہ بھی دے دیا گیا۔ اب اس کے بعد آپ پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس سے آپ اچھی طرح واقف ہیں۔

آپ پر ضروری ہے کہ اس میدان خطابت کو اپنی بہادری، شجاعت عمل، حکمت اور عمل ومتابعت سے اپنے قابو میں کرلیں۔ اس لیے کہ یہ میدان آپ کا فیلڈ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے:

"کہہ دیجیے کہ تم عمل کیے جاؤ تمہارے عمل اللہ خود دیکھ لے گا اور اس کا رسول اور ایمان والے (بھی دیکھ لیں گے) اور ضرور تم کو ایسے کے پاس جانا ہے جو تمام چھپی اور کھلی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ سو وہ تم کو تمہارے سب کیا ہوا بتلا دے گا"۔ (التوبۃ: 105)

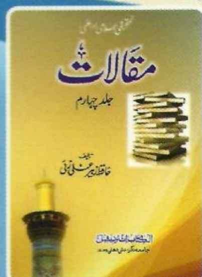
آپ کو اچھی طرح معلوم ہونا چاہے کہ یہ کتاب ایک زینہ ہے اور سمندر کی ایک بوند ہے۔ ہم نے آپ کو راستہ کے آغاز پر لا کھڑا کر دیا ہے۔ اور اب جوں جوں دن گزرتے

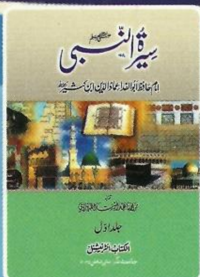
جائیں گے آپ کے علم میں اضافہ ہوتا جائے گا اور ایک اچھے مشن کے لیے یہ ایک اچھی تیاری ہے۔

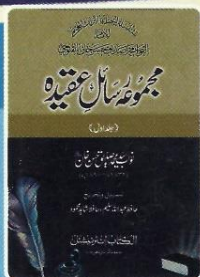
گزشتہ زمانوں میں اسلام بہت سارے ملکوں میں اچھی باتوں اور اور اچھے اخلاق کے ذریعہ ہی پھیلا ہے۔ اور یہاں کتنے ایسے آدمی ہیں کہ جن کے پیچھے ایک امت ہے اور اس سے پہلے ایک آدمی کی وجہ سے تاریخ میں کتنا انقلاب آچکا ہے، جب اس نے عظیم ذمہ داری کو قبول کیا اور کاوش وجدوجہد سے کام لیا تو کامیابی نے ان کے قدموں کو بوسہ دیا ہے۔ اس نے سستی اور تھکان کو قریب بھٹکنے نہ دیا۔ رات ودن دعوت میں سرگرم رہا۔ ہر جگہ، ہر مکان اور ہر وقت اس نے پوشیدہ واعلانیہ طور پر حق کا کلمہ بلند کیا، نہ خوف نے اس کو متاثر کیا، نہ ناامیدی نے اس کو مضمحل کیا۔ یہاں تک کہ اسلام کی خدمت اور لوگوں کی رہنمائی کرنا اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن گئی۔ ایسے ہی جفاکش اور مخلص بندوں کی وجہ سے اللہ کے بندوں اور اللہ کی زمین پر سورج ازسرنو طلوع ہوتا ہے اور وہاں سے سرفرازی وسربلندی عطا ہوتی ہے۔

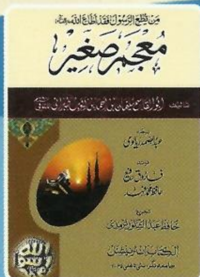
اللہ سے دعا ہے کہ وہ میرے بھائی خطیب کے علم، عمل اور تقویٰ میں زیادتی فرمائے، اور ہمیں اور آپ کو اپنی اطاعت کی توفیق بخشے، اور حتی المقدور اس امانت کو ہمیں اپنے کندھے پر اٹھانے کی توفیق وہمت عطا فرمائے۔ آمین۔

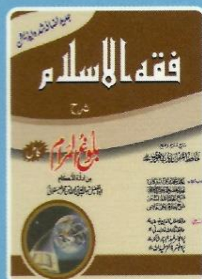
Rehbar-e-Khitabat

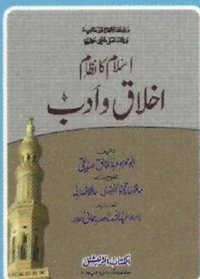


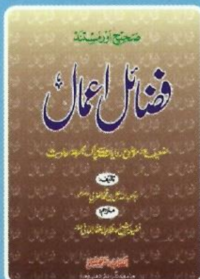


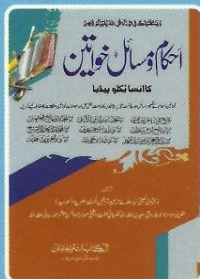


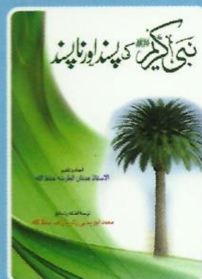


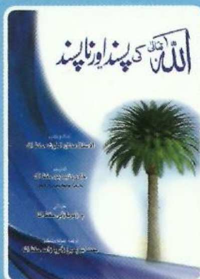


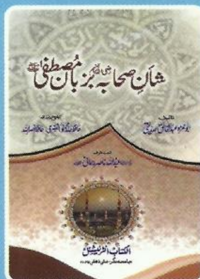


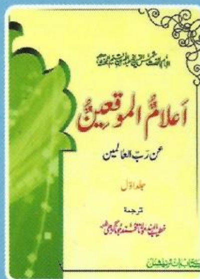




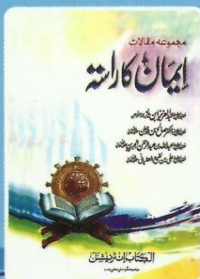


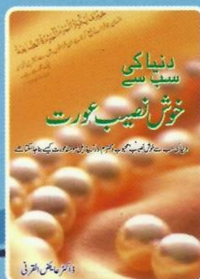


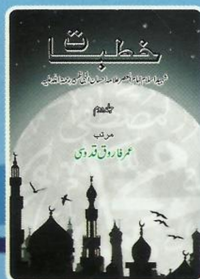












Al-Kitab International الکتاب انٹرنیشنل
Jamia Nagar, New Delhi-25
Ph.: 26986973 M. 9312508762